تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّہ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّہ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

جلد ۲۸

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن ، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون ۷۶۵۵۷۷۲ ، ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ——— فتاوٰی رضویہ جلد ۲۸

تصنیف ——— اعلیٰحضرت شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

فیضانِ کرامت ——— مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

سرپرستی ——— صاحبزادہ مولانا محمد عبدالمصطفٰے ہزاروی ناظم اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور وشیخوپورہ

اہتمام ——— صاحبزادہ مولانا قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشرواشاعت " " " "

ترجمہ عربی وفارسی عبارات ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور وشیخوپورہ

پیش لفظ ——— " " " " " " " " " "

ترتیب فہرست ——— " " " " " " " " " "

تخریج وتصحیح ——— مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا غلام حسن، مولانا حافظ محمد شہزاد ہاشمی

کتابت ——— محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ——— مولانا محمد منشا تابش قصوری صدر مدرس وانچارج شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

صفحات ——— ۶۸۴

اشاعت ——— ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ / جنوری ۲۰۰۵ء

ناشر ——— رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

مطبع ———

قیمت ———

ملنے کے پتے

○ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
۰۳۰۰-۹۴۱۵۳۰۰ / ۷۶۶۵۷۷۲

○ مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

○ شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائرِ فقہیہ کو جدید انداز میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرِ عام پر لانے کے لئے مفتی اعظم پاکستان، شیخ الحدیث، قدوۃ العلماء، حضرت علامہ مولٰنا مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی علیہ الرحمہ کی زیرِ سرپرستی، دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہُوا تھا وُہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہُوئے اپنے اہداف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ (۱۳۲۶ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج و ترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہٗ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً پندرہ سال کے مختصر عرصہ میں اٹھائیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل شائع ہونے والی ستائیس جلدوں کے مشمولات کی تفصیل سنینِ اشاعت، کتب و ابواب، مجموعی صفحات، تعدادِ سوالات و جوابات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد نمبر	عنوانات	جواباتِ اسئلہ	تعداد رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ — مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	〃	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ — نومبر ۱۹۹۱	۷۱۰
۳	〃	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ — فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	〃	۱۲۵	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ — جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴ — ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	〃	۴۵۷	۴	ربیع الاول ۱۴۱۵ — اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	〃	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ — دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	〃	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ — جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ — اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاول ۱۴۱۷ — اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ — مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب النکاح، کتاب الطلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ — نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ — مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر	۳۳۹	۷	جمادی الاخرٰی ۱۴۱۹ — ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	〃	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ — اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴

۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۲۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ — ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۲۰ — فروری ۲۰۰۰	۷۱۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ — جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الہبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ — فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الغصب، کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعۃ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیہ	۲۳۴	۳	صفر المظفر ۱۴۲۲ — مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر و الاباحۃ	۱۹۱	۹	ربیع الاول ۱۴۲۳ — مئی ۲۰۰۲	۷۶۶
۲۲	〃 〃 〃	۲۴۱	۶	جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ — اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	〃 〃 〃	۴۰۹	۷	ذوالحجہ ۱۴۲۳ — فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	〃 〃 〃	۲۸۴	۹	ذوالحجہ ۱۴۲۳ — فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرہن، کتاب القسم، کتاب الوصایا۔	۱۸۳	۳	رجب المرجب ۱۴۲۴ — ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸
۲۶	کتاب الفرائض، کتاب الشتی حصہ اول	۳۲۵	۸	محرم الحرام ۱۴۲۵ — مارچ ۲۰۰۴	۶۱۶
۲۷	کتاب الشتی حصہ دوم	۳۵	۱۰	جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ — اگست ۲۰۰۴	۶۸۴

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وُہی تھی جو معروف و متداول کتبِ فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ جلدوں (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابوابِ فقہ سے عدمِ مطابقت کی وجہ سے محلِ نظر تھی۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرستِ اعلیٰ محسنِ اہلِ سنّت

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اکابر علماء و مشائخ نے استشارہ واستفسار کے بعد ارکینِ ادارہ نے فیصلہ کیا تھا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ قدیم کی ترتیب کے بجائے ابوابِ فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے نیز اس سلسلہ میں بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیقِ انیق کو بھی ہم نے پیشِ نظر رکھا اور اس سے بھرپور راہنمائی حاصل کی۔

عام طور پر فقہ و فتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیہ پر ہوا تھا لہذا اکیسویں جلد سے مسائل حظر و اباحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظر والاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم، وصایا اور فرائض پر مشتمل پچیسویں، چھبیسویں جلد منصۂ شہود پر آئی۔ باقی رہے مسائل کلامیہ و دیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث و فتاوائے اعلٰحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم و دوازدہم میں غیر مبوب وغیر مرتب طور پر مندرج ہیں ان کی ترتیب و تبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظرِ عنایت، اعلٰحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے روحانی تصرف و کرامت سے راقم حقیر نے یہ گھاٹی بھی عبور کرلی اور کتاب الحظر والاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پروکر مرتبط و منضبط کر دیا ہے وللہ الحمد۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائلِ کلامیہ و متفرقہ کو کتاب الشتّٰی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال و استفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے نہ کہ جوابات میں مذکور مباحث کا۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر سوال کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم و دوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو اُن کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(ھ) رسائل کی ابتداء اور انتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتّٰی کے ابواب سے متعلق اعلٰحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے اُن کو بھی موزوں و مناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔

(ز) تبویبِ جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے لہذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتب کرنا پڑی۔

(۷) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل ومفصل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

اٹھائیسویں جلد

یہ جلد ۲۲ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے سوائے رسالہ الزلال الانقی، شمائم العنبر اور تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ کے کہ ان میں سے اول الذکر کا ترجمہ جانشین مفتی اعظم، فقیہ اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب بریلوی ازہری دامت برکاتہم العالیہ اور ثانی الذکر کا ترجمہ بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ اور آخر الذکر کا ترجمہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جبکہ فتاوٰی کراماتِ غوثیہ پر حواشی حضرت علامہ مولانا محمد جلال الدین قادری کے تحریر کردہ ہیں۔

پیشِ نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشتی حصہ سوم کے ابواب، اذان، نماز، مساجد اور فضائل ومناقب پر مشتمل ہے تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، لہذا مذکورہ بالا بنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی تیار کر دی گئی ہے تاکہ قارئین کو تلاشِ مسائل میں سہولت رہے۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر (۱۳۳۲ھ)
مسجد کے اندر اذانِ خطبہ کے عدمِ جواز پر انتہائی محققانہ بحث

(۲) فتاوٰی کراماتِ غوثیہ
غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شبِ معراج بارگاہِ رسالت میں حاضری سے متعلق تین سوالوں کے جواب

(۳) الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (۱۳۰۰ھ)
افضلیتِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بیان

(۴) طرد الافاعی من حمی ھاد رفع الرفاعی (۱۳۲۶ھ)
سیدنا امام احمد رفاعی اور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظمت کا بیان

(۵) تنزیه المکانة الحیدریة عن وصمة عہد الجاہلیة (۱۳۱۲ھ)
اس امر کا بیان کہ سیدنا حضرت صدیق اکبر اور سیدنا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا دامن ہمیشہ نجاستِ شرک سے پاک رہا۔

(۶) غایة التحقیق فی امامة العلی والصدیق (۱۳۳۱ھ)
حضرت صدیقِ اکبر و حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا بیان

ضروری بات

گو مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ کے وصال پُر ملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابلِ برداشت صدمہ سے دُوچار ہونا پڑا مگر یہ اس سراپا کرامت وجودِ باجُود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزند ارجمند حضرت علامہ مولانا محمد عبد المصطفٰے ہزاروی مدظلہ العالی جو علومِ دینیہ وعصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ کی علمی وتجرباتی وسعتِ فراست کے وارث و امین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب و روز ایک کئے ہوئے ہیں۔ فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ کے نقوشِ جمیلہ پر گامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسبِ معمول سالانہ دُو جلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہورہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہیے تاکہ حضرت مفتیِ اعظم علیہ الرحمہ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخُوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔ فقط۔

ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
جنوری ۲۰۰۵ء

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

فہرست مضامین مفصّل

اذان، نماز، مساجد

2

فضائل ومناقب

Sain R-01

فہرست ضمنی مسائل

عقائد وکلام

سیرت و فضائل سید المرسلین

فوائدِ تفسیریہ

فوائدِ حدیثیہ

فوائدِ فقہیہ

افتاء

فوائدِ اصولیہ

اسماءُ الرجال

جرح وتعدیل

بلاغت

لُغت

نحو

منطق

ترغیب و ترہیب

ہندسہ

تاریخ و تذکرہ

☆ ☆ ☆

کتاب الشتّی (حصّہ سوم)

اذان و نماز و مساجد

مسئلہ ۱ از جونا مارکیٹ کراچی بندر مرسلہ حضرت سید پیر ابراہیم صاحب مدظلہ الاقدس ۱۵ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر غیر منکوحہ عورت سے لڑکا تولد ہوا اور قضائے الٰہی سے فوت ہوا اس کی قبر پر خانقاہیں بنانا اور واسطے مرادوں کے دعا مانگنا اور صاحب القبر کو اولیا قبول کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟ اگر ایسا شخص صفتِ بالا میں متصف ہے اور مسجد میں امام ہے تو ہزاروں مقتدیوں کو تحقیق واقعات بالا کے نماز قبل از تحقیقات کا اعادہ کرنا افضل ہے یا نہیں؟

الجواب

جو شخص فاسق و فاجر ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے پھر اگر فاسق معلن ہے تو کراہت تحریمی ہے اور اعادہ واجب، ورنہ تنزیہی، اور اعادہ بہتر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲ از موضع چاندپور ڈاکخانہ بمنوئی تحصیل سکندرہ راؤ ضلع علیگڑھ مسئولہ مرزا احسان بیگ صاحب زمیندار ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

بعد سلامِ مسنون معروضِ خدمت ہوں کہ نماز غفیرا کی بابت میں ذکر الشہادتین دیکھا ہے کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یزید کو واسطے مغفرت کے بتائی تھی مجھے اس نماز کی تلاش ہے میں پڑھنا چاہتا ہوں، براہِ مہربانی اس مسئلہ پر التفات مبذول فرما کر ترتیبِ نماز سے

اطلاع دیجئے۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ روایت محض بے اصل ہے، حضرت نے کوئی نماز اس پلید کی مغفرت کے لئے اس کو تعلیم نہ فرمائی۔

مسئلہ ۳۳ از اسپتال دھام نگر ضلع بالیسر اوڑلیسہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک شاہ صاحب نے اپنے ایک مرید کو خلیفہ بنایا ہے وہ مرید بظاہر پابندِ شریعت ہے ذکر واذکار کا پابند ہے آپ کے عقیدہ ہے اور آپ کا مداح ہے علم انگریزی میں اچھی دخل ہے، مسائل شریعت سے بھی واقفیت ہے، سب باتیں صحیح ہیں لیکن وہ ولد الزنا ہے۔ اب حضور والا سے عرض ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہ؟ اور بیعت جو ہوگا وہ عند الطریقت صحیح ہے یا نہ؟ اور جو ولد الزنا کو خلیفہ بنادے وہ شاہ صاحب کیسے ہیں؟ اب خلیفہ سے جو مرید ہوا یا شاہ صاحب، دونوں مرید صحیح ہیں یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ولد الزنا کے پیچھے نماز مکروہِ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ ہے جبکہ وہ حاضرین سے علم میں زائد نہ ہو ورنہ اُسی کی امامت اولیٰ ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الاختیار ولو عدمت ای علۃ الکراھۃ بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولد الزنا من ولد الرشدۃ والاعمٰی من البصیر فالحکم بالضد اھ ونحوہ فی شرح الملتقی للبھنسی وشرح درر البحار[1]

اختیار میں ہے کہ جب کراہت کی علت معدوم ہوجائے یعنی دیہاتی شہری سے، غلام آزاد سے، ولد الزنا ثابت النسب سے اور اندھا بینا سے افضل ہوجائے تو حکم برعکس ہوگا اور شرح ملتقی۔ اور درر البحار میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

یونہی اگر وہ لائقِ خلافت ہے اُسے خلافت دینی اور عقیدت کے ساتھ اسکے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں، نہ اُس پر نہ اُس کے شیخ پر اس میں کچھ الزام قال اللہ تعالٰی لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی[2] (کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ ت)۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۷۶

[2] القرآن الکریم ۶/۶۴

رسالہ

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

(منبر کے سامنے نداء کے بیان میں عنبر کے شمامے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اذان من اللہ الحق المبین ، ان الحمد للہ رب العٰلمین ، وافضل الصلوات واعلی التسلیمات علیٰ من اذن باسمہ الکریم فی اطباق السمٰوٰت والارضین ، وسیؤذن بحمدہ العظیم ، ووصفہ الفخیم علیٰ رؤس الاولین والاٰخرین ، یوم الدین ، وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وابنہ الکریم الغوث الاعظم وسائر حزبہ اجمعین ، اٰمین !

حمد اس وجہ کریم کو جس کا یہ اعلان ہے کہ سب تعریفیں میری ذات کے لئے ہیں ، اور افضل ترین درود و سلام اس ذاتِ گرامی پر جن کے نام نامی کا اعلان اللہ تعالٰی نے آسمانوں کی بلندیوں اور زمینوں کی پستیوں میں فرمایا ، اور روزِ قیامت کی بھیڑ میں اولین و آخرین سے منتخب فرما کر آپ کو اپنی مخصوص حمد و ثنا کی اجازت اور اذن دے گا ۔ اور آپ کی آل و اصحاب پر اور آپ کے فرزند غوثِ اعظم پر ، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ساری اُمت پر ۔ آمین !

وبعدُ: فهذه سطور ان عدّت يسيرة و بيزة، وفيها علوم ان شاء الله عزيزة عزيزة فى بيان ما هو السنة فى اذان الخطبة يوم الجمعة سميتها "شمائم العنبر فى ادب النداء امام المنبر" والغرض بيان ما ظهر من حقائق نير الحديث الجلى و الفقه الحنفى معروضة على ساداتنا علماء اهل السنة فى بلاد الاسلام للاستعانة بهم فى احياء سنة نبينا الكريم عليه وعلى آله افضل الصلوة والتسليم۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد، یہ چند سطریں ہیں بظاہر تھوڑی اور مختصر، مگر ان میں اذانِ خطبہ سے متعلق علوم و فنون کا سمندر سمٹا ہوا ہے۔ ہم نے جس کا نام "ندائے منبر کے آداب میں عنبر کے شمامے" رکھا جس سے ہمارا مقصد حدیث رسول صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور فقہ حنفی سے روشن ہونے والے تابناک حقائق کو جملہ علمائے اہلسنت عموماً اور خصوصاً علمائے حرمین شریفین کی خدمات عالیہ میں پیش کرنا ہے (اللہ تعالٰی انھیں توفیقِ خیر عطا فرمائے اور قیامت تک ان سے مذہبِ حق کی حفاظت و حمایت کا کام لے) تاکہ ہم رسولِ انام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک مُردہ سنّت کی احیاء میں ان سے مدد حاصل کریں۔

والعبد الذليل عائذ بجلال وجه ربه الجليل، وجمال محيا حبيبه الجميل عليه وعلى آله الصلوات بالتبجيل من كل عين لا تنظر بالانصاف وتقوم بالخلاف على قدم الاعتساف فضلا عمن يخلد فى ارض اتباع الرواج، وتقدمه على سنة صاحب التاج والمعراج صلى الله تعالٰى عليه وسلم، وعلى آله وصحبه وشرف وكرم۔

یہ بندہ عاجز اپنے جلیل و بزرگ پروردگار کے وجہ کریم کے جلال اور اس کے حبیب لبیب کے چہرۂ جمیل کی پناہ ڈھونڈتا ہے ایسی آنکھوں سے جو انصاف کو نہ دیکھ سکیں۔ اور ظلم و اختلاف کا ارادہ رکھیں۔ نہ کہ وہ جو رسم و رواج کی پابندی میں ثابت قدم ہوں اور حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنّت کریم پر اس کو ترجیح دیں۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم

ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم

يقول العبد المستعين بربه العظيم وهو نعم المعين، ثم بحبيبه الكريم وهو

بندہ اپنے ربّ عظیم سے مدد مانگتے ہوئے (کہ وہی اچھا مددگار ہے) پھر اپنے حبیب رؤف و امین

نعم الامین ؛ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و
علیٰ اٰله وصحبه اجمعین حامدًا و مسلمًا
و مشهدًا و مصلیًا۔
قد علمتم یا سادتی و اخوتی رحمنا الله
تعالیٰ وایاکم ؛ و بالسلامة حیانا
و حیاکم ، ان خیر الحدیث کتاب
الله و خیر الهدی هدیُ محمد
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ، و شر
الامور محدثاتها ؛ وان المعروف
معروف وان صار منکرا ، والمنکر
منکر وان صار معروفا ۔ فلربما یحدث
حدث ویشیع وینکر علیه بدء فیضیعُ
إما لامر الامارة اونفوس امارة ۔
والعالم یقول الهوی متبع والقول
لایسمع وقد قضیت ما علیّ فان سکتُّ فلا علیّ ؛
فیدع ، فلا یدعو ، فالمنکر یربو و
یفشو، وتنشؤ الصغار ، فتقتفی
الکبار ، فیظنُّ متوارثا ۔
وما کان الا حادثا ، و
آیة ذلك کونه علیٰ خلاف
السنة المرویة ، ومناواة
الخصلة المرضیة و مع
ذلك اذا فتشته فی الصدر
الاول ، والقرون الاول لم تر
له اثرا ۔ وان سألت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین کی حمایت
چاہتے ہوئے، حمد وصلاۃ سلام وتشہد پڑھتے
ہوئے، عرض پرداز ہے۔
اے ہمارے سردارو، اور بھائیو! اللہ تعالےٰ
ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے، اور ہم سب کو سلامتی
کے ساتھ زندہ رکھے آپ خوب جانتے ہیں کہ
تمام باتوں سے بہتر خدا کی کتاب ہے اور تمام
سیرتوں سے برتر سیرتِ رسول ہے صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور سب چیزوں سے بُرے وہ
نوایجاد ہیں (جن کی دلیل قرآن وحدیث سے نہ ہو)
پسندیدہ چیز پسندیدہ ہی رہے گی چاہے لوگ
اسے ناپسند کریں، اور ناپسندیدہ چیز ناپسندیدہ ہی
رہے گی چاہے سب لوگ اس میں مبتلا ہوں۔
بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کی سرگزشت یہ ہے
کہ پیدا ہو کر پھیل جاتی ہیں۔ اہلِ حق اس پر نکیر
بھی کرتے ہیں لیکن یہ رَدّ وقدح ضائع ہو جاتی
ہے، جس کے چند اسباب ہوتے ہیں (۱) ان
نوایجاد امور کی اشاعت کے لئے حکومت اپنا
اثر ورسوخ استعمال کرتی ہے (۲) سرکش نفوس
اسے رواج دینے پر آمادہ ہوتے ہیں (۳) علماء
جو انھیں روک سکتے تھے ان کا خیال ہوتا ہے
لوگ اتباعِ نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات
سُننے کو تیار نہیں۔ اور ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا
حق ادا کر چکے ہیں۔ اب خاموش بھی رہیں تو ہم پر
کوئی ذمہ داری نہیں۔ عالم یہ سوچ کر رُشد وہدایت

متى حدث، ومن احدث لم تجد به خبرًا فيجعل الناس لعدم العلم ببدئه علمًا بعدمه و علمًا على قدمه، وما اليه سبيل، مع خلاف الدليل، وانما تحكيم الحال عند الاحتمال والا فالحادث لاقرب اوقاته ولغفلة الناس عن هذا البناية تفوه الألسنة انه السُّنّة، وتصير النفوس اليه مطمئنة و عند ذلك يكون المعروف منكرًا والمنكر معروفًا[1] كما في حديث[عله] عن المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم ويكذب الصادق ويصدق الكاذب[2] كما قد صح[عله٢].

چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہی پھیلتی رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے۔ چھوٹے لوگ اسے بڑھاوا دیتے ہیں اور بڑے لوگ ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور لوگ انھیں متوارث سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک نوپید بات ہوتی ہے، اس کے نوزائیدہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سنّت مرویہ کے خلاف اور خصائل حمیدہ کی ضد ہوتی ہے، اور اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا کہیں پتا ہی نہیں ہوتا۔ اسکی ایجاد کے وقت اور موجد کا پتا پوچھا جائے تو کچھ پتا ہی نہیں چلتا۔ لوگ اس لاعلمی کو اس بات کا ثبوت مان لیتے ہیں کہ یہ شروع سے ہی ایسے ہی ہو رہی ہے حالانکہ نہ تو تاریخ اس کی تائید میں ہوتی ہے نہ دلیل۔ سوائے اس امر کے پتا نہیں کب سے ایسا ہی ہو رہا ہے، لوگوں کی طبیعتیں اس درجہ خود فراموش واقع ہوئی ہیں کہ بہت سے قریب العہد نوپیدا امور کی تاریخ بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں رہتی۔ اور لوگ اسی کو سنّت سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اس وقت بُرائی اچھائی بن جاتی ہے اور اچھائی بُرائی۔ حدیث شریف میں ہے اچھے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگتا ہے۔

عله رواه ابن عساكر عن محمد بن الحنفية والمسعودي عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ١٢ منه

عله٢ رواه ابن ابي الدنيا والطبراني في الكبير وأبونصر السجزي في الابانة و

عله ابن عساکر نے محمد بن حنفیہ اور مسعودی سے انھوں نے حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا۔ (ت)

عله٢ ابن ابی الدنیا، اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام ابونصر سجزی نے کتاب الابانۃ میں، امام

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۶۹۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/۲۶۲ [2] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸ ۹/۲۹۳

عن سید الاطائب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن القی علیھم السُّنّة فکانما یحول جبلة او یحاول جبلا او یبتدع حکما من عندہ قبلاً۔

حضور سیدِ عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح حدیث بھی مروی ہے: "توجو انھیں کسی سُنّت پر لاجائے گویا ان کی فطرت بدل رہا ہے یا پہاڑ منتقل کرنے کا قصد کر رہا ہے یا اپنے پاس سے کوئی حکم گھڑ رہا ہے۔

و ان القلب اذا امتلأ بشیئ لم یکد یقبل غیرہ لداب مستمر، فان

اور دل میں جب کوئی بات سما جاتی ہے تو آدمی اپنی عادت جاریہ کے خلاف کچھ قبول ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابن عساکر فی تاریخ دمشق عن أبی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند لاباس بہ، والطبرانی فیہ والحاکم فی الکنی وابن عساکر عن عوف بن مالک الاشجعی والطبرانی فیہ والبیہقی فی البعث وابن النجار عن ابن مسعود والطبرانی فیہ عن ام المومنین ام سلمہ ونعیم ابن حماد فی الفتن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ولفظة حدیث ام المومنین لیاتین علی الناس زمانٌ یکذب فیہ الصادق ویصدق فیہ الکاذب الحدیث وھو قطعة احادیث عندھم جمیعا ۱۲ منہ

ابن عساکر نے تاریخ دمشق حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لاباس بہ سند کے ساتھ اس کو روایت کیا۔ طبرانی نے کبیر میں، حاکم نے کنی میں اور ابن عساکر نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے کبیر میں اور امام بیہقی نے بعث میں اور ابن نجار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، اور نعیم بن حماد نے "فتن" میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے (اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی) ام المومنین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق ویصدق فیہ الکاذب الحدیث۔ اور یہ سب کے نزدیک حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ ۱۲ منہ

لہ المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۹/۲۹۳

قرأ لم يجاوز التراقي او سمع لم يجاوز الأذن وما بلغ الأمر وانما قال له ربه وقوله الحق ووعده الصدق فبشر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه اولٰئك الذين هدٰهم الله و اولٰئك هم اولوا الالباب[1]

فالسبيل الاستماع ثم الانتفاع ثم الاتباع، لا ان يقنع ولا يسمع، او يكون من الذين سمعوا وهم لا يسمعون فهم بالقرآن لا ينتفعون۔

وانما النفع لمن كان له قلب مريد أو القى السمع وهو شهيد۔

فعليك يا اخى القاء السمع وانقاء القلب عن الحزم اولا بايجاب اوسلب رجاء ان تجد حقا فتذعن فان الحكمة ضالة المومن فتدخل اوذاك فى بشارة مولاك والله يتولى هداى وهداك۔

ولنجعل اولاً ماوجده الفقير فى هذه المسألة من الحديث الكريم

نہیں کرتا۔ اگر کوئی بات اس کے خلاف پڑھتا ہے تو حلق کے نیچے نہیں اُترتی۔ اور سُنتا ہے تو کان سے آگے نہیں بڑھتی جبکہ لوگوں کو اس ہٹ دھرمی کا حکم نہیں دیا گیا ہے، وہ تو یوں فرماتا ہے "ہمارے ان بندوں کو بشارت دو جو اچھی بات سُن کر اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے انھیں ہدایت دی اور وہی اہلِ عقل و بصیرت ہیں۔"

تو راستہ تو سن کر انتفاع اور اتباع کا ہے نہ کہ قناعت کرکے بیٹھ رہنے اور نہ سننے کا۔ یا سُن کر اَن سُنی کر دینے کا۔ ایسے لوگ قرآن سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔

نفع تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو ارادۂ قلبی اور سماع حضور کے ساتھ سنتے ہیں۔

پس اے برادرانِ محترم! غایت توجہ اور عنایت قلب کے ساتھ قبل از مطالعہ یک طرفہ فیصلہ کئے بغیر اس ارادہ سے کہ حق ہوگا تو قبول کروں گا۔ ہمارے معروضات سنیں کہ حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے، اور اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے، ہماری اور آپ دونوں کی ہدایت فرمائے۔

پہلے تو ہم احادیث کریمہ، فقہ مستقیمہ، بلکہ قرآن عظیم میں ایک فقیہ مسئلہ دائرہ میں جو کچھ

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۷و۱۸

والفقه القويم، بل ومن القرآن العظيم، ثم نفصله تفصيلا باذن الفتاح العليم۔ لان التفصيل بعد الاجمال اوقع فى النفس واقمع للتخمين والحدث، ولا اريد كل التفصيل لما يدا فان المسئلة تحتمل مجلدا، ولكن ما قلّ وكفى، خير مما كثر والهٰى[1]۔ قاله عـه النبى المصطفٰى صلى الله عليه وعلٰى اٰله افضل الصلوٰة والثنا۔

فاقول وبه استعين: اُرشدنا الحديث الصحيح الذى رواه ابو داؤد فى سننه وامام الائمة ابن خزيمة فى صحيحه، والامام ابو القاسم الطبرانى فى معجمه الكبير ان السنة فى هذا الاذان ان يكون بين يدى الامام اذا جلس على المنبر فى حدود المسجد لا فى جوفه هكذا كان يفعل على عهد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وعهد صاحبيه ابى بكر وعمر

عـه رواه ابو يعلٰى والضياء المقدسى فى المختارة عن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالٰى عنه ۱۲ منه۔

پاسکتا ہے اسے اجمالاً بیان کرتے ہیں۔ پھر ان شاء اللہ مسئلہ کی ضروری تفصیل بیان کرینگے کہ اجمال کے بعد تفصیل نفس میں زیادہ جاگزیں اور ظن وتخمین کو زائل کرنے والی ہوتی ہے، پوری تفصیل کے لئے تو صحیفے درکار ہیں مگر جب واجبی بیان سے کام چل جائے تو مکمل تفصیل کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: "جو کلام مختصر اور کفایت کرنے والا ہو۔ طویل اور الجھا دینے والے بیان سے اچھا ہے۔"

پس میں اس کی مدد کے ساتھ کہتا ہوں: سنن ابی داؤد، صحیح امام ابن خزیمہ، معجم کبیر امام ابو القاسم الطبرانی کی حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اذانِ خطبہ میں سنت یہ ہے کہ امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے حدودِ مسجد کے اندر (نہ کہ خاص مسجد میں) اذان دی جائے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہدِ مبارک مسعود میں اور دیگر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کرام و زمانۂ تابعین وائمہ مجتہدین میں ایسا ہی ہوتا رہا،

عـه ابو یعلٰی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

رضی اللہ تعالیٰ عنھما[1]، ولم یاتنا عن احد من الخلفاء الراشدین وغیرھم من الصحابۃ والتابعین والائمۃ المجتھدین رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین تصریح قط بخلاف ذٰلک وما کان لھم ان یقولوا والعیاذ باللہ ترک ما ھنالک۔

کسی سے اس کا خلاف مروی نہیں، اور معاذ اللہ رب العالمین وہ اس کے خلاف کہہ بھی کیسے سکتے تھے۔

وقد اعتمد ھذا الحدیث کبار المفسرین فی تفسیر الکریمۃ اذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ[2] کالزمخشری فی الکشاف، والامام الرازی فی مفاتیح الغیب، والخازن فی لباب التاویل، والنیسابوری فی رغائب الفرقان، والخطیب والجمل وغیرھم واوردہ الامام الشعرانی فی کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، کما سیأتیک نصوصھم ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس حدیث پر بے شمار ائمہ مفسرین نے آیت مبارکہ اذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ کی تفسیر میں اعتماد کیا۔ چنانچہ کشاف میں زمخشری، مفاتیح الغیب میں امام رازی، لباب التاویل میں امام خازن، رغائب الفرقان میں امام نیشاپوری، خطیب وجمل وغیرہ نے اسے ذکر کیا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ میں اس پر اعتماد کیا۔ عبارتیں سب کی آگے آرہی ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ثم تظافرت کلمات علمائنا فی الکتب المعتمدۃ علی النھی عن الاذان فی المسجد وانہ مکروہ، نص علیہ الامام فقیہ النفس فی الخانیۃ، والامام البخاری فی الخلاصۃ، والامام الاسبیجابی فی شرح الطحاوی، والامام الاتقانی فی غایۃ البیان،

ہمارے ائمہ فقہ نے کثرت کے ساتھ فقہ کی کتب معتمدہ میں مسجد کے اندر اذان کی ممانعت فرمائی کہ مکروہ ہے۔ فقیہ النفس امام قاضیخان نے خانیہ میں، امام بخاری نے خلاصہ میں، امام اسبیجابی نے شرح طحاوی میں، امام اتقانی نے غایۃ البیان میں، امام عینی نے بنایہ میں،

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۵
المعجم الکبیر حدیث ۶۶۴۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۷/۱۴۶

[2] القرآن الکریم ۶۲/۹

والامام العینى فى البناية، والامام المحقق على الاطلاق فى فتح القدير، والامام الزندوستى فى النظم، والامام السمعانى فى خزانة المفتيين، ومختار الزاهدى فى المجتبٰى، والمحقق زين بن نجيم فى البحر الرائق، والمحقق ابراهيم الحلبى فى الغُنية والبرجندى فى شرح النقاية، والقهستانى فى جامع الرموز، والسيد الطحطاوى فى الحواشى على مراقى الفلاح واصحاب الفتاوى العالمگيرية، والفتاوى التاتارخانية، ومجمع البركات، ولم يستثنوا منه فصلا، ويلموا بتخصيص اصلا، والهجوم على تخصيص النصوص من دون خصوص، فهم مقصوص بل وهم مرصوص - ثم ولنا القرآن العظيم والاحاديث والشاهد المطبق عليه فى القديم والحديث ان التاذين فى جوف المسجد اساءة ادب بالحضرة الالٰهية - ثم هو خلاف ما شرع له الاذان - ثم ليس عليه من حديث ولا فقه دليل ولا برهان ولا يعارض العلامة الحكم ولا الاشارة العبارة ولا المحتمل الصريح ولا المجاز على الحقيقة - ثم هو على حاله هذا وان شاع فى زماننا فى بعض الاصقاع لم ينعقد قط عليه الاجماع ولا عليه تعامل فى جميع البقاع - ولا هو متوارث من الصدر الاول،

امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں، امام زندوستی نے نظم میں، امام سمعانی نے خزانۃ المفتیین میں، مختار زاہدی نے مجتبٰی میں، محقق زین ابن نجیم نے بحرالرائق میں، محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، برجندی نے شرح نقایہ میں، قہستانی نے جامع الرموز میں، سید طحطاوی نے حواشی مراقی الفلاح میں، نیز اصحاب فتاوی عالمگیریہ، فتاوی تاتارخانیہ اور مجمع البرکات نے اس کی تصریح فرمائی۔ ان حضرات نے نہ تو کسی جزء کا استثناء کیا نہ تخصیص کی طرف اشارہ فرمایا۔ تو غیر مخصوص کی تخصیص کا ارادہ ایک ناقص رائے اور وہمی قیاس آرائی ہے۔ اس مسئلہ میں مزید چند امور بھی قابلِ غور ہیں (۱) جوفِ مسجد میں اذان دینا دربارِ الٰہی کی بے ادبی ہے۔ اس پر قرآن وحدیث اور عہدِ قدیم سے آج تک کا عرف شاہد ہے۔ (۲) جوفِ مسجد میں اذان مشروعیتِ اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔ (۳) جوفِ مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں، اگر کہیں علامت یا اشارۃ النص یا احتمال ومجاز کے طور پر اس کا تذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص اور صریح وحقیقت کے معارض نہیں ہوسکتے (۴) اندرونِ مسجد اذان گو آجکل بعض مقامات میں شائع وذائع ہو، مگر پورے عالمِ اسلام میں نہ تو اس پر اجماع ہوا ہے، نہ عہدِ رسالت سے اس کا توارث ثابت ہے۔ پس ایسے امر کا جواز

فمثل هذا لا یحتمل ولا یقبل والمنکر لا یصیر معروفا وان فشا۔ ولا الحادث قدیما وان لم نعلم متٰی نشأ۔

تو محتمل ہے نہ قابلِ قبول، اور جو فعل شرعًا ناپسندیدہ ہو، گو لاکھ معروف ومشہور ہو۔ گو ہم اس کے ایجاد کا زمانہ متعین نہ کرسکیں۔ مقبول ومعروف شرعی نہیں ہوسکتا۔

ویاسادتنا علماء السنۃ انتم المدخرون لاحیاء السنۃ وقد ندبکم الٰی ذٰلک نبیکم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی غیر ما حدیث[1] ووعدتم علیہ اجر مائۃ

اے سردارانِ اُمّت علمائے اہلسنت! اللہ تعالٰی نے آپ لوگوں کو احیائے سنّت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ اور آپ کے رسول گرامی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں آپ کو اس کی دعوت دی ہے۔ اس پر سَو شہیدوں

---

[1] الترمذی عن بلال وابن ماجۃ عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، من احیا سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجر من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا۔ ۱۲ منہ

ترمذی نے حضرت بلال وابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے انھوں نے حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی: جس نے میری کسی مُردہ سنّت کو زندہ کیا اسے تمام عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر ملے گا، ان کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

[2] البیہقی فی الزھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔[2]

امام بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی: جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سُنّتوں پر مضبوطی سے عمل کیا اسے سَو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنۃ الخ — امین کمپنی دہلی — ۲/۹۲
سنن ابن ماجہ باب من احیا سنۃ قد امیتت — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ص ۱۹
[2] کتاب الزہد الکبیر للبیہقی حدیث ۲۰۹ — دار القلم الکویت — ص ۱۵۱

شهيد۔ وان تكونوا به مع نبيكم فی دار المزيد۔

وانما تحيی اذا اميتت و انما تموت اذا ترك الناس العمل بها و سكت عنها علماؤهم لما قد مرّ او شبهة لهم، فلمن احيا لاحقا اجره و لمن سكت سابقا عذره، على ذلك مضى امر احياء السنن وتجديد الدين من سالف الزمن الى هذا الحين فالاستناد فی مثله بعمل الناس وعادتهم او سكوت من سلف قريب من سادتهم او زعم انه يلحقهم بذلك شين

کے اجر اور دارِ آخرت میں اپنی ہم نشینی کا وعدہ فرمایا ہے۔

سنت کا احیاء جبھی ہوگا کہ لوگوں نے اسے مردہ کر ڈالا ہو۔ اور موت اسی صورت میں ہوگی کہ لوگ اس پر عملدرآمد ترک کردیں۔ اور اس وقت کے علماء مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خوش رہے ہوں۔ پس جو ایسی سنّت زندہ کرے اسے اس کا اجر ملے گا، اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اسی نہج پر احیائے سُنّت کا معاملہ عہدِ قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے، اس لئے لوگوں کے عمل یا عادت یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علماء کی خموشی سے استدلال، اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلافِ شرع ہوتا

ع‍ السجزی فی الابانة عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه:

من احيا سنتی فقد احبنی و من احبنی كان معی فی الجنة[1]

و رواه الترمذی بلفظ من احب۔

اللّٰهم ارزقنا، آمين! ۱۲ منه۔

ع‍ امام سجزی نے کتاب الابانۃ میں حضرت انس اور انھوں نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے روایت کی،

جس نے میری سنّت زندہ کی اس نے مجھ سے محبت رکھی، اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ میرے ساتھ جنّت میں ہوگا۔

اور امام ترمذی نے لفظ احب کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔ یا اللہ! ہم سب کو آپ کی محبت عطا فرما! ۱۲ منہ۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ السجزی عن انس حدیث ۹۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۱۸۴

مع جلالتهم۔

کل ذلك جهل واضح ووهم فاضح۔ و سدّ لباب احیاء السنة مع انه مفتوح بید المصطفیٰ سید الانس والجن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و موعود علیه عظیم المنة۔

واما تفصیل کل ما اجملت ھنا ففی شمائم زاکیات، فی کل شمامة نفحات طیبات وعلیٰ حبیبنا واٰله اطیب الصلوٰة و انمی التحیات۔

تو اس پر ان علماء کی خوشی ان کے لئے باعث عار ہوتی۔

یہ سب خیال کھلی جہالت اور واضح وہم پرستی ہے۔ اور احیائے سنّت کا سد باب ہے حالانکہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احیائے سنت کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور اس پر عظیم انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے۔

اب ہم مہکتے شماموں اور لپکتے نفحات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے حبیب صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب پر مقدس درود اور مبارک تسلیمات نازل فرمائے، آمین!

الشمامة الاولٰی من عنبر الحدیث

(عنبرِ حدیث کا شمامۂ اُولٰی)

نفحہ ۱: أنبانا شیخنا العلامة الامام شیخ العلماء بالبلد الکرام السید احمد بن زین بن دحلان المکی قدس سرہ الملکی بمکة مکرمة سنة ۱۲۹۶ھ عن الشیخ عثمان بن حسن الدمیاطی الازھری عن الشیخ محمد الامیر المالکی والشیخ عبد اللہ الشرقاوی الشافعی الازھریین ح وأنبانا المولی المفتی العلامة عبد الرحمٰن السراج مفتی البلد الحرام فی ذی الحجة سنة ۱۲۹۵ھ عن مفتیھا المولی جمال بن عبد اللہ بن عمر ح وأنبانا عالیًا بدرجة السید حسین بن صالح جمل اللیل المکی

نفحہ ۱: ہمارے شیخ شیخ علمائے حرم سید احمد ابن زین ابن دحلان مکی قدس سرہٗ نے مکہ مکرمہ میں سنہ ۱۲۹۶ھ میں ہم سے بیان کیا، ان سے شیخ عثمان بن حسن دمیاطی ازہری نے، ان سے شیخ محمد امیر مالکی نے اور شیخ عبد اللہ شرقاوی شافعی ازہری نے ح، ہم سے علامہ مولانا مفتی عبد الرحمٰن بن سراج مکی نے ذوالحجہ سنہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا مفتی مکہ جمال ابن عبد اللہ ابن عمر کے واسطہ سے بیان کیا ح، ہمیں حسین ابن صالح جمل اللیل مکی نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ذوالحجہ سنہ ۱۲۹۵ھ میں بیان کیا اور احمد ابن زید جمل اللیل نے بھی۔ دونوں حضرات

ببیته عند باب الصفا فی ذی الحجة ۱۲۹۵ھ کلاھما عن الشیخ عابد السندی المدنی عن الشیخ صالح الغلانی والسید عبدالرحمٰن بن سلیمان الاھدل و یوسف بن محمد المزجاجی والسید بن احمد و قاسم ابنی سلیمٰن وعمه محمد حسین الانصاری ح و انبانا شیخنا السید الامام العارف باللہ الشاہ آل الرسول الاحمدی فی جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ عن الشاہ عبدالعزیز الدھلوی عن ابیه الشاہ ولی اللہ الدھلوی عن الشیخ ابی طاھر بن ابراھیم الکردی المدنی ح و غیرھم من مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی جمیعا باسانیدھم المعروفة الٰی ابی داؤد فی سننه قال حدثنا النفیلی، نا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنھما قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔[1] ھذا حدیث حسن صحیح، محمد بن اسحٰق ثقة صدوق امام قال شعبة وابو زرعة والذھبی وابن حجر صدوق وقال الامام ابن المبارک

نے شیخ عابد سندھی اور انھوں نے شیخ صالح غلانی اور سید عبدالرحمٰن اہدل اور یوسف ابن محمد مزجاجی اور سید احمد و قاسم ابنائے سلیمان اور اپنے چچا محمد حسین انصاری سے ح، ہمارے شیخ سید امام عارف باللہ شاہ آل رسول احمدی نے جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ میں ہم کو خبر دی، انھیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے انھیں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے اور انھیں شیخ ابوطاہر بن ابراہیم کردی مدنی نے ح ان سب لوگوں نے اپنے مشائخ کرام سے جن کی معروف و مشہور سندیں امام ابوداؤد تک متصل ہیں انھوں نے اپنی سنن میں نفیلی، محمد بن مسلمہ، محمد بن اسحٰق، زہری عن سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا"۔ یہ حدیث حسن و صحیح ہے اسکے راوی محمد بن اسحٰق قابل بھروسہ نہایت سچے امام ہیں۔ ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابوزرعہ اور ابن حجر نے فرمایا یہ بہت سچے ہیں۔ امام عبداللہ

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۵

انا وجدناه صدوقا، انا وجدناه صدوقا، انا وجدناه صدوقا۔[1] تلمیذ له ائمة اجلاء کابن المبارك و شعبة و سفین الثوری و ابن عیینة والامام ابی یوسف واکثر عنه فی کتاب الخراج له۔

ابن مبارک فرماتے ہیں "ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا"۔ امام عبداللہ ابن مبارک، امام شعبہ اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں اور ان کی شاگردی اختیار کی۔

وقال ابوزرعة الدمشقی اجمع الکبراء من اهل العلم علی الاخذ عنه قال وقد اختبره اهل الحدیث فرأوه صدقا وخیرا۔[2]

امام ابوزرعہ دمشقی نے فرمایا: اجلّہ علماء کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے، اور آپ کو اہلِ علم نے آزمایا تو اہل صدق وخیر پایا۔"

وقال ابن عدی لم یتخلف فی الروایة عنه الثقات والائمة ولا بأس به[3]

ابن عدی نے کہا: "آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، اور آپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

وقال علی بن المدینی ما رأیت احدا یتهم ابن اسحٰق[4]

امام علی ابن المدینی نے کہا "کسی امام یا محدث کو ابن اسحٰق پر جرح کرتے نہیں دیکھا"۔

وقال سفین بن[عہ] عیینه جالست

امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں: میں

عہ وبه ظهر کذب من زعم الآن ان قد جرحه سفین

عہ سفیان ابن عیینہ کے اس قول سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہوگیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت سفیان (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۷
کتاب الثقات لابن حبان " " " دار الکتاب العلمیۃ بیروت ۴/۲۳۶
[2] تہذیب التہذیب " " " مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/۵۰۵
[3] میزان الاعتدال " " " نمبر ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/۴۷۴
[4] تہذیب التہذیب " " " مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۵

ابن اسحٰق منذ بضع سنین وسبعین سنة — ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت کرتا رہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بن عیینة، حاشاہ بل قد تلمذ وذبّ عنه وقال رأیت الزھری: قال لمحمد بن اسحٰق: این کنت؟ فقال ھل یصل الیك أحد؟ فدعا حاجبه وقال: لاتحجبه اذا جاء[1]، وقال ایضا: قال ابن شھاب: وسئل عن مغازیه فقال ھذا أعلم الناس بھا[2]، وقال ابن المدینی: قلت لسفیان، کان ابن اسحٰق جالس فاطمة بنت منذر، فقال أخبرنی ابن اسحٰق انھا حدثته وانه دخل علیھا[3]، وقال ابن عُیَینة ایضا،

ابن عیینہ نے ابن اسحٰق پر جرح کی ہے، خدا کی پناہ انھوں نے تو ابن اسحٰق کی شاگردی اختیار کی ہے اور ان کی طرف سے مدافعت کی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ میں نے امام زہری کو دیکھا کہ ابن اسحٰق سے پوچھا آپ کہاں تھے؟ انھوں نے جواب دیا کوئی آپ کے یہاں باریابی بھی پائے (یعنی دربان روکے ہوئے تھا) تو امام زہری نے اپنے دربان کو بلاکر فرمایا آئندہ ابن اسحٰق کو اندر آنے سے کبھی بھی مت روکنا۔ حضرت ابن عیینہ کی ہی روایت ہے کہ کسی نے امام زہری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں پوچھا انھوں نے ابن اسحٰق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ اس کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔ حضرت علی ابن المدینی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان سے پوچھا کہ ابن اسحاق فاطمہ منذر کے پاس بیٹھتے تھے؟ تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے خود محمد بن اسحاق نے کہا

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ ترجمہ محمد بن اسحٰق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/۵۰۴
[2] " " " " " " " " ۳/۵۰۴
[3] " " " " " " " " ۳/۵۰۵

وما یتهمه احد من اهل المدینة ولا یقول فیه شیئا۔[1]

اہلِ مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا، نہ ان پر کچھ تنقید کی۔"

وقال ابومعاویة کان اسحٰق

امام ابومعاویہ نے فرمایا: "ابن اسحاق سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمعتُ شعبة یقول، محمد بن اسحٰق امیرالمؤمنین فی الحدیث[2] فهٰذا ماجرحه به سفیان نعم ذکر أن الناس اتهموه بالقدر[3] ولوکان هذا جرحًا فما اکثر المجروحین فی الصحیحین، الاتری انه کان یسمع هذا ثم لایترک مجالسة ابن اسحاق ولا الاخذ منه، هل لیس منه مایدل علی تصدیقه الناس فی هذا فکم من تهمة لااصل لها، وسیأتیك کلام ابن منیر ۱۲ منه۔

کہ مجھ سے فاطمہ نے حدیث بیان کی اور میں انکے پاس گیا (تو پاس بیٹھنے کی حقیقت صرف یہ تھی کہ ان سے حدیث سُنی) ابن عیینہ نے تو ابن اسحٰق کی تعدیل میں امام شعبہ کا وہ شاندار قول نقل کیا کہ یہ امیرالمومنین فی الحدیث ہیں (کیا جرح ایسی ہی ہوتی ہے؟) ہاں آپ نے ابن اسحاق کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے ان پر قدری ہونے کا الزام لگایا ہے۔ لیکن کیا یہ جرح ہے، اگر جرح ہو تو بخاری ومسلم ایسے مجروح راویوں سے بھری پڑی ہیں ان کے بہت سے راویوں پر قدر کا الزام ہے، اگر یہ جرح ہوتی تو ابن عیینہ کا ابن اسحاق سے حدیث روایت کرنا تو بڑی بات ہے ان کا ساتھ ہی چھوڑ دیتے لیکن انھوں نے نہ تو ان کا ساتھ چھوڑا نہ ان کی شاگردی ترک کی، نہ ہی عوام کے الزام کی تصدیق کی، یہ تہمتیں بے اصل ہیں۔ مزید ابن منیر کا کلام آرہا ہے ۱۲ منہ۔

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحٰق موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۵

[2] " " " " " " " ۳/۵۰۶

میزان الاعتدال " " " نمبر ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/۴۶۹

[3] " " " " " " " ۳/۴۶۹

من احفظ الناس[1]، وقال الامام ابن معین اللیث بن سعد اثبت فی یزید بن ابی حبیب من محمد بن اسحٰق۔[2]

لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے۔" اور امام ابن معین نے فرمایا: "یزید بن ابی حبیب سے روایت کرنے والوں میں لیث بن سعد، ابن اسحٰق سے زیادہ ثبت ہے۔"

قلت ویزید ھذا کما قال ابن یونس روی عنہ الاکابر من اھل مصر، قلت کعمرو بن الحارث، وحیٰوۃ بن شریح، و سعید بن ابی ایوب، و اللیث بن سعد نفسہ کلھم ثقات، اثبات، اُجلاء، ویحیٰی بن ایوب الغافقی صدوق، خمستھم من رجال الشیخین وعبد اللہ بن لھیعۃ صدوق حسن الحدیث علی ما استقر الامر علیہ وعبد اللہ بن عیاش کلاھما من رجال مسلم ومن غیرھم سلیمٰن التیمی البصری وزید بن ابی انیسۃ ثقتان من رجال الصحیحین وعبد الحمید بن جعفر المدنی الصدوق من رجال مسلم واٰخرون کثیرون، ففی ھذا تفضیل لابن اسحٰق علیھم جمیعا۔

ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علمائے مصر نے روایت کی جیسے عمرو بن حارث، حیوۃ ابن شریح، سعید بن ابی ایوب اور خود لیث بن سعد، یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں، اور پانچویں یحیٰی ابن ایوب غافقی صدوق ہیں اور یہ پانچوں رجال شیخین میں سے ہیں، عبد اللہ ابن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہے۔ ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی، اور عبد اللہ بن عیاش یہ دونوں مسلم کے راویوں میں سے ہیں، ان کے علاوہ سلیمان تیمی بصری، زید بن ابی انیسہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین میں سے ہیں، اور عبد الحمید بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم سے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں، تو اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق ان سب سے افضل ہیں۔

وقال الامام شعبۃ، لو کان لی سلطان لامرت ابن اسحٰق علی المحدثین[3] وقال ایضا محمد بن اسحٰق امیر المومنین فی

امام شعبہ نے فرمایا: "میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحٰق کو محدثین پر حاکم بناتا، یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔" ایک روایت میں ہے کہ

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۴

[2] میزان الاعتدال " " " ۷۱۹۷، دار المعرفۃ بیروت ۳/۴۷۳

[3] " " " " " " " " " ۳/۴۷۳

الحدیث[1]۔ وفی روایۃ عنہ قیل لہ لم قال لحفظہ وفی اخری عنہ لو سود احد فی الحدیث لسود محمد بن اسحٰق[2]

کسی نے ان سے پوچھا: آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ تو حضرت شعبہ نے فرمایا: ان کے حفظ کی وجہ سے۔ دوسری روایت میں ہے: حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہوسکتا ہے تو وہ محمد ابن اسحٰق ہیں۔

وقال علی بن المدینی مدار حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی ستۃ، فذکرھم ثم قال فصار علم الستۃ عند اثنی عشر فذکر ابن اسحٰق فیھم[3]

علی بن المدینی سے روایت ہے: رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں۔ پھر ان سب کے نام گنوائے۔ اور فرمایا اس کے بعد بارہ آدمیوں میں دائر ہوگئیں۔ اور ابن اسحاق اُن بارہ میں ہیں۔

وقال الامام الزھری لا یزال بالمدینۃ علم جم ما کان فیھا ابن اسحٰق[4] وقد کان یتلقف المغازی من ابن اسحٰق[5] مع انہ شیخہ وشیخ الدنیا فی الحدیث۔ وقال شیخ الاٰخر عاصم بن عمر بن قتادۃ لا یزال فی الناس علم ما بقی محمد ابن اسحٰق[6]۔ وقال عبد اللہ بن فائد کنا نجلس الی ابن اسحق فاذا

امام زہری فرماتے ہیں: مدینہ مجمع العلوم رہے گا جب تک یہاں محمد ابن اسحاق قیام پذیر رہیں گے۔ آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحٰق پر ہی بھروسا کرتے تھے ہر چند کہ آپ حدیث میں ان کے استاد تھے بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے۔ ابن اسحٰق کے دوسرے استاذ عاصم ابن عمر بن قتادہ نے فرمایا: جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں دنیا میں تمام علوم باقی رہیں گے۔ عبد اللہ ابن فائد نے کہا: ہم لوگ ابن اسحاق کی مجلس میں

---

[1] تہذیب التہذیب — ترجمہ محمد بن اسحٰق — مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/۵۰۶
[2] 〃 〃 〃 — 〃 — 〃 〃 〃 〃
[3] 〃 〃 〃 — 〃 — 〃 〃 〃 ۴/۵۰۴
[4] تہذیب الکمال — 〃 ۵۶۴۴ — دار الفکر بیروت ۱۶/۷۴
[5] تہذیب التہذیب — 〃 — مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/۵۰۵
[6] تہذیب الکمال — 〃 — دار الفکر بیروت ۱۶/۷۳

اخذ فی فن من العلوم ذهب المجلس بذلک الفن[1]

ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔

وقال ابن حبان لم یکن احد بالمدینۃ یقارب ابن اسحٰق فی علمہ ولایوازیہ فی جمعہ وھو من احسن الناس سیاقا للاخبار[2]

ابن حبان نے کہا: مدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یا دیگر علوم وفنون کی۔ ابن اسحٰق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی۔ اور خبروں کی حسنِ ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے۔

وقال ابویعلی الخلیلی محمد بن اسحٰق عالم کبیر واسع الروایۃ والعلم ثقۃ۔[3]

ابویعلی خلیلی نے فرمایا: محمد بن اسحاق بہت بڑے عالم حدیث تھے۔ روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے۔

وکذٰلک قال یحیٰی بن معین ویحیٰی بن یحیٰی وعلی بن عبداللہ (ھو ابن المدینی شیخ البخاری) واحمد العجلی ومحمد بن سعد وغیرھم ان محمد بن اسحٰق ثقۃ۔[4]

یحیٰی ابن معین ویحیٰی ابن یحیٰی وعلی ابن عبداللہ المدینی استاد امام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعد وغیرہ نے کہا: محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔

وقال ابن البرقی لم ار اھل الحدیث یختلفون فی ثقتہ وحسن حدیثہ[5] وقال الحاکم عن البوشنجی شیخ البخاری ھو عندنا ثقۃ۔[6]

حضرت ابن البرقی نے فرمایا: علم حدیث والوں میں محمد ابن اسحٰق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ان کی حدیث حسن ہے۔ اور حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ ابن اسحٰق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحٰق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/۴۷۲
[2] تہذیب التہذیب 〃 〃 〃 موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۷
کتاب الثقات لابن حبان 〃 〃 〃 دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/۲۳۶
[3] تہذیب التہذیب 〃 〃 〃 موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۷
[4] میزان الاعتدال 〃 〃 〃 ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/۴۷۵
تہذیب الکمال 〃 〃 〃 ۵۶۴۴ دار الفکر بیروت ۱۶/۸۰ و ۸۱
موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۷
[5] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
[6] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

وقال المحقق فی فتح القدیر اما ابن اسحٰق فثقة ثقة لا شبهة عندنا فی ذٰلك ولا عند محقق المحدثین[1]، وقال ایضا توثیق محمد بن اسحٰق هو الحق الابلج وما نقل عن کلام مالك فیه لا یثبت ولو صح لم یقبله اهل العلم[2] الخ۔ وقد اطال الامام البخاری فی توثیقه فی جزء القراءة ولم یورده فی الضعفاء له وانکر صحة ما یذکر فیه من کلام مالك وما نقل عن علی ما یشعر بانکار صحته ما عن هشام۔

وقد بیّنا وجهه فی تحریراتنا الحدیثیة واورده ولدی المولوی مصطفٰی رضا خاں حفظه الله تعالٰی فی کتابه "وقایة اهل السنة عن مکر دیوبند والفتنة" صنفه فی الرد علٰی وهابیة دیوبند اذ خالفوا فی هٰذه المسألة وهم الذین حکم ساداتنا علماء الحرمین الشریفین جمیعا بکفرهم وارتدادهم وان من شك فی کفرهم وعذابهم فقد کفر[3] لسبّهم الله

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: ابن اسحٰق ثقہ ہیں ثقہ ہیں، اس میں نہ ہمیں شبہہ ہے نہ محققین محدثین کو شبہہ ہے، محمد ابن اسحٰق کی توثیق حق صریح ہے۔ اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وُہ صحیح نہیں اور بر تقدیر صحت روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیا۔ اور امام بخاری نے تو جزء القراءۃ میں ان کی توثیق میں طویل کلام فرمایا اور ان کا تذکرہ اپنی کتاب "ضعفاء" میں بھی نہیں کیا، اور ان کی جرح میں امام مالک کا جو کلام نقل کیا گیا ہے اس کی صحت سے انکار کیا ہے۔ اور حضرت علی (کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم) سے ان کے بارے میں ہشام سے جو مروی ہے اس کا بھی انکار کیا ہے۔

ان سب باتوں پر ہم نے اپنی تحریروں میں جو علم حدیث سے متعلق ہیں روشنی ڈالی ہے، اور ان سب کو میرے عزیز فرزند مولوی مصطفٰی رضا خاں (سلمہ اللہ تعالٰی) نے اپنی کتاب "وقایہ اہل السنہ عن مکر دیوبند والفتنہ" میں جو وہابیہ دیوبندیہ کے رد میں ہے، بیان کیا ہے کہ انھوں نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی تھی، اور اہل دیوبند پر تو ہمارے سادات علمائے حرمین طیبین نے کفر کا فتوٰی دیا ہے اور ان کے کفر میں شک کرنیوالوں کی بھی تکفیر فرمائی ہے، کیونکہ انھوں نے

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۰

[2] ۱/ ۲۰۰ و تحفۃ الاحوذی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳۹

[3] حسام الحرمین علٰی منحر الکفر والمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

رب العلمین ومحمدا سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی جمیع النبیین۔

پروردگار عالم اور سید المرسلین محمد مصطفیٰ کو گالی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اور تمام نبیوں پر درود وسلام نازل فرمائے۔

ثم اجاب عنہ البخاری فاجاد و اصاب وقد قال فیما قال ولم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیھم نحو ما یذکر عن ابراھیم من کلامہ فی الشعبی وکلام الشعبی فی عکرمۃ ولم یلتفت اھل العلم فی ھذا النحو الا ببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الا ببرھان وحجۃ اھ[1]

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بے سند تنقیدوں کا کیا خوب رد فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں، ایسی تنقیدوں سے کم لوگ ہی کامیاب ہوئے، جیسے امام شعبی کے بارے میں امام ابراہیم کا کلام حضرت عکرمہ کے بارے میں امام شعبی کا کلام اہل علم میں سے کسی نے اس قسم کی تنقیدوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب تک جرح صریح اور مدلل نہ ہو، اور ایسی تنقیدوں سے کسی کی عدالت پر اثر نہیں پڑتا۔[1]

وحسن الامام احمد و یحیٰی بن معین ومحمد بن عبداللہ بن نمیر ومحمد بن یحیٰی کلھم شیوخ البخاری، وابوداؤد والمنذری والذھبی حدیثہ وعدہ الامام الذھبی ثم السیوطی فی اعلی مراتب الحسن، قال فی التدریب الحسن ایضا علی مراتب کالصحیح، قال الذھبی فاعلی مراتبہ بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ، و عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، و وابن اسحاق عن التیمی، وامثال ذٰلک

امام احمد، امام یحیٰی بن معین اور محمد بن عبداللہ بن نمیر و محمد ابن یحیٰی، یہ سب امام بخاری کے استاذ ہیں۔ اور ابوداؤد، منذری اور ذہبی ان سب لوگوں نے محمد بن اسحٰق کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی اور سیوطی نے ان کو حسن کے اعلیٰ مدارج میں گردانا ہے۔ تدریب میں ہے "صحیح کی طرح حسن کے بھی چند درجے ہیں" امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کی حسن بہز ابن حکیم عن ابیہ عن جدہ، اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، اور ابن اسحٰق عن تیمی اور ان کے امثال ہیں اور اسی کو

---

[1] تہذیب الکمال بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحٰق ۵۶۴۴ دار الفکر بیروت ۱۶/۷۶ و ۷۷
تہذیب التہذیب " " " " " " مؤسسۃ الرسالہ " ۲/۵۰۵

مما قیل انه صحیح وهو ادنی مراتب الصحیح[1] اھ وصححه ابن المدینی والترمذی وابن خزیمة والامام الطحاوی وقد حسن الدارقطنی بعض ما تفرد به ابن اسحٰق وصححه الحاکم[ع] وقد تبعهما علیه

ادنیٰ درجہ کی صحیح بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن مدینی، ترمذی، ابن خزیمہ اور امام طحاوی نے اس کو صحیح کہا، اور بعض وہ حدیثیں جن کے تنہا محمد بن اسحٰق راوی ہیں انھیں دارقطنی نے حسن کہا، اور حاکم نے صحیح فرمایا۔ اور ان دونوں

ع اورد فی السنن حدیث احمد بن خالد عن ابن اسحٰق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادة رضی الله تعالٰی عنه فی القراءة خلف الامام وقال، قال علی بن عمر هذا اسناد حسن[2] واقره البیهقی، وروی فی باب الصلٰوة علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حدیث ابی مسعود رضی الله تعالٰی عنه، أن رجلاً قال، یارسول الله! اما السلام علیک فقد عرفناه، فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا فی صلٰوتنا، وقال، قال الدارقطنی، حسن متصل[2]، واقره البیهقی وقال ابن الترکمانی لا اعلم احدًا روی هٰذا الحدیث بهٰذا اللفظ الا محمد بن اسحٰق[3]، واورده ایضًا فی باب الصلٰوة علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی التشهد ثم حکی عن الحاکم تصحیحه، ثم عن الدارقطنی تحسینه واقرّهما ۱۲ منه

ع سنن میں حدیث احمد بن خالد، ابن اسحٰق، مکحول، محمود بن ربیع، عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ باب قراءۃ خلف الامام میں نقل کرکے فرمایا علی بن عمر نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے، اور امام بیہقی نے اس کو ثابت رکھا ہے اور باب وجوب الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث کو نقل کیا "ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم اسلام کو تو ہم نے خوب سمجھ لیا ہے کہ نماز میں کیسے پڑھنا چاہئے اب یہ فرمائیے کہ جب ہم آپ پر درود پڑھیں اپنی نمازوں میں تو کیسے پڑھیں" اور فرمایا کہ دارقطنی اس کو حسن متصل قرار دیتے ہیں، اور بیہقی اس کو برقرار رکھتے ہیں۔ ابن ترکمانی کہتے ہیں یہ حدیث ان الفاظ میں ہمارے علم میں ابن اسحاق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی، پھر بھی حدیث "باب الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التشہد" میں نقل کرکے کہا حاکم نے اس کی تصحیح کی اور دارقطنی نے تحسین، اور خود اسکو برقرار رکھا ۱۲ منہ

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸
[2] السنن الکبرٰی کتاب الصلٰوۃ ۲/۱۶۴ و ۲/۳۷۸ دار صادر بیروت
[3] الجوہر النقی بذیل السنن الکبرٰی باب وجوب الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲/۱۴۸، ۳۷۹

البیھقی، ووصفه المنذری والذھبی باحد الائمة الاعلام وانه صالح الحدیث ماله ذنب الا ما حشا فی السیرة من مناکیر[1]

حضرات کی امام بیہقی نے اتباع کی ـــــــــ امام منذری اور امام ذہبی نے محمد بن اسحاق کو ائمۂ اعلام میں شمار کیا اور صالح الحدیث قرار دیا، اور فرمایا کہ ان کا اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کہ انھوں نے سیرت میں منکر حدیثیں درج کیں۔

واوردہ الحافظ العسقلانی فی طبقات المدلسین فیمن لم یضعف بشیئ لاعیب علیه الا التدلیس۔

حافظ ابن حجر نے انھیں مدلسین کے طبقات میں ذکر کیا جن میں تدلیس کے علاوہ کوئی ضعف ہے نہ علت۔

وقال الامام النووی لیس فیه الا التدلیس، وقال محمد بن عبد اللہ بن نمیر رمی بالقدر وکان ابعد الناس منه[2]

امام نووی بھی فرماتے ہیں کہ ان میں تدلیس کے علاوہ کوئی کمی نہیں۔ محمد بن عبد اللہ نمیری نے فرمایا: ان پر قدریہ ہونے کا الزام ہے لیکن وہ اس سے کوسوں دور ہیں۔

وقال یعقوب شیبة سألت ابن المدینی عن ابن اسحٰق قال حدیثه عندی صحیح، قلت فکلام مالك فیه قال مالك لم یجالسه ولم یعرفه[3]

یعقوب ابن شیبہ فرماتے ہیں، میں نے ان کے بارے میں علی ابن المدینی سے سوال کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک ان کی حدیثیں صحیح ہیں۔ میں نے امام مالک کی تنقیدوں کا ذکر کیا، تو فرمایا، وہ نہ ان کے ساتھ رہے نہ انھیں پہچانا۔

وذکرہ ابن حبان فی ثقاته و ان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحٰق واصطلح معه وبعث الیه ھدیة[4]

ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا، اور فرمایا، امام مالک نے ابن اسحٰق کی جرح سے رجوع فرمایا اور اُن سے صلح کرلی اور انھیں تحفہ بھیجا۔

[1،2] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۴۶۹/۳

تہذیب التہذیب " " " مؤسسة الرسالہ بیروت ۵۰۵/۳

[3] میزان الاعتدال " " " دار المعرفة بیروت ۴۷۵/۳

[4] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۰۰/۱ و تحفة الاحوذی کتاب الصلوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۳۹/۲

وقال مصعب الزبیری و دھیم وابن حبان لم یکن یقدح فیه من اجل الحدیث[1]۔ وقد تکفل بالجواب عنه الائمة احمد وابن المدینی والبخاری وابن حبان و المزی والذھبی والعسقلانی والمحقق حیث اطلق کما ھو مفصل مع زیادات کثیرۃ فی کتاب ولدی المحفوظ بکرم اللہ تعالٰی "وقایۃ اھل السنۃ" وللہ الحمد والمنۃ۔

مصعب زبیری، دحیم اور ابن حبان نے کہا، ان پر حدیث کی وجہ سے جرح نہیں کی گئی۔ اور ائمہ میں احمد، ابن مدینی، بخاری، ابن حبان، مزی، ذہبی اور محقق علی الاطلاق نے ان کی طرف سے دفاع کیا۔ یہ اور مزید اضافے میرے فرزند سلمہ کی کتاب "وقایہ اہلسنۃ" میں ہیں والحمدللہ والمنۃ۔

نفحہ ۲ : من الجھل الوخیم رمیه بالرفض اغترارا بقول التقریب رمی بالتشیع[2] وما بین التشیع و الرفض کما بین السماء والارض فربما اطلقوا التشیع علی تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ وھو مذھب جماعۃ من ائمۃ اھل السنۃ لاسیما ائمۃ الکوفۃ قال صاحب التقریب نفسه فی ھدی الساری التشیع محبۃ علیّ وتقدیمه علی الصحابۃ فمن قدمه علی ابی بکر وعمر فھو غال فی تشیعه ویطلق علیه رافضی والا فشیعی فان انضاف الی ذلک السب او

نفحہ ۲ : تقریب کے قول "ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی ہے" سے دھوکا کھا کر ان پر رفض کا عیب لگانا بدبودار جہالت ہے۔ رفض و تشیع میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لبسا اوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے جبکہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے، صاحب تقریب نے خود بھی "ہدی الساری" میں فرمایا : تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے، تو اگر کوئی آپ کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے، اور اسے رافضی بھی کہا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب بحوالہ ابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۵۰۷
کتاب الثقات لابن حبان " " " " ۶۰۶۶ دار الکتب العلمیہ " ۴/۲۳۶
[2] تقریب التہذیب " " " ۵۷۳۳ " " " ۲/۵۴

التصریح بالبغض فغال فی الرفض اھ[1] وتمام تحقیقہ فی تحریراتنا الحدیثیۃ۔

اور اس کی پوری تحقیق ہماری تحریرات حدیثیہ میں ہے۔

وفی المقاصد للعلامۃ التفتازانی الافضلیۃ عندنا بترتیب الخلافۃ مع تردد فیما بین عثمان وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہما[2]

مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے: ہمارے نزدیک خلفائے اربعہ میں فضیلت خلافت ترتیب پر ہے حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تردد کے ساتھ۔

وفی شرحھا لہ قال اھل السنۃ الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وقد مال بعض منھم الی تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما، والبعض الی التوقف فیما بینھما اھ[3]۔

شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے: اہل سنّت نے کہا کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی، اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔

وفی الصواعق للامام ابن حجر: جزم الکوفیون ومنھم سفیان الثوری بتفضیل علیٍ علٰی عثمان، وقیل بالوقف عن التفاضل بینھما، وھو روایۃ عن مالک اھ[4]۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے، ائمہ کوفہ (انھیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گردانا، اور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔

وفی تھذیب التھذیب فی ترجمۃ الامام الاعمش کان فیہ تشیع[5] اھ

تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا اور شرح

وفی شرح الفقہ الاکبر لعلی قاری روی عن

فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے

---

[1] ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری فصل فی تمییز اسباب الطعن فی المذکورین مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۲۳۱

[2] المقاصد علی ہامش شرح المقاصد المبحث السابع الافضلیۃ بترتیب الخلافۃ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۹۸

[3] شرح المقاصد " " " " " " " "

[4] الصواعق المحرقۃ الباب الثالث الفصل الاول مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۵۷

[5] تہذیب التہذیب ترجمہ سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۱۰

ابی حنیفة تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما والصحیح ما علیہ جمہور اھل السنة وھو ظاہر من قول ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی ما رتبہ ھنا وفق مراتب الخلافة اھ[1]۔

میں لکھا ہے : حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی فضیلت مروی ہے (رضی اللہ تعالٰی عنہم) لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہلسنّت ہیں۔ اور فقہ اکبر میں اس کو ترتیب خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے۔

ثم لایذھب عنك الفرق بین شیعی ورمی بالتشیع وکم فی الصحیحین ممن رمی بہ وقد عدّ فی ھدی الساری عشرین منھم فی مسانید صحیح البخاری فضلاً عن تعلیقاتہ، بل فیہ مثل عباد بن یعقوب رافضی جلد۔ ثم الشبھة لاقیمة لھا رأسا فکم فی الصحیحین ممن رمی بانواع البدع وقد تقرر عندھم ان المبتدع تقبل روایتہ اذا لم یکن داعیة۔

پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کا فرق بھی ملحوظ رہنا چاہئے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ "ہدی الساری" میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں، تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ رہا، بلکہ رواۃ بخاری میں تو عباد ابن یعقوب جیسا رافضی ہے جس پر کوڑے کی حد جاری گئی تھی۔ اور جرح میں شبہہ کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں، خود بخاری ومسلم میں بہت سے راوی ہیں جن پر انواع واقسام کی بدعت کا شبہہ کیا گیا، اور اصول محدثین کی رُو سے خود بدعتی بھی اپنے مذہب نامہذب کا داعی ومبلغ نہ ہو تو اس کی روایت مقبول ہے۔

نفحہ ۳ : اصل الحدیث رویناہ فی المسند حدثنا یعقوب حدثنا ابی عن ابن اسحٰق قال حدثنی محمد بن مسلم بن عبید اللہ الزھری عن السائب

نفحہ ۳ : اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیا مسند احمد ابن حنبل میں اس سند کے ساتھ ہے یعقوب، ابی، ابن اسحٰق حدثنی محمد ابن مسلم عبید اللہ الزہری، سائب بن یزید، یہاں یہ

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افضل الناس بعدہ الخ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ص ۱۸۷

بن یزید ابن اخت نمر[1]، فقد صرح بالسماع فلاعلیك من عنعنة هنا هذا وجه۔

وثانیا ابن اسحٰق کثیرالروایة عن الزهری والعنعنه عن مثل الشیخ تحمل علی السماع۔ قال الذهبی فی مثله متی قال "نا" فلا کلام ومتی قال "عن" تطرق الیه احتمال التدلیس الا فی شیوخ له اکثر عنهم فان روایته عن هذا الصنف محمولة علی الاتصال اھ[2]۔

لاسیما ابن اسحٰق فقد عرف منه النزول فی اشیاخ اکثر عنهم قال ابن المدینی حدیث ابن اسحٰق لیتبین فیه الصدق وهو من اروی الناس عن سالم بن ابی النضر وروی عن رجل عنه وهو من اروی الناس عن عمرو بن شعیب وروی عن رجل عن ایوب

حدیث لفظ حدثنی سے مروی ہے۔ تو اب اس روایت پر نہ تدلیس کا اعتراض ہوسکتا ہے نہ ارسال کا۔ ایک جواب تو یہ ہوا۔

دوسرا یہ ہے کہ امام محمد بن اسحٰق امام زہری سے کثیرالروایت ہیں۔ اور ایسے راوی کا عنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں، راوی جب روایت میں لفظ عن سے کسی بات کا اضافہ کرے تو تدلیس کا احتمال ہوتا ہے مگر جب راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثیرالروایت ہو تو یہ روایت متصل ہوگی۔

اور ابن اسحٰق کے بارے میں معروف و مشہور ہے کہ وہ ایسے اساتذہ کی حدیثوں کو بطور نزول بھی روایت کرتے جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں۔ علی بن المدینی فرماتے ہیں؛ محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں صدق ظاہر ہے۔ وہ سالم ابن ابی نضر سے بنسبت ان کے دوسرے شاگردوں کے کثیرالروایت ہیں۔ پھر بھی ان کی روایت عن رجل عن سالم (یعنی اپنے سے کم درجہ کے آدمی کے واسطہ سے بھی سالم سے ان کی روایت ہے) اسی طرح وہ عمرو بن شعیب کے شاگردوں میں بھی اروی الناس عنہ ہیں اور انکی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث السائب بن یزید المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۴۹

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۳۵۱۷ سلیمان بن مہران دارالمعرفۃ بیروت ۲/۲۲۴

عنہ اھ[1]

قلت وکذا ھو من اروی الناس عن ابن شھاب وقد روینا فی کتاب الخراج للامام ابی یوسف حدثنی محمد بن اسحٰق عن عبد السلام عن الزھری[2]

روایت عن رجل عن ایوب عن عمرو بن شعیب بھی ہے۔

میں کہتا ہوں ابن اسحٰق امام زہری کے بھی اروی الناس شاگرد ہیں۔ مگر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا کہ ان سے عبد السلام نے روایت کی اور ان سے امام زہری نے۔ (تو ابن اسحاق کی یہ روایتیں لفظ عن سے ہونے کے باوجود تدلیس نہیں ہے، روایت متصل ہے)۔

وثالثا ھذا کلہ علی طریقۃ ھؤلاء المحدثین اما علی اصولنا معشر الحنفیۃ والمالکیۃ والحنبلیۃ الجمھور فسؤال العنعنۃ ساقط عن راسہ فان مبناہ علی شبھۃ الارسال وحقیقتہ مقبولۃ عندنا وعند الجمھور فکیف بشبھتہ۔

تیسرا جواب: محمد ابن اسحاق کی تدلیس اور عنعنہ کے بارے میں اب تک جو بحث تھی وہ ان محدثین کے مسلک کی بنیاد تھی، جو حدیث کی جرح میں عنعنہ اور تدلیس کا لحاظ کرتے ہیں لیکن ہم حنفیوں، مالکیوں، حنبلیوں جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلاً ساقط ہے کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہہ ہے کہ تدلیس سے حدیث کے مرسل ہونے کا ڈر ہے، اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں، اور حدیث مرسل مقبول ہے تو صرف شبہہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔

قال الامام الجلیل السیوطی فی التدریب فی عنعنۃ

امام جلال الدین سیوطی نے تدریب میں فرمایا: جمہور علمائے کرام جو مراسیل قبول کرتے ہیں

---

[1] تہذیب التہذیب | ترجمہ محمد بن اسحاق | مؤسسۃ الرسالہ بیروت | ۳/۵۰۶

[2] کتاب الخراج | احادیث ترغیب وتخفیف | دار المعرفۃ بیروت | ص ۹

المدلس، قال جمہور من یقبل المراسیل تقبل مطلقا اھ[1] و فیہ عن الامام ابن جریر الطبری اجمع التابعون باسرھم علٰی قبول المرسل ولم یأت عنھم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ بعدھم الٰی راس المائتین اھ[2]۔

وہ عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں۔ اسی میں امام جریر طبری سے منقول ہے کہ جملہ تابعین نے بالکلیہ مراسیل قبول کرنے پر اجماع کیا ہے۔ نہ تو تابعین نے مراسیل کا انکار کیا نہ ان کے بعد ۲۰۰ھ ہجری تک کسی اور نے۔

وفی صحیح مسلم وجامع الترمذی عن محمد بن سیرین التابعی قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ قالوا سموالنا رجالکم اھ[3]۔

صحیح مسلم اور جامع میں محمد بن سیرین تابعی سے ہے کہ لوگ احادیث کی سند کے بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتے تھے۔ جب فتنہ واقع ہوا تو سوال کیا جانے لگا کہ اپنے راویوں کو ہم سے بیان کرو۔

قلت وھذا زید بن اسلم الامام مولٰی امیر المؤمنین الفاروق الذی کان الامام الاجل زین العابدین یجلس الیہ و یتخطی مجالس قومہ فقال لہ نافع ابن جبیر بن مطعم تخطی مجالس قومک الٰی عبد عمر بن الخطاب؟ فقال رضی اللہ عنہ، انما یجلس الرجل الٰی من ینفعہ فی دینہ رواہ البخاری فی تاریخہ[4]، زید

میں کہتا ہوں کہ امام زید بن اسلم جو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کے پاس امام جلیل زین العابدین بیٹھا کرتے تھے اور اپنی قوم کی مجلس چھوڑ دیتے تھے۔ نافع بن جبیر بن مطعم نے آپ سے کہا آپ اپنے لوگوں کی مجلس چھوڑ کر عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے غلام کی محفل میں بیٹھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا آدمی وہیں بیٹھتا ہے کہ جہاں اس کے دین کا فائدہ ہوتا ہے (تاریخ بخاری) انھیں زید نے ایک

---

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۰

[2] " " " " النوع التاسع " " " ۱/ ۱۶۳

[3] صحیح مسلم باب بیان ان الاسناد من الدین الخ " " " ۱/ ۱۱

[4] تاریخ البخاری باب الالف ترجمہ زید بن اسلم ۱۲۸۷ دار الباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمۃ ۳/ ۳۸۷

هذا احدث بحديث فقال له رجل یا اباامامة عمن هذا ؟ فقال یا ابن اخی، ماکنا نجالس السفهاء[1]، قال له العطاف بن خالد۔

قلت وقد اکثر الارسال ائمة التابعین سعید بن المسیب والقاسم وسالم والحسن وابوالعالیة وابراهیم النخعی وعطاء بن ابی رباح ومجاهد وسعید بن جبیر و طاؤس والشعبی والاعمش والزهری و قتادة ومکحول وابواسحٰق السبیعی وابراهیم التیمی ویحیٰی بن الکثیر واسمٰعیل بن ابی خالد وعمرو بن دینار ومعٰویة بن قرة وزید بن اسلم وسلیمان التیمی۔ ثم الائمة مالك ومحمد والسفیانان افتراهم فعلوه لترد احادیثهم۔ وفی مسلم الثبوت وشرحه فواتح الرحموت،

مرسل الصحابی یقبل مطلقا اتفاقا وان من غیره، فالاکثر ومنهم الائمة الثلٰثة ابوحنیفة ومالك واحمد رضی اللہ تعالٰی عنهم یقبل مطلقا، و الظاهریة وجمهور المحدثین الحادثین بعد المائتین لا[2]۔

وفی فصول البدائع للعلامة

حدیث بیان کی، ایک آدمی نے ان سے کہا ابا اسامہ یہ کس سے آپ بیان کررہے ہیں ؟ آپ نے فرمایا، اے بھتیجے ! ہم سفہاء کے ساتھ نہیں بیٹھتے۔ یہ اسے عطاف بن خالد نے کہا۔

میں کہتا ہوں علمائے تابعین مثلاً سعید بن مسیب، قاسم، سالم، حسن، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ، مکحول، ابواسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحیٰی بن کثیر، اسمٰعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمٰن تیمی، امام مالک و محمد اور سفیانین۔ کیا یہ سب حضرات اس لئے ارسال کرتے تھے کہ ان کی حدیثیں رَد کردی جائیں۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے، صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقاً مقبول ہیں، اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں، یہ سب لوگ اسے مطلقاً مقبول رکھتے ہیں۔ ہاں ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔

فصول البدائع مولیٰ خسرو میں ہے،

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ زید بن اسلم موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۶۵۸

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۷۴

مولیٰ خسرو طعن المحدثین بما لا یصلح جرحا لا یقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنة فانها توهم شبهة الارسال و حقیقته لیست بجرح[1] اھ۔

قلت: و روی ابوداؤد عن عبد الله بن حنظلة بن ابی عامر ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم امر بالوضوء عند کل صلٰوة فلما شق ذٰلك علیه امر بالسواك لکل صلٰوة[2]، فیه ایضا ابن اسحٰق وقد عنعن و مع ذٰلك قال الشامی فی سیرته اسناده جید و فیه اختلاف لایضر[3] اھ۔

و روی احمد عن واثلة بن الاسقع رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم امرت بالسواك حتی خشیت ان یکتب علیّ[4]، نقل الزرقانی علی المواهب عن المنذری وغیره فیه لیث بن ابی سلیم ثقة مدلس

اور محدثین کا ایسا طعن جو جرح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جیسے عنعنہ میں تدلیس کا طعن کہ اس میں شُبہہ ارسال ہے، حالانکہ خود ارسال اسبابِ طعن میں سے نہیں ہے۔

چوتھا جواب: ابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر وقت وضو کا حکم دیا گیا تھا لیکن یہ جب آپ پر مشقت ڈالنے لگا تو ہر نماز کے وقت آپ کو مسواک کرنے کا حکم ہُوا۔ اس حدیث میں بھی ابن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی۔ اس کے باوجود امام شامی اپنی سیرت میں کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اور اس میں اختلاف ہے جس سے کوئی ضرر نہیں۔

پانچواں جواب: امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی مجھے مسواک کے لئے اتنی بار حکم دیا گیا کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ فرض نہ کر دی جائے۔

امام زرقانی نے یہ حدیث مواہب کی شرح میں منذری وغیرہ سے روایت کی۔ اس روایت میں لیث بن ابی سلیم ہیں جو ثقہ مدلس ہیں،

---

[1] فصول البدائع

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷

[3]

[4] مسند احمد بن حنبل حدیث واثلۃ بن الاسقع المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۹۰

وقد رواہ بالعنعنة[1] ۔ ومع ذلك قال عن المنذری اسنادہ حسن[2] اھ۔

اور حدیث کو لفظ عن سے روایت کرتے ہیں، منذری کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

وقال الحافظ العسقلانی فی نظم اللآلی معنعن ابی الزبیر غیر محمول علی الاتصال الا اذا کان من روایة اللیث عنه[3] الخ ۔ وھذا امر مقرر عند ھؤلاء المحدثین و نجد فی صحیح مسلم احادیث عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه لیست من روایة اللیث عنه قال الذھبی فی المیزان فی صحیح مسلم عدة احادیث مما لم یوضح فیھا ابوالزبیر السماع عن جابر وھی من غیر طریق اللیث عنه ففی القلب منھا[4] اھ۔

چھٹا جواب: حافظ ابن حجر عسقلانی نے نظم اللآلی میں کہا: "ابوزبیر کی معنعن مقبول نہیں اور اتصال پر محمول نہیں، ہاں روایت لیث سے ہو تو مقبول ہے۔" محدثین کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے لیکن امام مسلم کی صحیح میں چند حدیثیں ابوزبیر بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی ہیں جن میں ابوزبیر حضرت لیث سے روایت نہیں کرتے، چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ، "صحیح مسلم میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں ابوزبیر جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بواسطہ لیث کی تصریح نہیں کی ہے جس سے دل میں کچھ شبہہ ہوتا ہے۔"

قلت: ولکن لم یکن منھا فی قلب مسلم شیئ فادرجھا فی صحیحه الذی جعله حجة بینه وبین ربه عزوجل۔

میں کہتا ہوں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تو ان حدیثوں کے بارے میں کوئی شبہہ نہیں تھا جبھی تو انھوں نے یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج کیں جس کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت قرار دیا۔

وروی ابن جریر عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنه، سمعت

ساتواں جواب: ابن جریر نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی میں نے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد التاسع دار المعرفۃ بیروت ۷/۲۴۸
[2] " " " " " " " " " "
[3] نظم اللآلی
[4] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن مسلم ابوالزبیر المکی ۸۱۶۹ دار المعرفۃ بیروت ۴/۳۹

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا البتۃ فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لما نزلت اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1] الحدیث۔

آپ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ بڑھیا بوڑھے زنا کریں تو انھیں ضرور سنگسار کرو۔

حضرت عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ (الحدیث)

قال ابن جریر ھذا حدیث لایعرف لہ مخرج عن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھذا اللفظ الا من ھذا الوجہ وھو عندنا صحیح سندہ لاعلۃ فیہ توھنہ ولا سبب یضعفہ لعدالۃ نقلتہ وقد یعل بان قتادۃ مدلس ولم یصرح بالسماع والتحدیث[2] اھ۔

ابن جریر نے کہا کہ اس حدیث کی کوئی تخریج عمر عن رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم یعنی بایں الفاظ سوائے اس روایت کے نہیں، پھر بھی یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح اور مستند ہے۔ اس میں کوئی ایسا عیب نہیں جو اس حدیث کو کمزور کرے۔ تو اس کے ضعیف ہونے کا کوئی راستہ نہیں کہ یہ عادل راویوں سے مروی ہے البتہ اس میں ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ایک راوی حضرت قتادہ مدلس ہیں اور انھوں نے نہ تو سماع کی بات کی نہ لفظاً حدثنا کہا۔

وھذا امام الحنفیۃ امام الفقہاء المحدثین الحافظ الناقد البصیر بعلل الحدیث الامام ابوجعفر احمد الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی روی فی کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکۃ عنوۃ حدیثین احدھما

آٹھواں باب: امام الحنفیہ، امام الفقہاء والمحدثین، حافظ، ناقد وبصیر، امام ابوجعفر احمد طحاوی نے شرح معانی الآثار "کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ مکۃ عنوۃ" میں دو حدیثیں روایت کیں، ایک حضرت عکرمہ سے کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب اہل مکہ سے رخصت ہوئے، اور دوسری

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/۴۱۸

[2] " " " " " " " ۵/۴۱۸ و ۴۱۹

عن عكرمة قال لما وادع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اهل مكة ، والأخر حديث الزهري وغيره قال كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قد صالح قريشا ، الحديثين بطولهما ، قال بعده ، فان قلتم ان حديثي الزهري و عكرمة الذين ذكرنا منقطعان قيل لكم وقد روى عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما حديث يدل على ماروينا حدثنا فهد بن سليمٰن بن يحيٰى ثنا يوسف بن بهلول ثنا عبدالله بن ادريس حدثني محمد بن اسحٰق قال قال الزهري حدثني عبيدالله بن عبدالله بن عتبة عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما الحديث في نحو ورقة كبيرة قال في اٰخره فهذا حديث متصل الاسناد صحيح[1] اھ ومعلوم ان "قال فلان" كعن فلان لعدم بيان السماع فيهما ۔

حدیث امام زہری وغیرہ سے جس میں ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت فرمائی"۔ یہ دونوں حدیثیں مکمل نقل فرماکر ارشاد فرمایا کہ "اگر کوئی اعتراض کرے کہ زہری وعکرمہ کی مذکورہ حدیثیں منقطع ہیں، تو جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسی کے ہم معنٰی حدیث مروی ہے۔ فہد بن سلیمٰن، یوسف بن بہلول، عبداللہ بن ادریس، محمد بن اسحٰق قال قال الزہری عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث بیان کی۔ یہ حدیث حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی طویل ایک بڑے ورق کی مقدار میں روایت کرکے فرمایا، یہ حدیث متصل الاسناد صحیح ہے" حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اصطلاح میں قال کا حکم لفظ عن کا ہے کیونکہ دونوں میں سماع کی تصریح نہیں۔

قال الامام النووي في التقريب تدليس الاسناد بان يروي عمن عاصره مالم يسمعه منه موهما سماعه قائلا ، قال فلان او عن فلان ونحوه[2] ، الافي ماعنعنة ابن اس[illegible]ان حكم هذا

اور امام نووی نے تقریب میں فرمایا کہ "تدلیس اسناد یہ نہیں کہ راوی اس سے روایت کرے جس کا معاصر ہو جب تک اس سے خود نہ سُنے اور الفاظ ایسے بولے جس سے وہم ہو کہ راوی نے خود اس سے سُنا ہے۔ جیسے قال فلان یا عن فلان۔ مگر ان روایتوں میں جن کو

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ عنوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۳ تا ۲۰۸

[2] التقریب للنواوی مع تدریب الراوی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۶

قبل الامام الحجة انہ متصل الاسناد وانہ صحیح فقد رفع مکحول وابواسحٰق السبیعی کلتا الشبھتین الکلام فی ابن اسحٰق وعدالتہ والاتیان من قبل عنعنۃ بلفظ الکریم الصریح، وللہ الحمد۔

وھذا امامنا ثانی ائمۃ مذھبنا الامام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنھم قد اکثر فی کتاب الخراج الاحتجاج باحادیث محمد بن اسحٰق معنعنۃ وغیر معنعنۃ وقد قالوا کما فی رد المحتار وغیرہ، ان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحًا لہ، فقد صحح الامام ابویوسف احادیث ابن اسحٰق وعنعنتہ کیف؟ وقد ادرجھا فیما اوجب العمل بہ اذ قال فی مبدء کتابہ ان امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالٰی سألنی ان اضع لہ کتابا جامعا یعمل بہ فی جبایۃ الخراج والعشور والصدقات والجوالی وغیرہ ذٰلک مما یجب العمل بہ وقد فسرت ذٰلک و

محمد بن اسحاق نے لفظ عن سے روایت کیا ہو، بیشک ان کی ایسی روایت کا بھی حکم یہی ہے کہ وہ متصل الاسناد اور صحیح ہیں، وہ امام حجت ہیں مکحول اور ابواسحٰق سبیعی نے ان سے دونوں شبہوں کو دفع کیا ہے۔"

ہمارے امام مذہب ثانی الائمہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کثرت کے ساتھ کتاب الخراج میں ان حدیثوں سے استدلال فرمایا جو حضرت محمد ابن اسحٰق سے بصیغہ عن ولبغیر عن مروی تھیں۔ اور علمائے حدیث نے تصریح کی ہے (جیسا کہ رد المحتار وغیرہ صحیفوں میں ہے) کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا، اس حدیث کی تصحیح شمار ہوتا ہے، تو قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن حدیثوں کو اپنی کتاب میں داخل فرما کر ان کی تصحیح کی، اور استدلال بھی ایسی کتاب میں کیا جس کے واجب العمل ہونے کی تصریح خود اس کتاب کے مقدمہ میں فرمائی، آپ لکھتے ہیں، بے شک امیر المؤمنین نے (خدا ان کی مدد فرمائے) مجھ سے ایک ایسی جامع کتاب کی فرمائش کی جس پر وہ اپنی زندگی بھر جبایا خراج، عشر، صدقات اور جوالی وغیرہ میں عملدرآمد کریں اور وہ احکا[illegible] العا[illegible] تو میں نے

شرحته[1] اھ۔

ان کی تعبیر اور توضیح کردی۔

نفحہ ۴: کفانا المولٰی سبحانہ وتعالٰی النظر فی توثیق ابن اسحٰق وحجیۃ حدیثہ بان الذی الین لہ الحدیث کما الین لداؤد علیہ الصلوۃ والسلام الحدید[2] رواہ فی کتابہ الذی قالوا فیہ: من کان فی بیتہ فکانما فی بیتہ نبی یتکلم وسکت علیہ۔

نفحہ ۴: روایت ابن اسحٰق کی تائید و توثیق اور ان کی طرف سے دفاع کی مشقت سے اللہ تعالٰی نے ہماری یوں کفایت کی کہ ان کی محولہ بالا حدیث کو اس امام نے اپنی مسند میں روایت کیا جن کے ہاتھ میں علم حدیث اس طرح نرم و ملائم ہوگیا تھا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے دستِ کریم میں لوہا نرم کردیا گیا تھا جن کے مجموعۂ حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ شہادت ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو اس گھر میں گویا نبی ہے جو کلام کر رہا ہے، ایسے امام میں یہ حدیث اپنی کتاب میں درج فرما کر سکوت کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

○ وقد قال کما فی مقدمۃ الامام ابن الصلاح ذکرت فیہ الصحیح وما یشبہہ ویقاربہ[3]۔

○ مقدمہ ابن صلاح میں حضرت ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس کتاب کے بارے میں منقول ہوا: "میں نے اپنی کتاب میں صحاح کو جمع کیا یا جو اس کے مشابہ اور قریب ہو۔"

○ وفی فتح المغیث عن الامام ابن کثیر روی عنہ ما سکتُّ عنہ فھو حسن[4] اھ۔

○ فتح المغیث میں امام ابن کثیر سے انھیں کا یہ قول منقول ہوا: "اس کتاب میں میں جس حدیث پر سکوت کروں تو وہ حسن ہے۔"

○ وفی رسالتہ الی اھل مکۃ

○ ابوداؤد نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا: "اس

---

[1] کتاب الخراج خطاب من المؤلف الی امیر المومنین ہارون الرشید دار المعرفۃ بیروت ص ۳

[2] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۸۷ و معالم السنن للخطابی ۱/ ۵

[3] مقدمہ ابن الصلاح الثانی معرفۃ الحسن من الحدیث فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

[4] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۹۰

تدریب الراوی بحوالہ ابن کثیر النوع الثانی الحسن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۵

الباب کما اعترفت الاٰن، کیف لایکون الذی علی الباب محاذیا للامام ولاحائل ثمہ یحجبہ من النظر فصدق بین یدیہ فتاویلك باطل باستقامۃ المعنی الظاھر، واستقامتہ تقتضی لبطلان التاویل فکان وجودہ حاکما بعدمہ وھذا ھو اشنع الاباطیل۔

کے سامنے اور محاذی ہے تو دروازہ پر کھڑا ہونیوالا امام کے محاذی و مقابل کیوں نہ ہوگا جبکہ دونوں کے درمیان حائل نہیں، تو جب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی ظاہر کی تائید کرتی ہے تو اس تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ آپ کی تاویل اپنی تخریب کا سامان اپنے ساتھ ہی لاتی ہے اور یہ بدترین بات ہے۔

نفحہ ۹: اشنع منہ زعم ان العاطف

نفحہ ۹: اس سے بری تاویل یہ ہے کہ

عہ ومثلہ، بل أبعد منہ قول اعجاز الحق، أن فی روایۃ محمد بن اسحٰق تقدیرا، یعنی: اذ جلس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنبر أذن بین یدیہ (بعد ما کان) علی باب المسجد۔ فالنداء لا بالفاظ مخصوصۃ علی باب المسجد کان فی زمن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والشیخین، ثم جعل عثمٰنُ ھذا النداء أذانا اعٰ بالفاظ مخصوصۃ علٰی مقام عالٍ ھو الزوراء علٰی ما صرّح بہ فی المرقاۃ[1]، فھذا ھو التحقیق الحقیق بالقبول،

عہ اور اس سے بھی زیادہ بعید اعجاز الحق کا قول ہے کہ محمد بن اسحٰق کی روایت میں پورا ایک جملہ مقدر ہے یعنی عبارت یوں ہے: "حضور اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو دروازہ پر ہونے کے بعد اذان آپ کے سامنے ہوتی۔" یعنی وُہ ندا جو دروازہ پر ہوتی اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی، ایسا حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں ہوتا رہا، پھر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ میں اس کو اذان ہی کے الفاظ میں مقام زوراء پر کہلانا شروع کیا جو مسجد سے دُور ایک بلند جگہ تھی۔ ایسا ہی مُلّا علی قاری علیہ الرحمۃ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا۔ یہ تحقیق لائقِ قبول ہے"

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوٰۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۴۹۷

ماکان فیہ حدیث منکر بینتہ بما انہ منکر[1]

کتاب میں اگر کوئی منکر حدیث ذکر کروں گا تو اس کا سبب بھی بیان کروں گا کہ کیونکر منکر ہے۔"

○ وقال ابوعمر بن عبدالبر، کل ما سکت علیہ فھو صحیح عندہ[2]

○ ابوعمرو بن عبدالبر نے کہا: "جس حدیث کو ذکر کرکے ابوداؤد نے سکوت کیا تو وہ انکے نزدیک صحیح ہے۔"

○ وقال المنذری: کل حدیث عزوتہ الی ابی داؤد وسکت عنہ فھو کما ذکر ابوداؤد ولا ینزل عن درجۃ الحسن وقد یکون علی شرط الصحیحین[3]

○ امام منذری نے فرمایا: "جس حدیث کی نسبت ابوداؤد کی طرف کروں اور ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہو، تو وہ ابوداؤد کے قول کے مطابق ہے یعنی درجۂ حسن سے تو کم نہ ہوگی۔ بسا اوقات صحیحین کے اصول پر ہوتی ہے۔"

○ وقال ابن الصلاح ثم الامام النووی فی التقریب ما وجدنا فی کتابہ مطلقاً فھو حسن عند ابی داؤد۔[4]

○ ابن صلاح اور نووی دونوں اماموں نے فرمایا: "امام ابوداؤد کی کتاب میں جو حدیث مطلق مروی ہو وہ ان کے نزدیک حسن ہے۔"

○ وقال العلامۃ ابن الترکمانی فی الجوھر النقی اخرجہ ابوداؤد وسکت عنہ فاقل احوالہ ان یکون حسنا عندہ علی ما عرف[5]

○ امام ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں "ابوداؤد نے جس حدیث کی تخریج فرماکر سکوت کیا، اور اس پر کوئی جرح نہیں کی، تو اس حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہوگا جیساکہ یہ بات مشہور و معروف ہے۔"

○ وقال الزیلعی فی نصب الرایۃ،

○ نصب الرایہ میں امام زیلعی فرماتے ہیں،

---

[1] مقدمہ سنن ابی داؤد مع سنن ابی داؤد — آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۴
فتح المغیث القسم الثانی الحسن — دار الامام الطبری بیروت ۱/۸۸ و ۹۸

[2] " " " " " " " ۱/۹۱

[3] الترغیب والترہیب مقدمۃ الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱

[4] تقریب النواوی مع تدریب الراوی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۴

[5] الجوہر النقی علی ہامش السنن الکبرٰی کتاب الدعوٰی والبینات حیدر آباد دکن ۱۰/۲۷۱

ان ابا داؤد روی حدیث القلتین وسکت عنہ فھو صحیح عندہ علی عادتہ فی ذلک[1]

"ابوداؤد نے حدیث قلتین روایت کیا اور اس پر سکوت فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔"

○ وقال الحافظ العراقی ثم الشمس السخاوی فی المقاصد الحسنۃ، یکفینا سکوت ابی داؤد علیہ فھو حسن[2]

○ حضرت عراقی اور شمس الدین سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں فرمایا: "اس حدیث پر ابوداؤد کا سکوت ہی ہمارے لئے کافی ہے، اور یہ حدیث حسن ہے۔"

○ وقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر، سکت ابوداؤد فھو حجۃ[3]

○ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں لکھتے ہیں، "ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا تو یہ حدیث حجت ہے۔"

○ وقال العلامۃ محمد بن امیر الحاج، رواہ ابوداؤد وسکت علیہ فیکون حجۃ علی ما ھو مقتضی شرطہ[4]

○ علامہ محمد ابن امیر الحاج فرماتے ہیں، "ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا تو یہ ان کی شرط کے موافق حجت ہے۔"

○ وقال العلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ سکت علیہ ابوداؤد والمنذری بعدہ فی مختصرہ وھو تصحیح منھما اھ[5]

○ علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں فرمایا، ابوداؤد اور ان کے بعد امام منذری نے اپنی مختصر میں اس پر سکوت فرمایا۔ تو یہ ان دونوں کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔

○ وقال الخطابی فی معالم السنن، کتاب ابی داؤد جامع لھذین النوعین

○ علامہ خطابی نے معالم السنن میں تحریر کیا، "ابوداؤد کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی

---

[1] نصب الرایۃ کتاب الطہارۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور ۱/۱۹۳
[2] المقاصد الحسنۃ تحت حدیث ۳۸۱ دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۱۶
[3] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۵
[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[5] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۶

من الحدیث والحسن، اما السقیم فعلی طبقات شرھا الموضوع ثم المقلوب ثم المجھول، وکتاب ابی داؤد خلی منھا بری من جملۃ وجوھھا اھ[1]۔

احادیث پر مشتمل ہے، اور حدیث سقیم کی تو کئی قسمیں ہیں۔ سب سے بے حیثیت موضوع، پھر مقلوب، پھر مجہول۔ اور ابوداؤد کی کتاب سقیم کی تمام قسموں سے خالی اور بری ہے۔

○ وقال الامام البخاری فی جزء القرأۃ قال علی بن عبداللہ نظرت فی کتاب ابن اسحٰق فما وجدت علیہ الا فی حدیثین ویمکن ان یکون صحیحین اھ[2]

○ امام بخاری نے اپنی کتاب "جزء القرأۃ" میں لکھا، "علی ابن عبداللہ نے کہا کہ میں نے ابن اسحٰق کی کتابیں دیکھیں تو سوائے دو حدیثوں کے اور کسی میں کوئی عیب نہیں پایا، اور ممکن ہے کہ وہ دونوں بھی صحیح ہوں۔"

وبیّنھما القسوی عن علی لیس حدیثنا ھذا بحمداللہ تعالٰی منھما احدھما عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: اذا نعس احدکم یوم الجمعۃ[3]، والاٰخر عن زید بن خالد اذا مس احدکم فرجہ فلیتوضأ[4]۔

ان دونوں حدیثوں کو قسوی نے حضرت علی بن عبداللہ سے روایت کیا۔ بحمداللہ ہماری ذکر کردہ حدیث ان میں نہیں ہے۔ دونوں میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سے روایت کی کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز اُونگھے، اور دوسری حدیث زید بن خالد سے کہ تم میں سے کوئی جب اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔

وعلی ھذا ھو ابن المدینی شیخ البخاری الذی کان یقول فیہ البخاری ما استصغرت

یہ علی ابن المدینی اس پائے کے محدث ہیں کہ ان کے شاگرد امام بخاری کہتے ہیں کہ سوائے علی بن المدینی کے اور کسی کے

---

[1] معالم السنن مع مختصر سنن ابی داؤد للمنذری مقدمۃ الکتاب المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۱/۱۱

[2] جزء القراءۃ خلف الامام للبخاری باب الدلیل علی ان القرآن رکن فی الصلوٰۃ ۱/۶۰

[3] جامع الترمذی ابواب الجمعۃ باب فی من ینعس یوم الجمعۃ امین کمپنی دہلی ۱/۶۹

[4] موارد الظمآن کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی مس الفرج حدیث ۲۱۴ المطبعۃ السلفیہ ص ۷۸

نفسی الا عندہ[1]، فثبت بحمد اللہ تعالٰی ان ابن اسحٰق ثقۃ وان الحدیث حسن صحیح۔

نفحہ ۵: اکثر اصحاب الزھری لم یذکروا فی الحدیث "علی باب المسجد" ولا "بین یدیہ" وھما زیادۃ ثقۃ فوجب قبولھما، ومن الظلم قبولہ فی ھذا، لا فی ذلک فلیس مستند کونہ "بین یدیہ" من الحدیث الا زیادۃ ابن اسحٰق ومن اشد الجھل زعم ان ذکرہ ما لم یذکروا مخالفۃ لھم والّا لاضطربت الاحادیث عن اٰخرھا الا افرادًا عدیدۃ۔ فما من حدیث اتی بطریقین اواکثر الا وفی بعضھا مالیس فی الاٰخر، الّا نادرًا، ولا عبرۃ بالنادر، ھذا وجہ۔

وثانیا کثیرًا ماتری الائمۃ المحدثین یجمعون الطرق فیقول احدھم حدثنا فلان، وفلان عن فلان یزید بعضھم علی بعض ثم

سامنے میں نے اپنے کو چھوٹا نہیں محسوس کیا۔ تو مذکورہ بالا تفصیلات سے بحمد اللہ ثابت ہوگیا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔ اور اذانِ خطبہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔

نفحہ ۵: امام زہری کے اکثر شاگردوں نے حدیث میں "علٰی باب المسجد" اور "بین یدیہ" کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان دونوں ٹکڑوں کا ذکر صرف ابن اسحٰق نے کیا ہے جو ایک ثقہ راوی کا اضافہ ہے اور اس کا قبول کرنا واجب ہے، تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ "بین یدیہ" کو تو تسلیم کیا جائے اور "علٰی باب المسجد" کو ترک کردیا جائے اور اس سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ابن اسحٰق کے اس اضافہ کو اس وجہ سے ترک کیا جائے کہ صرف ابن اسحاق اس کے راوی ہیں۔ اوروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور اسی بنا پر اس اضافہ کو ان کی ثقہ راویوں کی مخالفت قرار دیا جائے، اور حدیث کو مضطرب قرار دیا جائے۔ اگر یہ ظلم روا رکھا جائے تو چند معدود اور مختصر روایتیں ہی اضطراب سے محفوظ رہیں گی، کیونکہ کون حدیث ہے جو دو یا دو سے زائد طریقوں سے مروی نہیں۔ اور ہر طریقہ روایت کے متن میں کچھ ایسا حصّہ بھی ضرور ہے جو دوسرے میں نہیں۔ شاید ہی ایسا ہوگا کہ دونوں روایتوں کے الفاظ بالکلیہ یکساں اور برابر ہوں۔ اور نادر کا کیا اعتبار۔

ثانیًا اکثر دیکھا گیا ہے کہ ائمہ محدثین چند سندوں کو ایک ساتھ جمع کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں فلاں فلاں

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ علی بن عبد اللہ ۵۰۸۴ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰/۳

یسوق الحدیث سیاقًا واحدًا افتراھم یجمعون بین الضب و النون۔

اور فلاں نے فلاں سے روایت کی جس میں بعض نے بعض سے زائد بیان کیا۔ اور پھر پوری حدیث ایک ہی سیاق میں بیان کرتے ہیں، تو کیا وہ لوگ مچھلی اور گوہ دونوں کو ایک ساتھ ہی ملا دیتے ہیں۔

وثالثًا مفسروالقراٰن العظیم من الصحابۃ والتابعین و ھلم جرًا کلما فسروا واقعۃ ذکرت فی القراٰن المجید زادوا اشیاء لیست فی القراٰن العظیم فاذن کلھم یخالفون القراٰن الکریم، حاشاھم۔

ثالثًا قرآن عظیم کے مفسروں میں، صحابہ ہوں یا تابعین (بعد کے لوگوں کا بھی یہی حال ہے) کہ کسی ایسے واقعہ کی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں مذکور ہے۔ تو اس واقعہ میں کچھ ایسا اضافہ بھی کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں نہیں ہے، تو کیا سب کے سب نے قرآن عظیم کی مخالفت کی۔ پناہ بخدا!

ورابعًا فی الصحیحین عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا احدثکم حدیثا عن الدجال ماحدث بہ نبی قومہ انہ اعور الحدیث[1] فاذن یکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والعیاذ باللہ تعالٰی قد خالف جمیع الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام فی بیان واقعۃ وھذا لایتفوہ بہ مسلم۔

رابعًا صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "میں تم سے دجال کے بارے میں وہ بات نہ بیان کروں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہ کیا" تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور انبیاء سے زائد بات بتا کر ان سب انبیاء کی مخالفت کی۔ کون مسلمان یہ کہے گا؟

وخامسًا السور القراٰنیۃ تذکر قصۃ موسٰی وغیرھا یزید

خامسًا قرآن شریف میں حضرت موسٰی وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے مختلف

---

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ ولقد ارسلنا نوحًا الٰی قومہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰
صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال " " " ۲/ ۴۰۰

بعضها علی بعض وحاشا القرآن ان یتخالف۔

جگہ بیان کئے گئے ہیں کہیں کم کہیں کچھ زیادہ، تو کیا قرآن شریف نے اپنے بیان کی خود مخالفت کی؟

نفحہ ۶: ما اجھل من زعم ان الحدیث متناقض بنفسہ فان قولہ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعارض قولہ علی باب المسجد فلوکان علی الباب کیف یکون بین یدیہ وھذا فھم لایتصور الّا من وھم۔ اذا جلست علی المنبر فتجاہ وجھک باب فالقائم علیہ ھل یکون بین یدیک ام خلفک۔ والصفوف الجلوس بینکما لا تحجبہ عن نظرک الا تری ان اللہ تعالٰی سمّی السماء بین ایدینا اذ قال وقولہ الحق افلم یروا الٰی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض[1]۔ وکم من جبال بینھما وبیننا وسیأتیک زیادۃ وافیۃ فی تحقیق معنی "بین یدیہ" ان شاء اللہ تعالٰی۔

نفحہ ۶: وہ شخص بھی کیا خوب جاہل ہے جو یہ کہتا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث خود ہی متناقض ہے اس لئے کہ حدیث کے الفاظ "خطیب کے سامنے" اور "مسجد کے دروازہ پر" میں تناقض ہے۔ تو اگر باب مسجد پر ہوگی تو خطیب کے سامنے کیسے ہوگی؟ یہ شبہہ سراسر وہم کی پیداوار ہے کیونکہ جب تم منبر پر بیٹھو اور تمہارے منہ کے سامنے مسجد کا دروازہ ہو تو دروازے پر کھڑا ہونے والا کیوں تمہارے سامنے نہ ہوگا؟ کیا اس کو تمہارے پیچھے کھڑا ہونیوالا کہا جائیگا؟ شاید یہ سوچتے ہوں گے کہ اس صورت میں امام اور مؤذن کے بیچ میں صفیں حائل ہیں پھر سامنے کیسے ہوا! صفیں بیچ میں ضرور ہیں لیکن وہ مؤذن اور امام میں حائل نہیں ہیں۔ اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان و زمین تمہارے آگے پیچھے ہیں"، حالانکہ کتنے پہاڑ اس کے اور ہمارے درمیان میں حائل ہیں۔ "بین یدیہ" کی زیادہ تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۴/۹

نفحہ: اذا بطل زعمۃ التناقض انتقض ما بنی علیہ من وجوب تاویل الحدیث فان الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ ولکن ان تعجب فعجب قولہ وان المراد بالباب الباب الذی کان فی جدار القبلۃ قبل تحویلھا الی الکعبۃ المشرفۃ فیا للانصاف باب کان وبان وصار جدارًا والباب الحقیقی موجود الآن فاذا ذکر باب المسجد ھل یذھب ذھن احد الی ان القائل لم یرد الباب بل الجدار فمثل ھذا یکون تحویلا وتعطیلا وتبدیلا لا تأویلا ولا سیما والحاکی لھذا اعنی سیدنا السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یشاھد ذلک الباب الکائن البائن قط۔ فانہ کان ابن سبع عند وفاۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فولادتہ سنۃ ثلاث

نفحہ: اور جب "بین یدیہ" اور "علی الباب" کا تناقض ختم ہوگیا تو اس پر حدیث کی جو تاویل مبنی تھی وہ بھی ختم ہوگئی کہ درخت بیج کے بغیر نہیں اُگ سکتا۔ لیکن اس تاویل میں حیرتناک بات یہ ہے کہ مؤول کے نزدیک سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دروازہ سے مراد وُہ دروازہ ہے جو دیوارِ قبلہ میں منبر کی پشت پر تھا، توخطیب کے سامنے منبر کے بالکل متصل کھڑے ہونے والے مؤذن کو مسجد کے دروازہ پر کہہ دیا اگرچہ مؤذن اور دروازہ کے بیچ میں خود خطیب اور منبر حائل تھا۔ مگر کھڑے ہونے والے مؤذن کے سامنے ہی دروازہ تھا۔

یاللعجب! مؤول جس دروازہ کی بات کررہا ہے وہ اب نہیں ہے اسے بند کرکے اب دیوار کردیا گیا ہے وہ تو مراد ہوسکتا ہے، اور حقیقی دروازہ جو فی الوقت موجود ہے اور خطیب کے سامنے ہے وہ مراد نہیں ہوسکتا۔ کیا ایسی صورت میں کوئی باب المسجد کہے تو کسی کا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد موجود اور مشاہد دروازہ موجود نہیں بلکہ یہ دیوار مراد ہے۔ اس کو تاویل نہیں کہتے، یہ تو تحویل ہے، تعطیل ہے اور تبدیل ہے خصوصًا اس صورت میں کہ سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰے عنہ نے اس بند شدہ دروازہ کو دیکھا بھی نہیں اس لئے کہ وہ حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے

او اربع من الهجرة الشريفة و وتحويل القبلة فى السنة الثانية فهو يحكى ما شاهده فكيف يريد بابا لم يشاهده - ثم انك تحتاج فيه الى مجاز فى مجاز فان ذلك الباب كان فى الجدار القبلى والمنبر دونه بينهما ممر شاة و والمؤذن دون المنبر فكيف يكون حقيقة على الباب اخرى انه كان يؤذن متقدما الى جدار القبلة مستدبرا للنبى صلى الله تعالى عليه وسلم او متوجها الى ظهره الشريف مستدبرا للقبلة بل لو فرض هذا لم يكن ايضا حقيقة على الباب المفقود اى محله الموجود لانه الأن مسدود ۔

نفحہ ۸: ارادة الباب الشمالى الموجود اذ ذاك وتاويل على بالمحاذات اى كان يقوم المؤذن متصلا بالمنبر بين يدى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم ولكونه اذ ذاك على محاذات الباب الشمالى قيل له على باب المسجد كلام

وصال کے وقت سات سال کے تھے ۔ اس حساب سے ان کی ولادت ۳ھ ہجری میں ہوئی جبکہ تحویلِ قبلہ کا واقعہ ۲ھ ہجری کا ہے تو جب وہ اپنے مشاہدہ کی بات کر رہے ہیں تو یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ وہ اس اَن دیکھے دروازہ کی گواہی دیں گے ۔ پھر اس تاویل میں مجاز در مجاز ماننا پڑے گا کیونکہ یہ دروازہ قبلہ کی دیوار میں تھا اور اسی کے پاس منبر تھا اس دروازہ اور منبر کے درمیان بکری کے گزرنے بھر جگہ تھی، اور منبر کے بعد مؤذن کھڑا ہوتا تھا ۔ ایسی صورت میں مؤذن حقیقی معنیٰ میں دروازہ پر کس طرح کھڑا ہوسکتا ہے کیونکہ حقیقی معنیٰ میں دروازہ پر ماننے کی صورت تو یہ ہوگی مؤذن منبر سے آگے بڑھ کر قبلہ کی دیوار کے اندر والے دروازہ پر کھڑا ہوکر حضور کی پشت اقدس کے پیچھے قبلہ کی طرف پشت اور آپ کے پشت کی طرف رُخ کرے، بلکہ سچ پوچھو تو یہ اذان بھی دروازہ پر نہ ہوگی کہ دروازہ تو بند ہوکر اس جگہ دیوار بنا دی گئی تھی۔

نفحہ ۸: اور دروازہ سے مسجد کا باب شمالی مراد لینا جو منبر کے سامنے واقع تھا۔ اور "علی باب المسجد" کے علیٰ کو محاذات پر محمول کرنا، اور مطلب یہ بتانا کہ مؤذن تو منبر سے متصل ہی کھڑا ہوتا تھا، لیکن لفظ "علی باب المسجد" سے اس کی تعبیر اس لئے کی گئی کہ دروازہ منبر کے سامنے تھا تو مؤذن اور دروازہ میں آمنا سامنا

مفسول مرذول۔

فاولاً تجوز بعید من دون قرینۃ والتکلم بمثلہ تغلیط للسامع وتلبیس للسنۃ فلا یظن بالصحابی۔

وثانیاً فیہ تضییع قولہ علٰی باب المسجد لان الباب لما کان محاذیا للامام فالقائم بین یدی الامام قائم علی محاذاۃ الباب قطعا اینما کان، فذکرہ بعد ذکرہ لیس فیہ تخصیص ولا توضیح ولا افادۃ شیئ مقصود اذ لم یکن القصد شرعًا الا الی مواجہۃ الامام؛ لا الٰی محاذاۃ الباب فبقی لغوا، عبثا لا طائل تحتہ۔

وثالثًا ان من اخنع الاباطیل ما یقضی وجودہ علیہ بالرحیل وذلک ان التاویل انما یحتاج الیہ اذا لم یستقم المعنی الظاھر وانما احلت الظاھرۃ لمنافاتہ بزعمك قولہ بین یدیہ وما مفہوم بین یدیہ الا المحاذاۃ بلا حائل، کما اعترف بہ ابن اخت خالتك فالذی قام لصیق الامام اذا کان علٰی محاذاۃ

تھا۔ یہ بے وزن اور حقیر کلام ہے۔

اولاً بلا قرینہ معنی بعید مراد لینا اور ایسا کلام بولنا سامع کو غلط فہمی میں ڈالنا اور تلبیس سنت ہے صحابی رسول صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔

ثانیاً اس تاویل کی رُو سے "علٰی باب المسجد" کا لفظ بے سُود ہے کیونکہ دروازہ جب امام کے سامنے ہے تو جو امام کے سامنے کھڑا ہے وہ دروازہ کے سامنے بھی کھڑا ہے، تو لفظ "بین یدیہ" کے ذکر کے بعد لفظ "علٰی باب المسجد" نہ تو اس پہلے معنی کی توضیح ہوئی نہ تخصیص، اور نہ ہی اس لفظ سے کسی معنی کا افادہ مقصود، کیونکہ بقول موّول مقصد تو امام کے سامنے کھڑا ہونا ہے دروازہ پر کھڑا ہونا نہیں۔ ایسی صورت میں لفظ علٰی باب المسجد لغو اور بیکار ہوا جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

ثالثاً اولاً یہ تاویل خود اپنے وجود کے ابطال کی دلیل ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ کلام کے معنی ظاہر درست نہ ہوں، اور مخالف نے علٰی باب المسجد کو محاذات پر اس لئے محمول کیا کہ اس کے نزدیک بین یدیہ اور علٰی باب المسجد میں تضاد تھا، اور بین یدیہ کے معنی محاذات بلا حائل ہیں۔ جیسا کہ تمھاری خالہ کے ابن اخت نے اس کا اعتراف کیا، اور اب تمھاری تاویل سے جب امام کے پاس کھڑا ہونے والا دروازہ

محذوف قبل قولہ "علیٰ باب المسجد" یہ کہا جائے کہ الفاظِ حدیث میں لفظ "علی الباب"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وبہ ارتفع التعارض فی الروایات۔ وزین القول بالفاظہ الفصیحۃ ۔ فھذا اشدۃ [شفاھتہ لا رزانتہ] لم یقنع بحذف حرف واحد ولتوھمہ أن "یؤذن" فی الحدیث علی...... ولعمر اللہ لوجوّز أمثالُ ھٰذہ الحذفات فی الکلام لھان تحویل کل نص ، إلیٰ ما تھوی الانفس للئام فیقول من یبیح الزنا للاعزب : الحق أن فی قولہ تعالیٰ "ولا تقربوا الزنیٰ"[1] تقدیرًا یعنی "بعد ما تزوجتم"؛ لان المتأھل عندہ ما یغنیہ من الزناء المحرم علیہ بخلاف الأعزب ، فانہٗ محتاج الیہ ۔ ویقول من یبیح قتل الشُبان ، الحق أن فی قولہ تعالیٰ : "ولا تقتلوا النفس التی

اور اس سے تمام روایتوں کا تعارض بھی اُٹھ جاتا ہے۔ مسمّی اعجاز الحق نے اپنی اسی بات کو فصیح الفاظ سے آراستہ کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ تاویل بھی سخت گندی ہے کہ اس نے ایک لفظ کے مقدر ماننے پر قناعت نہ کی، پورا مرکب غیر مفید مقدر کر ڈالا اور یہ سوچ کر کہ حدیث شریف میں یوذن کا مطلب چونکہ اذان معروف ہے اس لئے باب مسجد والا اعلان ہوگا اور اس کو ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا، واللہ العظیم، اگر اس طرح کی خرافات کلام میں جائز ہوں تو ہر شخص کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق قرآن عظیم کی آیتیں پھیرنا آسان ہوگا۔ مثلاً جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو زنا جائز ہے، وہ یہ کہنے لگیں گے کہ آیت شریفہ لا تقربوا الزنا (زنا کے قریب مت جاؤ) میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ما تزوجتم، یعنی جس کی شادی ہو چکی ہو وہ زنا کے قریب بھی نہ جائے، کیونکہ شادی کر لینے والے کو زنا کی حاجت نہیں بخلاف غیر شادی شدہ کے کہ اس کے پاس بیوی نہیں ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۲

والمعنی کان الاذان تارة بین ـــــ سے پہلے واؤ یا أو محذوف ہے۔ اور مطلب یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
حرم الله[1]" تقدیرًا، یعنی بعد ماتحرم۔ لان القتل لدفع الایذاء والهرم أضعف من أن یؤذی أحدا بخلاف الشباب فانه ان لو یؤذ حالا فیستطیع أن یؤذی وقتل المؤذی قبل الایذاء۔ ثم هو بنفسه لم لا یستدل علی مزعومه بآیة الجمعة قائلاً، الحق أن فی کلامه تعالیٰ "اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة" تقدیرًا یعنی "اذا نودی للصلوٰة[2]" داخل المسجد لضیق المنبر یوم الجمعة۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ وما نسب التصریح به الی القاری فلم یصرح

تو کس طرح اپنی شہوت پوری کرے گا۔ اسی طرح جو لوگ جوانوں کا قتل جائز رکھتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ماتحرم اور مطلب بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل نفس حرام کیا ہے۔ یہ ہے کہ بوڑھے ہونے کے بعد انسانوں کا قتل حرام ہے کیونکہ کسی کو قتل اس لئے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کی ایذا سے نجات ملے، اور بڈھا ایذا پہنچانے کے لائق نہیں، تو اس کا قتل حرام ہونا چاہئے بخلاف جوانوں کے کہ فی الوقت ایذاء نہ دیں ایذا دے تو سکتے ہیں۔ اور موذی کو ایذاء سے پہلے قتل کر دینا چاہئے۔ اس طرح آیت میں صرف بڈھوں کے قتل کی ممانعت ہے، جوانوں کے قتل کی نہیں۔ بلکہ خود یہ مؤول اسی مسئلہ میں قرآن کی آیت کو بھی اپنے مقصد کے موافق بنا سکتا ہے مثلاً قرآن شریف کی آیت مقدسہ اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة (جمعہ کے دن جب اذان پکاری جائے) میں یہ مقدر مان لے

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۳
[2] القرآن الکریم ۶۲/ ۹

يديه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وتارة علی باب المسجد۔ اوكان يكون فی المحلين غيران الذی علی الباب كان اعلاما بغير لفظ الاذان وھذا بحكايته يعنی عن نكايته۔ فما مثله الا كمن يقول فی قوله تعالٰی صيامُ شهرين متتابعين من قبل ان يتماسّا[1]۔ ان الواو بمعنٰی او محذوف قبل "من قبل" والمعنٰی اما

كہ اذان كبھی حضور كے سامنے منبر كے پاس ہوتی اور كبھی دروازہ پر۔ يا مطلب يہ ہے كہ موذن بانگ دونوں جگہ ديتا۔ منبر كے پاس والی تو اذان ہوئی اور دروازے كے پاس والا اعلان تھا جو اذان كے الفاظ ميں نہيں ہوتا تھا۔ يہ بات خود ہی اپنا بطلان كررہی ہے كيونكہ يہ تو ايسے ہی ہے جيسے كوئی كفارہ ظہار كی آيت صيام شهرين متتابعين من قبل ان يتماسا (صحبت سے قبل مسلسل دو مہينے روزہ ركھنا ہے) ميں يہ كہے كہ آيت ميں لفظ من قبل كے پہلے حرف واؤ جو بمعنٰی اَو ہے

(بقيہ صفحہ گزشتہ)

به ولم يكن، وانما ابدی من عند نفسه عدة احتمالات شتی لما سبق الی وھمه فاحتمال ھو بعدهٗ للتوفيق كما يأتی بعونه تعالٰی بيانه الشافی فی نفحة عشرين من الشمامة الرابعة ۱۲ منه۔

اذا نودی للصلٰوة داخل المسجد لصيق المنبر من يوم الجمعة (جب مسجد كے اندر منبر سے متصل جمعہ كے دن اذان دی جائے) لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظيم ـــــ رہ گئی اس قدر نامعقول كی نسبت ملا علی قاری كی طرف تو يہ قطعاً غلط ہے۔ انھوں نے اس امر كی طرف نہ كنايہ كيا نہ تصريح، بلكہ انھوں نے ايك وہم كی بنا پر حديث كے الفاظ ميں اختلاف تصور كرتے ہوئے اپنی طرف سے چند احتمالات كا ذكر كيا كہ ان مخالف الفاظ ميں توفيق ہوجائے ليكن اختلاف ان كا واہمہ تھا۔ تو يہ ساری توفيقيں اسی كی پيداوار مانی جائيں گی۔ اس كی پوری تفصيل ان شاء اللہ تعالٰی شمامہ چہارم نفحہ بستم ميں آرہی ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] القرآن الكريم ۵۸/۴

متتابعین او قبل ان یتماسا۔

مقدر ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دو مہینے روزہ رکھے یا عورت سے صحبت سے پہلے روزہ رکھے۔

ثم اولاً لیس مبناہ الا علی زعم المقابلۃ بین "بین یدیہ" و"علی الباب" وما ھو الا وھم فی تباب فلو وجد العاطف لم یدل علی التوزیع بل علی جمع الجمیع و ھو مرادنا۔

پھر اولاً اس تاویل کی بنا اس واہمہ پر ہے کہ لفظ بین یدی اور علی الباب میں تقابل ہے۔ دونوں ایک مصداق پر صادق نہیں آسکتے اور چونکہ یہ وہم باطل ہے اس لئے اَوْ بھی یہاں تقسیم کے لئے نہیں ہوگا بلکہ اس بات کے اظہار کیلئے ہوگا کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب دونوں ایک ہی ہیں، یعنی جمع کے لئے ہوگا۔

ثم ثانیاً یلزم علی الثانی وجود التثویب فی الجمعۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو خلاف ما صرحوا بہ بل السائب نفسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لم یکن للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن غیر واحد وکان التاذین یوم الجمعۃ حین تجلس الامام یعنی علی المنبر رواہ البخاری[1]۔

ثانیاً "علی الباب" اور "بین یدیہ" دو الگ الگ نداؤں سے متعلق ماننے پر یہ لازم آئیگا کہ عہدِ رسالت میں نمازِ جمعہ کے لئے تثویب ہوتی تھی۔ اور یہ تصریحاتِ علماء کے بالکل خلاف ہے بلکہ خود سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہدِ مسعود میں ایک ہی مؤذن ہوتا تھا جو امام کے منبر پر بیٹھتے ہی اذان دیتا۔ یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔

ثم ثالثاً ھذا الاذان ھو المحکوم علیہ فی الحدیث بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و بکونہ علی الباب فکیف تفصیل بینھما بان ما علی

ثالثاً حدیث شریف میں تو ایک ہی اذان کے بین یدیہ اور علی الباب ہونے کی تنصیص ہے، اس تفصیل کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے کہ دروازہ پر اذان سے مختلف

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب المؤذن الواحد یوم الجمعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۴

الباب اعلام غیر الاذان الا ان تقدر مع العاطف معطوفا وھو الاعلام او تحمل الاذان علی عموم المجاز فترتکب مجازا علی مجاز و ترك الحقيقة من دون ضرورة ملجئة وثيقة اشنع مسلك واخنع طريقة و بالجملة امثال الهوسات لا يرتكبها الا من يكيد النصوص بالتعطيل و يريد التغير باسم التاويل۔

نفحہ ۱۰: وبعض من تعيرنا به الجهل اراد ان يبدی فی الحديث علة تهدمه عن اصله فزعم أن لم يكن في زمنه صلی الله تعالی عليه وسلم للمسجد الكريم باب تجاه المنبر، انما كان له ثلثة ابواب، باب جبريل عہ فی الشرق و باب السلام و باب الرحمة فی الغرب وهذا هجوم علی رد الحديث بالجهل الخبيث، كان للمسجد الكريم ثلثة ابواب، باب جبريل

کلمات میں اعلان ہوتا تھا۔ ہاں حرف عطف کے ساتھ معطوف کو بھی مقدر مانا جائے یعنی وبعد ما کان الاعلام علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر اعلان ہونے کے بعد سامنے اذان ہوتی) یا لفظ یؤذن کو ہی عموم مجاز پر محمول کیا جائے جس سے ڈبل مجاز بلکہ بلا کسی قرینہ ملجئہ کے ترک حقیقت ماننا لازم آئے۔ تو یہ سب مخالفین کی ہوس ہے جس سے وہ حدیث کی تفسیر کے نام پر تغییر و تبدیل حدیث کرنا چاہتے ہیں۔

نفحہ ۱۰: اور مخالفین میں سے بعض جن کو ہم نے جہالت پر عار دلایا تھا اس نے حدیث پاک میں ایک ایسی علت پیدا کرنی چاہی جو سرے سے اس حدیث سے استدلال کو ہی ختم کر دے۔ وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد پاک میں کوئی دروازہ منبر کے سامنے تھا ہی نہیں پوری مسجد نبوی شریف میں صرف تین دروازے تھے پوربی رخ پر باب جبریل اور پچھم طرف باب السلام اور باب الرحمۃ (اور شمال و جنوب میں کوئی دروازہ تھا ہی نہیں) یہ خبیث جہالت سے حدیث کو رد کرنا ہے۔ مسجد شریف میں یہ تین دروازے ضرور تھے

عہ هذه الاسامی حادثة ولا بقيت الابواب فی محل الابواب بل أحدثت علی محاذاتها بعد الزيادات ۱۲ منه غفرله۔

عہ ابواب کے نام بعد میں رکھے گئے ہیں، اور موجودہ دروازے بھی ٹھیک انھیں مقامات پر نہیں جہاں تھے بلکہ مسجد کی توسیع کے بعد انھیں دروازوں کی محاذات میں رکھے گئے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

فی الشرق ثم زاد امیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب النساء۔ وباب الرحمۃ فی الغرب، ثم زاد امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب السلام۔ وباب ابی بکر فی الشمال، ثم زاد امیرالمومنین بابا اٰخر، کما فصلہ عالم المدینۃ السید السمھودی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی خلاصۃ الوفاء[1]۔ وحسبک حدیث البخاری فی ابواب الاستسقاء عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رجلا دخل یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ منبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یخطب[2] الحدیث۔

مگر اور دروازے بھی تھے جن کی تفصیل یُوں ہے: پُوربی جانب باب جبریل، پھر امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی سمت باب النساء قائم فرمایا۔ پچھم طرف باب الرحمۃ، پھر اسی طرف امیرالمومنین نے باب السلام قائم فرمایا۔ شمالی جانب باب ابی بکر، پھر اسی طرف امیرالمومنین نے ایک دروازے کا اور اضافہ فرمایا۔ عالمِ مدینہ حضرت سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصۃ الوفاء میں اس کی تصریح فرمائی۔ پھر باب شمال کے لئے کسی دوسرے حوالہ کی ضرورت نہیں۔ بخاری شریف باب الاستسقاء کی یہ حدیث کافی ہے، انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اس دروازہ سے، جو منبر کے سامنے تھا ایک جمعہ کو آیا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرمارہے تھے (الحدیث)۔

نفحہ ۱: لا یذھبن عنک ان ھٰھنا سُنّتین، سنۃ خاصہ باذان الخطبۃ وھو کونہ بین یدی الخطیب حین جلوسہ علی المنبر، وسنۃ عامۃ لکل اذان وھو کونہ فی حدود المسجد أو فنائہ، لا فی جوفہ کما ستسمع نصوص

نفحہ ۱: یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ یہاں دو سنتیں ہیں جن میں ایک کا تعلق خاص اذانِ خطبہ سے ہے، یہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کا اس کے سامنے ہونا ہے۔ اور ایک عام سنّت ہے جو ہر اذان کو عام ہے، اور اذان کا حدودِ مسجد کے اندر اس کے صحن میں ہونا ہے نہ کہ خاص مسجد کے اندر۔ اسکی تصریح

[1] وفاء الوفاء الفصل الثالث عشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۹۴ تا ۴۹۶
[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب الاستسقاء فی المسجد الجامع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۷

الفقهاء عليه وقد سردنا لك اسماءهم و
قد ارشد حديث السائب رضی الله
تعالیٰ عنه اليهما معًا ـــــ فالاولیٰ
قوله بين يدی رسول الله صلی الله
تعالیٰ عليه وسلم اذا جلس علی
المنبر، والاخری قوله علی باب المسجد
فان باب المسجد فی حدوده لا فی جوفه
وخصوصية الباب ملغاة قطعًا۔
وانما لا يكون عليه لكونه وجاه المنبر،
لولا ذٰلك لم يكن علی الباب بل
علی حافة المسجد اَو فی فنائه
بين يدی الامام۔ فانكشف
به سوالان كثيرا ما توردهما
جهلة الهنود۔ الاول ان العلماء
لم يذكروا من سنن هذا الاذان
كونه علی الباب قل لهم لِمَ يذكرونه
مع انه غير مقصود فی هذا الباب و
ما مثله الا كمثل من يری حديث
ان بلال رضی الله تعالیٰ عنه كان يؤذن
علیٰ سطح بيت ستنا نوار اُم زيد بن ثابت
رضی الله تعالیٰ عنهما فيحسب ان السنة
فيه كونه من سطح بيت الجيران حتی
لو كان علیٰ منارة او علیٰ جدار المسجد
كان مخالفا للسنة، وهذا اجهل منه
بان القصد كان علی محلٍ عالٍ لا الیٰ خصوص

ان فقہاء کے نصوص میں ہے جن کا نام ہم بیان کر چکے
ہیں، اور سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے
اپنی اس حدیث میں ان دونوں ہی سُنّتوں کا بیان کیا
ہے کہ اذان خطبہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد
اس کے سامنے ہوئی اور یہ کہ اذان مسجد کے دروازہ
پر ہوئی۔ اور دروازۂ مسجد مسجد کی حد پر ہوتا ہے
مسجد کے اندر نہیں۔ لیکن اذان کی سنّت میں
دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں، اہمیت صرف
منبر کے سامنے ہونے کو ہے۔ اگر کسی مسجد میں
منبر کے سامنے دروازہ نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ
دروازہ ڈھونڈ کر وہیں اذان دی جائے، بلکہ
خطیب کے سامنے حدودِ مسجد اور صحنِ مسجد میں ہوگی۔
اس سے دو سوالوں کا جواب ہوگیا جو اکثر کیا جاتا
ہے۔ اوّل یہ کہ علمائے نے اس اذان کی سُنّتوں میں
اس کا دروازہ پر ہونا ذکر نہ کیا۔ جواب یہ ہے کہ
اس لئے اس کا ذکر نہ کیا کہ دروازہ اس باب میں
غیر مقصود ہے۔ اس حدیث میں اس کا ذکر ایسے
ہی ہے جیسے دوسری حدیث میں سطح بیت نوار اُمِ زید
کا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی نوار اُمِ زید پر
اذان دیتے تھے۔ تو اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اذان
میں یہ سنّت ہے کہ پڑوسیوں کے گھر کی چھت پر ہو
اور کوئی شخص منارہ یا مسجد کے دروازے کے اوپر کھڑا ہو کر
دے تو سنّت کے مخالف ہے تو غلط ہے کیونکہ
اس گھر کی چھت کے ذکر سے مقصد تو یہ ہے کہ
بلند جگہ پر اذان ہو نہ یہ کہ پڑوسی کے گھر کی چھت پر۔

سقف جاير، كذا اطهنا - والثاني ان الفقهاء لا يذكرونه في باب الجمعة سنية اذان الخطبة خارج المسجد في حدوده انما يذكرون استنان كونه بين يدي الامام قل لهم، ولم يذكرونه ثمه فانه لا يختص به بل هو حكم مطلق الاذان الشرعي فمحل ذكره هو باب الاذان لا باب الجمعة، وقد ذكروه فيه نعم كونه بين يديه كان من خصوصيات اذان الخطبة فذكروه في باب الجمعة اشتمل الحديث على حكمين، خاص وعام وكان من حقهما ان يذكر الخاص في باب الخاص والعام في باب العام وكذلك فعلوا ولكن العوام لا يفقهون، هذا على تسليم زعمهم والا فعلماؤنا لم يخلوا باب الجمعة ايضا عن افادة هذا الحكم كما سترى بعون العلي الاعلى۔

دوسرا سوال یہ کہ فقہاء اس اذان کے لئے خارج مسجد ہونے کی شرط باب جمعہ میں ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے ہو۔ جواب یہ ہے کہ خاص باب جمعہ میں ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت صرف اذانِ جمعہ کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ تمام اذانوں کی سنت ہے، اس لئے علمائے اس کو مطلق اذان کے باب میں ذکر کیا۔ ہاں خطیب کے سامنے ہونا اذانِ جمعہ کے ساتھ خاص تھا، تو اس کو بابِ جمعہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حدیث حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کے دو خاص و عام حکم کو شامل تھی۔ اصولاً اس کو دو علیحدہ علیحدہ ابواب میں ذکر کرنا چاہیے تھا، فقہائے امت نے ایسا ہی کیا۔ یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل کے قول کو تسلیم کیا جائے ورنہ ہمارے علماءِ کرام نے ابوابِ جمعہ کو بھی اس بیان سے خالی نہیں رکھا۔ اِن شاء اللہ آئندہ ہم اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

نفحه ۱۲ : اذا عجزوا من كل جهة قالوا هذا حديث لم يعرج عليه الناس فكان مهجورا عندهم وهذا كما ترى قول من لم يترعرع عن العامية شيئا الحديث وكل شئ انما يطلب في معدنه ولا يضره عدم

نفحہ ۱۲ : اور جب ہر طرف سے عاجز آگئے تو کہا کہ لوگوں نے اس حدیث کا چرچا ہی نہیں کیا تو یہ متروک العمل رہی، مگر یہ بات ایسے شخص کی ہوسکتی ہے جو عوام کے درجہ سے بالشت بھر بھی بلند نہ ہوسکا، کیونکہ ہر چیز کو وہیں تلاش کرنا چاہیے جہاں اس کا ٹھکانہ ہو۔ اور دوسری جگہ

وجدانه فی غیرہ ومع ھذا ماھی الا شھادۃ نفی، ولاسیما من قوم عمی، ولو ابصروا ونظروا، ان العلماء لم یزالوا یوردونه ویعتمدونه۔

ففی تفسیر الخازن:

(اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ) اراد بھذا الاذان عند قعود الامام علی المنبر لانه لم یکن فی عھد رسول اللہ تعالٰی علیه وسلم نداء سواہ، ولابی داؤد قال کان یؤذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد[1] اھ مختصرًا۔

وفی تفسیر الکبیر:

قوله تعالٰی "اذا نودی" یعنی النداء اذا جلس الامام علی المنبر یوم الجمعۃ۔ وھو قول مقاتل و انه کما قال لانه لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نداء سواہ، کان اذا جلس علیه الصلوٰۃ والسلام علی المنبر اذن بلال علی باب المسجد وکذا

نہ ملنے میں کوئی شکایت نہیں۔ اور یہ بات اسی قبیل سے ہے کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اندھوں کی گواہی پیش کی جائے، ورنہ علماء تو اس حدیث کا مسلسل ذکر کرتے رہے اور اس پر اعتماد کرتے رہے۔

تفسیر خازن میں ہے:

(جمعہ کے دن جب نماز کے لئے اذان دی جائے) اس سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے، اس لئے کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اسکے علاوہ اور اذان نہیں تھی۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے تو ان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی اھ مختصرًا۔

تفسیر کبیر میں ہے:

اللہ تعالٰی کا قول "جمعہ کے دن جب نماز کے لئے اذان دی جائے" یعنی ندا جو جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے، یہی مقاتل کا قول ہے ——— اور ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس اذان کے علاوہ کوئی اذان نہیں دی جاتی تھی۔ جمعہ کے دن جب حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان

---

[1] لباب التاویل فی معالم التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۹/۶۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۲۹۰

علی عہد ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما[1] اھ

دیتے۔ ایسا ہی ابوبکر وعمر رضوان اللہ تعالٰی علیہما کے زمانہ میں بھی تھا۔

وفی الکشاف:

تفسیر کشاف میں ہے:

النداء الاذان، وقالوا المراد بہ الاذان عند قعود الامام علی المنبر، وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا انزل اقام للصلٰوۃ ثم کان ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما علی ذٰلک، حتی اذا کان عثمٰن وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا اٰخر فامر بالتاذین الاول علی دارہ التی تسمّٰی "زوراء" فاذا جلس علی المنبر اذن المؤذن الثانی فاذا نزل اقام للصلٰوۃ[2] اھ

(سورۂ جمعہ کی آیت میں) ندا سے مراد اذان ہے کہتے ہیں کہ اس اذان کی طرف اشارہ ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہی مؤذن آپ کے منبر پر بیٹھتے ہی مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا۔ خطبہ کے بعد آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے، اور لوگوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا۔ اور دُور دُور تک مکانات ہو گئے، تو آپ نے ایک مؤذن کا اور اضافہ فرمایا، اور اسے پہلی اذان کا حکم دیا جو آپ کے گھر موسوم بہ زوراء پر دی جاتی (یہ مکان مسجد سے دور بازار میں تھا) اور آپ جب منبر پر بیٹھتے تو دوسرے مؤذن اذان دیتے۔ پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔

وفی الدرالشفاف لعبد اللہ بن الہادی:

درشفاف لعبد اللہ بن الہادی میں ہے:

کان لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحدٌ

آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۶۲/۹ میدان الجامع الازہر مصر ۳۰/۸

[2] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل " " " دار الکتاب العربی بیروت ۵۳۲/۴

فكان اذا جلس على المنبر أذّن على باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوٰة اھ[1]۔

جو آپ کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دروازۂ مسجد پر اذان دیتے پھر آپ منبر سے اُتر کر نماز قائم فرماتے۔

وكذا فى النهر الماد من البحر لأبى حيان، كذلك كان فى زمان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان اذا صعد على المنبر أذّن على باب المسجد فاذا نزل بعد الخطبة أقيمت الصلوٰة ۔ وكذا كان فى زمن ابى بكر وعمر الى زمن عثمان، كثر الناس وتباعدت المنازل فزاد مؤذنا آخر على دارہ التى تسمى الزوراء، فاذا جلس على المنبر أذّن الثانى، فاذا نزل من المنبر اقيمت الصلوٰة ولم يعب احد ذٰلك[2]

نہر الماد من البحر لابی حیان میں بھی اسی طرح ہے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی، اور جب خطبہ کے بعد آپ اُترتے تو نماز قائم ہوتی۔ ایسے ہی صاحبین کے عہد تا ابتداء عہدِ عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوتا رہا۔ پھر عثمان کے زمانہ میں مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی، لوگ زیادہ ہوگئے اور مکانات دُور تک پھیل گئے تو آپ نے ایک مؤذن کا اضافہ فرمایا اور انھیں حکم فرمایا کہ پہلی اذان آپ کے مکان زوراء پر دیں۔ پھر جب آپ منبر پر بیٹھتے تو موذن دوسری اذان دیتا۔ پھر آپ منبر سے اُتر کر نماز قائم فرماتے۔ اس اضافہ پر کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا۔

وفى تقريب الكشاف (لابى الفتح محمد بن مسعود):

كان لرسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وكذا لشيخين بعدہ مؤذن واحد يؤذن عند الجلوس على المنبر على باب المسجد اھ[3]۔

تقریب کشاف لابی الفتح محمد بن مسعود میں ہے:

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے بعد شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد میں ایک ہی مؤذن تھا جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا۔

---

[1] الدر الشفاف

[2] النہر الماد من البحر علٰی ہامش البحر المحیط تحت الآیۃ ۹/۶۲ دار الفکر بیروت ۸/۲۶۵

[3] تقریب الکشاف محمد بن مسعود

و فی تجرید الکشاف لابی الحسن علیّ بن القاسم:
کان لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذّن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلٰوۃ [1]

اور تجرید کشاف لابی الحسن علی بن القاسم میں ہے:
حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مؤذن تھا، جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا۔ اور آپ جب منبر سے اترتے تو نماز قائم فرماتے۔

وفی تفسیر النیسا بوری:
النداء الاذان فی اول وقت الظھر و قد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد الخ مثل ما فی الکشاف۔[2]

تفسیر نیشاپوری میں ہے:
نداء اوّل وقت ظہر میں اذان ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم کا ایک مؤذن تھا، جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا الخ (موافق تفسیر کشاف)

وفی تفسیر الخطیب ثم الفتوحات الالٰھیۃ، قولہ تعالٰی "اذا نودی للصلٰوۃ" المراد بھذا النداء الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر لانہ لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نداء سواہ فکان لہ مؤذن واحد اذا جلس علی المنبر اذّن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلٰوۃ ثم کان ابوبکر وعمر وعلی بالکوفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم علٰی ذٰلک، حتی کان عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ وکثر الناس و

تفسیر خطیب و فتوحاتِ الٰہیہ میں ہے:
اللہ تعالٰی کا فرمان "جمعہ کے دن جب نماز کیلئے اذان دی جائے" اس نداء سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے پر دی جاتی ہے کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں اس اذان کے علاوہ کوئی تھی ہی نہیں، ایک ہی مؤذن تھا، جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ دروازہ پر اذان دیتا، جب آپ منبر سے اترتے تو نماز قائم ہوتی، پھر ابوبکر و عمر و علی (رضی اللہ تعالٰی عنہم) کوفہ میں اسی پر عامل رہے۔ مدینہ میں عہدِ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم میں آبادی

---

[1] تجرید الکشاف

[2] غرائب القرآن (تفسیر نیشاپوری) تحت الآیۃ ۶۲/۹ مصطفی البابی مصر ۲۸/۵۲

تباعدت المنازل زاد اذانا آخر[1] الخ۔

وفی کشف الغمۃ للامام الشعرانی:

کان الاذان الاول علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اذا جلس الخطیب علی المنبر الٰی قولہ وکان الاذان علی باب المسجد[2] اھ۔

بڑھی اور مکانات دور دور تک پھیل گئے تو انھوں نے ایک اذان اور زائد کی۔

کشف الغمہ للامام شعرانی میں ہے:

اذان اول حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں جب خطیب منبر پر بیٹھتا۔ اور اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی۔

---

[1] الفتوحات الالٰہیہ (الشہیر بالجمل) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۴۳

[2] کشف الغمہ باب صلوٰۃ الجمعہ فی الاذان والخطبۃ وغیرہا دار الفکر بیروت ۱/ ۱۸۵

الشمامة الثانیة من صندل الفقہ

(شمامہ ثانیہ از صندل فقہ)

نفحہ ۱: الحمد للہ تظافرت النصوص علی کراھۃ الاذان فی المسجد والنھی عنہ بصیغۃ النفی الاٰکد من صیغۃ النھی۔ ففی الخانیۃ[1]، والخلاصۃ[2] وخزانۃ[3] المفتیین وشرح النقایۃ للعلامۃ عبدالعلی و الفتاوٰی[4] الھندیۃ والتاتارخانیۃ ومجمع البرکات:

ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ اوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد اھ[5]۔

وفی البحرالرائق شرح کنزالدقائق وفی الخلاصۃ:

نفحہ ۱: اللہ تعالٰی کے لئے بے شمار حمد ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے پر کثیر التعداد فقہی نصوص ہیں، وہ بھی صیغۂ نفی کے ساتھ، جو ممانعت میں نہی سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ خانیہ[1]، خلاصہ[2]، خزانۃ[3] المفتیین، شرح نقایہ لعلامہ عبدالعلی، فتاوٰی[4] ہندیہ، تاتارخانیہ، مجمع البرکات میں ہے:

مئذنہ پر اذان دینا چاہیے یا مسجد کے باہر، مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

بحرالرائق شرح کنزالدقائق اور خلاصۃ الفتاوٰی میں ہے:

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الصلوٰۃ الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵
فتاوٰی قاضی خان مسائل الاذان ۱/۳۷ و خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الاول فی الاذان ۱/۴۹
خزانۃ المفتیین فصل فی الاذان ۱/۱۹ و شرح النقایۃ للبرجندی باب الاذان ۱/۸۴

ولا یؤذن فی المسجد[1] اھ۔	مسجد میں اذان نہ دی جائے۔
وفی شرح[9] مختصر الامام الطحاوی للامام الاسبیجابی ثم المجتبٰی شرح مختصر الامام[10] القدوری، لایؤذن الا فی فناء المسجد او علی المئذنۃ اھ[2]۔	شرح[9] مختصر الامام طحاوی للامام اسبیجابی اور مجتبٰی[10] شرح مختصر للامام قدوری میں ہے، اذان نہ دی جائے مگر صحن متعلقہ مسجد میں یا منارہ پر۔
وفی البنایۃ[11] شرح الھدایۃ للامام العینی،	بنایہ[11] شرح ہدایہ للامام عینی میں ہے:
لایؤذن الا فی فناء المسجد او ناحیتہ[ع][3] اھ	اذان نہ دی جائے مگر صحنِ مسجد میں یا مسجد کے کنارے۔

ع الناحیۃ، الرکن، والجانب کلّھا بمعنٰی فی القاموس، الناحیۃ، الجانب[4] اھ۔ وفی المصباح، الجانب، الناحیۃ[5]۔ وفی تاج العروس رکن الجبل والقصر جانبہ، واركان کل شیئ جوانبہ التی یستند الیھا ویقوم بھا[6] اھ واللفظ مبنیٌّ من التنحی والاعتزال	ع ناحیہ، رکن اور جانب سب کے معنی ایک ہیں۔ قاموس میں ہے، ناحیہ جانب اور کنارے کو کہتے ہیں۔ مصباح میں ہے، الجانب الناحیۃ جانب اور کنارہ ہی ناحیہ ہے۔ تاج العروس میں ہے، پہاڑ اور محل کا رکن اس کا کونہ ہوتا ہے۔ اور ہر شَے کا رکن اس کا کنارہ ہی ہوتا ہے جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے۔ یا اس کے ساتھ

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۵
خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الاول فی الاذان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۴۹

[2]

[3]

[4] القاموس المحیط باب الواو والیاء فصل النون مصطفی البابی مصر ۴/۳۹۷

[5] المصباح المنیر تحت اللفظ "جنب" منشورات دارالہجرۃ قم ایران ۱/۱۱۰

[6] تاج العروس باب النون فصل الراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/۲۱۹

وفی الغنیۃ[12] شرح المنیۃ،
الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ[1] اھ

غنیہ[12] شرح منیہ میں ہے:
اذان مئذنہ پر یا خارج مسجد ہو اور اقامت مسجد کے اندر۔

وفی نظم[13] الامام الزندویستی ثم شرح[14] النقایۃ للشمس القہستانی ثم حاشیۃ[15] مراقی الفلاح لعلامۃ السید احمد الطحطاوی،
ویکرہ ان یؤذن فی المسجد[2] اھ۔

نظم[13] امام زندویستی، شرح[14] نقایہ للشمس قہستانی، حاشیہ[15] مراقی الفلاح للعلامہ سید احمد طحطاوی میں ہے:
مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔

وفی غایۃ[16] البیان شرح الہدایۃ للعلامۃ الاتقانی وفی فتح القدیر شرح الہدایۃ

غایۃ[16] البیان شرح ہدایہ لعلامہ اتقانی، فتح[17] القدیر شرح ہدایہ لمحقق علی الاطلاق میں ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کالمجانب من المجانبۃ والانفصال وتری رکنی الکعبۃ الکریمۃ الاسود والیمانی خارجۃ منہا۔
وذکر فی خلاصۃ الوفاء ان عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ جعل للمسجد اربع منارات فی زوایات الاربع۔ ثم قال: کل ذلک من الہلال الی الارض خارج عن المسجد[3]۔ منہ غفرلہ۔

قائم ہوتا ہے۔ یہ لفظ علیحدگی اور جُدائی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے جانب (دوری) اور انفصال کے معنی دیتا ہے۔ اور کعبہ شریف کے دونوں رکن اسود اور یمانی کو دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں کعبہ سے خارج ہیں۔
اور خلاصۃ الوفاء میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی تعالٰی عنہ نے مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے اور فرمایا کہ یہ چاروں مینار زمین سے لے کر چاند تک خارج مسجد ہیں (منہ غفرلہ)۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی سنن الصلوٰۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۷
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷
[3] وفاء الوفاء الفصل السابع عشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۶ و ۵۲۷

للمحقق علی الاطلاق، قوله (ای الامام برهان الدین صاحب الهدایة) والمکان فی مسألتنا مختلف یفید کون المعهود اختلاف مکانهما وهوکذلك شرعًا فالاقامة فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنة فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد اھ[1]

مصنف امام برہان الدین صاحب ہدایہ کا قول کہ (مکان ہمارے مسئلہ میں مختلف ہے) اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اذان واقامت کے مقامات کا اختلاف ہی معہود ومعروف نیز حکم شرعی ہے کہ اقامت مسجد میں ہونا ضروری ہے۔ اور اذان مئذنہ پر اور مئذنہ نہ ہو تو مسجد کے صحن میں۔ ائمہ نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔

وقالا فی الکتابین فی مسئلة سنیة الطهارة لخطبة الجمعة قیاسًا علی الاذان ما نصه؛

الاولٰی ماعینه فی الکافی جامعًا وهو ذکر الله تعالٰی فی المسجد ای فی حدوده لکراهة الاذان فی داخله اھ[2]

اور دونوں شارحین نے اپنی دونوں کتابوں میں جمعہ کے لئے طہارت مسنون ہونے کے مسئلہ میں اذان میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا:

"کافی میں دونوں مسئلہ میں علت جامعہ یہ بتائی کہ خطبہ اور اذان دونوں ہی مسجد کے اندر خدا کا ذکر ہیں جن کے لئے طہارت سنت ہے۔ مسجد کے اندر کا مطلب حدودِ مسجد ہے کیونکہ اذان داخلِ مسجد مکروہ ہے۔"

فهذه تسعة عشر نصًا وختم العشرین بکلام الامام ابن الحاج المکی مالکی فانه رحمه الله تعالٰی عقد فی المدخل فصلًا للنهی عنه ونفی فعله من السلف الصالح مطلقًا۔ فدخل فیهم ائمة المذاهب الاربعة جمیعًا ومن قبلهم من الصحابة والتابعین رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین وهذا ما نصه۔

یہ انیس نصوص ہیں اور بیسویں نص امام ابن الحاج مکی مالکی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب مدخل میں ایک فصل تحریر فرمائی جس میں مسجد کے اندر اذان کی کراہت بیان فرمائی، اور بتایا کہ مطلقاً سلف صالحین نے اس فعل کی نفی کی ہے، تو اس عموم میں ائمہ اربعہ داخل ہوگئے۔ اور ان سے پہلے کے صحابہ وتابعین بھی۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۵
[2] " " باب صلٰوۃ الجمعۃ " " " ۲/۲۹

فصل فی النهی عن الاذان فی المسجد وقد تقدم أن للاذان ثلثة مواضع، المنار، وعلی سطح المسجد، وعلی بابه، واذا کان ذٰلک کذٰلک فیمنع من الاذان فی جوف المسجد لوجوه احدها انه لم یکن من فعل من مضی[1] الی اٰخره۔

مدخل کی عبارت یہ ہے:

"مسجد میں اذان کی ممانعت کے بیان میں یہ گزر چکا کہ اذان کے لئے تین جگہیں ہیں مسجد کی چھت، مسجد کا دروازہ اور منارہ۔ اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کئی وجہ سے ثابت ہے، اوّل یہ کہ گزشتہ بزرگانِ دین مسجد کے اندر اذان نہیں دیتے تھے" الخ۔

یہ کل بیس نصوص ہوئے۔

نفحہ ۲: بمرأی منک هذه النصوص بعمومها واطلاقها فان الفعل کما عرف فی الاصول فی قوۃ النکرۃ وقد وقع فی حیز النفی فقولهم لا یؤذن فی المسجد عام والباقی مطلق ولا اثر فیها للتخصیص والتقیید فوجب امرارها کما هی، واللتی فیها ذکر المئذنة۔ فاقول اولاً لا تؤذن بخروج اذان الخطبة فان الناس بعد الصدر الاول احدثوا اعلاء المنابر ودکا بحذائها لاذان الخطبة کما هو مشهود ههنا فی الجوامع السلطانیة ستعلم جواز ذٰلک بشرطه فیصدق علی هذا الاذان

نفحہ ۲: یہ نصوص اپنے عموم واطلاق کے ساتھ سب کے سامنے ہیں۔ اور اصولِ فقہ سے یہ ظاہر ہے کہ فعل نکرہ کے حکم میں ہے۔ اور نفی کے تحت ہو تو عام ہے پس فقہاء کا قول لا یؤذن فی المسجد عام ہے، اور باقی اقوال مطلق ہیں جن میں تخصیص وتقیید کا کوئی اثر نہیں تو ان کو اپنے عموم پر ہی جاری رکھنا ہوگا۔

اور جن عبارتوں میں مئذنہ کا ذکر ہے تو وہ خطبہ کی اذان کو اس حکم سے نکالنے کے لئے نہیں اولاً اس لئے کہ صدر اول کے بعد ہی لوگوں نے بلند منبر اور ان کے سامنے اذانِ جمعہ کے لئے چبوترے بنائے جیسا کہ شاہی مسجدوں میں اب بھی دیکھا جا سکتا ہے (اور ان کی بنا مخصوص شرائط کے ساتھ جائز بھی ہے) تو اذانِ جمعہ کے لئے یہی مئذنہ ہوئے۔ اور

---

[1] المدخل فصل فی النهی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

ایضا انه علی المئذنة وان لم تکن فی الفناء۔

وثانیًا الحکم علی مطلق اوعام بمفهوم مردّد انما یقتضی ان لا یخلو شیئ من افرادہ عن کلا الوجھین۔ اما کون کل فرد یجری فیہ الوجھان فلا، وھذا ظاھر جدًّا۔ وعبارۃ نسختی الفتح والعنایۃ۔ واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن بیاء تحتیۃ ای الاذان علیھا ففی فناء المسجد[1]، وعدم کونہ علیھا یشمل الترک والکف فید خل فیہ کل اذان، وکذا علی نسخۃ تکن بتاء فوقانیۃ والضمیر للمنارۃ فان المراد الکون الشرعی والوجود حسیًّا غیر الوجود لشیئ شرعا وعلی التنزل فزیادتھما لفظۃ قالوا قطعت ھذا الحکم عن سنن السابق وذلک لان لا یوذن بمعنی لا یفعل الاذان وھو بعمومہ

ان پر اذان' اذان علی المئذنہ ہوتی، تو اس حکم میں کہ مئذنہ پر اذان نہ ہو تو صحن مسجد میں ہو، اذانِ جمعہ بھی داخل رہی۔

ثانیًا (یہ جملہ اذان مئذنہ پر ہونی چاہیے نہ ہو تو صحن مسجد میں دی جائے) مطلق یا عام (اذان) کے لئے ایک حکم مردد ہے۔ اور ایسے تردیدی حکم کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ مطلق یا عام کا ہر ہر فرد حکم کے دونوں پہلوؤں سے متصف ہو، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی فرد بھی حکم کے دونوں پہلوؤں سے یکسر خالی نہ ہو کوئی فرد حکم کے ایک پہلو سے متصف ہو، اور کوئی دوسرے پہلو سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(اس تشریح کی رُو سے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اذان خواہ پنج وقتہ ہو یا اذانِ خطبہ سب کو مئذنہ پر ہونا چاہیے (لائق اذان) مئذنہ ہی نہ ہو، یا اس پر اذان نہ ہو سکے تو صحنِ مسجد میں ہو۔ پس مذکورہ بالا حکم اذان جمعہ کو بھی شامل ہوا)

(**اعتراض**) فتح القدیر اور غایۃ البیان کی مذکورہ بالا عبارت کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم صرف نماز پنجوقتہ کے ساتھ ہی خاص ہو کہ مئذنہ کی ضرورت اسی کے لئے ہے۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۱۵/۱

كان يشمل كل اذان لكن هذا التنزل الاخير لما كان الكلام في ما بين العبارتين في اذان المنارخاصة فلو لم يأتيا بقالوا لاشمل الظرف الحكم الى العهد ومقصودهما رحمهما الله تعالى مع الاستدلال به على المسئلة الخاصة افادة الحكم العام فزادا قالوا فصار حكما منقولا ولا عهد في المنقول عنه فلو يسر اليه عهد سياقه وبقي على محوضة اطلاقه۔ ولعمري لايوقف على اشاراتهم الا بتوفيق من بركاتهم والله الموفق لارب سواہ۔

اذانِ جمعہ تو عدمِ محاذات کی وجہ سے متعارف مئذنوں پر منع ہے)

(جواب) ان دونوں کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے: اما الاذان فعلی المئذنة وان لم یکن (ایک نسخہ) وان لم تکن (دوسرا نسخہ) ففی فناء المسجد، پہلے نسخہ کی تقدیر پر ترجمہ یہ ہوا "اگر مئذنہ پر اذان نہ ہوئی" اذان نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں: اوّل اذان کا مئذنہ پر ہونا تو ممکن تھا مگر مؤذن نے سستی وغیرہ کی وجہ سے اذان مئذنہ پر نہ دی۔ یہاں عدم اذان علی المئذنہ بوجہ ترک مؤذن ہے۔ اور دوسری صورت یہ کہ مؤذن مئذنہ پر اذان دینا چاہتا تھا لیکن وہ مئذنہ پر اذان اس لئے نہ دے سکا کہ شریعت نے اسے روک دیا کہ یہ مئذنہ خطیب کی محاذاۃ میں نہیں، اس لئے اس پر اذان منع ہے یہ عدم اذان مؤذن کو اذان سے کف و منع کی وجہ سے ہے۔ ان میں پہلی صورت اذان پنجوقتہ میں ہے اور دوسری جمعہ کی اذانوں میں۔ اور عدم اذان کی ان دونوں صورتوں کے لئے حکم یہی ہے۔ اذان صحنِ مسجد میں ہو تو جمعہ کی اذان کو بھی یہ حکم شامل ہوا۔

اور دوسرے نسخہ کی رُو سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مئذنہ نہ ہو تو اذان صحنِ مسجد میں ہوگی۔ مئذنہ نہ ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں، عدم حسی اور عدم شرعی، مسجد میں سرے سے کوئی مئذنہ ہی نہ ہو یہ عدمِ حسی ہے۔ اور مئذنہ تو ہو مگر خطیب کی محاذات میں نہ ہو تو عدمِ شرعی کی صورت ہے۔ اور حکم مذکور کا مدار عدم شرعی ہے اور جب متعارف منارے عدم محاذات کی وجہ سے خطبہ کی اذان کے لئے شرعاً معدوم ہیں، تو حکم مذکور اذانِ جمعہ کے لئے بھی ہوا کہ صحن مسجد میں ہو۔ تو بہر تقدیر اس حکم سے خطبہ کی اذان خارج نہ ہوئی، وللہ الحمد۔

اور کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حکم میں جمعہ کے خطبہ کی اذان شامل نہیں، تو بر سبیلِ تنزّل گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے۔ چنانچہ اپنی اسی عبارت میں مذکورہ بالا ٹکڑے کے بعد اسلوب بدل کر لفظ قالوا کے اضافہ کے ساتھ ایک عام اور تام حکم دیا۔ فرماتے ہیں: قالوا لایوذن فی المسجد فقہار کا قول ہے کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔ اور یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ لایوذن فی المسجد کا حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام اذانوں کو شامل ہے، لیکن بطور تنزل جب ہم نے سابقہ

جملہ کو پنج وقتہ اذان کے لئے مخصوص مان لیا۔ تو یہ حضرات اگر عبارت کا اسلوب بدلے اور لفظ قالوا کا اضافہ کئے بغیر لایؤذن فی المسجد کہہ دیتے تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ حکم بھی اسی معہود اذان (پنجوقتہ) کیلئے ہے جس کا ذکر جملہ سابقہ میں ہے۔ لیکن جب عبارت کا سیاق بدل گیا اور قالوا کے اضافہ نے اسے ایک علٰحدہ جملہ کر دیا تو وہ وہم بالکلیہ ختم ہوگیا اور یہ امر بالکل واضح ہوگیا کہ یہ ایک علٰحدہ حکم جملہ اذانوں کے لئے مطلق اور عام ہے جس میں خطبہ کی اذان بھی شامل ہے۔ بزرگوں کے کلام میں ان دقائق کی طرف رہنمائی صرف توفیقِ الٰہی کا کرشمہ ہے۔ اللہ تعالٰی اس کے علاوہ آداب کی بھی توفیق بخشے۔ آمین!

نفحہ ۳: بتوفیقہ تعالٰی ظہرت فائدۃ لفظۃ "قالوا" فی ھاتین العبارتین ولیست فی غیرھما و لیس کلما قالوا "قالوا" ارادوا تبرأً۔ او افادۃ خلاف کما یشھد بہ التتبع ولا ھو[ع] مصطلح کل احد بل قال السید العلامۃ فی حاشیۃ الدر المختار[۱]...

وفی ردالمحتار فی مسئلۃ مس المحدث کتب الاحادیث والفقہ، قال فی الخلاصۃ یکرہ عندھما والاصح انہ لایکرہ عندہ ومشی فی الفتح علی الکراھۃ فقال قالوا یکرہ مس کتب التفسیر والفقہ والسنن لانھا لاتخلوا عن

نفحہ ۳: اللہ تعالٰی کی توفیق سے ان دونوں اماموں کی عبارت میں لفظ قالوا کا فائدہ ظاہر ہوا۔ بقیہ عبارتوں میں لفظ قالوا نہیں ہے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جب لفظ قالوا کہیں تو ماسبق سے تبری اور افادہ خلاف کا ہی فائدہ مراد لیں۔ نہ یہ سب کی تسلیم شدہ اصطلاح ہے، جیسا کہ کلام علماء کے تتبع وتلاش سے ظاہر ہوا۔

ردالمحتار میں بے وضو آدمی کے حدیث وفقہ کی کتابوں کے چھونے کے بارے میں فرمایا "خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چھونا مکروہ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چھونا مکروہ نہیں ہے۔ اور فتح القدیر میں اس کی کراہت کا حکم فرمایا۔ اور کہا کہ لوگوں نے کہا کہ مکروہ ہے بے وضو کا تفسیر، فقہ اور سنت کی

ع ومن نسب فی مسئلتنا ھذہ زیادۃ لفظۃ "قالوا" الی الامام فقیہ النفس قاضی خان فقد کذب وافتری کما تری۔ منہ حفظہ ربہ۔

ع اور جس نے اس مسئلہ میں لفظ قالوا کی زیادتی کی نسبت امام قاضیخاں کی طرف کی غلط کیا جیسا کہ ان کی عبارت سے پتہ چلا۔ منہ حفظہ ربہ۔

[۱] یہاں اعلحضرت نے غالباً طحطاوی کی بھی کوئی عبارت نقل کی تھی جو پڑھی نہ گئی۔ عبدالمنان

آیات القرآن وھذا التعلیل یمنع من شروح النحواہ[1] فجعله مثنیاً علیه۔

وفی نھر الفائق فی مسئلة ما اذا زوج البالغة غیر کفؤ فبلغھا فسکتت لایکون رضا عندھما وقیل فی قول الامام یکون رضا ان المزوج ابا او جدا جزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا اھ[2]۔

فجعله جزما به، کذا ھھنا جزم الامامین بوجھین، الاول مقصودھما ھھنا تعلیل القول المعتمد وھو قول الامام ان لا فصل بین اذان المغرب واقامته بجلسة، راجع الھدایة وانظر الی قولھما یفید کذا وھو کذلك شرعا فھما بصدد اثباته وتحقیقه لا التبری عنه و تزئیفه۔

والاٰخر ما نقلنا منھما من قولھما الاٰخر حیث اولا فیه کلام الکافی۔ وجزما بکراھته داخل المسجد فوضح الحق

کتابوں کو چھونا۔ تو اس عبارت میں لفظ قالوا کہہ کر سابقہ حکم کی تائید ہی کی۔"

نہر الفائق میں ایک مسئلہ بیان کیا "بالغہ کی شادی غیر کفو میں کر دی گئی، اسے خبر ہوئی تو چپ رہی۔ یہ خموشی صاحبین کے نزدیک رضامندی نہیں ہے۔ اور امام صاحب کے قول پر رضامندی ہے بشرطیکہ شادی باپ دادا نے کی ہو۔ درایہ میں اول کو لفظ قالوا سے بیان کیا ہے۔"

اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہاں دونوں ہی طرح اثباتِ مدعا کیا ہے کہ پہلے قول میں وہ امام کے قول معتمد کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں (مغرب میں اذان اور اقامت کے بیچ میں جلسہ سے فصل جائز نہیں) اور قالوا لایوذن فی المسجد سے اس کی تائید کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کی مخالفت اور تبری کے درپے رہیں (تصدیق کے لئے ہدایہ کا یہ مقام اور اس کی وضاحت میں ان دونوں اماموں کا قول یفید کذا وھو کذلك شرعا دیکھا جائے)

اور دوسرے قول میں کافی کے قول ھو ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد کی تاویل میں فرمایا ای فی حدودہ۔ اور بغیر لفظ قالوا کے یہ جزم فرمایا کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے، تو یہاں

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] النہر الفائق کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۳

و للہ الحمد۔

نفحہ ۴ : لیس یخاف علیٰ کل من له حظ من علم او عقل علیٰ ان الاستدلال علی الخاص بالعام صحیح نجیح تام وقد فعله رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذ تلا اٰیة "فمن یعمل مثقال ذرة خیرًا یرہ" الاٰیة۔ والصحابة بعدہ والائمة و لو کلفنا اثبات کل خاص بما یخصه لبطلت الشرائع وترك الانسان سدًی، فان الشریعة لا تاتی الا باحکام عامة تشتمل الناس کافة فلو لم یکن الاحتجاج بالعام یطلب کل واحد حکما اتی له بالخصوص فما اجهل الوهابیة العنود ومن تابعهم من جهلة الهنود۔ اذ یقولون ایتونا للنهی فیه ذکر اذان الخطبة خاصة ویدانیه قول من یقول منهم ان الفقهاء انما ذکروا هذا الحکم فی باب الاذان ومن لم یذکروہ فی باب الجمعة وقد مر کشف هذہ الجهالة فی النفحة ۱۱ من

ہے قالوا کے تبری اور اظہار خلاف کے لئے یہ جملہ ہوا تو حق واضح ہوا۔ اور حمد اللہ تعالٰی کیلئے ہی ثابت ہے۔

نفحہ ۴ : یہ بات کسی علم وعقل والے سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عام سے خاص پر استدلال صحیح اور درست ہے۔ خود حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آیت مبارکہ "فمن یعمل مثقال ذرة خیرًا یرہ" (جس نے ذرہ بھر بھلائی کی اس کا بدلہ پائے گا) میں برتا۔ اور آپ کے بعد صحابہ و ائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنا دستور العمل بنایا۔ اگر ہر خاص کے ثبوت کے لئے خاص اسی کے بارے میں آیت اور حدیث کو ضروری قرار دیا جائے تو شریعت معطل ہوجائے گی اور انسان بے مقصد بھٹکتا پھریگا۔ حالانکہ شریعت میں احکام تو عام ہی ہوتے ہیں کہ سب لوگ اس پر عمل کریں۔ اگر نصوص عامہ سے استدلال صحیح نہ ہو تو ہر شخص مطالبہ کرے گا خاص میرے نام سے حکم لاؤ۔

تو یہ جاہل وہابیہ اور مسئلہ اذان میں انکی اتباع کرنے والے سنی جہلا کس درجہ ناسمجھ ہیں جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کو ممانعت اذان کی کوئی حدیث دکھاؤ جس سے خاص طور سے اذان خطبہ کا ذکر ہو۔

اسی کے قریب ان لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دینے کا حکم اذان کے باب

لہ القرآن الکریم ۹۹/ ۷

النفحات الحديثية اتزعم الجهلة ان اذان الخطبة ليس له من الحکم اما ما ذکر فی باب الجمعة من کونه بین یدی الخطیب مثلاً کلا بل یعتبر به سائر الاحکام المذکورة لمطلق الاذان فی باب الاذان فلو لم یکفیه البیان ثمه من این تاتی تلك الاحکام لهذا الاذان وهذا شیئ لا یخفی حتی علی الصبیان ولکن الوهابیة و اتباعهم قوم لا یفقهون۔

هذا ما کان طریق العلم رحم الله الامامین الاتقانی والمحقق علی الاطلاق واجذل قربهما یوم الطلاق حیث داویا جهل هؤلاء بوجه لم یبق لهم عذرًا ولا حیلة و ذلك ان الامام صاحب الهدایة فی مسئلة ندب الطهارة لخطبة الجمعة قاسها علی الاذان و ذکر مایوهم ان الجامع کونها شرطا لصلوٰة وهو ظاهر البطلان فالامامان الشارحان عدلا عنه الی ما عین الامام النسفی

میں ہے جمعہ کے باب میں نہیں۔ اس لئے یہ حکم اذانِ جمعہ کے لئے نہیں ہوگا۔

اس کا تفصیلی جواب تو نفحات حدیثیہ کے گیارھویں نفحہ میں گزرا۔ اس نفحہ فقہیہ میں بھی مزید گزارش ہے کہ شاید یہ نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ اذانِ جمعہ کے ساتھ وہی احکام خاص ہیں جو بابِ جمعہ میں مذکور ہیں۔ مثلاً اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ سارے ہی عمومی احکام جو اذان سے متعلق ہیں۔ گو صرف باب اذان میں ہی ان کا ذکر کیوں نہ ہو۔ سب کے سب اذانِ جمعہ پر بھی عائد ضرور ہوں گے۔ تو اگر صرف باب اذان کا بیان ہی اذانِ جمعہ کے لئے کافی نہ ہو۔ تو جمعہ کی اذان میں ان پر عملدرآمد کی کیا سبیل ہوگی؟ یہ بات تو بچوں پر بھی واضح ہے مگر نادان وہابیہ نادانی سے باز نہیں آتے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے خطبۂ جمعہ باوضو مسنون فرمایا اور خطبہ کے مسئلہ کو اذان کے مسئلہ پر قیاس کیا کہ جیسے اذان کے لئے طہارت مسنون ایسے خطبہ کے لئے بھی۔ اس سے یہ وہم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان علت جامعہ ان دونوں کا نماز کے لئے شرط ہونا ہے۔ یہ بات غلط تھی اس لئے ان دونوں شارحوں نے مذکورہ بالا علت کو چھوڑ کر اس کی علت جامعہ کی طرف رجوع کیا جس کو امام نسفی نے

جامعًا فی الکافی وھو کونہا ذکر اللّٰہ فی المسجد ای ذکرا موقتا کالاذان وکان یرد علیہ ان الاذان لیس ذکرا فی المسجد لکراھتہ فیہ فاولاہ بان المراد فی حدود المسجد فلو انّ اُذان الخطبۃ کان یکون فی المسجد لما احتیج الی التاویل اصلاً فقیاس خطبۃ الجمعۃ علی اذان الخطبۃ بجامع کون کل منہما ذکراً موقتاً فی المسجد کان اذن صحیحاً قطعاً وای شیئ کان احق بقیاس الخطبۃ من اذانہا لکنہما اولا فارشا بارشادین من الشمس ان اذان الخطبۃ ایضاً مکروہ فی المسجد، وایّ نص انص ترید من ھذا وللّٰہ الحمد۔

نفحہ ۵: لیست المسئلۃ من النوازل ولا عزوھا الی احد من المشائخ بل ارسلوھا ارسالا والذاکرون لہا اولئک الائمۃ الاجلاء وامثالہم کالامام قاضی خان ونظرائہ اذا ارسلوا دل علی انہ المذھب لما عرف من عادتہم عزو تخریجات المشائخ الی المشائخ قال فی الغنیۃ ذوی الاحکام فی مسئلۃ النعاس صرح بہ قاضی خان من غیر اسنادہ لاحد فاقتضی کونہ المذھب[1] اھ فالتشکیک فیہ بانہ غیر معزو

اپنی کتاب کافی میں متعین طور سے ذکر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ اور اس کی اذان کے درمیان علتِ مشترکہ ان کا ایسا ذکر ہونا ہے جو مسجد کے اندر ہوتا ہے۔ اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہو رہا تھا کہ اذان تو مسجد کے اندر ہونے والا ذکر نہیں، یہ تو مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ تو ان حضرات نے جواب دیا کہ تعلیل میں اذان کو ذکرِ مسجد کہنے کا مطلب قلبِ مسجد نہیں حدودِ مسجد ہے۔ اور اذانِ خطبہ اندرونِ مسجد نہ ہوتی ہو حدودِ مسجد میں تو ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کو ذکرِ مسجد کہنا صحیح ہے۔ تو اذانِ خطبہ کے مسجد کے اندر مکروہ ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی نص چاہئے۔

نفحہ ۵: یہ مسئلہ کتبِ نوازل کا نہیں ہے۔ نہ اسے مشائخ میں سے کسی کی طرف منسوب کیا گیا ہے راوی وہی ائمہ اعلام ہیں جیسے امام قاضی خاں اور ان کے ہم مرتبہ حضرات ائمہ۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب کسی مسئلہ کو مرسل روایت کرتے ہیں تو یہ مسائل مذہب میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان مشائخ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب مشائخ میں سے کسی کی تخریج روایت کرتے ہیں تو مسئلہ کے ساتھ ان کا نام ضرور لیتے ہیں۔ چنانچہ غنیۃ ذوالاحکام میں ہے اونگھنے کے مسئلہ کی تصریح امام قاضی خاں نے فرمائی، اور یہ مسئلہ جب کسی کی طرف منسوب نہیں ہے

---

[1] غنیۃ ذوی الاحکام علی ہامش الدرر الحکام کتاب الطہارۃ بیان نواقض الوضوء میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۵

الیٰ سیدنا الامام الاعظم۔ ولیس حاصلہ الاشیئان رفع الامان عن عامۃ مسائل الشرح والفتاوی الغیر المعزیۃ الیٰ احد وابطال سائر ما فیہ من المعزیات الیٰ مشائخ المذاھب الیٰ مشائخ المذاھب۔ لان الاول اذا لم یقبل لعدم العلم بکونہ عن الامام فالاٰخر احدی بالرد للعلم بعدم کونہ عن الامام وانت تعلم ان فیہ ابطال ثلثی مسائل المذھب اوثلثۃ ارباعھا وانما کان علینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما قالوا افتونا فی حیاتھم فکیف بما اتوا بہ جازمین بہ من دون اشعار بخلاف فیہ واللہ الموفق۔

تو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مذہب ہے۔ تو مسئلہ دائرہ میں یہ شک پیدا کرنا کہ یہ خاص طور سے امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں اس لئے قابلِ قبول نہیں۔ اس کا مقصد دو باتیں ہیں، عام مسائل شرعیہ و فتاوٰی جن کی نسبت کسی کی طرف نہ ہو ان سے امام کی نسبت مرتفع ہوجائے اور بقیہ مسائل جو کسی شیخ یا امام کی طرف منسوب ہوں ان کا ردّ و ابطال ہو کہ جب غیر منسوب مسائل امام کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوتے تو یہ مسائل جو بالتصریح غیر کی طرف منسوب ہیں۔ ان کے ردّ و ابطال میں کون سا تردد کہ ان کے بارے میں تو یہ بالیقین معلوم ہے کہ یہ مسائل امام سے مروی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب کے دو ثلث یا تین ربع مسائل اکارت ہوجائیں گے جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ مشائخ نے جن مسائل کی تصحیح یا ترجیح فرمائی ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے فتاوے مقبول اور معمول بہا تھے، توان مسائل سے کیوں روگردانی جائز ہوگی، جن کو ان بزرگوں نے یقین کے ساتھ کسی اختلاف کا اشارہ کئے بغیر روایت کیا۔ اللہ تعالٰی توفیق عطا فرمائے۔

نفحۃ ۶: اذلم یات لھم تخصیص النصوص حاولوا ان یخرجوا اذان الخطبۃ من جنس کی یخرج بنفسہ مما یشمل شیئ من احکام الاذان من دون حاجۃ الی تخصیص، وذلک ان الاذان اعلام الغائبین والاقامۃ

نفحہ ۶: جب نصوص کی تخصیص ان کے بس سے باہر ہوئی تو سوچا کہ اذانِ خطبہ کو ہی اذان کی جنس سے خارج کردیں تاکہ یہ خود اذان کی جنس سے خارج ہوجائے اور ہم تخصیص کی زحمت سے نجات پاجائیں۔ تو وہ کہنے لگے کہ اذان تو غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے، اور اقامت مسجد میں موجود مصلیوں کو اطلاع ہے۔ جیسا کہ ائمہ

اعلام الحاضرین کما نص علیه الائمۃ منھم۔ الامام العینی فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری وفی الھدایۃ الاذان استحضار الغائبینؔ۔ فجعلوا اذان الخطبۃ اعلاما للحاضرین لا نداء للغائبین کی لایکون اذانا وان کان بکلمات الاذان کالاذان فی اذن المولود والمھموم وخلف المسافر ولدفع الغیلان وعند الاقبار لتذکیر الجواب وطرد الشیطان وامثال ذلك حیث لایقصد بہ نداء الغائب الی مشئ او اعلاما لھم بدخول الوقت اصلاً بل التبرك واستدفاء البلاء بتلك الکلمات الکریمۃ۔

ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے اور صاحبِ ہدایہ نے فرمایا "اذان غیر موجود مصلّیوں کا بلاوا ہے"۔

پس یہ لوگ اذانِ خطبہ کو حاضر مصلّیوں کی اطلاع مانتے ہیں، غائبین کا بلاوا تسلیم نہیں کرتے۔ اور اذانِ خطبہ اذان کے الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی اذان نہیں، جیسے وہ اذان جو نومولود کے کان میں کہی جاتی ہے، غمزدہ انسان کے لئے یا مسافر کے پیچھے اور غول بیابانی کا اثر دُور کرنے کے لئے دی جاتی ہے، اور دفنِ میّت کے وقت منکر ونکیر کا جواب یاد دلانے کے لئے اور شیطان کو بھگانے یا دیگر اغراض کے لئے پکاری جاتی ہے جن کا مقصد حاضریِ مسجد یا دخولِ وقت کا اعلان نہیں ہوتا بلکہ مبارک کلمات سے تبرک یا بلا کا اندفاع ہوتا ہے۔

ثم اضطربوا فاجھلھم یقول لم یکنؔ اذانا من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واذا قیل لہ افکان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الجمعۃ من دون اذان قال لیس فیہ، انما

اس کے بعد ان کی باتوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ ایک جاہل کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ جمعہ بے اذان کے ہی پڑھتے تھے، تو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عہ: یہاں ایک بہت طویل حاشیہ ہے جو حل نہ ہو سکا۔ عبدالمنان

لہ الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب الاذان المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۷۴

كان يصلي الصلوة كلها بمكة بلا اذان.
ولا يدري هذا المسكين ان هذا الكلام
للاجماع و تصريح القرآن فقد اجمعوا
انه لم يكن من عهد رسول الله صلى الله
تعالى عليه وسلم للجمعة الا هذا
الاذان والله تعالى يقول يايها الذين امنوا
اذا نودي للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا
الى ذكر الله [1] وانما الامر بالسعي للغائبين
دون الحاضرين لاستحالة تحصيل الحاصل
والله تعالى يقول وذروا البيع [2]، وانما البيع و
الشراء كان في الاسواق لا في المسجد فدل النص
ان اذان الخطبة على عهد رسول الله صلى
الله تعالى عليه وسلم كان نداء للغائبين
الى الصلوة هذا هو الاذان المصطلح شرعي
وصلوة مكة كانت قبل نزول الاذان فقياس
الجمعة عليها جهل لا يقاس ولا يمات
وغيره يقول نعم كان الاذان على عهد
رسول الله و صاحبيه صلى الله عليه
وعليهما وسلم. فلما احدث ذو النورين
رضي الله تعالى عنه الاذان الاول كان هو
الاذان وبقي هذا اعلاما للحاضرين و
عليه فرع مفرع منهم انه لما كان في الزمن

تو مکہ میں ساری نمازیں بغیر اذان کے ہی پڑھتے تھے۔
اس مسکین کو یہ معلوم نہیں کہ یہ اجماعِ امت و تصریحِ قرآن
کا انکار ہے، کیونکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ حضور
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے علاوہ
کوئی اذان نہ تھی۔" اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ
"اے ایمان والو! جمعہ کے دن اذان دی جائے
تو اللہ تعالٰی کے ذکر کے لئے دوڑ پڑو"۔ یہ مسجد کی طرف
سعی کا حکم غائبین کے لئے ہی تو ہے۔ یہ بھی فرمایا
کہ بیع وشراء چھوڑ دو۔ بیع وشراء تو بازار میں
ہوتی ہے مسجد میں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذانِ خطبہ
مسجد میں موجود نہ رہنے والوں کو نماز کے لئے بلانے
کے لئے ہی ہوتی تھی۔ اور یہی اذان شرعی و اصطلاحی
ہے، اور مکہ کی نماز نزولِ اذان سے قبل ہوتی تو
کوئی مومن اس پر نمازِ جمعہ کو قیاس نہیں کرسکتا۔
اور دوسرے مخالف کا کہنا یہ ہے کہ بیشک حضور
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے
زمانہ میں یہی اذان خطبہ تھی، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ
تعالٰی عنہ کے زمانہ میں جب انھوں نے اذان اول
ایجاد کی تو یہ اذان حاضرین کا اعلان ہوگئی، تو جب
پہلے زمانہ میں یہ اعلان تھی تو بابِ مسجد پر ہونا ہی مناسب
تھا، اور عہدِ عثمان غنی میں جب یہ حاضرین کو خطبہ کیلئے

---

[1] القرآن الکریم ۶۲/ ۹
[2] " " " "

الاول للاعلام ناسب باب المسجد وفی زمن عثمٰن رضی اللہ عنہ صار للانصات فناسب داخل المسجد لدی المنبر۔

خاموش کرنے کے واسطے ہے تو اس کا مسجد کے اندر منبر کے قریب ہونا ہی مناسب ہوا۔

اقول وھذا ایضا من ابین الاباطیل وخلاف اجماع ائمتنا الکرام، فاولا قد اجمعوا للجمعۃ اذانین۔ وثانیا یعاد اذان الجنب لا اقامتہ علی المذھب وعللوہ بان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ کما فی الھدایۃ[1] واستشھدوا علیہ باذان الجمعۃ۔ قال فی الکافی والتبیین والعنایۃ والدرالمختار وغیرھا فان تکرار الاذان مشروع فی الجملۃ کما فی الجمعۃ[2] الی ھنا متفقون ثم قال فی الکافی فاما تکرار الاقامۃ فغیر مشروع اصلا[3]۔ وفی التبیین دون الاقامۃ[4]۔ وفی العنایۃ بخلاف الاقامۃ[5]۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے کہ یہ بھی ہمارے علمائے کرام کے اجماع کے خلاف ہے۔ (۱) سارے ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ کے لئے دو اذانیں ہیں۔ (۲) جنبی کی اذان دہرائی جائیگی اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔ دلیل یہ دی گئی کہ اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں۔ ہدایہ میں اس کی تصریح ہے، اور تکرار اذان کے جواز کے ثبوت میں اذان جمعہ کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی، تبیین، عنایہ اور درمختار میں ہے "اذان کی تکرار فی الجملہ مشروع ہے" یہاں تک پانچوں کتابوں کی عبارت میں اتفاق ہے، آگے کافی میں فرماتے ہیں "اقامت کی تکرار تو بالکل جائز نہیں"۔ تبیین میں صرف یہ ہے "اقامت کا یہ حکم نہیں" عنایہ میں ہے "بخلاف اقامت

---

[1] الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب الاذان المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۴۳

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۰
تبیان الحقائق دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۴۹

[3] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب الاذان تحت قول المصنف "وکرہ اذان الجنب الخ" ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۳

[4] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الاذان دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۴۹

[5] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۰

9

ونظم الدرر لمشروعیۃ تکرارہ فی الجمعۃ دون تکرارھا[1] اھ۔ فلولم یکن الثانی اذانا مثل الاول فاین التکرار۔ وثالثا صریح نص البحر فی البحرلان تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعۃ لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض بخلاف تکرار الاقامۃ اذ ھو غیر مشروع[2] اھ۔ ورابعا لم تغیر الاذان عما کان علیہ بحدوث الاول لان الاعلام حصل بالاول فلا یحصل بالثانی فانسلخ ضرورۃ عن الاذانیۃ وکونہ اعلاما للغائبین ام لان امیرالمؤمنین عثمٰن ھوالذی قطعہ عما کان الاول باطل اجماعا، فما التثویب الاعلام بعد الاعلام وکرہ المتقدمون واستحسنہ المتاخرون فکان ھذا اجماعا منھم علی ان الاعلام مما یقبل

کے۔" اور درمختار کی عبارت یوں ہے: "اذان کی تکرار جمعہ میں مشروع ہے نہ کہ اقامت کی تکرار"۔ پس اذانِ ثانی اگر اذان اول کی طرح ہی اذان نہ ہو تو اس کی تکرار کس طرح ہوگی (۳) علامہ بحر نے اپنی کتاب بحرالرائق میں صریح عبارت ارشاد فرمائی، "اس لئے کہ اذان کی تکرار شرعًا جائز ہے، جیسے جمعہ کی اذان کہ بار بار ہوتی ہے اس لئے کہ وہ غائبین کے اعلان کے لئے ہے۔ تو اس کے بار بار کرنے میں فائدہ ہے کہ کسی نے پہلے نہ سنا ہو تو اب سُن لے گا، البتہ اقامت کی تکرار جائز نہیں۔" (۴) اذانِ خطبہ کے اذان ہو کر اذان نہ ہونے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد کردہ اذان سے اعلام غائبین کی ضرورت پُوری ہوگئی تو اب اذانِ خطبہ کی اس کے لئے ضرورت ہی نہیں رہی، تو یہ اذان نہ رہی۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پہلی اذان ایجاد فرما کر یہ کہا کہ اب اذانِ خطبہ اذان نہ رہی بلکہ اس سے اطلاع حاضرین کا کام لیا جائے گا۔ پہلی بات تو باطل ہے کہ تثویب بھی تو اعلام بعدالاعلام ہی ہے جسے متقدمین نے مکروہ کہا اور متاخرین نے مستحسن گردانا۔ تو متاخرین اور متقدمین دونوں نے مل کر یہ طے کر دیا اعلام

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب الاذان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۴

[2] بحرالرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۳

التکرار اذلو استحال لاستحال ان یکون مکروھاً او حسناً وایضاً کفی للرد علیہ کلام البحر، والثانی، اشد واشنع واشر واخنع ان یکون امیر المؤمنین بدل وحرّف سنۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاشاہ من ذٰلک نعم للخلفاء الراشدین ان یضیفوا سنۃ کما اضاف الاذان الاول یوم الجمعۃ وتبعہ علیہ المسلمون فی عامۃ البلاد واما ان یغیروا سنتہ فکلا، واجارھم اللہ تعالٰی عن ذٰلک الا تری الی ما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ستۃ لعنتھم ولعنھم اللہ وکل نبی مجاب وذکر منھم التارک بسنتی رواہ الترمذی[1] عن ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا والحاکم عنہا وعن امیر المومنین علی۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنہم بلفظ سبعۃ لعنتھم

تکرار کا امکان رکھتا ہے۔ اگر محال ہوتا تو نہ مستحسن ہوسکتا نہ مکروہ۔ پھر اس کے رَدّ کے لئے صاحبِ بحرالرائق کا کلام ہی کافی ہے۔ دوسری بات باطل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بُری اور گندی بھی ہے کہ امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سید کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنّت بدل ڈالی۔ پناہ بخدا خلفائے راشدین اس سے بری ہیں وہ آپ کی سُنتوں میں اضافہ کرسکتے ہیں اس میں تغیّر وتبدّل نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ آپ نے جمعہ کے دن اذان کی سنّت میں ایک اذان کا اضافہ کیا۔ جمیع اہل اسلام نے تمام شہروں میں اس کی اتباع کی۔ آپ کی سنت بدلنے سے اللہ تعالٰی نے انھیں محفوظ رکھا۔ تم نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا آپ فرماتے ہیں: "چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی اور اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی اور ہر نبی مجاب الدعوات نے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک سنت بدلنے والا ہے۔"[1] اس حدیث کو ترمذی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، حاکم نے ام المومنین اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور طبرانی نے کبیر میں عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ سبعۃ لعنتھم

---

[1] سنن الترمذی کتاب القدر حدیث ۲۱۶۱ دار الفکر بیروت ۴/ ۶۱
المستدرک للحاکم کتاب الایمان ستۃ لعنتھم الخ " " " ۱/ ۳۶
" " کتاب التفسیر تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشٰی " " " ۲/ ۵۲۵

وکل نبی مجاب[1] والعجب ممن یقول ان عدم اعتبار تغییر عثمٰن ضلالة بتعلیمه ولا یدری المسکین ان نسبة تغییر السنة الٰی عثمٰن هو الضلال البعید، هذا وجه وکفٰی به وجها وجیها۔ الثانی حیث یسوغ الاعلام مکررا فمن ذا الذی اخبرکم ان عثمٰن قطعه عنه أاقرانی قطعته ام امر المؤذن ان لا یتوبه او امره ان یخففه او یخفیه ام تقولون علٰی عثمان مالا تعلمون ولا تعلمون انکم مسئولون قال تعالٰی، ولا تقف مالیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئك کان عنه مسئولا[2]۔ الثالث حصول الاعلام کان لازم الاذان ان کان علی وجه المعهود علی عهد الرسالة فلا ینقطع عنه الا باحداث فیه یقعده عن الاعلام السالف وکیف یظن هذا بعثمٰن

وکل نبی مجاب روایت فرمایا، پس ان لوگوں کی کیسی بوالعجبی ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کا انکار کرنیوالوں کے فعل کو ضلالت شنیعہ بتاتے ہیں۔ اور خود ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے اور اس کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ خود وہی ہے۔
دوسری بات کا یہ جواب بھی ہے کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان خطبہ کی اذانیت کو ختم کر دیا۔ کیا انھوں نے خود اس کا اقرار کیا ہے یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ وہ اس اذان کی طرف رجوع نہ کرے یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ اس اذان میں تخفیف کرے یا اس کو پست آواز سے کہے، یا آپ لوگ امیر المومنین پر بے جانے بوجھے افترا کر رہے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔ اللہ تعالٰی تو فرماتا ہے: "اس پر کان بھی نہ دھر جس کا علم نہیں، بے شک کان، آنکھ، دل سب سے پوچھا جائے گا۔" اس پر یوں بھی غور کرنا چاہئے کہ عہد رسالت کی اذان خطبہ اگر حسب سابق اعلان کا فائدہ دے رہی تھی تو اس کو اذانیت سے نکالنے کے لئے اس میں کچھ ایسا تصرف ناروا ضروری تھا کہ اس سے اعلام

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۴۳
[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

فان فیه تقلیل الفائدة الشرعیة و ذلك انه رضی الله تعالٰی عنه احدث الاذان الاول لما کثر الناس فما ذا کان یغیرہ هذا الثانی ان بقی علی ما کان علیه فی عهد الرسالة والخلافتین کی یسمعه من لم یسمع الاول کما تقدم عن البحر فالذی یزعم ان عثمٰن احدث فیه ما قطعه من کونه اعلاما یقول بملاء فیه ان عثمٰن غیر السنة ونقص الفائدة و نقض المصلحة فکان معاذ الله محض محادة للسنة ومضادة وان عدینا عنه، فادنی احواله ان لا فائدة فیه فیکون عبثا فی الدین و العبث کما فی الهدایة[1] حرام ویکون لغوا و الذین هم عن اللغو معرضون[2]۔

کا فائدہ ختم ہو جائے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دانستہ فائدہ شرعیہ کو ختم کرنا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تو دُور دراز تک پھیلے ہوئے لوگوں کی اطلاع کے لئے اذان اول کا اضافہ فرمایا تھا، تو اذانِ ثانی کو عہدِ رسالت اور عہدِ صاحبین کی طرح اعلام غائبین کے لئے باقی رکھنے میں کہ جن لوگوں نے پہلا اعلان نہ سنا ہو یہ دوسرا اعلان سُن کر تو مسجد میں ضرور آجائیں گے کیا حرج تھا کہ امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ دوسری اذان کی اذانیت کو ختم کر دیتے، تو اس کی اذانیت کے ختم کرنے کی نسبت حضرت ذوالنورین کی طرف کرنا ان پر یہ الزام لگانا ہے کہ انھوں نے سنّت بدلی، فائدہ شرعیہ گھٹایا۔ اور دینی مصلحت توڑی۔ ورنہ اتنا تو ہے کہ ایک بے فائدہ کام کیا۔ اور ہدایہ میں ہے کہ العبث حرام ہے۔ ایک لغو فعل ہوا، اور قرآن عظیم ان کے اوصاف بیان کرتا ہے، وہ لغو سے پرہیز کرتے ہیں۔

نفحہ: تحرر ما تقرر ان بحث بقائه بعد لخصوص الانصات غیر محرر بل وقع مصادما للنص ولحرمة الصحابة ولاجماع ائمتنا ونصوص فقهائنا فکیف یعرج علیه، بل کیف یحل ان یلتفت الیه

نفحہ: ہماری گزشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اذان ثانی کو اب صرف مقتدیوں کو خطبہ کے لئے خموش کرانے کی غرض سے باقی رکھنا صحیح نہیں، بلکہ یہ نص، حرمت صحابہ اور ہمارے ائمہ کے اجماع اور نصوصِ فقہائے کے خلاف و مصادم ہے تو اب یہ بات نہ ماننے کے قابل ہے نہ لائق التفات،

---

[1] الهدایة کتاب الصلوٰة فصل ویکرہ للمصلی المکتبة العربیة کراچی ۱/۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۲۳/۳

ولکن الرزیۃ من ترك نصوص مذهبه وتشبث بذلك البحث وتحمل كل ما مر۔ ثم زاد فی الشطر نجبلة وهو ذلك تفریع الباطل انه اذن ناسب داخل المسجد لدی المنبر ولم ذاك مع ان اهل المسجد الصیفی احوج الی هذا الاعلام من اهل الشتوی فانهم یرون الامام باعینهم فینصتون والقیاس علی الاقامة جهل فان بالاقامة تترتب الصفوف من الاول فالاول قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه فما كان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر۔ رواہ احمد[1] فی المسند والنسائی[2] وابن حبان وخزیمة والضیاء كلهم فی صحاحهم بسند صحیح عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه و لعمری ان هذه الضاكادت ان تكون سنة مهجورة واللہ المستعان فناسب كون الاقامة فی الصف الاول بخلاف الاعلام بجلوس الامام فان اهل الخارج احوج الیه كما تری۔

لیکن تباہی تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے مذہب کی نصوص چھوڑ کر مذکورہ بالا غیر مفید بحثوں کا سہارا لیا، اور بے مقصد زحمتیں برداشت کیں ، پھر بے تکی حرکت یہ کی کہ اس پر ایک تفریع باطل لگا دی کہ لہذا مناسب یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل ہو، حالانکہ اس اذان کی غرض اسکانِ سامعین مان بھی لی جائے تو اس اذان کے زیادہ ضرورتمند حصۂ صیفی و بیرونی صحن کے لوگ ہیں ۔ اندرونی والان کے لوگ تو امام کو منبر پر بیٹھا دیکھ کر خود ہی خموش ہو جائیں گے ۔ ضرورت تو باہری صحن میں اذان دینے کی ہے تاکہ جو لوگ امام کو نہیں دیکھتے مطلع ہو جائیں ۔ اس اذان کو اقامت پر قیاس کرنا جہالت ہے کیونکہ اس کا مطلب تو جماعت کے لئے صف لگانا ہے ، اور صف کے لئے پہلی صف سے درجہ بدرجہ صفیں مکمل کرنے کا حکم ہے ۔ چنانچہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ، "پہلے پہلی صف مکمل کرو پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد اور جو کمی ہو تو آخری صف میں ہو۔" اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند ، امام نسائی ، ضیاء مقدسی ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرمایا ۔ اب لوگوں نے سرکار کی اس سنت کو بھی ترک کر دیا ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ اقامت تو پہلی ہی صف میں ہونی چاہیے ، اور اذان خطبہ کے باہر والے زیادہ محتاج ہیں ۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۱۳۲

[2] سنن النسائی کتاب الامامۃ الصف المؤخر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۳۱

موارد الظمآن باب ماجاء فی الصف للصلوٰۃ حدیث ۳۹۰ المکتبۃ السلفیۃ ص ۱۱۴

نفحہ ۸: عدة طلبة حاولوا نقض كلية الائمة "لا يؤذن فى المسجد" بالاقامة فانها ايضا يقال عليها "الاذان" كما فى حديث بين كل اذانين صلوة لمن شاء[1] مع انها فى المسجد وفاقا وجهلوا ان اطلاق الاذان عليها تغليب او عموم مجاز، قال الامام العينى فى عمدة القارى المراد من الاذانين الاذان والاقامة بطريق التغليب كالعمرين والقمرين[2] اھ وفى المواهب اللدنية عن امام الائمة ابن خزيمة قوله "اذانين" يريد الاذان والاقامة تغليبا[3] اھ قال الزرقانى لانه شرعا غير الاقامة[4] اھ وفى العينى ثم المواهب او لاشتراكهما فى الاعلام[5] قال الزرقانى

نفحہ ۸: کچھ طلبہ ائمہ دین کے اس کلیہ کو کہ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے، یہ کہہ کر توڑنا چاہتے ہیں کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے: "ہر دو اذانوں کے بیچ میں اس کے لئے نماز ہے جو پڑھنا چاہے۔" حالانکہ اقامت کا مسجد کے اندر ہونا ہی ضروری ہے، تو فقہا کا یہ حکم کلی نہیں رہا، اور اقامت کی طرح اذان بھی مسجد میں دی جاسکتی ہے۔ ان بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیبًا ہے یا بطور عموم مجاز۔ امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں: "اذانین سے مراد اذان واقامت ہے جیسا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو عمرین کہا جاتا ہے۔" اصطلاح بدیع میں اس کو تغلیب کہا جاتا ہے۔ مواہب لدنیہ میں امام الائمہ ابن خزیمہ سے ہے: "اذانین سے مراد اذان واقامت دونوں ہیں اور یہ تغلیب ہے۔" زرقانی میں ہے: "شریعت کے اذان اقامت سے الگ ہے۔" عینی اور مواہب میں تغلیب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا: "اقامت کو اذان اس لئے کہہ دیا کہ اعلان ہونے میں

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب ما بین کل اذانین صلوۃ لمن شاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۷
[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاذان " " " " دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/۲۰۷
[3] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی فی صلوۃ الجمعۃ الاذان لصلوۃ الجمعۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/۱۹۱
[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ " " " " دار المعرفۃ بیروت ۷/۳۸۰
[5] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی " " " المکتب الاسلامی بیروت ۴/۱۹۱
عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب الاذان دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/۲۰۳

فلا تغلیب لان الاذان لغۃ الاعلام وفی الاقامۃ اعلام بدخول وقت الصلوٰۃ کالاذان فھو حقیقۃ لغویۃ فی کل منھما[1]۔

دونوں شریک ہیں۔" زرقانی نے فرمایا: "ان دونوں میں تغلیب نہیں، اس لئے کہ اذان لغت کے اعتبار سے اعلان کے معنی میں ہے۔ اور اقامت میں دخولِ وقت کا اعلان ہوتا ہے، تو ان دونوں میں عام و خاص کا فرق ہے، اور دونوں کیلئے اذان کا اطلاق لغوی ہی ہے۔"

ومایقال فی تعلیل روایۃ مرجوحۃ مخالفۃ للمذھب ان الاقامۃ احد الاذانین فھو کقولھم "القلم احد اللسانین[2]" ولذا فسرہ الامام النسفی بان کل واحد منھما ذکر معظم کما یفسر ھذا بان کلا منھما یعرب عما فی الضمیر، الم تر ما قدمنا من نصوص الھدایۃ والکافی والزیلعی، والاکمل، والدر، والبحر، ان تکرار الاذان مشروع ولا یشرع تکرار الاقامۃ الم تعلم ما نصوا علیہ فی الکتب المذکورۃ جمیعا وغیرھا ان اذان الجنب یعاد، ولا تعاد اقامتہ[3]۔ الم تسمع الی ما فی البحر عن الظھیریۃ لو جعل

ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین" "اقامت دو اذانوں میں سے ایک ہے۔ اس کو جو اس تعلیل کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے، تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اہلِ زبان کا مقولہ ہے القلم احدی اللسانین قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ اسی لئے امام نسفی نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اذان واقامت دونوں ہی ذکرِ معظم ہیں جیسا کہ القلم احدی اللسانین کی تفسیر کی جاتی ہے کہ دونوں ہی ما فی الضمیر کو بیان کرتے ہیں۔ ان دونوں میں مغایرت پر دلالت کرنے والی ہدایہ، کافی، زیلعی، اکمل، در اور بحر کی عبارتیں ہیں کہ "اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں۔" انھیں سب کتابوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ "جنبی کی اذان دہرائی جائے اور اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔" بحر الرائق میں ظہیریہ سے ہے کہ "اگر اذان کو اقامت کی طرح ادا کیا

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ الباب الثانی کتاب الجمعۃ یوم الجمعۃ دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۰

[2] فیض القدیر تحت الحدیث ۵۲۱۶ ضع القلم علی اذنک دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۳۶

[3] تبیین الحقائق باب الاذان ۱/ ۲۴۹ و بحر الرائق باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳
الھدایۃ " ۱/ ۴۷ و العنایۃ علی ہامش فتح القدیر باب الاذان ۱/ ۲۲۰

الاذان اقامۃ یعید الاذان ولو جعل الاقامۃ اذانا لا یعید لان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ اھ[۱] وفیہ عن المحیط لو جعل الاذان اقامۃ لایستقبل ولو جعل الاقامۃ اذانا یستقبل[۲] الخ۔ الی غیر ذلک من مسائل باینوا فیھا بین الاذان والاقامۃ۔ وبالجملۃ الالزام باجراء احکام الاذان طرًّا فی الاقامۃ شیئ لایتفوہ بہ من شم رائحۃ العلم، ولکن الجھل اذا ترکب فھو الداء العضال۔

نفحہ ۹: اقول وباللہ التوفیق اعلم وفقنا اللہ تعالٰی وایاک ان للمسجد اطلاقین: احدھما موضع الصلٰوۃ من الارض الموقوفۃ لھا وھو الاصل وبھذا المعنی لایدخل فیہ البناء فان البناء من الاوصاف کالاطراف فالباب والجدار خارج عن المسجد۔ وکذا الدکۃ والمنار والحیاض والابار وان کانت فی حدودہ بل فی جوفہ اذا بنیت قبل تمام المسجدیۃ اما بعدہ فلا یجوز تغییر شیئ من الاوقاف عن ھیئتہ الا بشرط الواقف

تو اذان دہرائی جائے۔ اور اگر اقامت کو اذان کی طرح کہا تو نہ دہرائی جائے کیونکہ تکرار اذان مشروع ہے تکرار اقامت نہیں"۔ اسی میں محیط سے ہے کہ " اگر اذان کو اقامت کیا تو استقبال قبلہ ضروری نہیں۔ اور اگر اقامت کو اذان قرار دیا تو استقبال قبلہ کرے۔" اس کے علاوہ بھی کتنے مسائل ہیں جن میں اذان واقامت کا فرق ہے، ان سب ارشادات کا حاصل یہ ہُوا کہ اذان کے جملہ احکام کے اقامت پر طریان کا دعوٰی کوئی سمجھدار آدمی نہیں کرسکتا۔ ہاں جہل مرکب بڑی مشکل بیماری ہے۔

نفحہ ۹: اللہ تعالٰی ہم کو اور آپ کو سب کو علم کی توفیق بخشے۔ مسجد کی دو اطلاقات ہیں:

(ا) زمین کا وہ حصہ جو نماز کے لئے وقف کیا گیا ہو مسجد کے حقیقی معنٰی یہی ہیں، اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں جیسے کہ اطراف وحدود، پس مسجد کا دروازہ اور دیواریں مسجد سے خارج ہیں۔ اسی طرح اذان کے چبوترے، مناریں، حوض اور کنویں حدودِ مسجد یا جوفِ مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر تمام مسجدیت سے قبل بنائے گئے تو مسجد سے خارج ہیں، ہاں مسجد مکمل ہوجانے کے بعد اگر ان چیزوں کو مسجد میں بنایا تو یہ وقف کو بدلنا ہوا جو جائز نہیں۔ واقف نے وقف کی ضرورت

---

[۱] بحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

[۲] " " " " " " " " "

لحاجة الوقف ومصلحته فکیف بالمسجد فی برأته وحریته وتمنعه من حق عبد وخیرته فی وقف الدار، من احکام المسجد لوبنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولوقال عنیت ذلك لم یصدق۔ تاتارخانیة، فاذاکان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولوعلی جدار المسجد[1] اھ۔

والاٰخر الارض مع البناء وهو الاصل مع الوصف فالبنیان کالجدران والبنیان، داخل بهذا المعنی فیه وعلی الاول قوله تعالیٰ انما یعمر مساجد الله من اٰمن بالله والیوم الاٰخر[2] اخرج الائمة احمد والدارمی والترمذی وحسنه وابن ماجة وابن خزیمة وابن حبان والحاکم، وصححه عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد

کے لئے اس کی شرط لگائی ہو تو اور بات ہے۔ اور مسجد میں ناممکن ہے کہ مسجد حقوق عبد سے بالکلیہ آزاد ہوتی ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف باب احکام المسجد میں ہے: "اگر مسجد کے اوپر امام مسجد کے لئے کمرہ بنایا تو حرج نہیں کہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے، لیکن مسجد مکمل ہوگئی تو مسجد کی چھت پر منع کیا جائیگا اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت پہلے ہی کمرہ بنانے کی تھی، اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔" تاتارخانیہ میں ہے: "جب خود واقف کا یہ حال ہے تو دوسرے کا کیا۔ ایسی تعمیر گو مسجد کی دیوار پر ہو اس کو بھی ڈھادینا چاہیے۔"

(ب) اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے، تو دروازے اور دیواریں سب مسجد میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان انما یعمر مساجد الله من اٰمن بالله (مسجدیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے تعمیر کرتے ہیں) میں یہی مراد ہے۔ امام احمد، دارمی اور ترمذی نے اس کو تخریج کیا اور ترمذی نے حسن کہا۔ ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی روایت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کی حاضری اس کی عادت بن چکی ہے تو

---

[1] الدرالمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۹/۱۸

فاشهدوا له بالایمان[1] قال الله تعالٰی انما یعمر مساجد الله من اٰمن بالله و الیوم الاٰخر[2] فعمارتها بالصلٰوة فیها لو لم یکن ثم بناء کالمسجد الحرام فی زمن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فما کان الا ارضا حول الکعبة مخلاة للطواف۔ وعلی الاٰخر قوله عزوجل لهدمت صوامع و بیع وصلوات و مساجد[3]، فما الهدم الا للبناء۔

بل الاطلاق الثالث یشمل الفناء ولهذا اجاز للمعتکف دخوله و لا یعد به الا معتکفا فی المسجد۔ فی البدائع ثم رد المحتار لو صعد ای المعتکف المنارة لم یفسد بلاخلاف

اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے مسجد تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔" مسجد کی آبادی تو نماز پڑھنے سے ہے اگرچہ وہاں کوئی مسجد کی عمارت نہ ہو۔ جیسا حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد حرام کا حال تھا کہ وہ کعبہ کے گرد کی زمین تھی جو طواف کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی۔ اور اس دوسرے معنی پر ہی اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے، لهدمت الصوامع والبیع (تو البتہ یہود و نصارٰی کے صوامع اور عبادت خانے ڈھائے جاتے) اور بنی ہوئی عمارت ہی ڈھائی جاتی ہے۔

(ج) اور مسجد کا ایک تیسرا اطلاق بھی ہے۔ اس اطلاق پر صحن کا حصہ بھی شامل ہوتا۔ اسی لئے تو معتکف کو اس میں جانا جائز ہے۔ اور اس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتا ہے۔ بدائع اور شامی میں ہے، معتکف ایسے منارہ پر چڑھ سکتا ہے جس کا دروازہ مسجد سے خارج

---

[1] جامع الترمذی ابواب الایمان باب ما جاء فی حرمة الصلٰوة امین کمپنی دہلی ۲/۸۶
مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/۶۸
المستدرک للحاکم کتاب الصلٰوة دار الفکر بیروت ۱/۲۱۲ و ۲۱۳
موارد الظمآن باب الجلوس فی المسجد للخیر حدیث ۳۱۰ المکتبة السلفیة ص ۹۹
صحیح ابن خزیمة باب الشہادة بالایمان لعمار المسجد حدیث ۱۵۰۲ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۹/۱۸

[3] " " ۲۲/۴۰

وان کان بابها خارج المسجد لانها منه لانه یمنع فیها من کل ما یمنع فیه من البول ونحوہ فاشبه زاویة من زوایا المسجد[1] اھ۔ وعن ھذا تسمع الناس یقولون قد اذن فی المسجد اذا سمعوا الاذان من منارته مثلا وان کانت واقعة خارج المسجد وھذہ محاورة سائغة شائعة عربا وعجما۔ ولا یقول احد قوموا فقد اذن خارج المسجد، وعلی ھذا نظائر قول ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه ان من سنن الھدی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیه رواہ مسلم[2]۔ وقول الفقھاء کرہ خروج من لم یصل من مسجد اذن فیه[3] اذا علمت ھذا فاعلموا ان الاذان انما یکرہ فی اصل المسجد لا فی وصفه و لا تبعه وان شئت قلت یکرہ فی المسجد بالمعنی الاول دون الثانیین، الا تری الی ما قد تلونا علیك من نصوص الائمة کیف نھوا عن الاذان فی المسجد دون المئذنة وفناءہ والحدود بمرای منك حدیث الاذان علی باب

ہو کیونکہ وہ مسجد میں شمار ہوتا ہے اور وہاں پیشاب و پاخانہ منع ہے، تو وہ بھی مسجد کے ایک کونہ کی طرح ہوا اھ۔ اسی لئے لوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کو سُن کر کہتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوگئی حالانکہ منارہ تو مسجد سے خارج بنا ہے اور چونکہ یہ محاورہ عرب و عجم میں شائع و ذائع ہے کہ اذانِ منارہ کو سُن کر کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوگئی۔ اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے بھی ہیں جو آپ نے فرمایا تھا: "جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز پڑھنا سنّتِ ہدی ہے" (مسلم)۔ اور فقہاءِ کرام کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ "مسجد میں اذان ہوچکی ہو تو جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے"۔ اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ اذان اصل مسجد میں مکروہ ہے وصفِ مسجد میں نہیں۔ اور تبعِ مسجد میں بھی نہیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے اذان مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے معنی ثانی اور ثالث میں نہیں۔ ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندر مکروہ ہے منارہ صحن اور حدود میں نہیں۔ یہی حدیث سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بھی مفاد ہے: "کان

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم باب الاعتکاف داراحیاء التراث العربی بیروت ٢/ ١٣٢
[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلوٰۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف قدیمی کتب خانہ کراچی ١/ ٢٣٢
[3] الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب ادراک الفریضۃ مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٩٩

المسجد، واخرج ابو الشیخ فی کتاب الاذان عن عبد اللہ ابن زید الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ قال رأیت فیما یری النائم کان رجلا علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول اللہ اکبر اللہ اکبر اربعا[1] الحدیث وفی اخری عنہ رأیت رجلا علیہ ثوبان اخضران وانا بین النوم والیقظان فقام علی سطح المسجد فجعل اصبعیہ فی اذنیہ ونادی[2] الحدیث۔ وتقدم قول المدخل ان محل الاذان المنار او سطح المسجد او بابہ[3]۔

وبما قررنا وللہ الحمد تبنیت فوائد، الاولٰی یجوز الاذان الدکۃ والمنارۃ وشفیر البئر وحریم الحوض وان کانت ھٰذہ الاشیاء داخل المسجد اذا کان البانی بناھا قبل تمام المسجدیۃ لان ذٰلک یبقی مستثنٰی ولا تشملہ المسجدیۃ فیجوز لہ ان یبنی وللناس ان یستعملوھا کما اذا اُعد فیہ موضعا للوضوء وکذا اذا کانت بئر او حوض مثلا فی فناء المسجد

الاذان علی باب المسجد" (اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی)۔ ابو الشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا"۔ دوسری حدیث میں انھیں سے ہے کہ "میں نے خواب میں ایک شخص کو ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے کھڑا دیکھا جو کہہ رہا تھا" (الحدیث)۔ مدخل کی عبارت ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ "اذان منارہ پر یا سطح مسجد پر یا اس کے دروازہ پر ہونا چاہئے"۔

ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوئے،

(۱) اذان چبوترے پر، منارہ پر، کنویں کی منڈیر پر، حوض کی گگر پر، اگرچہ یہ چیزیں مسجد کے اندر ہی ہوں جائز ہے جب کہ بانی نے اس کی بنا مسجد سے پہلے کی ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ابتداء سے ہی مسجد سے مستثنٰی ہیں۔ تو بانی ان مطلوبہ چیزوں کو بنا سکتا ہے۔ اور لوگ اس کو اسی غرض سے استعمال کرسکتے ہیں۔ ایسے ہی کوئی جگہ جو خاص مسجد میں تمام مسجدیت سے قبل ہی وضو کے لئے خاص کردی گئی ہو۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ مسجد کے

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/۳۳۱

[2] " " " حدیث ۲۳۱۴۳ " " ۸/۳۳۱

[3] المدخل فصل فی النہی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/۲۵۱

فزید المسجد واحاط بہا کبئر زمزم فی المسجد الحرام فان کونہا اذ ذاک قبل المسجدیۃ ابین واظہر۔ اما بعد تمام المسجدیۃ فلا یجوز فی ارض اصل المسجد احداث دکۃ ولا منارۃ ولا بئر ولا حوض کما قدمنا عن الدر[1] من منع بناء فوق جدار المسجد او سطحہ فکیف ارضہ ۔ وھذا ما نص علیہ علماؤنا انہ لا یحفر فی المسجد بئر ماء ولو کانت البئر قدیمۃ تترک کبئر زمزم اھ[2] خانیۃ وھندیۃ وغیرھما وتمام تحقیق المسألۃ فی جد الممتار تعلیقاتنا علی رد المحتار وقال فی الاشباہ والنظائر من احکام المسجد تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعد لذلک لایصلی فیہ اوفی اناء اھ[3] و نحوہ فی الدر قال الشامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قولہ "الا فیما اعد لذلک" انظر ھل یشترط

صحن میں کوئی حوض تھا، کنواں تھا، مسجد میں توسیع ہُوئی یا مسجد کا احاطہ کیا گیا جیسے زمزم شریف کا کنواں کہ اب تو خاص مسجد حرام شریف میں ہے جبکہ اس کا اس جگہ مسجد حرام سے قبل ہونا بالکل ظاہر ہے، ہاں مسجد تمام ہونے کے بعد اصل مسجد میں نہ چبوترہ بنانا جائز ہے نہ منارہ نہ کنواں، نہ حوض۔ جیسا کہ ہم درمختار سے نقل آئے کہ "تمام مسجدیت کے بعد دیوار یا چھت پر کوئی اور عمارت منع ہے۔" ہمارے علماء نے اس بات پر تنصیص کی ہے کہ "مسجد میں کنواں نہیں کھودا جاسکتا، پرانا ہو تو باقی رہ سکتا ہے۔ جیسا زمزم کا کنواں۔ خانیہ، ہندیہ وغیرہ۔ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب جد الممتار حاشیہ درمختار و شامی میں ہے۔ اشباہ و نظائر کے باب احکام المسجد میں ہے "مسجد میں کُلی وغیرہ منع ہے ہاں کوئی جگہ پہلے ہی سے ان امور کے لئے مقرر ہو تو اور بات ہے۔" ایسا ہی درمختار میں ہے۔ امام شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مصنف کے قول الا ما اعد لذلک پر فرمایا "یہی امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لئے جگہ

---

[1] الدرالمختار | کتاب الوقف | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۳۷۹
[2] فتاوٰی قاضیخاں | فصل فی المسجد | نولکشور لکھنؤ | ۱/۳۱
خلاصۃ الفتاوٰی | کتاب الصلوٰۃ | الفصل السادس والعشرون فی المسجد | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۱/۲۲۷
[3] الاشباہ والنظائر | الفن الثالث | القول فی احکام المسجد | ادارۃ القرآن کراچی | ۲/۲۳۰

اعداد ذٰلك من الواقف ام لا[1] اھ وکتب فی جد الممتار اقول نعم وشیئ اٰخر فوق ذٰلك وھو ان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیۃ فان بعدہ لیس لہ ولا لغیرہ تعریضہ للمستقذرات ولا فعل شیئ یخل بحرمتہ اخذتہ مما یأتی فی الوقف من الواقف لو بنٰی فوق سطح المسجد بیتا لسکنی الامام[2] اھ ۔ ثم فی احداثھا فی المسجد بعد ما صار مسجدا موانع اخرٰی فانھا تشغل موضع الصلٰوۃ و تقطع الصفوف وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ[3] ۔ رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی و ابن خزیمۃ والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما. قال العلامۃ القاری فی المرقاۃ

مقرر کرنا شرط ہے یا نہیں۔" میں نے جد الممتار میں اس پر لکھا "یہ شرط تو ضروری ہے ہی، یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لئے یہ جگہیں متعین کرے۔ مسجد مکمل ہونے کے بعد واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لئے پیش کرتا ہے۔" میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ "واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کے لئے کوئی گھر نہیں بنا سکتا۔" مسجد مکمل ہونے کے بعد اس میں ان امور کے لئے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں مثلاً اس کی وجہ سے نماز کی جگہ گھر جائے گی اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہوسکتی ہے جبکہ حدیث شریف میں ہے: "جس نے صفیں ملائیں اللہ تعالٰی اسے اپنی رحمت سے ملائے گا، اور جس نے صفیں قطع کیں اللہ تعالٰی اسے اپنی رحمت سے دور کریگا۔" (احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن خزیمہ اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح روایت کیا) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[2] جدالممتار " " " المجمع الاسلامی اعظم گڑھ ہند ۱/ ۳۱۶

[3] سنن ابی داؤد " باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۹۸

المستدرک للحاکم کتاب الصلٰوۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۳

(من قطعه) ای بالغيبة او بعدم السد او بوضع شئ مانع[1] اھ وقد نهى العلماء عن غرس الشجر فی المسجد وعللوه بانه يشغل مکان الصلٰوة کما فی الخانية وخزانة المفتيين والهندية وغيرها۔ و اما اباحته لتقليل النز اذا کانت الارض نزة لايستقر اساطينها فللضرورة ، والضرورات تبيح المحظورات ، قال فی البحر فيغرس ليجذب عروق الاشجار ذٰلك النز فحينئذٍ يجوز ، والا فلا[2] اھ ومثله فی الظهيرية والبزازية وغيرهما قال فی منحة الخالق ، وفی قوله والا فلا دليل علی انه لايجوز احداث الغرس فی المسجد ولا ابقاؤه فيه لغير ذٰلك العذر ولوکان المسجد واسعا کسجد المقدس الشريف ولو قصد به الاستغلال للمسجد لان ذٰلك يؤدی الی تجويز احداث دکان فيه او بيت للاستغلال او تجويز ابقاء ذٰلك بعد احداثه ولم يقل بذٰلك احد بلا ضرورة داعية ولان فيه ابطال

مرقاۃ میں "قطعہ" کا مطلب یہ تحریر فرمایا کہ صف سے غائب ہوکر، یا صف میں لایعنی کام کرکے، یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کر جو صف کے ملنے سے مانع ہو۔ علمائے کرام نے مسجد میں درخت لگانے سے منع کیا کہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا۔ ایسا ہی خانیہ، خزانۃ المفتیین، ہندیہ وغیرہا میں لکھا ہے۔ اور مسجد میں نمی ہو تو اسے کم کرنے کے لئے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بضرورت ہے۔ اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں۔ بحرالرائق میں ہے: "مسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں کہ اس کی جڑیں تری چوس لیں ورنہ درخت لگانا جائز نہیں"۔ ایسا ہی ظہیریہ و بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ منحۃ الخالق میں بحر کے قول "والا فلا" پر فرمایا "یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں مذکورہ بالا ضرورت سے درخت لگانا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو نہ درخت لگانا جائز ہے نہ اس کا باقی رکھنا۔ اور اگر مسجد وسیع ہو جیسے بیت المقدس، اور اس کے کسی حصہ میں سامان رکھنا ہو تو یہ بھی منع ہے کہ اس سے مسجد کو گودام اور دکان بنانے کی راہ کھلے گی۔ اور اس کے باقی رکھنے میں جبکہ بلا ضرورت ہو مسجد میں کان مکان باقی رکھنے کی راہ ہموار ہوگی، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے، اور مسجد میں ایسی چیزیں تیار کرنے سے مسجد کی تعمیر کی

---

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب تسویۃ الصفوف حدیث ۱۱۰۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۶۹

[2] بحرالرائق 〃 فصل لما فرغ من بیان الکراہۃ فی الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

مابنی المسجد لاجله من صلوٰۃ واعتکاف ونحوھما'وقد رأیت فی ھذہ المسألۃ رسالۃ بخط العلامۃ ابن امیر الحاج الحلبی الفھا فی الرد علی من اجاز ذٰلک فی المسجد الاقصی'ورأیت فی اٰخرھا بخط بعض العلماء انہ وافقہ علی ذٰلک العلامۃ الکمال ابن ابی الشریف الشافعی[1] اھ۔

اصلی غرض فوت ہوگی۔ اس مسئلہ میں ایک رسالہ ابن امیر الحاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا جسے آپ نے اس شخص کے رَد میں تحریر فرمایا تھا جس نے بیت المقدس میں اس کو روا رکھا تھا۔ اور اسی کے آخر میں بعض علماء کی تحریر تھی جس میں اس مسئلہ میں علامہ کمال ابن ابی شریف شافعی نے ابن امیر الحاج کی تائید کی تھی۔"

وقلت فی جد الممتار بعد نقل ماھنا وغیرہ من نظر ھذہ الکلمات الشریفۃ بعین الانصاف لم یلبث فی الحکم بتحریم کل احداث فی المسجد یکون فیہ شغل محل منہ لغیر ما بنی لہ سواء کان بیتا او حانوتا او دکۃ او منارۃ اوغاسلا او خزانۃ او بئرا اوحوضا اوشجرا' أو' أو' أو الخ وعنیت بہ المسجد بالمعنی الاول۔

میں نے جد الممتار میں ان سب باتوں کو لکھ کر تحریر کیا جوان کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا۔ بلاتوقف اس قسم کی تمام ایجادات کو (جن سے تعمیر مسجد کی اصلی غرض میں خلل واقع ہو) حرام قرار دے گا چاہے گھر ہو یا دکان، چبوترہ ہو یا منارہ، خزانہ ہو یا گودام، کنواں ہو یا حوض، درخت ہو یا کچھ اور الخ ایسے تمام مقامات پر ہماری مراد مسجد سے قسم اول (اصل مسجد) ہے۔

وقال الامام ابن الحاج المکی فی المدخل ومن ھذا الباب ایضا ما احدثوہ فی المسجد من الصنادیق المؤبدۃ، وذٰلک غصب لموضع مصلی المسلمین[2] قال ومن ھذا الباب الدکۃ التی یصعد علیھا المؤذنون للاذان یوم الجمعۃ بل ھی اشد من الصنادیق اذ یمکن نقل

امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں فرمایا کہ "اسی قسم سے وہ صندوق ہیں جن کو مسجد میں رکھنے کا رواج لوگوں نے قائم کرلیا ہے، یہ نماز کی جگہ کو گھیرتا ہے۔ اور اسی قسم کے وہ چبوترے ہیں جو مسجدوں میں اذان خطبہ کے لئے بعد میں بنائے گئے ہیں بلکہ ان کا حکم صندوق سے زیادہ سخت ہے کہ وہ بضرورت کھسک بھی سکتے ہیں جبکہ چبوتروں میں

[1] منحۃ الخالق حاشیۃ بحرالرائق مع البحر فصل لما فرغ من بیان الکراہۃ فی الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵
[2] المدخل فصل فی ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

10

الصناديق ولا يمكن نقلها[1]، قال ومن هذا الباب ایضا اعنی فی امساك مواضع فی المسجد وتقطیع الصفوف بها اتخاذ هذا المنبر العالی فانه اخذ من المسجد جزاء جیدًا وهو وقف علی صلاۃ المسلمین[2] اھ ملتقطا فرحم اللہ من نصح ورحم اللہ من قبل۔

یہ ناممکن ہے۔ اور اسی قسم سے یعنی مسجد کی جگہ روکنے والے اور صفیں قطع کرنے والے وہ رفیع منبر ہیں جن سے نماز کی قابل ذکر جگہ گھر جاتی ہے جو مسلمانوں کی نماز کے لئے وقف تھی (ملخصًا) (اللہ تعالٰی نصیحت کرنے والے اور قبول کرنیوالے دونوں کو قبول فرمائے)

الثانیۃ[2]، المراد فی قول الکافی انه ذکر فی المسجد المعنی الثانی الشامل للاصل والوصف فالخطبة فی الاصل والاذان فی الوصف فشملهما الکون فی المسجد وان تفرق المحل، وفی قول الغایة والفتح لکراهة الاذان فی داخل المعنی الاول فبدقة النظر لیس ما ذکر تاویل لکلامه، بل تبیین لمرامه اذ لیس فیه صرف عن ظاهره والله تعالٰی الموفق۔

(۲) امام کافی کے قول میں اذان کو جو ذکرًا فی المسجد (مسجد کے اندر کا ذکر) کہا ہے تو اس سے مراد مسجد کی قسم ثانی ہے جس میں اصل مسجد اور وصف مسجد دونوں ہی شامل ہیں۔ خطبہ اصل مسجد میں ہوتا ہے اور اذان وصف مسجد میں۔ تو مسجد میں ہونا خطبہ اور اذان دونوں ہی کی صفت ہے، اگرچہ جگہ میں اختلاف ہو۔ اور غایۃ البیان اور فتح القدیر کے قول قالوا لایؤذن فی المسجد (مسجد میں اذان ممنوع ہے) اس سے مراد مسجد بمعنی اول ہے، تو دقتِ نظر سے یہ پتا چلے گا کہ یہ بھی ہدایہ کے قول کی تاویل اور اس کے مقصد کی تعیین ہے اس میں ان کے کلام کو ظاہر سے پھیرنا نہیں۔ اللہ تعالٰی ہی آدمی کو حق کی توفیق دینے والا ہے۔

الثالثۃ[3]، المراد فی قول

(۳) اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

---

[1] المدخل فصل فی ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/۲۱۱
[2] " " " " " " " " " ۲/۲۱۶

ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وقول الفقہاء العارین المعنیان الاخیران وکذا فی حدیث ابی داؤد وابی بکر بن ابی شیبۃ عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی۔ قال حدثنا اصحابنا جاء رجل من الانصار فقال یارسول اللہ رأیت رجلا کان علیہ ثوبین اخضرین فقام علی المسجد فاذن[1]۔ الاتراہ یقول قام علی المسجد، ولو اراد المعنی الاول لقال قام فی المسجد وقد اوضحتہ روایۃ ابی بکر بن ابی شیبۃ الاخری وابی الشیخ فی الاذان عن ابن ابی لیلٰی قال حدثنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان عبداللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یارسول اللہ رأیت فی المنام کان رجلا قائم وعلیہ بردان اخضران علی جذمۃ حائط فاذن[2] الخ۔

قول "جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں سے اذان کے بعد بے جماعت چلا جانا منع ہے"، اور فقہائے کے اقوال جو ذکر کئے جاچکے، مسجد سے مراد معنی ثانی یا ثالث ہیں۔ ابی داؤد اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے عبدالرحمان ابن ابی لیلٰی سے صحابہ کا قول نقل کیا کہ "عہدِ رسالت میں ایک انصاری نے حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دو ہرے رنگ کے کپڑے تھے اس نے مسجد میں کھڑے ہو کر اذان دی"۔ اس روایت میں لفظ قام علی المسجد ہے۔ اگر مسجد کے اندر کہنا ہوتا تو قام فی المسجد کہتے۔ اس حدیث شریف کی اور زیادہ تشریح و توضیح حضرت ابوبکر بن شیبہ اور ابوالشیخ ابن ابی لیلٰی کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ "زید ابن عبداللہ انصاری نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی، یارسول اللہ صلے اللہ علیک وسلم! میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے ایک منہدم دیوار کے ٹیلے پر کھڑے دیکھا جو اذان دے رہا تھا"۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۴
المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامۃ حدیث ۲۱۲۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۸۶

[2] " " " " " ۲۱۱۸ " " " ۱/۱۸۵
کنزالعمال بحوالہ ش وابی الشیخ فی الاذان " ۲۳۱۴۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۸/۳۳۳

ولسعید ابن منصور فی سننہ عن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھتم للصلٰوۃ کیما یجمع الناس لہا فانصرف عبداللہ بن زید فرأی الاذان فی منامہ فلما اصبح غدًا فقال یارسول اللہ رأیت رجلا علی سقف المسجد وعلیہ ثوبان اخضران ینادی بالاذان[۱] الحدیث۔ وتقدمت روایۃ سور المسجد وسطح المسجد۔

اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کیلئے جمع کیا۔ حضرت عبداللہ بن زید انصاری نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی صبح کو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی ہرا جوڑا پہنے سقف پر اذان دے رہا ہے۔ اس روایت میں سقف کا لفظ ہے دوسری روایتوں میں سور اور سطح کا لفظ گزر چکا ہے۔

الرابعۃ، المعنی الثالث ھو المراد فی فرع الخانیۃ والخلاصۃ و لاباس بان یتخذ فی المسجد بیتا یوضع فیہ الحصیر ومتاع المسجد بہ جرت العادۃ من غیر نکیر[۲] اھ ومن الدلیل علیہ حدیث التعارف فانہ المتعارف اوبناؤہ قبل تمام المسجدیۃ اما ان یتم المسجد ثم یأخذ احد قطعۃ منہ فیجعلہا بیت البوارے فلم تجربہ العادۃ ولا یحل السکوت

(۴) خانیہ اور خلاصہ کی عبارت " اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد میں ایک ایسا گھر بنالیا جائے جس میں چٹائی وغیرہ اسباب رکھے جائیں کہ عام اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس عبارت میں مسجد سے مراد اس کے تیسرے معنٰی ہیں اور اس پر دلیل اسی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے کہ " اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری" اس لئے کہ تعارف تو یہی ہے کہ مسجد بمعنی سوم میں ایسا کمرہ بنتا ہے، یا مسجد بمعنی اول میں تو اس جگہ کی مسجدیت مکمل ہونے سے پہلے۔ مسجد مکمل ہوجانے کے بعد اُسی کا ایک ٹکڑا چٹائی اور فرش وغیرہ رکھنے کے لئے

---

[۱] کنز العمال عن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی حدیث ۲۳۱۵۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۳۳۶

[۲] فتاوٰی قاضیخاں فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱

خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل السادس والعشرون مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۸

علیه۔

الخامسة، قال فی جامع الرموز لایؤذن فی المسجد فانه مکروه کما فی النظم لکن فی الجلابی یؤذن فی المسجد، أو ما فی حکمه، لا فی البعید منه اھ[1]، فمراد النظم المعنی الاول، و مراد الجلابی المعنی الثانی فالمعنی یؤذن فی حدود المسجد کما فسر به الامامان کلام الکافی او ما فی حکمه ای فی فنائه فان فناء المسجد له حکم المسجد کما فی الهندیة عن الامام السرخسی قال الفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد اھ[2]، و مثله فی کتب کثیرة ذکرناها فی جد الممتار، فلا استدراک بکلام الجلابی علی کلام النظم کما فعل القهستانی۔ الا تری ان العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایة ما فی القهستانی

بنایا جائے، نہ عادت اس پر جاری نہ خاموشی اس پر جائز۔

(۵) جامع الرموز میں ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے، ایسا ہی نظم میں ہے۔ لیکن جلابی میں ہے کہ مسجد میں یا اس جگہ میں جو مسجد کے حکم میں ہے اس میں اذان دینی چاہیے مسجد سے دور اذان نہ دینی چاہیے، تو نظم میں مسجد بمعنی اول میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اور جلابی میں مسجد بمعنی ثانی مراد ہے یعنی مسجد میں دی جانے کا مطلب حدود مسجد میں ہے جیسا کہ امام اتقانی اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے قول ذکر فی المسجد کی تفسیر فی حدود المسجد سے کی تو جلابی کی عبارت میں لفظ او ما فی حکم المسجد سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ فنائے مسجد مسجد کے حکم میں ہے۔ ہندیہ میں بھی ایسا ہی امام سرخسی سے روایت ہے کہ "صحن مسجد کے حکم میں ہے" اور اسی کے مثل بہت ساری کتابوں میں ہے جس کی تفصیل ہم نے جد الممتار میں لکھی ہے، تو حقیقت میں امام جلابی کا کلام "نظم" کی تردید نہیں، جیسا کہ قہستانی نے سمجھا۔ حضرت امام طحاوی نے نظم کا یہ جزیہ قہستانی سے ہی نقل کیا، لیکن قہستانی کے ادراک کو غیر معتبر جان کر

---

[1] جامع الرموز کتاب الصلوٰۃ فصل الاذان مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

عن النظم ولم يعرج علی استدراکہ اصلاً علماً منہ بان الاستدراک مستدرک لایبتغی نقلاً هکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق ولو لم یکن هذا لکان ذکر جامع الرموز بمقابلة تلک المعتمدات العظیمة بل ما تفرد بہ الجلابی بازاء ما اتفق علیہ اولٰئک الاکابر الاجلة مما ینبغی ان یستحیٰ منہ فانہ لو فرض لکان خلافا لا اختلافا۔ وقد تقرر ان الحکم والفتیا بالمرجوح جهل وخرق للاجماع فکیف ولا خلاف علی التحقیق لما علمت من جلیل التوثیق وباللہ تعالٰی التوفیق۔

نفحہ ۱۰ : اذ لم یقدروا علی شیئ، تعلق بعض الوهابیة بما فی

چھوڑ دیا۔ اور اگر ایسا نہ مانا جائے تو یا تو جامع الرموز والے قہستانی صاحب ائمہ اعلام کے مقابلہ میں اکیلے ہونگے یا امام جلابی ائمہ اکابر کے مقابلہ میں اکیلے ہوں گے اور یہ تسلیم کرلیا جائے تو جلابی اور قہستانی کا یہ قول اختلاف کی منزل سے ائمہ کے خلاف ایک قول مرجوح رہ جائے گا کہ ان کی حیثیت ائمہ سے اختلاف کرنے کی نہیں۔ اور یہ طے ہوچکا ہے کہ قولِ مرجوح کے موافق فتوٰی حکم جہل اور خرقِ اجماع ہے، اور سچ پوچھو تو خلاف بھی نہیں کہ ان کے قول فی المسجد کا معنی فی حدود المسجد واضح ہوگیا ہے۔

نفحہ ۱۰ : جب مخالفین کسی بات پر قادر نہ ہوئے تو ان میں سے بعض نے خانیہ[ع] اور

ع خانیہ کی عبارت یوں ہے : ینبغی ان یؤذن علی المنارة او خارج المسجد و لا یؤذن فی المسجد[1] مخالفین کے مغالطہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق دونوں سے ہے یعنی مسجد کے باہر اور منارہ پر اذان دینا مناسب ہے اور مسجد میں اذان دینا مناسب نہیں، بعد کی اذان زیادہ سے زیادہ خلافِ اولٰی ہوئی، تو اگر اندرونِ مسجد ہی اذان کا رواج ہوگیا تو حرج کی بات نہیں۔ پھر اتنا واویلا کیوں؟ اعلٰحضرت کے پہلے جواب کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق صرف پہلے جملہ سے ہے۔ اور دوسرا جملہ (لا یؤذن فی المسجد) اس سے خالی ہے جس کا مطلب اندرونِ مسجد اذان کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ دیگر کتبِ فقہ میں لا یؤذن یا یکرہ الاذان فی المسجد سے ظاہر ہے۔ اس کی تائید صاحب بحر کی عبارت سے ہوتی ہے جنھوں نے یہ عبارت خلاصہ کے حوالہ سے نقل کی اور ینبغی کا لفظ چھوڑ دیا۔ عبد المنان اعظمی

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصلوٰة مسائل الاذان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۷

نص الخانیة والخلاصة من لفظ "ینبغی" یرید به ان الامر سهل لایعتنیٰ به۔ وانت تریٰ عامة النصوص عریة عنها، ثم لم یدخل علیٰ "لایؤذن فی المسجد" الا تریٰ ان البحر نقله عن الخلاصة هکذا ولم یلتفت الیٰ "ینبغی" فی الجملة الاولیٰ۔

خلاصہ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کا سہارا لیا اور سمجھا کہ معاملہ آسان ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں حالانکہ اوّلاً دوسری کتابوں کی عبارتیں لفظ ینبغی سے خالی ہیں اور جہاں یہ لفظ ہے جملہ "لایؤذن فی المسجد" پر داخل نہیں۔ خود صاحب بحر نے خلاصہ سے یہی عبارت نقل کی اور جملہ اولیٰ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کی طرف توجہ نہ فرمائی۔

ثم استعماله فی الندب اصطلاح المتاخرین وهو فی کلام المشائخ اعظم کما فی رد المحتار وغیرها قال هو فی القراٰن کثیر، ماکان ینبغی لنا ان نتخذ من دونك اولیاء، قال فی المصباح: ینبغی ان یکون کذا معناه یجب اوینذب بحسب ما فیه من الطلب[1] اھ۔

ثانیاً، لفظ ینبغی کو مستحب کے معنی میں قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے۔ کلامِ مشائخ میں یہ لفظ عام ہے جیسا کہ رد المحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ ایسا قرآن عظیم میں بہت وارد ہے مثلاً آیت قرآنی: ماکان ینبغی لنا ان نتخذ من دونك اولیاء (ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا ولی بنائیں)۔ مصباح المنیر میں ہے: ینبغی کے معنیٰ وجوب اور استحباب دونوں ہی حسبِ طلب ہوسکتے ہیں۔

ثم ند به یقابل الوجوب ویعم الاستنان، وامر السنة لیس بهین۔ بل ربما جاء "ینبغی" للوجوب

ثالثاً، اس لفظ میں استحباب معنی سنت کو بھی شامل ہیں اور سنت کا ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی لبا اوقات صرف معنیٰ وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔

---

[1] رد المحتار کتاب الجہاد لفظ "ینبغی" یستعمل فی المندوب الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۲۴

کقول الھدایۃ والکنز وغیرھما[۱] من حلف علی معصیۃ ینبغی ان یحنث[۱] اھ" فان الحنث واجب قطعًا۔ وقول الھدایۃ وکثیرین "ینبغی للمسلمین ان لایغدروا ولا یغلوا ولا یمثلوا[۲] اھ" مع ان ترك الغدر والغلول فریضۃ، فانھما حرام وکذا المثلۃ قال فی الفتح۔ قولہ وینبغی للمسلمین ای یحرم علیھم ان یغدروا اویغلوا اویمثلوا[۳] اھ۔ وقول القدوری والھدایۃ وغیرھما، ینبغی للناس ان یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان[۴]۔ قال المحقق فی الفتح: ای یجب علیھم وھو واجب علی الکفایۃ[۵] اھ۔ قال فی الجوھرۃ النیرۃ: ای یجب[۶] الخ۔ وقال فی القنیۃ فی استحسان القاضی الصدرالشھید

ہدایہ وکنز وغیرہ میں ہے: "جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے قسم توڑ دینا چاہیے۔" یہاں قسم توڑنا واجب ہے۔ صاحبِ ہدایہ اور بہت سارے ائمہ کا قول ہے: "مسلمانوں کو چاہیے کہ بے وفائی نہ کریں، مالِ غنیمت سے نہ چرائیں اور مثلہ نہ کریں۔" یہاں ترکِ غدر وغلول ومثلہ فرض ہے۔ فتح القدیر میں ہے: "مسلمانوں کو چاہیے یعنی ان پر حرام ہے کہ غدر، مالِ غنیمت کی چوری اور مثلہ کریں۔" اسی طرح امام قدوری اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ کا قول ہے: "لوگوں کو چاہیے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کریں۔" محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "یعنی ینبغی کے معنی ہیں کہ ان پر چاند کی تلاش واجب ہے اور تلاش واجب علی الکفایہ ہے۔" اور جوہرہ نیرہ میں ایسا ہی ہے یعنی قدوری میں ینبغی بمعنی یجب ہے۔" قنیہ میں ہے: "قاضی صدرالشہید کے استحسان

---

[۱] الھدایۃ کتاب الایمان باب مایکون یمینًا الخ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۴۶۲
کنزالدقائق " " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵
[۲] الھدایۃ کتاب السیر باب کیفیۃ القتال المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۵۴۱ و ۵۴۲
[۳] فتح القدیر " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۰۱
[۴] المختصر للقدوری کتاب الصوم ص۵۶ و الھدایۃ کتاب الصوم المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۹۳
[۵] فتح القدیر کتاب الصوم فصل رؤیۃ الھلال المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ بسکھر ۲/۲۴۲
[۶] الجوھرۃ النیرۃ " مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۶۷

ینبغی للاخ من الرضاع ان لایخلوا باختہ من الرضاع لان الغالب هناك الوقوع فی الجماع[1] اھ، افاد العلامۃ البیری، اَنّ "ینبغی" معناہ الوجوب ھنا[2] اھ (الشامی) وکم لہ من نظیر۔

میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کے ساتھ تنہائی میں نہیں رہنا چاہئے کہ ایسی حالت میں حرامکاری میں مبتلا ہونا غالب ہے اھ ۔ علامہ بیری فرماتے ہیں کہ یہاں بھی لفظ ینبغی کا مطلب وجوب ہے (شامی) المختصر اس بات کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ کلام مشائخ میں "ینبغی" بول کر واجب مراد لیا جاتا ہے۔

ثم ان کان ھو ظاھرًا فعارضہ فی نفس الکلام ظاھر اٰخر وھو النھی بصیغۃ الاخبار فانہ غالبًا فی کلامھم لایجاب الفعل والترك الاان یصرف صارف۔ قال الامام ابن امیر الحاج فی الحلیۃ صفۃ الصلٰوۃ مسئلۃ القراءۃ فی الاخریین ظاھر قول المصنف "لایزید علیھما شیئًا" یشیر الی عدم اباحۃ الزیادۃ علیھما[3] اھ۔ وفی عید الغنیۃ: الاتری الٰی قولہ لایترك واحد منھما فانہ اخبر بعدم الترك والاخبار فی عبارات الائمۃ والمشائخ یفید الوجوب[4] اھ۔

رابعًا، پھر خانیہ اور خلاصہ کے کلام کا ظاہر مطلب عدم وجوب ہو تو اسی کلام کا ایک اور ظاہر بھی ہے جو اس کے معارض ہے کہ نہی بصیغہ اخبار کلام مشائخ میں عمومًا وجوب فعل یا وجوب ترک کے لئے ہوتی ہے۔ امام ابن امیر الحاج نے "باب صفۃ الصلٰوۃ" مسئلہ قرارت میں فرمایا: مسئلہ قرارت رکعتین اخرین مصنف کے قول لایزید علیھما شیئا کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس سے زائد قرارت مباح نہیں۔ اور غنیہ کے باب العید میں ہے "مصنف کے قول "لایترك واحد منھما" کو دیکھنا کہ یہ عدم ترک کی خبر ہے، اور ائمہ ومشائخ کی عبارت میں اخبار وجوب کا فائدہ دیتا ہے"۔

---

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الکراہیۃ والاستحسان باب فی الخلوۃ باجنبیۃ مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۱۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۶

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] غنیۃ المستملی فصل فی صلٰوۃ العید سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۵

وفی امامۃ البحرالرائق، قولہ فان فعلن تقف الامام وسطھن، افاد بالتعبیر بقولہ تقف انہ واجب فلو تقدمت اثمت کما صرح بہ فی فتح القدیر[1] اھ۔ وفی حاشیۃ العلامۃ الخیرالرملی علی البحر ثم منحۃ الخالق قبیل الاذان علی قول الاسبیجابی (اذا جیئ بجنازۃ بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بہا ثم بسنۃ المغرب[2] اھ) الظاھر ان ذلک علی سبیل الوجوب لتعلیلھم بان المغرب فرض عین۔ و الجنازۃ فرض کفایۃ ولان الغالب فی کلامھم فی مثلہ ارادۃ الوجوب تامل[3]۔ وقال العلامۃ السید احمد الطحطاوی فی صوم حواشی الدر، و فیہا (ای فی النہایۃ) ولا یفعل (ای الدھن) لتطویل اللحیۃ اذا کانت بقدر المسنون وھو یقتضی ان الدھن لھذا القصد یکرہ تحریما، لانہ یفضی الی المکروہ تحریما ولوکان مکروھا تنزیہیا

بحرالرائق کے باب الامامت میں ہے "مصنف کے قول" اگرعورتیں جماعت کریں تو امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو" مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے جس پر لفظ تقف دلالت کرتا ہے، تو امام آگے بڑھ کر کھڑی ہو تو گنہگار ہوگی۔ اس کی تصریح فتح القدیر میں ہے۔" حاشیہ خیر رملی منحۃ الخالق میں باب الاذان سے تھوڑے پہلے اسبیجابی کے قول "جنازہ غروب آفتاب کے بعد لایا گیا تو پہلے مغرب کے فرض پڑھیں پھر جنازہ پڑھیں پھر سنتیں ادا کریں" پر تشریح ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بر سبیل وجوب ہے کیونکہ علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے' اور یوں بھی کہ عام طور پر فقہاء کے کلام میں ایسی عبارت سے وجوب ہی مراد ہوتا ہے۔" علامہ سید طحطاوی درمختار کے حواشی میں فرماتے ہیں: "نہایہ میں ہے کہ ڈاڑھی جب بقدر سنت لمبی ہو تو زیادہ بڑھانے کیلئے تیل نہیں لگانا چاہیے، نہایہ کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ اس نیت سے تیل لگانا مکروہ تحریمی ہے کہ ایک مکروہِ تحریمی کا ذریعہ بنے گا۔ اور اگر یہ فعل مکروہِ تنزیہی ہوتا تو اس کو لفظ لایفعل

---

[1] بحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱

[2] " " " " ۱/ ۲۵۲

[3] منحۃ الخالق علی ہامش بحرالرائق کتاب الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۲

لما عبر بقوله ولا یفعل[1]، فظاہر ہذا غیر معارض من نصوص الاسبیجابی والمجتبٰی والبنایۃ والاتقانی وفتح القدیر۔

سے منع نہ کرتے"۔ اور ہمارا یہ ظاہر اسبیجابی، مجتبٰی، بنایہ، اتقانی اور فتح القدیر کی عبارتوں کے معارض بھی نہیں (کہ یہ بے اعتبار ٹھہرے)۔

ثم ثمہ ظاہر آخر غیر معارض ہناك وہو اطلاق الکراہۃ فی النظم وشرح النقایۃ وحاشیۃ مراقی الفلاح وغایۃ البیان وفتح المحقق حیث اطلق فانہا کما عرف فی محلہ اذا اطلقت کانت ظاہرۃ فی التحریم الابصارف وقال سیدی العارف باللہ العلامۃ عبدالغنی فی الحدیقۃ الندیۃ من آفات الید مانصہ۔ والکراہۃ عند الشافعیۃ اذا اطلقت تنصرف الی التنزیہیۃ لاالتحریمیۃ بخلاف مذہبنا[2] اھ۔

خامسًا، یہاں ایك اور ظاہر غیر معارض بھی ہے کہ نظم، حاشیہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان اور فتح القدیر میں ہے کہ لفظ کراہت مطلقًا بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی، ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے۔ امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقہ ندیہ باب آفات الیدین میں رقمطراز ہیں "لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے نزدیك کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔

ثم فیہ اساءۃ ادب بالحضرۃ الالٰہیۃ کما یاتی فی الشمامۃ الثالثۃ بعون اللہ تعالٰی فیجب التحرز عنہ۔

سادسًا، مسجد میں اذان دینے میں بارگاہِ الٰہی کی بے ادبی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تیسرے شمامہ میں بیان کریں گے، تو اس سے پرہیز ضروری ہوا۔

ثم المعروف من عادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ترك الفضیلۃ احیانا۔ بیانا للجواز ولم یؤثر قط اذانا فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی

سابعًا حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ یہ بھی کہ کبھی کبھی بیانِ جواز کے لئے افضل کو بھی ترك کردیتے تھے جبکہ زمانۂ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ثابت نہیں۔ تو یہ

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم الخ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۴۶۰

[2] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الاصناف التسعۃ فی بیان آفات الید نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۴۰

علیه وسلم داخل المسجد فبمجموع هذا ینقدح فی الذهن انه یکره تحریما وان لم یقنع فلا اقل من ان الامر دائر بین کراهتین مکروه قطعا و یحتمل کراهة التحریم فما سبیله الا الترك عند العقل السلیم۔ ثم ان شئت فدع الاحتمال واقنع بالاجمال وقل ان الاذان فی المسجد مکروه منهی عنه فان هذا القدر لامفر منه وفی هذا کفایة لاولی الدرایة والله سبحٰنه ولی الهدایة ۔

سب باتیں مل جُل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے، اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہت تحریمیہ وکراہت تنزیہیہ میں دائر ہے، تو ایک امر مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے، اور کم از کم اتنا تو ہے جس کے مانے بغیر چارہ نہیں کہ مسجد میں اذان مطلقاً مکروہ ہے اور اہل عقل کے لئے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے ۔

الشمامة الثالثة من مسك القرآن العظیم

(قرآن کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ)

نفحہ : اخرناھا الیٰ ھنا لیکون "ختامہ مسک وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون[1]"۔

نفحہ ۱ : ہم نے اس شمامہ کو یہاں تک اس لئے مؤخر کیا کہ اس کا اختتام مشک قرآن سے ہو تاکہ اس میں رغبت کرنے والوں کی رغبت میں اور اضافہ ہو۔

قال اللہ عزوجل : یایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی و لا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرون ○ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی

اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے : اے ایمان والو! نبی مکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز ایسے بلند نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے آواز بلند کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں کو تقوٰی کے لئے آزمایا ہے

---

[1] القرآن الکریم ۸۳/ ۲۶ و ۲۷

لهم مغفرة واجر عظیم[۱]

ارشدنا القرآن الکریم الی ادب حضرة الرسالة وانه لا یجوز رفع الصوت فیها واوعد علیه الوعید الشدید ان فیه لخشیة حبط الاعمال والعیاذ باللّٰه تعالٰی۔ وندب الی غض الصوت عنده ووعد علیه الوعد الجمیل مغفرة من اللّٰه واجر عظیم۔

ولاشك ان لیس ذٰلك الالهیبة المقام واجلال صاحبه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فالحضرة الالٰهیة احق واعظم الم تسمع ربك عزوجل یقول، وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا همسا[۲]۔ وما المصلی الاحضرة العلی الاعلی عزوعلا وتبارك وتعالٰی۔ فلعمری لو تذکر الناس حین حضورهم المساجد قیامهم بین یدی ربهم عزوجل یوم القیامة واستحضروا عظمة المقام وتفطنوا این هم وبین یدی من هم لخشعت الاصوات للرحمٰن فلا یکاد یخرج صوت الا من اذن له الرحمٰن وقال صوابا کالقاری و

ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اللہ تعالٰی نے دربارِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی طرف رہنمائی کی کہ اس بارگاہ میں بلند آوازی جائز نہیں، اور ایسی شدید وعید فرمائی کہ اس میں (معاذ اللہ) عمل ضائع ہوجانے کا خطرہ ہے۔ اور وہاں پست آوازی پر اللہ تعالٰی کی مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے۔

اور شبہہ نہیں کہ یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت واجلال کے لئے ہے (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تو دربار الٰہی جل جلالہ کا ادب واحترام تو اس سے بدرجہا اعلٰی واہم ہے۔ اللہ تعالٰی کا یہ فرمان کس نے نہ سُنا: "قیامت کے دن دربار الٰہی میں ساری آوازیں سہمی ہوں گی، اور سرگوشی کے علاوہ کچھ بھی سُن نہ سکو گے۔" مسجد اللہ تبارک و تعالٰی کا دربار عالی ہے، واللہ العظیم، اگر آدمی مسجد کی حاضری کے وقت قیامت میں رب العالمین کے حضور اپنا کھڑا ہونا یاد کرے اور مقام کی عظمت یاد کرکے سوچے کہ کہاں اور کس واسطے کھڑا ہے، تو اجازت یافتہ انسانوں کے علاوہ (یعنی قاری اور خطیب) کسی کی آواز نہ نکلے۔ پس اصل حکم یہی ہوا کہ مسجد میں اجازت یافتہ لوگوں کے سوا کسی کی سرگوشی کے علاوہ کچھ سُنا جائے

---

[۱] القرآن الکریم ۴۹/ ۲و۳

[۲] " " ۲۰/ ۱۰۸

www.alahazratnetwork.org

الخطیب فکان الاصل فی المساجد فیما لم یرد به الاذن ان لاتسمع الاھمسا ولذا اتت الاحادیث[ع] تنھی عن رفع الصوت فیھا،

اسی لئے احادیث کریمہ میں مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت آئی،

ع وللبیہقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ العطسۃ الشدیدۃ فی المسجد[1]، وفی البحرالرائق وغیرہ: قالوا ولایجوز أن تعمل فیہ الصنائع لانہ مخلص للہ تعالٰی۔ فلا یکون محلا لغیرالعبادۃ غیر أنھم قالوا فی الخیاط إذا جلس فیہ مصلحتہ من دفع الصبیان وصیانۃ المسجد لاباس بہ للضرورۃ۔ ولا یدق الثوب عند طیہ دقاعنیفا[2] انتھی۔ وماذاعسٰی ان یرتفع صوت الثوب بضرب الید علیہ عند طیہ لیستوی۔ وقد نُھوا عنہ۔ وکذٰلک من یعرف الأدب، ولادین لمن لاادب لہ۔ نسأل اللہ حسن التوفیق۔ منہ عفی عنہ۔

بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں زور سے چھینکنے کو ناپسند جانتے۔ بحرالرائق وغیرہ میں ہے کہ مشائخ نے کہا مسجد میں کاروبار جائز نہیں کیونکہ مسجد خالص اللہ تعالٰی کی عبادت کی جگہ ہے لہذا وہ غیر عبادت کا محل نہ ہوگی سوائے اس کے جو انھوں نے درزی کے بارے میں کہا کہ جب وہ مسجد کی مصلحت کے لئے وہاں بیٹھے یعنی مسجد کی حفاظت اور بچّوں کو مسجد سے دور رکھنے کے لئے، تو اس ضرورت کے تحت اس کے لئے مسجد میں بیٹھ کر سلائی کرنے میں حرج نہیں، اور وہ کپڑوں کو تہ کرتے وقت انھیں سختی سے نہ جھاڑے انتہی۔ اور بسا اوقات کپڑوں کو لپیٹتے وقت ان پر ہاتھ مار کر سیدھا کرتے ہوئے آواز پیدا ہوجاتی ہے جس سے انھیں منع کیا گیا۔ ایسے ہی وہ شخص جو ادب کو پہچانتا ہے اور جو باادب نہیں اس کا کوئی دین نہیں، ہم اللہ سے اچھی توفیق کے طلبگار ہیں۔ (ت)

---

[1] شعب الایمان فصل فی خفض الصوت بالعطاس حدیث ۹۳۵۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۳۲

[2] بحرالرائق کتاب الصلوٰۃ فصل لما فرغ من بیان الکراہیۃ فی الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

(۱) ابن ماجة عن واثلة رضی اللہ تعالٰی عنه قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشراءکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم۔[1]

(۱) ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی مسجدوں کو اپنے بچّوں، پاگلوں، خرید و فروخت، لڑائی جھگڑا اور بلند آوازی سے محفوظ رکھو۔"

(۲) وابن عدی والطبرانی فی الکبیر والبیہقی وابن عساکر عن مکحول عن واثلة وابی الدرداء وابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم واقامة حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم۔[2]

(۲) ابن عدی اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی و ابن عساکر نے مکحول سے انھوں نے واثلہ سے اور ابوالدرداء و ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی: "اپنی مسجدوں کو اپنے بچّوں، پاگلوں اور بے نیام تلواروں، حدیں قائم کرنے اور جھگڑنے سے محفوظ رکھو۔"

(۳) وعبدالرزاق فی مصنفه قال: حدثنا محمد بن مسلم عن عبد ربه بن عبد اللہ عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: جنبوا مساجدکم مجانینکم وصبیانکم ورفع اصواتکم وسل سیوفکم وبیعکم وشرائکم واقامة حدودکم وخصومتکم۔[3]

(۳) عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں محمد ابن مسلم، عبدربہ ابن عبداللہ، مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روایت کی: "اپنی مسجدوں کو اپنے پاگلوں، بچّوں اور آواز بلند کرنے، تلواریں بے نیام کرنے، بیع و شراء اور حدود قائم کرنے اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو۔"

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب یکرہ فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[2] کنز العمال بحوالہ عد وطب وق وکر عن مکحول عن واثلہ وابی الدردا وابی امامہ حدیث ۲۰۸۳۴ ۶۴۰/۷
تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ العلاء بن کثیر ۵۵۰۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵۴/۵۰
المعجم الکبیر حدیث ۷۶۰۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۵۶/۸

[3] المصنف لعبدالرزاق حدیث ۱۷۲۶ المکتبۃ الاسلامی بیروت ۴۴۱-۴۴۲/۱

(۴) والامام ابن المبارك عن عبیداللہ بن ابی حفص یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال، من اجاب داعی اللہ واحسن عمارۃ مساجد اللہ کانت تحفتہ بذٰلك من اللہ الجنۃ۔ قیل یارسول اللہ ما احسن عمارۃ مساجد اللہ قال لایرفع فیھا صوت ولایتکلم فیھا بالرفث[1]

(۴) امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبیداللہ بن ابی حفص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک سند پہنچائی کہ آپ نے فرمایا کہ "جس نے اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دیا اور مسجد کو اچھی طرح آباد کیا تو بدلہ میں اس کا جنت کا تحفہ ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کو اچھی طرح آباد کرنا کس طرح ہوتا ہے؟ فرمایا اس میں آواز بلند نہ کرو اور یاوہ گوئی میں مبتلا نہ ہو۔"

(۵) والامام مالك والبیھقی عن سالم بن عبداللہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ: بنی الی جانب المسجد رحبۃ فسماھا البطیحاء فکان یقول من اراد ان یلغط وینشد شعرا اویرفع صوتا فلیخرج الٰی ھٰذہ الرحبۃ[2]

(۵) امام مالک اور امام بیہقی رحمہما اللہ سالم ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں: "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد کے پہلو میں ایک کشادہ جگہ نکال دی تھی جسے بطیحاء کہا جاتا، تو آپ فرماتے جسے بیفائدہ بات کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو یا آواز بلند کرنی ہو تو اس احاطہ میں آجائے۔"

(۶) والامام ابن المبارك وابراھیم بن سعد فی نسختہ عن سعید بن ابراھیم عن ابیہ قال، سمع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ صوت رجل فی المسجد فقال اتدری این انت

(۶) امام ابن مبارک و ابراہیم بن سعد نے اپنے نسخہ میں سعید بن ابراہیم عن ابیہ روایت کی: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک آدمی کی آواز مسجد میں سنی تو فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ تُو کہاں ہے، تجھے معلوم نہیں کہ تو

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن مبارک عن عبیداللہ حدیث ۲۰۸۴۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۶۷۱

[2] مؤطا لامام مالک کتاب قصر الصلوٰۃ فی السفر باب جامع الصلوٰۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۴۳

اتدری این انت کرہ الصوت[1]

11 وقد تقبلها ائمۃ الامۃ بالقبول حتی ان فقہائنا نصوا علی کراھۃ رفع الصوت فی المسجد بالذکر الا للمتفقہۃ کما فی الدر المختار[2] وغیرہ من معتمدات الاسفار فاذا کان ھذا فی الذکر فما ظنک بما لیس بذکر خالص کالاذان لاشتمالہ علی الحیعلین قال الامام العینی فی البنایۃ شرح الہدایۃ، فان قلت الاذان ذکر فکیف یقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشیئ غیرہ قلت ھو لیس بذکر خالص علی مالا یخفی وانما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر[3]۔

وفی البحر الرائق عن المحیط تحت قول الکنز" یستقبل بھما القبلۃ ویلتفت یمینا وشمالا بالصلاۃ والفلاح۔ لانہ فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالٰی والشھادۃ لہ بالوحدانیۃ ولنبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلا فاما الصلوۃ والفلاح دعاء الی

کہاں ہے۔ آپ نے آواز کو ناپسند کیا۔

اس حدیث کو ائمہ نے قبول کیا۔ اور فقہاء نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بھی مکروہ ہے۔ ہاں اہل فقہ کی دینی بات چیت کا استثناء ہے۔ ایسا ہی درمختار وغیرہ کتبِ فقہ میں مرقوم ہے، توجب ذکرِ الٰہی کا یہ حال ہے تو اذان جو خالص ذکر بھی نہیں کیونکہ اس میں حیعلین تو نماز کا بلاوا ہے۔ امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا: "اگر یہ شبہ ہو کہ اذان تو ذکر ہے اس کو ذکر کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ مشبّہ اور مشبہ بہ میں مغایرت ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اذان ذکرِ خالص نہیں۔ ہاں اس کے بیشتر الفاظ ضرور ذکر ہیں۔ اسی کا لحاظ کرکے اس کو ذکر کہا جاتا ہے۔

کنز کے قول" کلمۂ شہادت کے وقت قبلہ کا استقبال اور صلاۃ وفلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں" کی تشریح میں بحرالرائق نے محیط سے نقل کیا: "اذان میں کلمۂ شہادتین حالتِ ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ہے اور اس وقت استقبالِ قبلہ ہی مناسب ہے اور صلاۃ وفلاح میں نماز کی طرف بلانا ہے۔

---

[1] الزہد لابن المبارک باب فضل المشی الی الصلوۃ والجلوس فی المسجد دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۳۷

[2] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[3] البنایۃ شرح الہدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/۵۵۷

الصلوٰۃ واحسن الداعی بان یکون مقبلا علی المدعوین[1]اھ۔

وفی صلوٰۃ المسعودی رحمہ اللہ تعالٰی: ان فی الاذان مناجاۃ و مناداۃ۔ المناجاۃ ذکر اللہ تعالٰی والمناداۃ نداء الناس وما دام فی ذکر اللہ یستقبل القبلۃ واذابلغ المناداۃ یحوّل وجہہ ثم قال الشیخ ابو القاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی الدعاء الی الصلوٰۃ مناداۃ وباقیہ ذکر اللہ تعالٰی لکن ظاہر الروایۃ أنّ الاذان کلّہ من اوّلہ الٰی اٰخرہ دعاء الی الصلوٰۃ۔ ثم قال: ظاہر الروایۃ ان المؤذن اذا قال: حیّ علی الصلوٰۃ، ویقول المستمع "لاحول ولا قوۃ الّا باللہ"۔ فاذا قال حیّ علی الفلاح ویقول المستمع "ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن"۔ قال شیخ الاسلام برہان الدین رحمہ اللہ تعالٰی: ما کان العبد فی ذکر الرحمٰن یفر الشیطان۔ فاذا جاء نداء الخلق یعوذ، فاذا قیل: "لاحول ولا قوۃ الّا باللہ

تو اس وقت یہی اچھا ہے کہ بلانے والا بلائے ہوؤں کی طرف متوجہ ہو۔

صلوٰۃ مسعودی میں ہے کہ بیشک اذان مناجات بھی ہے اور بلاوہ بھی، مناجات اللہ تعالٰی کا ذکر ہے جبکہ بلاوہ میں لوگوں کو پکارنا ہے، مومن جب تک اللہ تعالٰی کے ذکر میں ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور جب بلاوہ پر پہنچتا ہے تو اپنا چہرہ گھماتا ہے۔ پھر شیخ ابو القاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نماز کی طرف دعوت دینا مناداۃ ہے اور باقی اللہ تعالٰی کا ذکر ہے لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اذان اوّل سے آخر تک نماز کی طرف دعوت ہے۔ پھر فرمایا ظاہر الروایہ یہ ہے کہ مؤذن جب "حیّ علی الصلوٰۃ" کہے تو سننے والا "لاحول ولا قوۃ الّا باللہ" کہے، اور جب مؤذن "حیّ علی الفلاح" کہے تو سننے والا کہے "ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن"۔ شیخ الاسلام برہان الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ بندہ جب ذکر رحمان میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے پھر جب مخلوق کو ندا کرتا ہے تو شیطان لوٹ آتا ہے۔ پھر جب کہا جاتا ہے "لاحول ولا قوۃ الّا باللہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۸

ماشاء اللہ کان" یفر[۱]۔ انتہی ملتقطا مترجما۔

واذا کان ذٰلک کذٰلک ولم یرد فی الشرع الاذن بالاذان فی المسجد کان داخلا تحت النہی وھو المقصود۔

نفحہ۲: نسمع ربنا تبارک وتعالٰی یعاتب قوما اذ یقول عزمن قائل: فاذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ[۲]۔ وقال عزوجل: فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین[۳]۔ ولقد علم من غشی ابواب السلطان انہ اذا کان قوم خارج الحضرۃ وامر الملک بدعائھم لم یکن للحجاب ان ینادوھم فی الحضرۃ بل یخرجون فینادون ولو قاموا علی راس السلطان وجعلوا یصیحون بالنداء، لاساؤا الادب واستجلبوا الغضب واستحقوا التادیب، ومن لم یر الملوک فینظر قضاۃ بلادنا کفارھم ومسلموھم اذا امروا بنداء الخصوم او الشھود لم تقدر الاعوان ان

ماشاء اللہ کان" تو شیطان پھر بھاگ جاتا ہے، انتہی التقاط مترجماً۔

پس جب صورت حال یہ ہے، اور شریعت مقدسہ میں مسجد کے اندر اذان دینے کا ثبوت نہیں تو اذان مسجد ممنوع ہوگی۔ ہمارا یہی کہنا ہے۔

نفحہ۲: اللہ تبارک وتعالٰی ایک قوم کی حالت بیان کرتا ہے: "ایک گروہ آدمیوں سے خدا سے ڈرنے کی طرح ڈرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہے"۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "حالانکہ مومنوں کو اللہ تعالٰی سے ہی سب سے زیادہ ڈرنا چاہیے"۔ اور جو آدمی بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتا ہے خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص دربار کے باہر رہتا ہے اور بادشاہ اس کو بلانے کا حکم دیتا ہے۔ تو دربان دربار کے اندر سے ہی اُسے پکارنے نہیں لگتے، بلکہ باہر نکل کر آواز دیتے ہیں۔ اگر یہ دربان بادشاہ کے سر پر ہی کھڑے ہوکر چلانے لگیں تو بے ادبی کے مرتکب ہوں گے۔ بادشاہ کے غضب کے مستحق اور سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اور جو بادشاہوں کے دربار میں نہ جا سکا ہو تو وہ ہمارے علاقہ کے ججوں کی کچہری میں حاضر ہو۔ جج مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ دیکھے گا کہ جج جب گواہوں یا مدعی و

---

[۱] صلٰوۃ المسعودی باب بست وکم دربیان بانگ نماز درمطبع محمدی بمبئی ۲/ ۹۰

[۲] القرآن الکریم ۴/ ۷۷

[۳] ؍؍ ؍؍ ۹/ ۱۳

ينادوهم في دار القضاء بل يخرجون خوجا فيدعون وهذا امشهود كل يوم ومن انكر كونه اساءة ادب فليجرب على نفسه وليقم بين يدي حاكمهم المسمّٰى عندهم جج - و يرفع صوته بيا فلان يا فلان لناس خارج المكان فسيرى ما يبدل البيان بالعيان وما ذلك الا لادب المقام وخشية الحكام فالله احق ان تخشوه ان كنتم مؤمنين[1] كيف وان امثال الامور المبنية على الاجلال المبنية من الادب انما تحال على الشاهد فيما لم يرد به النص - والشاهد ههنا ما ذكرنا فوجب المصير اليه وكان نداء الغائبين قائما في حضرة المصلى اساءة ادب بالحضرة الاعلى وقلة خشية من الله تعالٰى -

واما ما قلنا من الاحالة على الشاهد فشئ يشهد به العقل السليم والقلب الحاضر ومن تتبع وجد شواهده كثيرة في كلام الاجلة الاكابر من ذلك قول الامام المحقق على الاطلاق في فتح القدير: الثابت هو وضع

مدعا علیہ کو حاضر کرنے کا حکم دیتے ہیں تو چپراسی انھیں کچہری کے کمرہ کے اندر سے نہیں بلاتے بلکہ دروازہ کے باہر آکر پکارتے ہیں۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ اور جو اس کے بے ادبی ہونے میں شبہ کرے وہ خود ہی اس کا تجربہ کرے کہ جج کے سامنے کھڑے ہوکر فلاں حاضر ہو فلاں حاضر ہو پکارنے لگے۔ تو ہمارا بیان اس کے لئے مشاہدہ میں تبدیل ہوجائے گا۔ تو اس کا سبب کچہری کا ادب اور حکام کا خوف ہی ہے۔ پس اے ایمان والو! اللہ تعالٰی سے تو اس سے زیادہ ڈرنا چاہئے۔ اور اس قسم کے امور تعظیم و اظہار ادب میں جہاں کوئی شرعی حکم منصوص نہ ہو معاملہ مشاہدہ پر ہی موقوف ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ کا حال ہم بیان کرچکے۔ تو اسی کی طرف پلٹنا چاہئے، اور غائب مصلیوں کو مصلّی کے اندر کھڑے ہوکر پکارنے کو بارگاہِ الوہیت میں بے ادبی ہی تصور کرنا چاہئے۔

ہم نے جو مسئلہ کو مشاہدہ پر محمول کرنے کی بات کہی وہ عقل سلیم کے نزدیک مسلّم ہے اور تتبع اور تلاش سے بزرگوں کے کلام میں اس کی بہت ساری نظیریں مل سکتی ہیں۔ چنانچہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں "حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۳

اليمنى على اليسرى وكونه تحت السرة او الصدر كما قال الشافعي لم يثبت فيه حديث يوجب العمل فيحال على المعهود من وضعها حال قصد التعظيم فى القيام و المعهود فى الشاهد منه تحت السرة اھ[1]۔

(کہ قیام کی حالت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے، جیساکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل واجب ہو۔ تو اس معاملہ کو مشاہدہ پر محمول کرنا چاہیے کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنا معلوم ومشہور رہو وہی اختیار کیا جائے، اور یہ زیر ناف ہے۔

ومن ذلك قوله ايضا واستحسنه تلميذه المحقق ابن امير الحاج الحلبي جدا، ما نصه، لا ارى تحرير النغم فى الدعاء كما يفعله القراء فى هذا الزمان يصدر ممن فهم معنى الدعاء والسوال وما ذلك الا نوع لعب فانه لو قدر فى الشاهد سائل حاجة من ملك ادى سواله بتحرير النغم فيه من الرفع والخفض والتغريب والرجوع كالتغنى نسب البتة الى قصد السخرية واللعب اذ مقام طلب الحاجة التضرع لا التغنى اھ[2]۔

انہی نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے جس کی ان کے شاگرد ابن امیر الحاج نے تحسین بھی کی ہے: دعاء میں گلے بازی (گانا) کو میں جائز تصور نہیں کرتا جیساکہ آج کل کے قاری کرتے ہیں۔ اور یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال اور دُعا کے معنٰی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہے۔ اگر مشاہدے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت کی درخواست کر رہا ہو اپنے سوال کو گویوں کی طرح گاکر آواز کی بلندی اور پستی کٹکری اور آواز کی آرائش کے ساتھ مانگے تو ایسے سائل کو کھیل اور مذاق کی تہمت دی جائے گی کہ مقام الحاح زاری کا ہے نہ کہ گانے کا۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ صفۃ الصلوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹

[2] فتح القدیر " باب الامامۃ " " " " ۱/۳۲۲

قال فی الحلیة وقد اجاد رحمه الله تعالٰی فیما اوضح وافاد اھ۔[1]

حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا: حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح و افادہ فرمایا۔

ومن ذٰلک اشیاء فیه وفی الحلیة والغنیة وغیرها۔ قلت ارشد الیه حدیث: "استحیی الله استحیاءك من رجلین من صالحی عشیرتك۔" رواه ابن عدی[2] عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

اس قسم کی بہت سی نظیریں فتح القدیر، حلیہ اور غنیہ وغیرہ میں ہیں؛ بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس طرف رہنمائی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "تم اللہ تعالٰی سے ایسے ہی شرم کرو جیسے اپنے خاندان کے دو نیک مردوں سے شرم کرتے ہو۔" اس حدیث کو ابن عدی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضور سے روایت کی۔

وحدیث قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "الله احق ان یستحی منه من الناس۔" رواه احمد و ابوداؤد[3] والترمذی والنسائی وابن ماجة والحاکم عن معاویة بن حیدة رضی الله تعالٰی عنه۔

اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اللہ تعالٰی کو اس کا زیادہ حق ہے کہ آدمی اس سے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ شرم کرے۔" اس حدیث کو احمد و ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور نسائی اور ابن ماجہ اور حاکم نے معاویہ ابن حیدہ سے روایت کیا۔

---

[1] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ جعفر بن الزبیر الشامی دار الفکر بیروت ٢/٥٦٠

[3] جامع الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی حفظ العورة امین کمپنی دہلی ٢/١٠١

سنن ابن ماجة کتاب النکاح باب التستر عند الجماع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص١٣٩

سنن ابی داؤد کتاب الحمام باب فی التعری آفتاب عالم پریس لاہور ٢/٢٠١

وحدیث" اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیه فان اللّٰہ احق من یزین لہ۔" رواہ الطبرانی[1] فی الاوسط والبیہقی عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وقد اوضحہ ابن عمر اذکسا نافعا ثوبین وھو غلام فدخل المسجد فوجدہ یصلی متوشحا بہ فی ثوب فقال الیس لک ثوبان تلبسھما، ارأیت لو انی ارسلتک الی وراء الدار لکنت لابسھما؛ قال نعم، قال فاللّٰہ احق ان تتزین لہ ام الناس، فقال بل اللّٰہ۔ رواہ عبدالرزاق[2] عن نافع۔

اور یہ حدیث: "نماز پڑھو تو پورے لباس میں کہ اللہ کے لئے زینت و آرائش کا سب سے زیادہ حق ہے۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں اور امام بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اور اس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہوئی کہ انھوں نے اپنے غلام نافع کو دونوں کپڑے پہنائے (یعنی مکمل جوڑا دیا) پھر انھیں مسجد کے اندر ایک ہی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا تو فرمایا کیا تمھارے پاس پہننے کے لئے پورا جوڑا نہیں ہے، اگر میں تم کو گھر سے باہر کسی کام کے لیے بھیجتا تو مکمل جوڑا پہن کر جاتے یا ایک چادر لپیٹ کر؟ حضرت نافع نے جواب دیا ضرور پورا لباس پہنتا۔ اس پر ابن عمر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لئے زینت کی جائے۔ حضرت نافع کو اقرار کرنا پڑا کہ اللہ تعالٰی۔ اسے عبدالرزاق نے نافع سے روایت کیا۔

نفحہ ۳ وقال المولٰی تبارک وتعالٰی، یایھا الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا

نفحہ ۳: اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: اے ایمان والو! دوسرے کے گھر میں بے انس پیدا کئے اور گھر والوں کو سلام کئے بغیر داخل ہو۔

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۳۶۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۱۰/ ۱۷۰
السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب مایستحب للرجل ان یصلی فیہ من الثیاب دائرۃ المعارف العثمانیۃ دکن ۲/ ۲۳۶

[2] المصنف لعبدالرزاق " باب یکفی الرجل من الثیاب حدیث ۱۳۹۰ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۵۸

ذٰلکم خیرلکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یؤذن لکم[1]

یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ نصیحت حاصل کرو۔ اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ تو جب تک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔

نہی اللہ سبحانہ عن دخول الانسان فی بیت غیرہ بغیر اذنہ (تستأنسوا عـہ تستأذنوا) والمساجد بیوت ربنا عزوجل اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان بیوت اللہ فی الارض المساجد

اللہ تبارک وتعالٰی نے دوسرے انسانوں کے گھر میں بے اذن وانس داخلہ ممنوع فرمایا، اور مسجدیں اللہ رب العزت جل وعلا کے گھر ہیں۔ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا"روئے زمین پر مسجدیں اللہ تعالٰی کا گھر ہیں اور اللہ تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس میں زیارت کو آنیوالوں

عـہ فی الاٰیۃ امران الاستیذان والسلام، فالاستیذان فی المساجد کما نبیّن، امّا السلام فاقیم مقامہ السلام علٰی حبیبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ حاضر دائما فی حضرتہ فامر کل من یدخل مسجدا، او یخرج منہ ان یقول، بسم اللہ والحمد للہ والسلام علٰی رسول اللہ الٰی اٰخر الدعاء الوارد فی الاحادیث صحیحۃ شھیرۃ کثیرۃ ۱۲ منہ۔

آیتِ کریمہ میں دو امر ہیں: (۱) استیذان (۲) سلام۔ استیذان مساجد میں ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ رہا سلام تو نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام بھیجنا اسکے قائم مقام ہے، اس لئے کہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دائمی ہے، چنانچہ مسجد میں داخل ہونے والے یا مسجد سے نکلنے والے ہر شخص کو حکم ہے کہ وہ یوں کہے" بسم اللہ والحمد للہ والسلام علٰی رسول اللہ" آخر تک پوری دعا پڑھے جو متعدد مشہور احادیث صحیحہ میں وارد ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۷، ۲۸

[2] الکتاب المصنف لابن ابی شیبۃ حدیث ۲۵۸۱۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۲۵۶

وان حقا علی اللّٰہ تعالٰی ان یکرم من زارہ فیہ[1] (رواہ ابوبکر بن شیبۃ عن امیر المؤمنین عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ من قولہ۔

کی تکریم فرمائے گا۔" ابوبکر ابن شیبہ نے اسکو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتاکر نقل کیا۔

وروی الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن ابی قرصافۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منہا فمن بنی اللّٰہ مسجدا بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنۃ[2]

اور امام طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں ابوقرصافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول نقل کیا: "مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑے صاف کرو تو جو خدا کے لئے گھر بنائے اللہ تعالٰی نے اس کے لئے جنت میں گھر بنادیا۔"

وعدم الاذن فی الدخول لشیئ کمایکون برفع المقید کذٰلک برفع القید فمن اذن لہ بالدخول لشیئ ودخل بغیرہ فقد دخل بغیر الاذن والیہ یشیر قولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللّٰہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا[3] (رواہ احمد ومسلم وابوداؤد وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ

اور بے اجازت داخل ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اجازت کسی اور کام کی ہے اور داخل ہونے والا کسی اور کام کی غرض سے داخل ہوا۔ اسی نکتہ کی طرف حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا: "جس نے کسی آدمی کو سنا کہ مسجد میں اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے تو دعا کرے کہ خدا کرے تو اسے نہ پائے کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔" امام احمد، امام مسلم، امام ابوداؤد،

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن مسعود حدیث ۲۰۷۴۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۶۵۱
[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۲۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۹
[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰
مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۰
سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب کراہیۃ انشاد الضالۃ فیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۸
سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

رضی اللہ تعالٰی عنہ)

ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطے سے روایت کیا۔

وھم جمیعا عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، لاوجدتہ لاوجدتہ لاوجدتہ انما بنیت ھذہ المساجد لما بنیت لہ[1]

مذکورہ بالا سبھی محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے اس حدیث کو حضور اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا: "تو اسے نہ پائے، تو اسے نہ پائے، تو اسے نہ پائے، مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں، وہ تو جس کے لئے بنائی گئی ہیں بنائی گئی ہیں۔"

ولعبد الرزاق عن ابی بکر بن محمد انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایھا الناشد غیرک الواجد لیس لھذا بنیت المساجد[2]۔

عبدالرزاق نے ابی بکر ابن محمد سے روایت کی: "رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتے سنا تو فرمایا اے تلاش کرنیوالے! پانے والا تیرے علاوہ ہو مسجدیں اس کام کے لئے نہیں ہیں۔"

والاحادیث فی الباب کثیرۃ وھو بعمومہ یشمل من ینشد مصحفا لیتلوہ بل ومن ینشد امانۃ ضلت عنہ مع ان انشادھا واجب علیہ "ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات

اس موضوع پر حدیثیں بہت ہیں۔ اور یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ تلاوت کے لئے مصحف شریف کو ڈھونڈے یا کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی کھو جانے پر مسجد میں تلاش کرے حالانکہ ایسی چیز کا تلاش کرنا واجب ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث بریدۃ الاسلمی المکتب الاسلامی بیروت ٥/٣٦٠
صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ١/٢١٠
سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النہی عن انشاد الضالۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ٥٦
[2] المصنف لعبد الرزاق حدیث ١٧٢٢ المکتب الاسلامی بیروت ١/٤٤٠

الیٰ اھلھا[1]	کہ امانت والوں کی امانت واپس کردو۔"
فالانشاد مقدمۃ الوجدان والوجدان مقدمۃ الاداء والاداء واجب مقدمۃ الواجب واجب، وکذٰلک عمم الفقہاء فقالوا کرہ انشاد ضالۃ، ولم یستثنوا منہ فصلا، و ذٰلک ان اتیان الواجب وان کان من اعمال الاٰخرۃ فما لکل عمل الاٰخرۃ بنیت المساجد انما بنیت لما بنیت لہ۔	"تلاش پانے کا مقدمہ ہے اور پانا دینے کا ذریعہ، اور جو واجب کا ذریعہ ہو وہ خود واجب ہے۔ فقہائے اس عموم میں ہر گمشدہ چیز کی تلاش کو داخل کیا اور کسی خاص گمشدہ کا استثنا نہیں کیا۔ اس کا رمز یہ ہے کہ واجب کی ادائیگی ہرچند کہ عمل آخرت ہے۔ پر ہر عمل آخرت کے لئے مسجد نہیں بنائی گئی۔
احمد ومسلم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "انّ ھٰذہ المساجد لا تصلح لشیئ من القذر والبول والخلاء وانما ھی لقراءۃ القراٰن وذکر اللہ والصلوٰۃ۔"[2]	حضرات امام احمد ومسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ مسجدیں گندگی، پیشاب و پاخانہ کے لئے نہیں یہ تو صرف تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور نماز کے لئے ہیں۔"
وللبخاری وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما بنی لذکر اللہ والصلوٰۃ۔[3]	بخاری وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ اور وہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ (مساجد) تو نماز اور ذکرِ الٰہی کے لئے ہی بنائی گئی ہیں۔"
ولاحمد فی الزھد عن ابی ضمرۃ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانما بنیت للذکر۔	امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابوضمرہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ صرف ذکر کا ہی ذکر کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

[2] مسند الامام احمد بن حنبل عن انس بن مالک المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۹۱
صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[3] کنز العمال بحوالہ خ عن ابی ہریرۃ حدیث ۲۰۰۹۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۶۶۲

[4] کتاب الزہد (امام احمد بن حنبل) زہد ابی بکر حدیث ۵۰۹ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۸

وفی مسند الفردوس عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: کل کلام فی المسجد لغو الا القراٰن وذکر اللہ تعالٰی ومسألۃ عن الخیر او اعطاؤہ[1]

مسند الفردوس میں بروایت ابوہریرہ مروی ہے حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "مسجد کے اندر تلاوتِ کلام اللہ، ذکرِ الٰہی اور بھلائی سے سوال اور اس کو دینے کے علاوہ ہر بات لغو ہے۔"

وقد علمت ان لیس الاذان خالص ذکر ولو کان المسجد یبنی لہ لاتی الشرع بایقاعہ فیہ ولنقل ولو مرۃ وکیف یعقل ان شیئا بنی لہ المسجد لایفعل فیہ قط علٰی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم فیقال فیہ أیضا ان المساجد لم تبن لھذا، کیف والاذان للدعاء الی الحضرۃ، والحضرۃ لاتبنی لنداء الناس الیھا وفیھا، واللہ الموفق۔ فھذا ما ظھر للعبد الضعیف من الکلام المجید والحدیث الحمید والفقہ السدید وحلہ کما تری واضح بلا امتراء وان کان اٰخرہ من قبیل المتابعات والشواھد، ولکن کلہ لمن تحلی بالانصاف، ھیھات لما یقنع المکابر ویقمع الاعتساف۔

یہ پہلے ہی معلوم ہوچکا ہے کہ اذان خالص ذکرِ الٰہی نہیں۔ اگر مسجد اس کے لئے بنی ہوتی تو شرع شریف مسجد کے اندر اذان کا حکم فرماتی اور اس پر عمل درآمد ایک بار ہی سہی مروی ضرور ہوتا۔ بھلا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جس کام کیلئے مسجد کی تعمیر ہوئی وہی مسجد میں کبھی نہ ہوا۔ نہ تو حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں نہ خلفائے راشدین کے عہد میں، تو یہی کہا جائیگا کہ مسجد اس کے لئے بنائی ہی نہیں گئی۔ اور ایسا ہوتا بھی کیسے، یہ تو دربارِ الٰہی کی حاضری کا اعلان ہے اور دربار اعلان کے لئے نہیں ہوتا اعلان تو دربار کے باہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے۔ اس ضعیف بندے پر کلام مجید، حدیث مقدس اور فقہ مبارک سے یہی ظاہر ہوا، باتیں سب کی سب ظاہر ہیں، اگرچہ اخیر میں ہم نے شواہد اور متابعات سے کام لیا، لیکن یہ سب بھی اہلِ انصاف کے نزدیک قطع مکابرہ اور دفعِ زیادتی کے لئے کافی ہے۔

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۷۶۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۲۵۸

ونسأل الله العفو والعافیة و الرحمة الکافیة والنعمة الوافیة و العیشة الصافیة، والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علٰی سیدنا محمد واٰلہ وابنہ و حزبہ اجمعین۔

میں اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت، رحمتِ کاملہ اور نعمت متکاثرہ اور عیش صافیہ کا طالب ہوں۔ اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد ہے، اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب اور ان کے گروہ سب پر درود وسلام ہو۔

الشمامۃ الرابعۃ من عود احراق الخلاف

(اختلاف کو خاکستر کردینے والے عود وعنبر کا چوتھا شمامہ)

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی، لیعلم سادتنا واخوتنا اھل الحق والھدی حفظنا اللّٰہ تعالٰی وایاھم عن الردٰی۔ ان الوھابیۃ العنود ومن تبعھم من طلبۃ الھنود بذلوا جھدھم لیخرجوا حدیثًا صحیحًا او نصًّا فی الفقہ صریحًا یفید ان السنۃ فی ھذا الاذان کونہ فی جوف المسجد متصلا بالمنبر کما تعودوہ ھٰھنا فلم یقدروا۔ وما کان اللّٰہ لیرفع لباطل راسًا۔ فجعلوا یتشبثون بکل حشیش فخمسۃ اتفقوا علی الاحتجاج

حمد اللہ تعالٰی کے لئے ہی خاص ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ورحمت ہو۔ حق وہدایت والے ہمارے بزرگوں اور بھائیوں کو معلوم ہو اللہ تعالٰی انکی حفاظت فرمائے کہ معاند وہابیہ، اور انکی پیروی کرتے ہوئے ابھرتے طلبہ، سب کو اس امر نے تھکا دیا کہ ایک صحیح حدیث یا فقہ کی کوئی نص صریح پیش کریں جو اذان کے مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونے کا افادہ کرے جیساکہ آج کل رواج پڑگیا ہے مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکے۔ اور اللہ تعالٰے باطل کو سربلندی عطا نہیں کرتا۔ پس وہ تنکوں کا سہارا لینے لگے۔ ان میں پانچ باتوں میں تو سب متفق ہیں بقیہ کچھ لوگوں نے انفرادی

بها ،

(۱) نصوصهم ان هٰذا الاذان بين يدي الخطيب۔

(۲) وتعبير بعضهم في مسئلة ان ايجاب السعي بالاذان الاول او الثاني هذا الاذان بالذي عند المنبر۔

(۳) وبعضهم بالذي على المنبر۔

(۴) وزعموا ان كونه داخل المسجد ملاصق المنبر هو التوارث۔ فمن احترس لنفسه يجمل ويقول من القديم والذي تجرأ يقول من لدن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وخلفائه الراشدين رضي الله تعالىٰ عنهم اجمعين۔

(۵) وزعموا ان عليه التعامل في جميع البلدان واجمع عليه جميع اهل الاسلام وتفرد بعضهم من بعض بشبهات اُخرىٰ ذات عجر وبجر، والعبد الضعيف بتوفيق الملك اللطيف عز جلاله يريد ان يمر عليها طردًا طردًا ويبين عوارها فردًا فردًا، فلنبتدئ بالاول، ثم نتبعها الباقي الاذل وما توفيقي الّا بالله عليه

بخشیں بھی کی ہیں۔ یہ بندہ ضعیف پہلے تو پانچوں متفقہ دلائل کا ذکر فرداً فرداً اور اس کا رد کرے گا پھر انفرادی لچر اور پوچ دلائل کی بھی خبرگیری کریگا پہلی پانچ باتیں یہ ہیں ؛

(۱) اذانِ جمعہ کے لئے تمام فقہائے نے بین یدیہ (خطیب کے سامنے) کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا چاہیئے۔

(۲) اس مسئلہ کو بیان کرتے ہو کہ جس اذان کو سُن کر جمعہ کے لئے مسجد کی طرف جانا واجب ہوجاتا ہے وہ اذان اول ہے یا ثانی۔ بعض فقہائے نے یوں تعبیر کی یہ وہی اذان ہے جو عند المنبر (منبر کے پاس) ہوتی ہے۔

(۳) اور بعض فقہائے نے علی المنبر (منبر کے اوپر) فرمایا جو پاس سے بھی زائد قریب پر دلالت کرتا ہے۔

(۴) معاندین کا یہ گمان فاسد ہے کہ اس اذان کا مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا متوارث ہے (یعنی خلفاً عن سلف ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے) توارث کے بیان میں جس نے احتیاط سے کام لیا تو اتنا کہہ کر رہ گیا کہ قدیم سے ایسا ہوتا آیا ہے، اور جو جرأت بے جا کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے ایسا ہی ہوتا ہے۔

توکلت و الیہ انیب۔

(۵) ان سب کا کہنا ہے کہ تمام ممالک میں اسی پر عملدر آمد ہے اور تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے۔

اب میں ان پانچ متفقہ باتوں کا تفصیلی رد اور بعد میں متفرقات سے بھی تعرض کروں گا اللہ تعالٰی سے ہی میری توفیق ہے اسی پر میرا بھروسا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

نفحہ ۱: قد بیّنا بالحدیث و الفقہ ان السنۃ فی ھذا الاذان کونہ بین یدی الخطیب اذا جلس علی المنبر ولکن لیس فی لفظۃ بین یدیہ، ما یقرّ اعینھم ولا ما یمیل الیہ، انما مفادھا ان یکون بحذاء المنبر قبالۃ وجہ الخطیب من دون حائل یحجبہ عنہ وھذا یشمل داخل المسجد وخارجہ الٰی حیث تبقی المحاذاۃ والمشاھدۃ، لیس فی مفاد اللفظ اکثر من ھذا، غیر ان الفقہ دلنا علی ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا منہ بحیث لا یعد النداء ثمہ نداءً الٰی ھٰذا المسجد بل فی حدودہ و فنائہ و ارشدنا الحدیث فتعین ھٰذا محلاً لہ ولنکشف الستر عن وجہ التحقیق فی مفاد ھٰذا اللفظ۔

فاقول و باللہ التوفیق۔ اللفظ مرکب و معناہ الحقیقی بحسب اجزائہ الترکیبیۃ وقوع الشیٔ فی

نفحہ ۱: ہم احادیث و فقہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے لیکن "سامنے" کے لفظ میں مخالفین کی آنکھ ٹھنڈی کرنے والی کوئی بات نہیں، بلکہ اس کا مفاد صرف اتنا ہے کہ منبر کے سامنے خطیب کے چہرے کے مقابل ہو بیچ میں کوئی حائل نہ ہو جو روئے خطیب کا آڑ بنے۔ یہ بات مسجد کے اندر اور باہر دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے اس حد تک کہ مشاہدہ اور مقابلہ باقی رہے۔ اصل لفظ بین یدیہ (سامنے) کا مفاد اس کے سوا نہیں۔ البتہ فقہ نے ہم کو بتایا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہونی چاہئے بلکہ مسجد سے اتنی دور ہونی چاہئے کہ مسجد میں نہ شمار کی جائے بلکہ مسجد کے حدود اور اس کی فناء میں ہو۔ احادیث مبارکہ نے بھی اسی کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے اس مقام کی تعیین ہوتی ہے۔

اب میں اس لفظ کی تحقیق کرتا ہوں، لفظ "بین یدیہ" دو حرفوں سے مرکب ہے ان اجزائے ترکیبیہ کے اعتبار سے اس لفظ

12

الفضاء المحصور بین هذین العضوین من المضاف سواء کان امامه اوخلفه اولاولا والفضاء محققا او متخیلا فانك اذا ارسلت یدیك فلیس بینهما الاجنابك وحذائك و ان بسطتهما قبالة وجهك او وراء ظهرك فکل ماوقع فی الفضاء المحصور بهما فهو بین یدیك وهو امامك فی الاول وخلفك فی الثانی ولیس امامك ولاخلفك فی صورة الارسال ۔

وانت تعلم ان هذا المعنی لامساغ له هنا بل الامر ان المرکب ربما لایلاحظ الٰی معانی اجزائه التفصیلیة و یصیر باجماله دالاعلی معنی اٰخر لغة اوعرفاً فهو ان کان مجازا له بالنظر الٰی مفصله یکون حقیقةً لغویة او عرفیة فیه باعتبار اجماله وذٰلك فی لفظنا هذا معنی الامام والقدام امامطلقاً من دون تخصیص بالقرب او مع ملاحظته، وحینئذ یفسر بالحاضر المشاهد لان شرط الرؤیة العادیة القرب و المقابلة فکل مرئی حین هو مرئی محاذ

کے معنی حقیقی یہ ہوئے کہ" آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے" چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی ۔ کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے ۔ تو ان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں اور انھیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے، تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کی جانب کی اتنی فضا " بین یدیہ" ہے اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں ۔

لفظ " بین یدیہ " کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی مرکب میں بسا اوقات یہی ہوتا ہے کہ معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معانی اگرچہ مجازی قرار دیئے جائیں لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں ۔ لفظ بین یدیہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہو گیا ہے ۔ قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے، اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے کیونکہ رؤیت عادیہ کے لئے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب

قریب۔

وھذا منتھی مفاد اللفظ فی نفسہ واختلاف حدود القرب تنشؤ من خصوصیات المقام لانہ امر اضافی مشکک متفاوت غایۃ التفاوت، فیلاحظ لکل مقام ما یستدعی وھی دلالۃ عقلیۃ من الخارج لامن اللفظ۔

ثم توسع فیہ علی الوجھین و استعیر ظرف المکان للزمان فارید بہ الماضی اما مطلقا او قریبا لان جھۃ المضی جھۃ الظھور کالامام او المستقبل کذلک لان کل آت قریب وانت متوجہ الی القابل فکانہ لک مقابل، وعلی ھذین الوجھین ورد فی القرآن العظیم والمحاورات وبھما فسرتہ ائمۃ اللغۃ والتفسیر الاثبات ووجدت اللفظۃ فی القرآن الکریم فی ثمان وثلثین موضعا۔ فی عشرین منھا لادلالۃ علی القرب وفی واحد جاء علی حقیقۃ اجزائہ الترکیبیۃ وفی سبعۃ عشر فید القرب علی تفاوت عظیم فیہ من الاتصال الحقیقی الی فصل مسیرۃ خمسمائۃ سنۃ، جعلنا ما لادلالۃ فیہ علی القرب فریقا والبواقی فریقا:

بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

لفظ "بین یدیہ" کا اصلی مفاد یہی ہے، البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی، حد درجہ متفاوت المعنی کلی مشکک ہے اس لئے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعیین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب وبعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضا سے نہیں عقل کے تقاضا سے ہے۔

پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لئے تھا لیکن بعد میں ظرف زمان کے لئے مستعمل ہونے لگا، یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لئے، کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے، اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے۔ قرآن عظیم اور محاورات عرب میں لفظ "بین یدیہ" ان دونوں معنی میں وارد ہوا مفسرین نے اسی معنی سے اس کی تفسیر کی، میں نے تتبع اور تلاش سے قرآن پاک میں ۳۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیس مقامات پر قرب پر کوئی دلالت نہیں۔ اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لئے ہے اور سترہ مقامات پر قرب کے لئے۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے۔ ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے:

فن الاول

(۱) قول ربنا عزّ و جلّ فی سورۃ البقرۃ[۱] (۲) فی طٰہٰ[۲] (۳) فی الانبیاء[۳] (۴) فی الحج "یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم"[۴]

(۵) فی مریم "لہ ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذٰلک"[۵]۔

فعلم اللہ تعالٰی و ملکہ لایمکن اختصاصہ بقریب او بعید سواء اخذ الظرف مکانیا او زمانیا، او لوحظ معنی عام کما ھو الأنسب بالمقام الأفخم۔

(۶) فی سورۃ البقرۃ، فانہ نزلہ علٰی قلبک باذن اللہ مصدقا لما بین یدیہ[۶]۔

(۷) فی آل عمران "نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ"[۷]۔

(۸) فی سورۃ الانعام "وھذا کتاب انزلناہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ"[۸]۔

قسم اوّل

(۱) سورہ بقرہ (۲) سورہ طٰہٰ (۳) سورہ انبیاء (۴) سورہ حج، ان سب سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں "یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم" ان کے پس و پیش کا اسے علم ہے۔

(۵) سورہ مریم شریف کی آیت لہ ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذٰلک۔ اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے ہمارے پس و پیش اور اس کے درمیان کی حکومت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں۔

(۶) سورہ بقرہ میں فانہ نزلہ علٰی قلبک مصدقا لما بین یدیہ اللہ پاک نے قرآن عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔

(۷) آل عمران میں نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۸) سورہ انعام میں "ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔"

---

۱ القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵
۲ القرآن الکریم ۲۰/ ۱۱۰
۳ " " ۲۱/ ۲۸
۴ " " ۲۲/ ۷۶
۵ " " ۱۹/ ۶۴
۶ " " ۲/ ۹۷
۷ " " ۳/ ۳
۸ " " ۶/ ۹۲

(۹) فی یونس "وما کان ھٰذا القراٰن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ"[1]

(۹) سورۂ یونس میں "یہ قرآن غیرِ خدا کی طرف سے افترا نہیں ہے یہ تو گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"۔

(۱۰) فی یوسف "ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل کل شیئ"[2]

(۱۰) سورۂ یوسف میں "یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شئی کی تفصیل ہے۔

(۱۱) فی سبا "وقال الذین کفروا لن نؤمن بھٰذا القراٰن ولا بالذی بین یدیہ"[3]

(۱۱) سورہ سبا میں "کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں نہ اس پر جو گزشتہ ہے"۔

(۱۲) فی الملٰئکۃ "والذی اوحینا الیك من الکتاب ھو الحق مصدقا لما بین یدیہ"[4]

(۱۲) سورہ ملٰئکہ میں "جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے اور گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"۔

(۱۳) فی حٰم السجدۃ "وانہ لکتٰب عزیز لایاتیہ الباطل من بین یدیہ و لامن خلفہ"[5]

(۱۳) سورہ حٰم السجدہ میں "یہ عزت والی کتاب کہ باطل کو اس کی طرف راہ نہیں، نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے"۔

(۱۴) فی الاحقاف "قالوا یٰقومنا انا سمعنا کتٰبا انزل من بعد موسٰی مصدقا لما بین یدیہ"[6]

(۱۴) سورہ احقاف میں "اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسٰی کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے"۔

(ان سب آیات میں ہے کہ قرآن عظیم گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۷
[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۱۱
[3] " " ۳۴/ ۳۱
[4] " " ۳۵/ ۳۱
[5] " " ۴۱/ ۴۲
[6] " " ۴۶/ ۳۰

فالقراٰن الکریم مصدقا لکل کتاب الٰھی نزل قبلہ قریبًا او بعیدًا ولایخالفہ[ع۱] شیئ من کتب اللہ تعالٰی والکفرۃ[ع۲] بشیئ لایؤمنون۔

اور بلاشبہ قرآن عظیم تمام ہی گزری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی، اور گزشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ اور کافر کسی پر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(۱۵) ومن ذٰلک فی اٰل عمران عن عبدہٖ عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام "ومصدقا لما بین یدی من التوراۃ"[۱]

(۱۵) آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے کہ "میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی۔"

(۱۶) فی المائدۃ "وقفینا علٰی اٰثارھم بعیسی ابن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ"[۲]

(۱۶) سورہ مائدہ کی آیت "ہم ان نبیوں کے نشانِ قدم پر عیسٰی بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی۔"

(۱۷) فی الصف "مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد"[۳]

(۱۷) اور سورۂ صف کی آیت "میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا، اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔"

فما فسروہ الا بالقبیلۃ حملا لہ علٰی نظائرہ فی القراٰن العزیز

ان آیات میں لفظ "بین یدیہ" کو حضور پر حمل کیا جاسکتا تھا لیکن مفسرین نے اس کی

ع۱ ناظر الی الاٰیۃ الثالثۃ عشر ۱۲ منہ علیہ الرحمۃ
ع۲ ناظر الی الاٰیۃ الحادیۃ عشر ۱۲ منہ

ع۱ تیرھویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔
ع۲ گیارھویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔

۱؎ القراٰن الکریم ۳/ ۵۰
۲؎ " " ۵/ ۴۶
۳؎ " " ۶۱/ ۶

وھو الذی یسبق الی الفھم وان امکن حملہ ھٰھنا علی الحضور۔

تفسیر من قبلہ سے کی ہے کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔

(۱۸) فی سورۃ البقرۃ فجعلناھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا[1] علی التفسیر لما قبلھا وما بعدھا من الامم اذا ذکرت حالھم فی زبر الاولین واشتھرت قصتھم فی الاٰخرین (بیضاوی[2])۔

(۱۸) اور سورۂ بقرہ میں "تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لئے عبرت کردیا"۔ اس کی تفسیر بھی "اگلی اور پچھلی امتیں" کی گئی جس کا ذکر گزشتہ اُمتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا (بیضاوی)۔

(۱۹) وفی حم السجدۃ اذ جاءتھم الرسل من بین ایدیھم ومن خلفھم[3]۔ عن الحسن انذروھم من وقائع اللہ فیمن قبلھم من الامم وعذاب الاٰخرۃ[4] (نسفی[4]) اومن قبلھم ومن بعدھم اذ قد بلغتھم خبر المتقدمین واخبرھم ھود وصالح عن المتاخرین داعین الی الایمان بھم اجمعین (بیضاوی[5])۔

(۱۹) اور حٰم سجدہ میں "اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے" حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے کہ رسول انھیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے (نسفی) یا گزشتہ اور آئندہ قومیں کہ انھیں پہلوں کی خبر پہنچی، اور ہود اور صالح علیہ السلام نے انھیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا (بیضاوی)۔

(۲۰) فی الاحقاف اذ انذر قومہ بالاحقاف وقد خلت النذر من بین یدیہ[6] ای من قبل ھود (ومن خلفہ) من بعدہ الی اقوامھم (ان لاتعبدوا

(۲۰) سورۂ احقاف میں "حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا اور اس کے پہلے سنانے والے گزر چکے تھے اور بعد میں آئے" یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۶
[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۲۸
[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۴
[4] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۱/ ۱۴ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۰
[5] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) ؍؍ ؍؍ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۱۰
[6] القرآن الکریم ۴۶/ ۲۱

الا اللہ (جلال)[۱]۔

قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کسی اور کو نہ پوجو (جلالین)۔

ومن الثانی (۲۱) فی الاعراف "وھو الذی یرسل الریح بشرًا بین یدی رحمتہ"[۲]

قسم ثانی (۲۱) سورہ اعراف میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا"۔

(۲۲) وفی الفرقان "وھو الذی ارسل الریح بشرًا بین یدی رحمتہ"[۳]

(۲۲) سورہ فرقان میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا"۔

(۲۳) فی النمل "امن یھدیکم فی ظلمٰت البر والبحر ومن یرسل الریح بشرًا بین یدی رحمتہ"[۴] (فانھا تدل علی قرب المطر)

(۲۳) سورہ نمل میں "یا وہ جو تمھیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی، اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی"۔ (ان آیات میں لفظ بین یدی یہ بارش کے قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے)

(۲۴) فی الاعراف "لاٰتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم"[۵] فلابد للموسوس من القرب والعیاذ باللہ تعالٰی۔

(۲۴) اعراف میں "ہم ان پر آئیں گے ان کے آگے ان کے پیچھے اور داہنے بائیں۔ اس آیت میں شیطانوں کے وسوسہ کا بیان ہے جس کے لئے ان کا ان لوگوں کے قریب ہونا ضروری ہے جن کو وسوسہ دیں گے اس سے خدا کی پناہ)

---

[۱] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۲۱/۴۶ اصح المطابع دہلی ص ۴۱۸

[۲] القرآن الکریم ۷/۵۷

[۳] 〃 〃 ۲۵/۴۸

[۴] 〃 〃 ۲۷/۶۳

[۵] 〃 〃 ۷/۱۷

(۲۵) فی الرعد "له معقبٰت من بین یدیه ومن خلفه"[1] فان شان الحافظ القرب۔

(۲۵) سورہ رعد میں "اس کے نگران اس کے آگے پیچھے ہیں"۔ اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے جو قریب سے ہوتی ہے۔

(۲۶) فی سبا "افلم یروا الٰی مابین ایدیھم وماخلفھم من السماء والارض"[2] یرید سماء الدنیا المرئیة لنا الاقرب الینا۔

(۲۶) سورہ سبا میں "تو کیا انھوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان وزمین"۔ اس آیت میں سماء سے مراد آسمانِ دنیا ہے جو نسبۃً ہم سے قریب ہے اور ہم پر سایہ فگن ہے۔

(۲۷) فیھا "ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه (الٰی قوله عزوجل) یعملون له مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیٰت"[3] فان المقصود من العمل بین یدی الملك ان یکون بمرأی منه علی وفق مایشاء۔

(۲۷) اسی میں ہے "اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے، اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں۔ اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں"۔ اس آیت میں بادشاہ کے حسبِ مرضی کام کرنیوالوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد اس کی نگاہ میں ہونا ہے۔

(۲۸) فیھا "ومابصاحبکم من جنة ان ھو الانذیرلکم بین یدی عذاب شدید"[4] دل علٰی قرب القیامة۔

(۲۸) اسی میں "تمھارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں، وہ تو نہیں مگر تمھیں ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے"۔ اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۱۱

[2] " " ۳۴/ ۹

[3] " " ۳۴/ ۱۲ و ۱۳

[4] " " ۳۴/ ۴۶

(۲۹) فی یٰسٓ "وجعلنا من بین ایدیھم سدًّا ومن خلفھم سدًّا[1]" ھذا علی الاتصال الحقیقی لیورث العمٰی والعیاذ باللہ تعالٰی۔

(۲۹) سورہ یٰسٓ میں "ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔" یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لئے ہے تاکہ نابینائی پیدا ہو۔ (پناہ بخدا)۔

(۳۰) وفیہا "واذا قیل لھم اتقوا ما بین ایدیکم[2]" من عذاب الدنیا کغیرکم (وما خلفکم[2]) من عذاب الاٰخرۃ (جلال[3])۔

(۳۰) اسی میں ہے "جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو۔" یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو۔ (جلالین)

(۳۱) فی حٰمٓ سجدۃ (وقیضنا لھم قرناء فزینوا لھم ما بین ایدیھم) من امر الدنیا و اتباع الشھوات (وما خلفھم[4]) من امر الاٰخرۃ۔ (جلال[5])

(۳۱) حٰمٓ سجدہ میں "اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے، انھوں نے انھیں مزین کردیا جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے۔" ما بین ایدیھم سے مراد امورِ دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفھم سے مراد امور آخرت۔ (جلالین)

(۳۲) فی الحجرات: "یاایھا الذین اٰمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ[6]"، فان المفاد النھی عن قطع امر قبل حکم اللہ ورسولہ و تصویر

(۳۲) سورہ حجرات میں "اے ایمان والو! اللہ و رسول پر سبقت نہ کرو" اس آیت میں نفی کا مفاد حکم خدا و رسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے۔ اور اسکی شناعت

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۹
[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۵
[3] جلالین تحت الآیۃ ۳۶/ ۴۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۷۰
[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۵
[5] جلالین تحت الآیۃ ۴۱/ ۲۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۹۸
[6] القرآن الکریم ۴۹/ ۱

شناعة هذا المحسوس وهو تقدم العبد علیٰ مولاہ فی المسیر و انما یستھجن من قرب ما۔

کو محسوس کے ساتھ مثل کرکے دکھایا گیا۔ اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلے تو برا ہے اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

(۳۳) فی الحدید "یوم تری المؤمنین والمؤمنٰت یسعٰی نورھم بین ایدیھم و بایمانھم"[1] کلمة "یسعٰی" تدل علیٰ ارادة ما ینورلھم فالمدلول القرب اما النور فمتصل حقیقة۔

(۳۳) سورہ حدید میں "اس دن تم دیکھو گے کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں چلے گا"۔ یہاں کلمہ "یسعٰی" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لئے روشن کی گئی ہے، تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔

(۳۴) فی المجادلة "یایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقة"[2]

(۳۴) سورہ مجادلہ میں ہے: "اے ایمان والو! رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو۔"

(۳۵) فیھا "أاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقة"[3]

(۳۵) اسی میں ہے: "بات چیت سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو۔"

فان المقصود تعظیم الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ولا یظھر الا بالقرب۔

ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہوگی۔

(۳۶) فی الممتحنة (ولا یاتین ببھتان یفترینه بین ایدیھن و ارجلھن)[4] ای بولد ملقوط ینسبه الی الزوج

(۳۶) سورہ ممتحنہ میں ہے: "ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ گاڑا ہو" وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۲

[2] " " " ۵۸/ ۱۲

[3] " " " ۵۸/ ۱۳

[4] " " " ۶۰/ ۱۲

ووصف بصفت الولد الحقیقی فان الامراذا وضعته سقط بین یدیھا ورجلیھا اھ (جلالین[1]) فھذا علی الحقیقۃ الترکیبیۃ۔

عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے۔ تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقۃً اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہوگا اھ تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں۔

(۳۷) فی التحریم، نورھم یسعٰی بین ایدیھم و بایمانھم[2]

(۳۷) سورہ تحریم میں "ان کا نور انکے آگے آگے اور دائیں چل رہا ہوگا۔"

(۳۸) فی الجن (عٰلم الغیب فلایظھر علٰی غیبہٖ احدا الا من ارتضٰی من رسول فانہ یسلک[3]) یجعل ویسیر (من بین یدیہ) ای الرسول (ومن خلفھم رصدا) ملئکۃ یحفظونہ حتی یبلغہ فی جملۃ الوحی (جلالین[4]) ھٰذہٖ واضحات۔

(۳۸) سورہ جن میں "اللہ تعالٰی عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا ان رسولوں کے آگے پیچھے نگران چلتے ہیں"۔ یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ سب آیات واضح ہیں۔

ومنھا، "فجعلنٰھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا[5]" علی الاظھر الاشھر ای الامم التی فی زمانھا و

اسی سے ہے، "ہم نے (اس بستی) کا یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت کردیا" مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ ما بین یدیہ اور خلفہ سے مراد وہ امتیں

---

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۶۰/ ۱۲ اصح المطابع دہلی ص ۴۵۸

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۸

[3] " " ۷۲/ ۲۶ و ۲۷

[4] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۷۲/ ۲۶ و ۲۷ اصح المطابع دہلی ص ۴۷۷

[5] القرآن الکریم ۲/ ۶۶

بعدھا (جلال[1]) اولما یحضرتھا من القری وما تباعد عنھا۔ او لاھل تلک القریۃ وما حوالیھا (بیضاوی[2])

وکذا "اذ جاءتھم الرسل من بین ایدیھم ومن خلفھم[3]"، علی معنی اتوھم من کل جانب وعملوا فیھم کل حیلۃ اھ (مدارک[4])

ہیں جو اس زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں (جلالین) یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تھے یا ان دیہاتوں والے (بیضاوی)

ایسا ہی آیت مبارکہ "جب اللہ تعالٰی کے بھیجے فرشتے آئے ان کے آگے اور پیچھے" اس آیت کے معنٰی یہ ہیں فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئے اور ان کے ساتھ ہر طرح کے حیلے برتے (مدارک)

واما تفسیر ائمۃ اللغۃ والتفسیر، ففی الصحاح، والقاموس، ثم مختار الصحاح وتاج العروس وغیرھا "بین یدی الساعۃ" ای قدامھا[5] اھ، وفی الصراح "بین یدی پیش روے او[6]" وفی التاج "یقال بین یدیک بکل شیئ امامک[7]" اھ وفی معالم التنزیل من الحجرات "معنی بین الیدین الامام والقدام[8]"۔ و

ائمہ تفسیر ولغت کا بیان یہ ہے، صحاح، قاموس، مختار الصحاح، تاج العروس وغیرہ میں بین یدی الساعۃ کے معنی قیامت سے پہلے، اور صراح میں آگے جانے والے۔ اور تاج العروس میں ہے کہ بین یدیک ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمہارے آگے ہو۔ معالم التنزیل تفسیر سورہ حجرات میں بین الیدین کے معنی آگے ہے۔ اور

---

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ اصح المطابع دہلی ص ۱۱

[2] انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) " " دار الفکر بیروت ۱/ ۳۳۸

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۴

[4] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) " " دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۰

[5] تاج العروس فصل الیاء من باب الواو والیاء (یدی) احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۴۱۹

[6] صراح باب الواو والیاء فصل الیاء مطبع مجیدی کانپور ص ۵۹۸

[7] تاج العروس فصل الیاء من باب الواو والیاء "یدی" احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۴۱۹

[8] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۴۹/ ۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۱۸۸

فی الخازن من آل عمران "مابین یدیہ فھو ما امامہ[1] اھ وفی ابی السعود[2] والفتوحات الالٰھیۃ من یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام "بین یدیہ ای امامہ[3] اھ"۔ وفی الجلالین من الرعد "بین یدیہ قدامہ[4] اھ"۔ وفیہ من مریم "ما بین ایدینا ای امامنا[5] اھ" وفیہ وفی غیرہ من البقرۃ وغیرھا "مصدقا لما بین یدیہ قبلہ من الکتب[6]"۔ ثم فی الانموذج الجلیل تحت الکریمۃ السادسۃ والعشرین "مابین یدی الانسان ھو کل شیئ یقع نظرہ علیہ من غیران یحول وجہہ الیہ[7] اھ۔ وفی الکرخی ثم الفتوحات الالٰھیۃ ایضا تحتھا "من المعلوم ان ما بین یدی الانسان ھو کل ما یقع نظرہ علیہ من غیران یحول وجھہ الیہ[8] اھ۔ وفی تکملۃ مجمع البحار "فعلتہ بین یدیک ای بحضرتک[9] اھ۔

خازن[1] میں بین یدیہ کے معنی جو اس کے آگے ہو۔ تفسیر[2] ابوسعود اور فتوحات الہیہ میں سورہ یونس علیہ السلام میں بین یدیہ کے معنی "اس کے آگے"، اور جلالین میں سورہ رعد کے لفظ بین یدیہ کے معنی "اسکے آگے"[3]۔ اسی[4] میں سورہ مریم کے لفظ ما بین ایدینا کے معنی ہمارے آگے۔ اسی[5] میں اور دیگر تفاسیر[6] میں سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ مصدقا لما بین یدیہ کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں ہے[7]۔ انموذج جلیل میں ۲۶ ویں آیت کے تحت ہے، ما بین یدی الانسان ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ کرخی[8] اور فتوحات[9] الٰہیہ میں اسی آیت کے تحت ہے، انسان کے ما بین یدیہ وہ چیز ہے جس پر اسکی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ تکملہ[10] مجمع البحار میں ہے، فعلتہ بین یدیک کا ترجمہ "میں نے اس کو تیرے حضور میں کیا"۔

---

[1] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت الآیۃ ۳/۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۲۴
[2] الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر الجمل) ۱۰/۳۷ دار الفکر بیروت ۳/۳۰۳
[3] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۱۳/۱۱ اصح المطابع دہلی ص ۲۰۱
[4] " " " ۱۹/۶۴ " " " ص ۲۵۸
[5] " " " ۲/۹۷ " " " ص ۱۵
[6] الانموذج الجلیل
[7] الفتوحات الالٰہیہ (تفسیر الجمل) تحت الآیۃ ۲۴/۹ المصطفی البابی حلبی مصر ۲/۴۹۱
[8] تکملہ مجمع بحار الانوار حرف الیاء "ید" مکتبہ دار سعودی عرب ۵/۲۱۰

وفی عنایۃ القاضی من "اٰیۃ الکرسی" اطلاق مابین ایدیھم علی امور الدنیا لانھا حاضرۃ والحاضر یعبر عنہ بذٰلک۔ وامور الاٰخرۃ مستترۃ کما یستتر عنک ماخلفک[1] اھ"۔	اور عنایۃ القاضی[18] میں آیۃ الکرسی کے مابین یدیہ کے معنٰی لکھے ہیں کہ مابین یدیہ کا اطلاق امورِ دنیا پر ہے کہ وہ تمہارے سامنے ہیں۔ اور حاضر کی تعبیر مابین یدیہ سے کی جاتی ہے۔ اور امورِ آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وُہ چیز تمہارے پیچھے ہو۔ اور جمل[19] میں اسی آیت کی تفسیر میں مابین ایدیھم کے معنٰی "جو حاضر و مشاہد ہو" لکھے ہیں
وفی الجمل منھا "مابین ایدیھم) ای ماھو حاضر مشاھد لھم[2] اھ"۔	
وفی الخطیب الشربینی ثم الجمل (بین یدی اللّٰہ ورسولہ) معناہ بحضرتھما لان ما یحضرہ الانسان فھو بین یدیہ ناظر الیہ[3] الخ"۔ ویاتی تمامہ۔	خطیب[20] شربینی اور جمل[21] میں بین یدی اللّٰہ ورسولہ کے معنٰی "ان دونوں کے حضور" کے ہیں کہ جو آدمی کے پاس ہو وہ بین یدیہ ہے، اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔ (پوری بات آگے آرہی ہے)
فاستبان لک بالقراٰن العظیم والحدیث ونصوص ائمۃ القدیم والحدیث ان لادلالۃ اصلا لقول الفقہاء "یوذن بین یدی الخطیب" علٰی کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونہ لصیق المنبر۔	تو قرآن عظیم، احادیثِ کریمہ اور قدیم وجدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہوگیا کہ قول فقہاء "یوذن بین یدی الخطیب" کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں چہ جائیکہ منبر کے پاس ہو۔
فاوّلاً، لایتعین فی افادۃ القرب کما یظھر من عشرین	اوّلاً لفظ "بین یدیہ" افادہ قرب میں متعین نہیں، جیسا کہ پہلے ذکر کی ہوئی بیس[22]

---

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی تحت الآیۃ ۲/۲۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۵۸۰

[2] الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر الجمل) تحت الآیۃ ۲/۲۵۵ المصطفٰی البابی حلبی مصر ۱/۲۰۷

[3] السراج المنیر (تفسیر الشربینی) " " ۴۹/۱ " " ۴/۱۷۴ نولکشور لکھنؤ ۴/۶۰

آیۃ تلونا اولاً ومما ذکرنا من کتب اللغۃ والتفسیر سابقا فانما غرضھم افادۃ ان السنۃ فی ھذا الاذان محاذاۃ الخطیب کما قال فی النافع شرح القدوری اذن المؤذنون بین یدی المنبر) ای فی حذائہ[1] فھذا ھو المقصود بالافادۃ ھٰھنا اما ان الاذان لایکون فی جوف المسجد ولا بعیدا عنہ بل فی حدودہ وفنائہ فمسألۃ اخری معلومۃ فی محلھا وبھا تتعین محل ھٰذہ المحاذاۃ کما قدمنا۔

وثانیاً سلمنا القرب فھو امر اضافی وقرب کل شیئ بحسبہ الا تری۔

(۱) الی الأیۃ الحادیۃ والعشرین دلت علی قرب المطر لکن لیس ان تھب الریاح فینزل بل کما قال عزوجل "حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنٰہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء"[2]

(۲) فی السادسۃ والعشرین

آیتوں سے ظاہر ہوا۔ اور پہلے ذکر کئے ہوئے ائمۂ لغت وتفسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوا، فقہاء کی غرض تو یہ بیان کرنا ہے کہ اس اذان میں مسنون خطیب کا سامنا ہے۔ جیسا کہ نافع شرح قدوری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ "جب مؤذنین خطیب کے سامنے اذان دے لیں" فقہاء کو اس عبارت سے صرف سامنا بتانا ہے یہ بات کہ اذان جوفِ مسجد میں نہ ہو نہ مسجد سے دُور ہو بلکہ مسجد کے حدود واطراف میں ہو، یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کو باب الاذان میں بیان کیا گیا ہے اور اس دوسرے مسئلے سے سامنے کی دوری متعین ہوتی ہے۔

ثانیاً اور اگر "بین یدیہ" کے معنی قریب تسلیم بھی کرلئے جائیں تو قرب ایک امر اضافی ہے ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا۔

(۱) دیکھو اکیسویں آیت میں "بین یدیہ" کے معنی بارش قریب ہونے کے ہیں، لیکن ایسا نہیں کہ ہوا چلی اور بارش آئی، بلکہ اس طرح جیسا قرآن عظیم میں ہے: "ہوا نے بادل کو اٹھالیا تو ہم نے اسے خشک علاقہ کی طرف روانہ کیا تو اس سے بارش ہوئی۔"

(۲) ۲۲ ویں آیت میں آسمان کو

---

[1] نافع شرح القدوری

[2] القرآن الکریم ۷/۵۷

جعل السماء بین ایدینا و بیننا و بینها مسیرة خمسمائة سنة۔ وھذا ترجمان القرآن علامة الکتاب من افصح العرب واعلمها باللسان عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما یقول فی تفسیر اٰیة الکرسی یعلم ما بین ایدیھم یرید من السماء الی الارض وما خلفھم یرید فی السمٰوٰت (رواه الطبرانی[1] فی کتاب السنة)۔

ہمارے قریب (بین یدیہ) بتایا) اور وہ ہم سے پانچ سو برس کی راہ کی دُوری پر ہے۔ حضرت ترجمان القرآن، علامۃ الکتاب، افصح العرب اور اعلم القوم باللسان سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آیۃ الکرسی کے "یعلم ما بین ایدیھم" کے معنی "زمین سے آسمان تک" بتائے، اور ماخلفھم کے معنی "آسمان" متعین فرمائے (طبرانی نے اسے کتاب السنہ میں روایت کیا)

(۳) وفی السابعة والعشرین ذکر عمل الجن بین یدی سیدنا سلیمٰن وھٰؤلاء الجن ھم الشیاطین کما قال تعالٰی، والشیاطین کل بناء وغواص[2] وماکان لھم ان یدخلوا الحضرة السلیمانیة لیعملوا ثمه محاریب وتماثیل وجفانا کالجواب وقدور راسیات تکفی واحدة منها الف رجل۔

(۳) ۲۷ویں آیت میں کہا گیا کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے (بین یدیہ) چیزیں بناتے تھے حالانکہ وہ شیاطین تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں داخل ہوکر وہ عظیم الشان عمارتیں، مجسمے اور میدانوں کی طرح وسیع وعریض لگن، بڑی بڑی دیگیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کو کافی ہوں، نہیں بنا ہی نہیں سکتے تھے۔

وروی ابن ابی حاتم فی تفسیره عن سیدنا سعید بن جبیر قال "کان یوضع لسلیمان علیه الصلوٰة والسلام ثلثمائة الف کرسی فیجلس مومنو الانس مما یلیه ومؤمنو الجن من ورائهم[3]"۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں تین لاکھ کرسیاں بچھائی جاتیں جن پر مومن انسان بیٹھتے، ان کے پیچھے مومن جن ہوتے، تو شیطان تو ان

---

[1] الدر المنثور بحوالہ الطبرانی فی السنۃ تحت الآیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۹

[2] القرآن الکریم ۳۸/۳۷

[3] تفسیر القرآن العظیم تحت الآیۃ ۲۷/۱۷ حدیث ۱۶۱۹۰ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ ۹/۲۸۵۵

فما کانت الشیاطین الّا وراء کل ذٰلک۔

(۴) وفی الثامنۃ والعشرین ارشد الیٰ ان بعثۃ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقرب القیامۃ کما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعثت انا والساعۃ کھاتین (رواہ احمد والشیخان[1] عن سھل بن سعد وھم والترمذی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنھما) وقد امھل اللہ الامۃ المرحومۃ الیٰ وقتنا ھذا الفا وثلثمائۃ وخمسا اربعین سنۃ وسنزید والحمد للہ الحمید، ولم ینافِ ذٰلک الاٰیۃ ولا قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعثت بین یدی الساعۃ بالسیف حتی یعبد اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ (رواہ احمد[2] والبویعلی والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلقہ البخاری)۔

(۵) الانجیل بین یدی القراٰن وبینھما فی النزول اکثر من ستمائۃ

سب کے بعد میں ہی ہوں گے۔

(۴) اٹھائیسویں آیت میں ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہے۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا: میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ مبعوث کئے گئے (احمد وشیخان نے سہل بن سعد سے اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کو روایت کیا) اور اللہ تعالیٰ نے آج ۱۳۳۳ھ تک امتِ مرحومہ کو مہلت دی، اور اس کے بعد بھی یہ امت باقی رہے گی۔ اس کے باوجود یہ مہلت نہ تو آیت کریمہ کے منافی ہے نہ حدیث مقدس کے۔ آپ کی حدیث ہے کہ مجھے قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا تاکہ لوگ ایک خدا کو پوجیں (احمد وابویعلیٰ اور طبرانی نے کبیر میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا)۔

(۵) انجیل "بین یدی القراٰن" ہے۔ اور ان دونوں کے بیچ میں چھ سو سال

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعثت انا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳
صحیح مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰۶
مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک ۳/ ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۹۳، ۲۳۷ و ۲۷۵

[2] " " " عن عبد اللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۰ و ۹۲

سنۃً والتوراۃ بین یدی الانجیل و بین عیسٰی وموسٰی علی ما فی الجمل الف وتسعمائۃ وخمس وسبعون سنۃً وکذا ھی بین یدی الفرقان وبین نزولیھما نحو من ثلٰثۃ اُلاف سنۃ۔

سے زائد کا فاصلہ ہے۔ اور توریت انجیل کے "ما بین یدیہ" ہے ان دونوں کے درمیان حسبِ روایتِ جمل انیس سو پچھتر ۱۹۷۵ سال کا فاصلہ ہے۔ اور یونہی توراۃ قرآن کے بھی "بین یدیہ" ہے تو توریت و قرآن شریف کا فاصلہ لگ بھگ تین ہزار سال کا ہوا۔

(۶) لایرتاب احدان المواجہ المغرب حین تدلت الشمس للغروب ان یقول "ان الشمس بین یدی" وبالفارسیۃ "آفتاب پیش روئے من است" او بالھندیۃ "سورج میرے منہ کے سامنے ہے۔" مع ان بینھما مسیرۃ ثلٰثۃ اُلاف سنۃ، وکذا یقول للثریا اذا واجھھا و بینھما مسیرۃ ثمانیۃ اُلاف سنۃ۔

(۶) یہ بات یقینی ہے کہ غروبِ آفتاب کے وقت پچھم کی طرف رُخ کرکے کھڑا ہونیوالا عربی میں کہتا ہے: "الشمس بین یدی"۔ اور فارسی میں کہتا ہے: "آفتاب پیش روئے من است"۔ اور ہندی میں کہتا ہے: "سورج میرے مُنہ کے سامنے ہے۔" حالانکہ ان دونوں کے درمیان تین ہزار سال کی مسافت ہے۔ اور یہی بات ثریا کی طرف رُخ کرکے بھی کہتا ہے جبکہ اس کے اور ثریا کے درمیان آٹھ ہزار سال کی راہ ہے۔

(۷) فی الکریمۃ التاسعۃ والعشرین ارید الاتصال الحقیقی لان العمی لایحصل الا بذالک فظھر ان القلب المدلول بلفظ بین یدیہ لہ عرض عریض منبسط من الاتصال الحقیقی الی مسیرۃ ثمانیۃ الاف سنۃ۔ وانما اصلہ الحاضر المشھود والاختلاف لاختلاف المحل والمقصود، فمثلا

(۷) انتیسویں آیت میں لفظ "بین یدیہ" سے مراد اتصالِ حقیقی ہے اسلئے کہ اندھاپن بے اس کے متحقق نہیں ہوسکتا، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ بین یدیہ کے مدلول کی جولان گاہ اتصالِ حقیقی سے شروع ہوکر آٹھ ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔ تو اس کی اصل حاضر و مشہود کے لئے ہے۔ اور محل و مقصود کے لحاظ سے اس حضور میں اختلاف ہوسکتا ہے مثلاً

(۱) الثریا تری من مسیرة کذا
(۲) الشمس من کذا (۳) السماء من مسیرة
خمسمائة سنة فکان هی القرب فیها
(۴) و فی العملة من حیث یرون
فلا یفتروا و لا یزیغوا (۵) المصلی
مامور بقصر نظره علی موضع
سجوده فهذا هو موضع شهوده
فلن یکن المرور بین یدیه الا
اذا مر بحیث لو صلی صلوة
الخاشعین یقع علیه نظره وهو
المراد بموضع سجوده کما
افاده المحققون (۶) فی قولك
جلست بین یدیه یحتاج الی قرب
اکثر مما یفید مجرد الابصار
فانه یکون للمکالمة والسمع اقصر
مدی من البصر والیه اشاروا فی
الکشاف والمدارك والشربینی
وغیرها بقولهم "حقیقة قولهم
جلست بین یدی فلان ان یجلس بین
الجهتین المسامتتین لیمینه
وشماله قریباً منه فسمیت الجهتان
یدین لکونهما علی سمت الیدین
مع القرب منهما
توسعا کما یسمی
الشیئ باسم غیره اذا

(۱) ثریا اتنی دور سے (۲) اور سورج اتنی
دور سے (۳) اور سیارے پانچ سو برس
کی راہ سے، تو ان اشیاء میں یہ قریب
کہا جائے گا (۴) اور مزدوروں میں اتنی دور
سے کہ نگرانی ہو سکے، مزدور سست نہ پڑیں
اور کھسک نہ سکیں (۵) اور مصلی کو حکم ہے کہ
وہ اپنی نگاہ موضع سجود پر رکھے، تو اس کے موضع
سجود میں اتنی ہی دوری اصل ہے، اور مصلی
کے سامنے سے گزرنا تبھی کہا جائے گا جب
گزرنے والا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی
نگاہ کی زد میں آئے، اور یہ موضع سجود ہی ہے جس
کی محققین نے تصریح کی ہے (۶) مقولہ "جلست
بین یدیہ" میں مراد حدود بصر سے بھی کم
اور محدود دائرہ ہوگا کہ یہ بیٹھنا بات چیت کیلئے
ہے جس کا تعلق سماع سے ہے اور سماع کا
دائرہ بصر کے دائرہ سے بھی محدود و مختصر ہے۔
چنانچہ کشاف، مدارک اور شربینی وغیرہ کے
مصنفین نے اسی امر کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے فرمایا قول "جلست بین یدی فلان
کی حقیقت یہ ہے کہ دائیں بائیں کی دو متقابل
جہتوں کے بیچ میں فلاں کے قریب بیٹھا جائے،
ان دونوں جہتوں کو دو ہاتھ سے تعبیر کیا کہ یہ
جہتیں انھیں دونوں ہاتھوں پر ان سے قریب
ہیں، اور یہ مجازاً ہے جیسا کہ دو پاس والی
چیزوں میں ایک کا نام دوسری کو

جاوره[1] اھ۔

وھذا ھو تمام عبارۃ الخطیب الموعود

قلت۔

تنبیہ: وفی قولھم اولا حقیقۃ قولھم و اٰخرا توسعا اشارۃ الٰی ماقدمت من انہ مجاز باعتبار معانی الاجزاء التفصیلیۃ حقیقۃ باعتبار الاجمال۔

(۷) یرید رجل قراءۃ القراٰن العظیم وھو محدث فیقول لعبدہ قم بالمصحف بین یدی فیدل علی القرب بحیث یمکنہ القراءۃ منہ و یختلف باختلاف نظرہ حدیدا اوکلیلا و اختلاف خط المصحف دقیقا وجلیلا۔

وھذا ما قالوا فی مصحف موضوع بین یدی المصلی، او رحل وھو لا یحمل و لا یقلب انما یقرأمنہ بالنظر فیہ لاتفسد فی الصلوٰۃ عندھما، وعندہ تفسد۔ کما فی الھندیۃ[2] وغیرھا۔

دے دیا جاتا ہے اھ۔

(خطیب شربینی کی یہی عبارت ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا)

تنبیہ: اس عبارت میں اس معنی کو شروع میں حقیقی کہا اور بعد میں مجازی قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے تفصیلی کے معنی کے لحاظ سے تو یہ مجاز ہے اور اجمال کے لحاظ سے معنی حقیقی۔

(۷) ایک شخص قرآن کریم پڑھنا چاہتا ہے مگر خود بے وضو ہے، تو وہ اپنے خادم سے کہتا ہے میرے سامنے قرآن عظیم لے کر بیٹھ جاؤ۔ تو یہاں قریب سے ایسا قرب مراد ہوگا کہ پڑھنا ممکن ہو۔ اور یہ قرب تیز نگاہی اور ضعفِ بصارت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ اور تحریر کے جلی اور خفی ہونے کے لحاظ سے بھی متعدد ہوگا۔

اور یہی بات مشائخ نے اس مصحف شریف کے بارے میں کہی جو نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہے یا رحل میں ہے، نمازی نہ تو اُسے اٹھاتا ہے اور نہ ہی ورق الٹتا ہے بلکہ فقط اُس کو دیکھتا ہے اور قرات کرتا ہے تو صاحبین کے نزدیک اسکی نماز فاسد نہ ہوگی جبکہ امام اعظم کے نزدیک فاسد ہوجائیگی جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔

---

[1] تفسیر الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/۱ دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۵۰ - ۳۴۹
مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) " " " " " " ۴/ ۱۶۵
السراج المنیر (تفسیر الشربینی) " " نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۰

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الصلوٰۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۱

(۸) تضع شیئا بین یدی احد لأکله فهذا علی ما تصل یده الیه لحدیث البخاری عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالٰی عنہما۔ جئت بقلیل رطب فوضعته بین یدی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاکل[1]

(۸) تم کسی کے آگے کچھ کھانے کے لئے رکھ دو تو یہ اسی حد تک ہوگا جہاں تک اُس کا ہاتھ پہنچ جائے جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ "میں تھوڑی سی تر کھجوریں لایا اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھ دیں جنھیں آپ نے تناول فرمایا۔"

(۹) مقابلان علی صحفة یاکلان منہا فیاخذ احدہما شیئا منہا و یضع بین یدی صاحبه فهذا علی جانب الصحفة الذی یلی صاحبه لحدیث البخاری عن انس رضی الله تعالٰی عنه فجعلت اتتبع الدباء واضعه بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم[2]

(۹) دو شخص آمنے سامنے بیٹھ کر ایک پیالے میں کھا رہے ہوں اور ان میں سے ایک شخص پیالے سے کوئی شَے لے کر اپنے ساتھی کے آگے رکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پیالے کی اس جانب رکھتا ہے جو اس کے ساتھی کے قریب ہے، جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں کدو تلاش کرنے لگا اور اسے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے آگے رکھنے لگا۔

(۱۰) جعلنا من بین ایدیہم سدا[3] علی الاتصال الحقیقی کما علمت۔

(۱۰) ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی۔ یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا کہ تُو نے جانا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاطعمہ باب الرطب والتمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۱۸

[2] ″ ″ ″ باب الثرید ″ ″ ″ ″ ۲/۸۱۵

[3] القرآن الکریم ۳۶/۹

و بالجملة کل هٰذه الاختلافات انما تنشؤ من اختلاف المقامات ولا دلالة علٰی شئ منها للفظ بین یدیه۔ واذا کان الامر علٰی ما وصفنا بطل الاستدلال به علی الاتصال او القرب الاخص حتی یستفاد منه کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونه لصیق المنبر وهم المستدلون فلیأتوا ببرهان ان کانوا صادقین وانی لهم ذٰلك واذ قد عجزوا و لله الحمد فیسألونا ان نتبرع ونفیدهم ان القرب المدلول هو ان یکون ظاهرًا مشاهدا لا یحتاج معه فی رؤیته الٰی تحویل الوجه کما قدمنا التنصیص به عن الائمة هذا هو القدر المشترك والزیادة تستفاد من خصوص المقام کما علمت وهی ههنا کون الاذان فی حدود المسجد وفنائه فتم الامر وحصل النصر فظهر امر الله وهم کارهون

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قریب کے یہ مختلف معانی موارد اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان معانی پر دلالت کرنے میں خود لفظ "بین یدیہ" کو کوئی دخل نہیں، اور جب صورت حال یہ ہے تو لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے جس سے اذان کا منبر کے متصل یا مسجد کے اندر ہونا سمجھا جائے نہ کہ یہ حکم دیا جائے کہ اذان منبر سے لگ کر دی جائے اور چونکہ اس قرب کے مدعی وہ لوگ ہیں۔ اور لفظ بین یدیہ سے اس مدعیٰ پر وہی لوگ استدلال کرتے ہیں تو انھیں ہی علٰحدہ سے کوئی دلیل لانی چاہئے کہ یہاں اس لفظ سے مراد یہی قرب ہے اور یہ بھلا ان کے بس کی بات کہاں! اور وہ خود یہاں بین یدیہ کے معنی متعین کرنے سے عاجز ہوں، تو ہم سے دریافت کریں ہم تبرعًا انھیں بتاتے ہیں کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جو اس لفظ کا مدلول ہے یعنی موجود مشاہد، جسے دیکھنے کے لئے چہرہ دائیں یا بائیں موڑنے کی ضرورت نہ پڑے۔ قرب کے تمام افراد میں یہی معنی مشترک ہے اور اس معنی پر اضافہ تو موقعہ استعمال کی خصوصیت سے مستفاد ہوتا ہے جو مسئلہ دائرہ میں مسجد کی باہری حدیں اور بیرونی صحن ہے۔ بات مکمل ہوگئی اور مسلک حق مؤید بالدلیل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا

والحمد لله رب العلمین۔

ثالثًا، نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم الحکم العدل وما کان عهده فهو الفصل المرتسم من الحدیث الصحیح ان هذا الاذان کان یکون بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی باب المسجد فعلم ان هذا القدر من القرب هو المراد ههنا فمن زاد اونقص فقد تعدّی وظلم ای من زاد فی القرب فادخل الاذان فی المسجد بالمعنی الاول فقد تعدی فی سنة المصطفی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ومن نقص منه فجعل هذا الاذان خارج المسجد بالمعانی الثلٰثة فقد ظلم ومن جعله داخل المسجد بالمعنیین الاٰخرین و خارج المسجد بالمعنی الاول فهو الذی بالحق حکم وحکم الله ورسوله اجل و احکم جل وعز و تعالٰی و تکرم وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

نفحہ ۲: ظهر مما زهر ولله الحمد سفاهة من تشبث ههنا یقول الراغب فی مفرداته یقول: یقال

فیصلہ ظاہر ہوگیا مگر یہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں، ہم تو اس ظہورِ حق پر اللہ تعالٰی کی حمد ہی کرتے ہیں۔

ثالثاً یہاں بین یدیہ کی حد متعین کرنے کیلئے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم حَکَمُ العدل ہیں اور جو حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے جسے حدیث صحیح سے سنا جاچکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی، تو یہاں قرب کی بحکمِ رسول یہی حد مقرر ہوئی، اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے۔ پس جس نے اس قرب مروی میں اضافہ کرکے داخل مسجد کردیا تو اس نے سنّتِ رسول پر زیادتی کی، اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہر سہ معنی مسجد سے اس کو خارج کردیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا، اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا اس نے حق کے موافق حکم کیا، اور حکم تو اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

نفحہ ۲: الحمد للہ گزشتہ صفحات میں تحقیقات کے جو گلشن لہلہائے ان سے ان صاحب کی ناسمجھی ظاہر ہوگئی جنھوں نے اذان خطیب کے داخل مسجد ہونے پر مفردات امام راغب

هذا الشیئ بین یدیك ای قریبا منك[1] اھ۔ وبکلام الکشاف والمدارك: حقیقة قولھم جلست بین یدی فلان[2] الخ فاولا، لا ننکران اللفظ ربما یلاحظ فیه القرب ولکن قد علمت ان للقرب عرضا بعیدا۔

وثانیا، لم یدران الزیادة فی جلست بین یدیه مستفاد من خصوص الجلوس کما بینا وله ایضا عرض عریض فالوزیر الاعظم والسوقی حضرا فامر السلطان بالجلوس، کلا ھما یقول جلست بین یدی الملك ولکن شتان ما قرب الوزیر وقرب من فی صف النعال اولعله لم یجلس الاعلی عتبة الباب فینقلب السند علی من استند اذ صدق علی من فی الباب کونه بین یدی من فی صدر

اصفہانی کے اس قول سے استدلال کیا، کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تمھارے سامنے ہے یعنی تم سے قریب ہے۔ اور کشاف اور مدارک کے مذکورہ بالا قول سے "میں فلاں کے سامنے بیٹھا الخ" **اولاً** ہم تو اس کا اعتراف ہی کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ بسا اوقات قرب کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن خود قرب میں بھی تو بڑی وسعت ہے۔

ثانیاً انھیں یہ امر محسوس ہی نہ ہوا کہ یہاں لفظ بین یدیہ کے معنی مشترک حاضر ومشاہد پر قرب کی زیادتی جلوس کی خصوصیت سے مستفاد ہے پھر اس جلوس خاص کے بھی متعدد مراتب ہیں ایک بازاری آدمی اور وزیر اعظم دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور دونوں ہی اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا، لیکن دونوں پاس میں کتنا فرق ہوتا ہے کہ وزیر بادشاہ کے ساتھ صدر میں ہوتا ہے اور عام آدمی جوتا نکالنے کی جگہ بلکہ چوکھٹ کے باہر، تو اس لفظ سے قرب پر استدلال الٹ گیا کہ دربار کے دروازہ کی چوکھٹ کے پاس بیٹھنے والا بھی صدر میں بیٹھنے

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۱/۴۹ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۶۵

تفسیر الکشاف " " " " " ۴/۳۴۹

المجلس والمحراب۔

ثالثاً حفظت شيئا وغابت عنك اشياء۔ ايها الراغب الى قول الراغب هل تظنه مخالفا للنصوص التي قدمنا عن ائمة اللغة وجهابذة التفسير ام لا؟ فعلى الاول ما الذي راغبك عنهم الى من شذ وهم الجم الغفير وعلى الثاني الم يكفك ما للحاضر المشاهد من القرب فان الرؤية العادية مشروطلها القرب ام زعمت ان القرب حد معين لا تشكيك فيه فاذن لا يحاورك الا مثلك سفيه وهذا ربنا تبارك وتعالى قائلا وقوله الحق "اقتربت الساعة وانشق القمر"[1] بل قال عزوجل "اقترب للناس حسابهم وهم فى غفلة معرضون[2]" والحساب بعد قيام الساعة بنصف اليوم، واليوم كان مقداره خمسين الف سنة۔

والے کی طرح بین یدیہ اور پاس ہے۔

ثالثاً راغب کے قول میں یہ رغبت ظاہر کرنے والوں کو کچھ یاد رہا اور کچھ بھول گئے کیونکہ مخالف نے امام راغب کے قول کے جو معنی بتائے وہ ان ائمہ لغت وتفسیر کے خلاف ہے یا موافق، اگر خلاف ہے تو آپ نے جمہور ائمہ لغت کی تصریحات کو چھوڑ کر امام راغب کے شاذ قول کی طرف کیوں رغبت ظاہر فرمائی، اور اگر خلاف نہیں تو حاضر ومشاہد میں جتنا قرب ہے اس پر قناعت کیوں نہیں، حالانکہ رؤیت عادیہ کے لئے قریب ہونے کی شرط لابدی ہے، یا تم قرب کی ایک متعین حد مانتے ہو اور اسے کلی مشکک نہیں مانتے۔ پھر تو آپ کا جواب آپ کے جیسا ناسمجھ ہی دے سکے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے قول حق میں فرماتا ہے: "قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہوچکا"۔ بلکہ اسی قدوس وپروردگار نے فرمایا: "لوگوں کے حساب کی گھڑی آپہنچی اور وہ ابھی غفلت میں اعراض کررہے ہیں"۔ حالانکہ حساب قیام قیامت کے بعد آدھا دن گزار کر ہوگا، اس وقت ایک دن کی مقدار آج کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔

---

[1] القرآن الکریم ٥٤/١

[2] " " ٢١/١

ورابعًا، ذکر الامام القدوری فی الکتاب الحرز علٰی ضربین منهما حرز بالحافظ[1] فقال فی الجوھرة النیرة "ھذا اذا کان الحافظ قریبًا منه بحیث یراہ اما اذا بعد بحیث لایراہ فلیس بحافظ اھ[2]" فانظر جعل مایرٰی قریبًا ومانأی بحیث لایرٰی بعیدًا فھذا ھو معنی القرب فی کلام الراغب موافق لما نص علیه الائمة الاطائب۔

وخامسًا، یقول لك الراغب ایاغب انت عن بقیة کلامی یاغفول فان کلامه ھکذا "یقال ھذا الشئ قریبا منك وعلٰی ھذا قوله له مابین ایدینا و مصدقا لما بین یدی من التوراة الخ" وقوله قال الذین کفروا لن نؤمن بھذا القراٰن ولا بالذی بین یدیه ای متقدما له

رابعًا امام قدوری نے اپنی کتاب میں فرمایا، اشیاء کی حفاظت کے دو طریقے ہیں: (۱) نگران کے ذریعہ حفاظت، جوہرہ نیرہ میں اس کی تشریح فرمائی کہ محافظ چیز سے اتنا قریب ہو کہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر اتنا دور ہوگیا کہ چیز نگاہ سے اوجھل ہوگئی تو یہ حفاظت نہیں ہے۔ امام قدوری اور صاحب جوہرہ نے قرب وبُعد کا مدار دیکھنے نہ دیکھنے پر رکھا۔ تو کلام راغب میں بھی قرب سے مراد یہی حاضر و مشاہد ہونا چاہئے۔ جیسا کہ دیگر ائمہ لغت و تفسیر کی تحقیق ہے۔

خامسًا، اس مستدل سے خود امام راغب کو شکایت ہوگی کہ اس نے میری پوری بات یاد نہیں رکھی کیونکہ ان کی پوری بات تو یہ ہے، "محاورہ ہے کہ یہ چیز تمہارے سامنے یعنی تم سے قریب ہے، اللہ تعالٰی کے مندرجہ ذیل اقوال میں لفظ بین یدیہ سے یہی قرب مراد ہے (مثلًا اللہ تعالٰی نے فرشتوں کی زبان سے کہلایا) جو ہمارے سامنے ہے سب خدا کے لئے ہے (اور قرآن کیلئے خود فرمایا) اپنے سے آگے والی کتاب توراة

---

[1] المختصر للقدوری | کتاب السرقة | مطبع مجیدی کانپور | ص ۲۵۰

[2] الجوہرة النیرة | " | مکتبہ امدادیہ ملتان | ۲/ ۲۶۱

من الانجیل و نحوہٖ[1] اھ (باختصار)

کی تائید کرتا ہے۔ اور کافروں کا قول نقل کیا کہ ہم نہ تو قرآن پر ایمان لائیں گے نہ اس سے پہلے کی کتابوں مثلاً انجیل وغیرہ پر۔"

فانظر علیٰ ما حمل القرب و قد جعل مفرعًا علیہ "لہ ما بین ایدینا" اتراہ یقول ان مراد الملٰئکۃ تخصیص ملک اللہ تعالٰی بما یلیھم۔

اس پوری عبارت میں امام راغب نے بین یدیہ کے معنی قریب بتا کر اس کا مصداق لہٗ ما بین ایدینا کو قرار دیا، تو کیا فرشتوں نے ہمارے سامنے کہہ کر صرف اپنے متصل اشیاء مراد لیں کیا صرف وہی اللہ تعالٰی کی ملک ہیں؟

وسادسًا، فرع علیہ "مصدقًا لما بین یدی من التوراۃ[2]" وبینھما الفا سنۃ فاذا لم یمنع ھذا الفصل الکثیر الزمانی من القرب لم یمنع منہ الفصل القلیل المکانی بین المنبر وحرف المسجد و ربما لایبلغ مائۃ ذراع بل ولا فی کثیر من المساجد عشرین۔

سادسًا، اسی معنی قریب کی فرع مصدقًا لما بین یدی من التوراۃ کو کہا جن میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ تو جب یہ عظیم زمانی فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے منافی نہیں، تو قرب مکانی میں مسجد کے حدود اور اس سے متصل زمین کا فاصلہ بین یدیہ کے معنی قرب کے کیا منافی ہوگا جو عام طور سے سو ہاتھ بھی نہیں ہوتا بلکہ کئی مساجد میں بیس ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔

وسابعًا، ثم قال الراغب، انزل علیہ الذکر من بیننا ای من جملتنا، وقولہ: لن نؤمن بھٰذا القراٰن ولا بالذی بین یدیہ ای

سابعًا، اگر امام راغب کے قول "قولہ وقال الذین کفروا کو ماسبق والے قولہ پر ہی معطوف قرار دیجئے، تو اب لگ بھگ تین ہزار سال کا فاصلہ بھی قریب ہی ہوگا اور اس کو جملہ متاخرہ

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۶۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

متقدما له من الانجیل و نحوه[1] انتھی فھذا تفسیر اٰخر لبین یدیہ "اقتصر فیہ علی التقدم من دون تقیید بالقرب فقد افاد کلا الوجھین و اقتصرت علی الاول بالشین والمین۔

قرار دیا جائے۔ تو اب یہ لفظ بین یدیہ کے دوسرے معنی کا بیان ہوگا کہ بین یدیہ کے معنی (جیسے قریب ہوتے ہیں ویسے اس کے ایک معنی) جملہ کتب ماضیہ بھی ہیں جو بعید تر ہیں۔ اسی طرح امام راغب کے ہی بیان سے بین یدیہ کے معنی قریب وبعید دونوں ہی ثابت ہوتے، پھر آپ کو معنی قرب پر اصرار کیوں ہے؟

وثامنًا، سلمنا لك ان مراد الراغب ما ترید ولکن ھذا صاحب رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم السائب بن یزید العربی صاحب اللسان یقول کان یؤذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم علی باب المسجد[2]۔ ھو اعلم باللسان ام انت و راغبك و بالجملة الحدیث فی جبھة حجاجکم کیة لاتمحی فلله الحمد۔

ثامنًا، چلئے ہم نے امام راغب کے قول کی وہی مراد تسلیم کرلی جو آپ کو مرغوب ہے، مگر اس کو کیا کیجئے گا کہ صحابی رسول حضرت سائب بن یزید عربی رضی اللہ عنہ جو خود بھی صاحب زبان ہیں اور آپ اور آپ کے امام راغب دونوں سے زیادہ عربی زبان کی باریکیاں سمجھتے ہیں وہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی کہتے ہیں اور علی باب المسجد بھی کہتے ہیں۔ یہ حدیث گرامی تو آپ کی کٹھ حجتی کے منہ پر ایسی مہر ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے۔ ہم اس پر اللہ تعالٰی کی حمد بجالاتے ہیں۔

تاسعًا، اعترف ھذا المستدل بان بین یدیہ فی بعض المواضع بحسب المقام تکون خالیًا عن

تاسعًا، مستدل نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ بین یدیہ بعض مواقع میں قرب سے خالی بھی ہوتا ہے۔ اور صرف سامنے اور

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن الیاء مع الباء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۶۶
[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۵

معنی القرب والا علی مجرد المحاذاة ۔ قال کما صار واقعًا فی بعض الاٰیات القراٰنیة ایضا لکن ھٰھنا ای فی مسئلة الاذان لم یصرح بھٰذا فی کتاب (اھ مترجما) فقد اقر ان بین یدیه یستعمل علی کلا الوجهین وانه ورد فی القراٰن العظیم ایضا بالوجهین ثم یقول لم یصرح به ھٰھنا فی کتاب ۔ یا مسکین انت المستدل واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فما ینفعك عدم التصریح به انما کان علیك ان تبدی تصریحا بنفیه ولکن الجهل بمسالك الاحتجاج یاتی بالعجائب ۔

مقابل کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ بعض آیاتِ قرآنی میں بھی واقع ہوا ہے ۔ مگر مسئلہ اذان میں جو لفظ بین یدیه آیا ہے اس کے معنی صرف وہ محاذاۃ ہے جو قرب سے خالی ہو ۔ اس کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے اھ۔ مقام حیرت ہے کہ "بین یدیه" کو قریب وبعید دونوں کیلئے مان کر اور یہ تسلیم کرکے کہ قرآن عظیم میں ایسا وارد ہے ۔ اور مستدل ہو کر سادگی سے یہ کہنا کہ مسئلہ متنازعہ میں بین یدیه کے معنی بعید ہونے کی تصریح کہیں سے ثابت نہیں (الٹی بھیرویں الاپنا ہے) اس عدم ثبوت سے مستدل کو کیا فائدہ پہنچے گا ۔ آپ کا استدلال تو اس احتمال کے تسلیم کرتے ہی ختم ہوگیا کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اب تو اگر آپ یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ مسئلہ اذان میں اس لفظ کے معنی بعید نہیں مراد ہیں ، تو بات بنتی ' اور یہ آپ کے بس سے باہر ہے جبھی تو معنی محتمل مراد نہ ہونے کی تصریح کے عدم سے استدلال کرنے لگے ۔ سبحان اللہ ! یہ بھی پتہ نہیں کہ مستدل کا موقف کیا ہے اور معترض کو کس بات سے فائدہ پہنچتا ہے ۔

ثم قوله لما لا یریده ولا یرضاه کما صار واقعا فی بعض اٰیات القراٰت ایضًا یلمح الی شئ اصعب فان مثل هذا الکلام فی مثل هذا المقام یقال

اسلوبِ بیان کی خامی

یہ جملہ جیسا کہ قرآن کی بعض آیات میں واقع ہوا ' یہ بتانے کے لئے بولتے ہیں کہ یہ جو واقع ہوا سہوًا وخطاءً

لما وقع سهوًا وخطاءً على خلاف الجادة نسأل الله العفو و العافية۔

واقع ہوا۔ کیا قرآنی آیات کے لئے یہ اسلوب بیان صحیح ہے۔ اللہ تعالٰی سے ہم عفو کے طالب ہیں۔

عاشرًا، اذ قد ثبت فی القراٰن العظیم فلو انت راغب عنہ الی قول الراغب و تزعم ان المفاد ھو الذی قالہ لا ما وقع فی القراٰن الکریم فان زعمت ان ما انت فیہ لیس محلہ کان علیك ابداء ما ھو محلہ وانہ فی القراٰن لاھٰھنا و اثبات کل ذٰلك بالبیّنة والا فلم تقر بانہ فی القراٰن المجید ثم انت عنہ تحید ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العزیز الحمید۔

عاشرًا، جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ "بین یدیہ" کے معنی قرآن میں بعید مقابل کے لئے ہے تو اس سے منہ موڑ کر اس کو راغب کے بیان کے مطابق قریب لینے کی کیا وجہ ہے۔ اگر کوئی وجہ فرق تھی تو آپ کو دونوں ہی پہلو کے لئے دلیل دینی چاہئے تھی کہ قرآن میں بعید ہونے کی یہ وجہ ہے اور اذان میں قریب مراد ہونے کی دلیل یہ ہے۔ اور جب آپ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں، تو قرآن عظیم سے رُخ موڑ کر راغب کا دامن پکڑنا کار ذلیل ہے۔

نفحہ ۳: نص ائمتنا فی الاصول أن "عند للحضور" قال الامام الاجل فخر الاسلام البزدوی فی اصولہ، والامام صدر الشریعة فی التنقیح و التوضیح، و اقرہ العلامة سعد التفتازانی فی التلویح (عند للحضرة)[1] و فی تحریر المحقق علی الاطلاق وشرحہ التقریر لتلمیذہ المحقق الحلبی (عند للحضرة) الحسیة

نفحہ ۳: ہمارے اماموں نے اصول کی کتابوں میں تحریر فرمایا کہ عند حضور کے لئے ہے، چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی نے اپنے اصول میں اور امام صدر الشریعۃ نے تنقیح و توضیح میں اور علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا کہ 'عند' حضور کے لئے ہے۔ محقق علی الاطلاق اور ان کے شاگرد رشید محقق حلبی کی شرح تقریر میں ہے کہ عند حضور حسی کے لئے ہے جیسے آیۂ کریمہ فلما راٰہ مستقرا عندہٗ،

---

[1] اصول البزدوی باب حروف الجر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

نحو فلما رآہ مستقرا عندہ، والمعنویۃ نحو قال الذی عندہ علم من الکتب[1] اھ وقال الامام الاجل ابوالبرکات النسفی فی المنار وشرحہ کشف الاسرار والعلامۃ شمس الدین الفناری فی الفصول البدائع فی الاصول الشرائع والعلامۃ مولٰی خسرو فی مرأۃ الاصول وشرحہ مرقاۃ الوصول (عند للحضرۃ الحقیقیۃ او الحکمیۃ اھ[2]) وفی مسلم الثبوت للمدقق البھاری وشرحہ فواتح الرحموت للملک العلماء بحرالعلوم عبدالعلی (عند للحضرۃ الحسیۃ) نحو عندی کوز (والمعنویۃ) نحو عندی دین لفلان[3] اھ۔ ومعلوم ان کل حاضر بالرأی وکل ما بالرأی قریب فلا القرب ینکر ولا فی الاتصال یحصر فمفاد عند اوسع من مفاد "بین یدیہ" فضلًا عن ان یزید ضیقا علیہ، وقد فرقوا بین لدی

اور حضور معنوی کے لئے جیسے وقال الذی عندہ علم من الکتاب اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا۔ اور اسی طرح امام اجل ابوالبرکات نسفی نے منار میں اور اس کی شرح کشف الاسرار میں اور علامہ شمس الدین الفناری نے فصول البدائع فی اصول الشرائع میں، مولا خسرو نے مرأت الاصول اور اس کی شرح مرقات الوصول میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی یا حکمی کے لئے آتا ہے۔ مدقق بہاری نے مسلم الثبوت میں، ملک العلماء بحرالعلوم نے فواتح الرحموت میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی کے لئے ہے، جیسے عندی کوز (میرے پاس پیالہ ہے) اور معنوی کے لئے جیسے عندی دین لفلان (مجھ پر فلاں کا قرضہ ہے)۔ اور یہ بالکل واضح ہے کہ حاضر پیش نگاہ ہے، اور جو پیش نگاہ ہے قریب ہی کہا جائے گا۔ تو نہ تو عند کے معنی سے قرب کے انکار کی گنجائش، اور نہ عند کے لئے ساتھ چپکا ہونا ضروری ہے اور سچ پوچھو تو عند اپنے مفاد میں بین یدیہ سے بھی زیادہ وسیع ہے نہ یہ کہ

---

[1] التقریر والتحبیر مسئلہ عند للحضرۃ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۰۱

[2] مرقاۃ الوصول شرح مرآۃ الاصول
فصول البدائع فی اصول الشرائع

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسائل الظروف مسئلہ عند للحضرۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۲۵۰

وعند بان عند یستعمل فی القریب والبعید ولدی مختص بالقریب۔ قال الرضی فی شرح الکافیۃ، عند اعم تصرفا من لدی لان عند یستعمل فی الحاضر القریب وفیما ھو فی حزنک وان کان بعیدًا بخلاف لدی فانہ لایستعمل فی البعید[1] والقرب کما علمت ذووسع لبعید ولنوضح ھٰھنا ایضًا بآیات الکلام الحمید۔

عند کو بین یدیہ سے تنگ مانا جائے۔ چنانچہ عند اور لدی میں یہی فرق بیان کیا جاتا ہے کہ عند قریب وبعید دونوں کے لئے ہے اور لدی خاص طور سے قریب پر دلالت کرتا ہے۔ رضی نحوی نے شرح کافیہ میں تحریر کیا: "عند اپنے تصرفات میں لدی سے اعم ہے کہ وہ پاس اور دُور دونوں میں مستعمل ہے اور لدی کا استعمال بعید میں ہوتا ہی نہیں ہے۔" اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ خود قریب کی جولانگاہ بھی بہت وسیع ہے، مزید آیاتِ قرآنیہ سے ہم اسے واضح کرتے ہیں:

(۱) قال اللہ عزوجل،

"ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ[2] (الآیۃ)"۔

(۱) اللہ تعالٰی نے فرمایا:

"جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔"

ومرت فی النفحۃ الاولی القرآنیۃ امر کل من فی مشھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغض الصوت ولایختص بالذی یلیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فسواء فیہ من لدیہ ومن علی الباب کلھم عند رسول اللہ بلاارتیاب

نفحۂ اولٰی قرآنیہ میں ہم واضح کر آئے ہیں کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیشِ نگاہ ہو حضور کے بالکل پاس بیٹھنے والوں کے لئے کچھ خاص نہیں بلکہ جو پاس ہے اور جو بابِ مسجد کے پاس ہے سب کے لئے یہی حکم ہے۔ محرابِ رسول اور دروازۂ مسجد پر بیٹھنے والے دونوں ہی عند رسول اللہ کہے جائیں گے۔ سبھی

---

[1] الرضی فی شرح الکافیۃ "الظروف" لدی ولدن وقط وعوض دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۴۹/۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یحل لاحد ان یصیح ویصرخ فی حضرتہ او یرفع صوتا فوق ضرورتہ ولوکان مفاد "عند" مایزعمون لشمل ھذا الوعد الجمیل بمغفرۃ واجر عظیم من قام بحضرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی فصل عدۃ اذرع فجعل یصیح معا آخر صیاحا شدیدا منکرا فاذا کان منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بفصل شبر مثلا او تکلم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غض صوتہ وھذا لا یقول بہ مسلم لہ عقل۔

کے لئے چیخنا اور چلانا منع ہے بلکہ یہ کہتے کہ ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا منع ہے۔ اور اس مقام پر اگر عند کے وہی معنی ہوں جو یہ لوگ اذان عند منبر میں مراد لیتے ہیں تو آواز پست رکھنے پر مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا مستحق وہ بے ادب بھی ہو جائے گا جو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چند ہاتھ کی دُوری پر کھڑا چیخ رہا ہو، یا صرف اس کے لئے خاص ہوگی جو حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بالشت کی دُوری پر کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز میں بات کرے یا خود حضور ہی سے کلام کرے، اور چار ہاتھ دُور کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز سے بات کرے تو وہ دائرہ رحمت و مغفرت سے باہر ہے کہ (وہ عند رسول اللہ نہیں) بھلا کون عقلمند مسلمان ایسا کہہ سکے گا۔

(۲) قال جل وعلا،

ھم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا[1]

وھذا اوسع من ذالک یشمل کل من فی خدمتہ وان لم یکن الاٰن فی حضرتہ۔

(۲) ارشادِ الٰہی ہے،

"یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس رہنے والوں پر کچھ خرچ نہ کرو تاکہ یہ اِدھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔"

یہاں عند کا مفہوم پہلے والی آیت سے بھی وسیع ہے کیونکہ یہاں تو عند سے مراد وہ سبھی لوگ ہیں جو حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہیں اگرچہ فی الحال حضور سے بہت دُور ہوں۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/۷

(۳) قال تبارك و تعالٰی: "یقولون طاعۃ فاذا برزوا من عندك بیت طائفۃ منھم غیرالذی تقول واللہ یکتب ما یبیتون[۱]"۔

ھذا فی المنافقین وما کانوا یلونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المجلس انما کان ذٰلك لابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما ثم لایختص بمن کان اقرب منھم بالنسبۃ الی الاٰخر یشمل ھو جمیعًا۔

(۳) اللہ تبارک وتعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے (کہ منافق آپ کے سامنے کہتے ہیں) "ہم آپ کے فرمانبردار ہیں، اور جب آپ کے پاس سے دور ہوجاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت اس کے خلاف بولنے لگتی جو آپ کے سامنے کہہ چکے"۔

یہ منافقین کے حال کا بیان ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ منافقین رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں آپ کے بالکل پاس نہیں بیٹھتے تھے، قریب کی جگہ تو ابوبکر و عمر، عثمان و علی و دیگر مخلصین صحابہ کے لئے تھی منافقین تو اِدھر اُدھر آنکھ بچاکر بیٹھتے تھے، اگر کچھ کسی مجبوری سے آپ کے سامنے بیٹھ بھی گئے ہوں تو عندکہ کر سبھی منافقین مراد ہیں۔ قریب بیٹھنے والے ہوں یا دُور۔

(۴) قال المولٰی سبحانہٗ وتعالٰی، "ان المتقین فی جنّٰت و نھر فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر[۲]"

عمت کل متق ولکن این احاد الصلحاء من العلماء و العلماء من الاولیاء والاولیاء من الصحابۃ والصحابۃ من الانبیاء

(۴) اللہ تعالٰے نے فرمایا:

"بے شک متقین باغوں اور نہروں میں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور رہوں گے"۔

یہ آیت تو سارے ہی متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن اس میں کہاں بہ نسبت علماء کے کسی صالح مسلمان کا درجہ، اور بہ نسبت اولیاء کے کسی عالم کا درجہ، اور بہ نسبت انبیاء کے

---

[۱] القرآن الکریم ۴/ ۸۱

[۲] 〃 〃 ۵۴/ ۵۴ و ۵۵

والانبیاء من سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرق لایقدر ولایقدر بشران یتصور اعظم بالوف الاف مرّات ممّا بین الفلك الاعلٰی وما تحت الثرٰی وقد شملت کلھم عند۔

(۵) مثلہ قولہ عزوجل؛

"اِنّ للمتقین عند ربھم جنّٰت النعیم[1]"

(٦) فی اٰیۃ اُخرٰی وقال العلی الاعلی تبارك وتعالٰی؛

"اذ قالت ربّ ابن لی عندك بیتًا فی الجنّۃ۔"[2]

ومعلوم ان اللہ تعالٰی قد استجاب لھا وقد فرج لھا فی الدنیا عن بیتھا کما فی حدیث سلمان[3] وحدیث ابی ھریرۃ بسند صحیح رضی اللہ تعالٰی عنھما وما کانت لتطلب اقرب المنازل وان تفضل علی الانبیاء والرسل علیھم وعلیھا الصلوٰۃ والسلام بل قربًا یلیق بھا وان لم یساوِ ما لخدیجۃ وفاطمۃ وعائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھن

کسی ولی کا درجہ، اور کہاں سیدالانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا درجہ، ان مراتب میں تو فلک الافلاک اور تحت الثرٰی سے بھی زیادہ فاصلہ ہے مگر سب کو عند اللہ سے بیان کیا گیا ہے۔

(۵) اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:
"بے شک متقین کے لئے رب کے پاس جنت نعیم ہے۔"

(٦) دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالٰی نے فرمایا؛
"اس نے دعا مانگی یا اللہ! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنادے۔"

(مذکورہ بالا آیت کے تحت) حضرت سلمان وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان پاک بی بی کی دعا قبول کرلی، توکیا وہ انبیاء واولیاء سے بھی زیادہ قربِ الٰہی کی طالب تھیں۔ وہ تو اس کی خواستگار تھیں کہ قرب کا وہ مقام جو ان کے لائق ہو، چاہے حضرت خدیجہ وفاطمہ وعائشہ رضوان اللہ تعالٰی عنہن کے درجہ کے ہم پلہ بھی نہ ہو، چہ جائیکہ

---

[1] القرآن الکریم ٦٨/ ٣٤
[2] 〃 〃 ٦٦/ ١١
[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ٦٦/ ١١ داراحیاء التراث العربی بیروت ٢٨/ ١٩٢
الدرالمنثور 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ٨/ ٢١٣

فضلاعن الانبیاء الکرام علیہم الصلٰوۃ والسلام۔

(۷) وقال عزوعلا فی الشہداء، "بل احیاء عند ربہم"[1]

واین رجل من احاد الشہداء من سیدھم حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بل من نبی اللہ یحیٰی وغیرہ ممن استشہد من الانبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام۔

(۸) قال جل ذکرہ فی الملٰئکۃ، "ان الذین عند ربک"[2]

وتفاوتہم فیما بینہم معلوم غیر مفہوم "وما منا الا لہ مقام معلوم"[3]

(۹) قال عزمن قائل: "وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم"[4]

وماکان لمکرالکفار ان یکون

انبیاء، اولیاء عظام علیہم الرحمۃ والرضوان کے درجہ کے برابر ہو۔

(۷) اللہ تعالٰی نے شہدائے کرام کے بارے میں ارشاد فرمایا: "شہداء اللہ تعالٰی کے پاس زندہ ہیں۔"

توبھلا کہاں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام بلند اور کہاں اللہ تعالٰی کے نبی یحیٰی علیہ السلام کا مقام بلند اور کہاں عام شہداء کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی منزل، بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شہادت پانے والوں کی منزلیں۔

(۸) اللہ تعالٰی فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: "جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں۔"

ان فرشتوں میں باہم درجات کا کتنا تفاوت ہے، ہم اس کی حقیقت تو نہیں جان سکتے مگر تفاوت ہونا یقیناً معلوم ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک متعین مقام ہے۔

(۹) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: "کافروں نے خدا سے مکر کیا، ان کا مکر تو خدا ہی کے پاس ہے۔"

کافروں کے مکر کے لئے اللہ تعالٰی سے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۹
[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۸
[3] " " " ۳۷/ ۱۶۴
[4] " " " ۱۴/ ۴۶

لہ قرب من العزیز الجبار لا مکانًا لاستحالتہ ولا مکانۃ لاستہانتہ وانما ھو للحضور ای حاضر بین یدیہ لایخفی علیہ فیرجع الی معنی العلم۔

کوئی قرب نہیں، نہ قربِ مکانی کہ یہ ذات باری کے لئے محال ہے نہ قربِ مرتبی کہ یہ تو نہایت ذلیل چیز ہے۔ لامحالہ اس آیت میں قُرب سے مراد حضور ہے یعنی یہ اللہ تعالٰی کے سامنے ہے اس سے پوشیدہ نہیں۔ تو یہ حضور علمی ہوا۔

(۱۰) قال سبحانہ مااعظم شانہ، "ثم محلھا الی البیت العتیق"[1] یعنی البدن قال فی المعالم "ای عند البیت العتیق یرید ارض الحرم کلھا قال فلا یقربوا المسجد الحرام ای الحرم کلہ اھ"[2] جعل جمیع اجزاء الحرم اذ کلھا منحر عند البیت العتیق و معلوم ان کثیرا منھا علی فصل فراسخ من البیت الکریم۔

(۱۰) اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: "قربانی کے جانور ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے"۔ معالم التنزیل میں فرمایا: الی البیت العتیق کا مطلب عند البیت العتیق ہے یعنی حرم کی پوری زمین (چنانچہ دوسری جگہ) ارشاد ہُوا پورے حرم کے قریب نہ جاؤ۔ آیت مذکورہ بالا میں پورے حرم کو منحر عند البیت العتیق قرار دیا، جب کہ حدود حرم مختلف جہات میں بیت اللہ شریف سے کوسوں دُوری پر ہے۔

(۱۱) تری التابعین یقولون فی احادیثھم کنا عند عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا فلا ادری علی ای قرب یحملہ المبطلون۔

(۱۱) احادیثِ کریمہ میں بہت سے تابعین فرماتے ہیں: ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس تھے، پتہ نہیں یہ باطل کوش یہاں قربت کو کتنے قرب پر محمول کریں گے۔

(۱۲) یقول الحاجب جئت من عند الملک وما کان الاعلی

(۱۲) دربان کہتا ہے میں ابھی بادشاہ کے پاس سے آرہا ہوں، حالانکہ وہ دروازہ سے

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۲۲/ ۳۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۴۲

الباب۔

آگے بڑھ نہیں سکتا۔

(۱۳) یقول مکی بیتی عند باب السلام وبما کان بینھما اکثر من مائتی ذراع۔

(۱۳) مکہ کا رہنے والا اپنا پتہ بتاتا ہے کہ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے حالانکہ بسا اوقات دونوں کا فاصلہ دو سَو ہاتھ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۴) یقول التلمیذ جلست عند شیخی ثلث سنین کوامل وان لم یکن قیامہ الا فی مسجدہ وجلوسہ الا فی اخریات مجلسہ۔

(۱۴) شاگرد استاذ سے اپنا تعلق بتاتے ہوئے کہتا ہے میں اپنے استاذ کے پاس مکمل تین سال رہا، حالانکہ قیام اس کا مسجد میں ہوتا ہے، اور شیخ کی مجلس میں اسے آخری صف میں بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔

(۱۵) اتوخذ لفظۃ عند من کلام بعض الفقہاء ولا یوخذ ما ابانوا من معنی عند، قال فی الکتاب الھدایۃ والکنز والتنویر وغیرھا واللفظ للکنز: من سرق من المسجد متاعاً وربہٗ عندہ قطع[1] اھ۔ فقال علیہ فی شروحھا المجتبٰی وفتح القدیر وبحر الرائق والدر المختار وغیرھا والنظم للدر:

"عندہ ای بحیث یراہ[2] اھ۔"

(۱۵) یہ کہاں کا انصاف ہے، فقہاء کے کلام میں آئے ہُوئے لفظ عند سے تو اذانِ ثانی کے متصل منبر ہونے پر استدلال کیا جائے۔ اور فقہائے کرام نے خود لفظ عند کے جو معنٰی بتائے ہیں اس سے رُوگردانی کی جائے۔ ہدایہ، کنز، تنویر وغیرہا میں فرمایا، عبارت کنز کی ہے:

"جس نے مسجد سے ایسا سامان چرایا جس کا مالک سامان کے پاس تھا اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔"

ان کی شروح مجتبٰی، فتح القدیر، بحر الرائق اور درمختار میں فرمایا، الفاظ درمختار کے ہیں:

"سامان کے مالک کے پاس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی دُور ہو جہاں سے اپنا سامان دیکھ رہا ہو۔"

---

[1] کنز الدقائق کتاب السرقۃ فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۹

[2] الدر المختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۴

فظهران معنی عند لایزید علی ما بینّا من مفاد بین یدیه ولا دلالۃ لشیئ منہما ان الاذان داخل المسجد فضلاً عن کونہ لصیق المنبر ولکن اذا رسخ فی القلب وھم فکلما یراہ یتخیلہ ایاہ وکلما یسمع یتوھمہ بمعناہ کما قیل لسغبان واحد مع واحد کم یصیر قال خبزان۔

مذکورہ بالا شواہد سے یہ ثابت ہوگیا کہ عند کے معنی بھی اس سے زیادہ نہیں جو ہم نے "بین یدیہ" کے معنی میں بیان کیا اور ان دونوں لفظوں کی کوئی دلالت اذان کے داخل مسجد ہونے پر نہیں، چہ جائیکہ منبر سے متصل مراد لی جائے۔ مگر جب کوئی وہم آدمی کے دماغ میں جم جاتا ہے تو وہ جو چیز بھی دیکھتا ہے اسی کو وہی وہمی چیز سمجھتا ہے اور کوئی بات سنتا ہے تو وہی چیز اس کے خیال میں آتی ہے، جیسا کہ بھوکے سے پوچھا جائے کہ ایک ایک کتنا ہوتا ہے، تو وہ جواب دیتا ہے دو روٹی۔

نفحہ۴: استبان مما بان وللہ الحمد جہالۃ من تمسک ھنا بقول الراغب "عند" لفظ موضوع للقرب فتارۃ یستعمل فی المکان وتارۃ فی الاعتقاد نحو ان یقال عندی کذا وتارۃ فی الزلفی والمنزلۃ[1] اھ" وقول المبسوط "عند عبارۃ عن القرب[2]"

نفحہ۴: الحمدللہ رب العالمین گزشتہ اظہار سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہوگئی جو اس موقعہ پر بھی امام راغب کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ "لفظ عند قرب کے لئے وضع کیا گیا ہے تو کبھی مکان کیلئے ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے لئے، جیسے کوئی کہے میرے پاس ایسا ہے اور کبھی رتبہ اور مرتبہ کے لئے ہوتا ہے"۔ یا مبسوط میں امام سرخسی کے قول سے استدلال کرتے ہیں؛ "عند قرب بیان کرنے کے لئے ہے"۔

وبان ترجمتہ بالفارسیۃ نزد وبالہندیۃ

عند کا ترجمہ فارسی میں "نزد" اور ہندی

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون تحت اللفظ "عند" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۵

[2] المبسوط للسرخسی کتاب الکفالۃ باب الکفالۃ بالنفس دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹/ ۲۲۲

پاس۔ وقد افدناك من موارد القرب مایغنی عن اعادته وجمیع الآیات التی تلونا انما ترجموا عند فیھا باللسانین بلفظة "نزد وپاس" مع ما فیھا من العرض العریض کما بیّنا۔

میں "پاس" ہے کیونکہ ہم نے قرب کے تمام موارد کا ذکر کر دیا ہے جس کے لئے آیات کے اعادہ کی ضرورت نہیں، اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ان تمام آیتوں میں لفظ "عند" کا ترجمہ دونوں زبانوں میں لفظ نزد و پاس سے کیا گیا ہے جبکہ ان موارد میں قرب کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔

وکذٰلك فی اقتربت الساعة[1] وفی اقترب للناس حسابھم[2]، وغیر ذٰلك مما لا یخفی علی الصبیان، وقد سئلنا ھم مرارًا عن مسئلة فقھیة فلم یجب احد منھم الی الاٰن وکیف یجیبوا ومالھم بہ یدان واذا بزغ الحق کل اللسان۔

اور خود لفظِ قرب کا بھی یہی حال ہے جیسا کہ آیت اقتربت الساعة (قیامت قریب ہوئی) اور آیۃ اقترب للناس حسابھم (لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب ہُوا) وغیرہ سے ظاہر ہے (کہ لفظِ قُرب اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے) اور یہ بات بچّوں تک کو واضح ہے۔ ہم نے ان سے بارہا ایک مسئلہ پوچھا جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا، اور وہ کیسے جواب دیتے، وہی جواب تو خود ان پر لوٹتا۔ بات یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں۔

صورتھا زید صنع منبرا تبلغ قیمتہٗ دینارًا عشرة دراھم او اکثر وھو خفیف بحیث یذھب بہ رجل واحد لا ینؤا بہ ولا یؤدہ شیئ من

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید نے ایک دینار مساوی دس درم یا زائد کا ایک ہلکا پھلکا منبر بنایا جسے ایک آدمی بلا تکلّف و بے زحمت و مشقت جہاں چاہے اٹھائے جائے۔ اذان منبر

---

[1] القرآن الکریم ۵۴/۱

[2] " " ۲۱/۱

حمله واذهابه فاذا جاء فی المسجد حین المنبرکان المتولی لیستعیرہ من مالکه ثم اذا فرغ یردہ الیه و ذات یوم قضیت الصلوٰۃ وانتشروا فی الارض والمنبربعد فی مکانه و مالکه قام بحذائه علی باب المسجد اوفی فنائه اذ دخل وھابی من باب اٰخر مسترقا وحانت التفاتة من زید فاخذ المنبروشرد فھل یقطع ھٰذا الوھابی السارق شرعًا ام لا۔ فان قالوا لافقد خالفوا نصوص الائمة اذ قالوا "من سرق من المسجد متاعا وربه عندہ بحیث یراہ قطع[1]"۔ وان قالوا نعم فقد کان شرط القطع ان یکون ربه عندہ لیکون محرزًا بالحافظ اذالمسجد لیس بحرز فقد اعترفوا ان القائم علی باب المسجد او فی حدودہ او فنائه حذاء

کے وقت زید اسے مسجد میں لے کر پہنچا، متولی مسجد نے اسے مالک سے عاریۃً مانگ لیا کہ نماز سے فارغ ہوکر واپس کردیں گے۔ بعد نماز لوگ تو ادھر اُدھر منتشر ہوگئے اور منبر وہیں پڑا رہ گیا اور مالک سامنے مسجد کے دروازہ پر یا حدودِ مسجد کے اندر کھڑا رہ کر اسے دیکھتا اور نگرانی کرتا رہا۔ اس اثناء میں ایک وہابی چوری کی نیت سے مسجد کے اندر دوسرے دروازے سے داخل ہوا اور مالک کے ایک ذرا رُخ پھیرنے کا انتظار کرتا رہا، جیسے ہی مہلت پائی منبر لے کر نکل بھاگا۔ سوال یہ ہے کہ وہ وہابی چوری کی علت میں ماخوذ ہوگا یا نہیں اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ تو داخلِ مسجد اذان کے حامی اگر یہ جواب دیں کہ نہیں تو ائمۂ فقہ کی نصِ صریح کے خلاف ہوگا کہ ان کا ارشاد ہے: "جس نے مسجد کے اندر کے سامان کو چرایا جبکہ مالک اس سامان کے پاس ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان نظر آرہا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔" اگر یہ جواب دیں کہ ہاتھ کاٹا جائیگا تو کاٹنے کی شرط یہ تھی کہ مالک سامان کے اتنے پاس ہو کہ اسکا محافظ قرار دیا جائے، کیونکہ مسجد خود محفوظ جگہ نہیں تو ان لوگوں نے یہ اعتراف کرلیا کہ مسجد کے دروازے

---

[1] بحر الرائق کتاب السرقۃ فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۵۹
الدر المختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۳۴

المنبر قائم عند المنبر فثبت ان الاذان فی فناء المسجد بحذاء المنبر اذان عند المنبر وذٰلک ما اردناہ وللّٰہ الحمد حمدا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ کما یحبہ ویرضاہ۔

کے پاس اس کے فنا میں منبر کے سامنے کھڑا ہونے والا منبر کے پاس ہی ہے۔ یہ تو ہمارا دعوٰی تھا جس کا اعتراف مخالف نے کیا۔ اللہ تعالٰی کے لئے بے شمار پاک اور مبارک تعریفیں جس سے وُہ راضی ہو اور جسے پسند کرے۔

نفحہ ۵: لئن نزلنا الٰی مثل مدارکھم فلا شک ان عند ظرف زمان ومکان قال تعالٰی: خذوا زینتکم عند کل مسجد[1]" ای ثیابکم وقت کل صلٰوۃ۔ والوقت یضاف الی الامکنۃ وللاجسام ایضا اذا کان لہ اختصاص بہا۔ قال تعالٰی "یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم[2]"

نفحہ ۵: اگر ہم ان لوگوں کے معیارِ فہم پر اُتر کر بھی بات کریں تو اتنا تو سب پر ظاہر ہے کہ عند ظرفِ زمان اور ظرفِ مکان دونوں ہی کے لئے ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے: "ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرو۔" یعنی ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو، اور خود وقت بھی مکان اور اجسام دونوں ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے جب کہ وقت کے ساتھ ان کو کوئی خصوصیت ہو۔ ارشادِ الٰہی ہے: "اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے۔"

وانما حنین اسم مکان وکذا یوم بدر، یوم احد، یوم الدار، لیلۃ عقبۃ، لیلۃ المعراج، لیلۃ الغار۔ فی الصحیحین "من لہا یوم السبع[3]" سَبْع بسکون الباء مکان المحشر

حُنین ایک جگہ کا نام ہے۔ یہی حال یومِ بدر، یومِ اُحد، یومِ دار، لیلۃ العقبہ، لیلۃ المعراج اور لیلۃ الغار کا ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے: "ومن لہا یوم السبع" سَبْع کا لفظ باء کے سکون کے ساتھ بھی مروی ہے

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۳۱
[2] " " ۹/ ۲۵
[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب منہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

او بضمتها الحیوان المفترس و علیه الاکثر ولا شك ان لهذا الوقت اختصاصًا بالمنبر ای وقته وحینه۔

تو لفظ سبع سے مراد مکان محشر ہوگا، اور باء کے ضمہ کے ساتھ تو شیر مراد ہوگا۔ اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے۔ پس ان مقامات میں یوم کی نسبت مقام کی طرف ہے۔ تو ایسا کیوں صحیح نہ ہوگا کہ اذان عندالمنبر کے معنیٰ اذانِ وقت منبر ہو، کیونکہ اس اذان کو منبر سے ایک نسبت خاص ہے۔

نفحہ ٦: احتجوا بقول بعضهم "علی المنبر" فمن هٰؤلاء من یفسره بعند وقد علمت ان لیس فی عند ما یقر اعینهم واجهلهم یقول "علیٰ" هٰهنا بمعنی الباء یرید ان الباء للالصاق فکان الاذان ملاصق المنبر مع ان الالصاق الذی فی الباء لیس قطعًا بمعنی الاتصال الحقیقی تقول مررت بزید اذا مررت بحیث تراه وان کان بینکما اکثر مما بین المنبر و الباب، قال تعالٰی: وکاین من اٰیة فی السمٰوٰت والارض یمرون علیها وهم عنها معرضون[1] هٰهُنا لفظة علیٰ نفسها وانت لا یبلغ الاسباب

نفحہ ٦: اذانیوں نے بعض فقہاء کے قول اذان علی المنبر سے استدلال کیا تو ان میں سے بعض نے علیٰ کی تفسیر عند سے کی۔ اور ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں کہ خود لفظ عند میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے دل کو چین ملے۔ اور ان میں سب سے بڑے جاہل نے کہا کہ علیٰ معنیٰ میں باء کے ہے مطلب یہ کہ باء الصاق کے لئے آتا ہے۔ تو لفظ اذان علی المنبر کا مطلب ہوگا وہ اذان جو منبر کے متصل ہو۔ اس بات سے قطع نظر کہ یہاں علیٰ کا باء کے معنیٰ میں ہونا خود محلِ نظر ہے لطف یہ ہے کہ خود الصاق کے معنیٰ اتصال حقیقی نہیں ہیں۔ عربی کے اس قول مررت بزید (میں زید کے ساتھ چلا) کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چپک کر چلا۔ بلکہ تم زید کے پیچھے پیچھے منبر اور دروازۂ مسجد کی دوری سے زائد فاصلہ پر بھی چلو اس طرح کہ تمہاری نظر زید پر رہے، تو تم کہہ سکتے ہو کہ میں زید کے ساتھ چلا۔ اللہ تبارک وتعالےٰ

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۵

اسباب السمٰوٰت حتی تلتصق باٰیاتها انما المعنی تمر بحیث تراها" وامثلهم طریقة یقول ان بعض الفقهاء اتی بعلٰی تاکیدا" اللقرب یرید ان المراد المبالغة فی القرب حتی کانه علیه فوقه وکل هذا من هوساتهم۔

ارشاد فرماتا ہے "آسمان وزمین میں کتنی آیتیں ہیں جن پر وہ گزرتے ہیں اور وہ ان آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔" اس آیت میں خود لفظ علٰی ہی ہے تو کیا تم علٰی کو الصاق کے معنٰی میں لے کر آسمانی آیتوں سے متصل ہونے کے لئے آسمانوں تک بلند ہونے کی طاقت رکھتے ہو۔ پس اس آیت میں لامحالہ تمرّون علیها کے یہی معنٰی مراد لینے ہونگے کہ تم ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے ہو (اس حال میں کہ تم میں اور ان آیتوں میں آسمان و زمین کی دُوری تھی) اور ان میں سب سے زیادہ سلیم الطبع نے یہ تشریح کی کہ بعض فقہاء کی عبارت میں علی المنبر کا لفظ قرب کی تاکید کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ مراد مبالغہ فی القرب ہے یعنی منبر کے اتنا قریب کہ گویا منبر پر ہی ہو لیکن یہ بھی ان کی ہوس ہی ہے۔

فاولاً، قد اجمع العقلاء ان اللفظ متٰی احتمل الحقیقة لامجاز عنها الی المجاز و معلوم ان علی بمعنی عند او بمعنی الباء او للمبالغة کل ذٰلك مجاز وهی حقیقة فی اللزوم۔ ففی اصول الامام شمس الائمة ثم کشف الامام البخاری "اما علی فللالزام باعتبار اصل الوضع"[1] اھ۔

اوّلاً تمام اہل زبان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ علٰی کو عند یا باء یا مبالغہ کے لئے لینا، اس کے معنی مجازی ہوں گے کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ اصول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں ہے "علٰی اصل وضع کے اعتبار سے الزام کے لئے ہے۔"

---

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی بحث حروف الجر "کلمة علٰی" دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۷۳

وفی تحریر الامام ابن الھمام وتقریر الامام ابن امیر الحاج: "وھو ای اللزوم ھو معنی الحقیقی اھ[1]"۔ وفی الرضی الکافیۃ: "منہ سر علٰی اسم اللہ تعالٰی ای ملتزما اھ[2]"۔

تحریر امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے "لزوم ہی علٰی کے معنی حقیقی ہیں۔"

اور رضی شرح کافیہ میں ہے: "اسی محاورہ سے ہے اللہ کے نام پر سیر کر، یعنی اس کو لازم پکڑو۔"

قال ربنا عزوجل: فجاءتہ احدٰھما تمشی علی استحیاء[3]۔ ای ملازمۃ للحیاء۔

قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا، ارشاد الٰہی ہے: "ان دوعورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی" یعنی وہ شرم کو لازم کئے ہوئے تھی۔

ولا شك ان ھذا الاذان انما کان لازم ملازم للمنبر فانی توفکون۔

اور اذان خطیب اس امام کو لازم ہے جس نے منبر کا التزام کیا ہے تو یہ لوگ علٰی کو اس کے حقیقی معنی (لزوم) سے پھیر کر کدھر پلٹ رہے ہیں۔

وثانیًا لیست "علٰی" للمصاحبۃ۔

ثانیًا علٰی مصاحبت کے لئے ہے۔

قال الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الاتقان، علٰی حرف جرلھا معان (الی ان قال) ثانیھا للمصاحبۃ کمع نحو "واٰتی المال علٰی حبہ" ای مع حبہ۔ "وان ربك لذو مغفرۃ للناس علٰی ظلمھم اھ[4]"۔

امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں: "علٰی حرف جر ہے، اس کے چند معانی ہیں، دوسرا معنی مصاحبت ہے، جیسے لفظ مع قرآن عظیم میں ہے کہ مال کو محبت کے باوجود قرابت داروں کو دیا (دوسری مثال) تمھارا رب ظلم کے باوجود لوگوں کی مغفرت کرنیوالا ہے (یہاں علٰی ظلمہم کا مطلب مع ظلم ہے)"

---

[1] التقریر والتحبیر مسئلۃ علی للاستعلاء حسًا دار الفکر بیروت ۲/۸۶

[2] الرضی فی شرح الکافیۃ حروف الجر حرف "علی" دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۳۴۲

[3] القرآن الکریم ۲۸/۲۵

[4] الاتقان فی علوم القرآن النوع الاربعون دار الکتاب العربی بیروت ۱/۴۹۸

وفی الحدیث "زکاۃ الفطر علی کل حر وعبد[1]" قال فی النہایۃ "قیل علی بمعنی مع لان العبد لا تجب علیہ الفطرۃ وانما تجب علی سیدہ اھ[2]"۔ وفی القاموس "والمصاحبۃ کمع "واتی المال علی حبہ" اھ[3]"۔ وفی الفتوحات الالٰھیۃ تحت قولہ تعالٰی "تمشی علی استحیاء" علی بمعنی مع ای مع استحیاء اھ[4]" ولا شك ان ھذا الاذان مصاحب المنبر لا یتقدمہ ولا یتأخر عنہ فان کانت حقیقۃ فی المصاحبۃ فذاك والا بطل مجازکم باحتمال مجاز اٰخر اذ انتم المستدلون۔

اور حدیث شریف میں ہے : زکوٰۃ فطر ہر آزاد اور غلام پر ہے۔" نہایہ میں فرمایا ، علٰی یہاں بھی مع کے معنی میں ہے کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں وہ تو مالک پر ہے (تو مطلب یہ ہوا کہ غلام کا صدقہ بھی اپنے ساتھ دے)۔ قاموس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے ؛ "مع کی طرح علٰی بھی مصاحبۃ کے لئے آتا ہے جیسے اتی المال علٰی حبہ"۔ اور فتوحات الٰہیہ میں آیت مبارکہ تمشی علٰی استحیاء کی توضیح میں فرمایا ؛ "آیت میں علٰی مع کے معنی میں ہے ، یعنی شرماتے ہوئے۔" اور اذانِ خطبہ بلاشبہ جلوس علی المنبر کے مصاحب ہے۔ نہ اس سے قبل نہ بعد۔ پس مصاحبۃ اگر علٰی کے معنی حقیقی ہوں تو آپ کے مراد لئے ہوئے معانی مجازی ہوئے ، اور مجاز حقیقت کے مصادم نہیں ہوسکتا۔ اور یہ معنی مجازی اور آپ کے معانی بھی مجازی تو ایک اور معنی مجازی کا احتمال پیدا ہوا ، اور احتمال استدلال کے لئے کتنا مضر ہے یہ سب کو معلوم ہے۔

ثالثاً قال ربنا عزوجل ، "و

ثالثاً اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے ، "اور

---

[1] مجمع الزوائد باب صدقۃ الفطر دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۸۰
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب اسلامی بیروت ۲/ ۲۷۷
[2] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب العین مع اللام المکتبۃ اسلامیہ ۳/ ۲۹۶
[3] القاموس المحیط فصل العین باب الواو والیاء مصطفٰی البابی مصر ۴/ ۳۶۸
[4] الفتوحات الالٰہیۃ الشہیر بالجمل تحت الآیۃ ۲۸/ ۲۵ " " " ۳/ ۳۴۴

اتبعوا ماتتلوا الشیٰطین علٰی ملک سلیمان"[1] - قال فی الاتقان والفتوحات الالٰھیۃ :- (ای فی زمن ملکہ[2])، وفی مدارک الامام النسفی : " ای علٰی عھد ملکہ وفی زمانہ اھ[3]" - ولا شک ان ھذا الاذان علٰی عھد المنبر وفی زمانہ، فرجعت الٰی معنی عند الزمانیۃ۔

انھوں نے ملک سلیمان پر شیطانوں کے پڑھے ہوئے کی اتباع کی"۔ اتقان اور فتوحاتِ الٰہیہ میں ہے "یعنی ان کی حکومت کے زمانہ میں"۔ مدارک امام نسفی میں ہے : "یعنی ان کی حکومت اور ان کے زمانہ میں"۔ اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے وقت اور زمانہ میں ہے تو یہ عند زمانیہ کے ہم معنی ہوگیا۔

ورابعًا اصل الکلام انھم اختلفوا فی الاذان المعتبر لایجاب السعی وترک العمل ھل ھو الاذان الاول کما ھو الاصح وبہ قال الحسن بن زیاد عن سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ام اذان الخطبۃ لانہ لم یکن عند نزول الکریمۃ وغیرہ وبہ قال الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی ونقل الشمنی فی شرح النقایۃ کلامہ ھکذا قال الطحاوی انما یجب السعی وترک البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانہ الذی کان علٰی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما اھ[4] -

رابعًا اصل یہ ہے کہ فقہائے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کے لئے سعی کے وجوب میں کس اذان کا اعتبار ہے، اذان اول کا (حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اس کی روایت کی) یا اذان خطبہ کا کیونکہ آیتِ سعی کے نزول کے وقت اذان اول تھی ہی نہیں (یہی امام طحاوی کا قول ہے جس کو شرح نقایہ میں امام شمنی نے نقل کیا)۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ جمعہ کے وقت وجوبِ سعی اور ترکِ بیع کا حکم اس اذان کے وقت ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے کیونکہ یہی اذان عہدِ رسالت اور ابوبکر وعمر رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ میں تھی۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/۱۰۲

[2] الفتوحات الالٰہیۃ الشہیر بالجمل تحت الآیۃ ۲/۱۰۲ مصطفی البابی مصر ۱/۸۵

[3] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) " " دار الکتاب العربی بیروت ۱/۶۵

[4] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الطحاوی باب الخطبۃ والصلوٰۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/۴۹۸

وفی مرقاۃ علی القاری: "قال الطحاوی: انما یجب السعی وترک البیع اذا اذن الاذان والامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عہدہ علیہ الصلوۃ والسلام وزمن الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما اھ۔"[1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقات میں بھی روایت ان الفاظ میں ہے: "امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے لئے سعی اور ترک بیع کا وجوب امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جانے والی اذان سے ہے کیونکہ عہد رسالت اور زمانہ شیخین میں صرف یہی اذان تھی۔"

وھکذا کما تری لامثار لوھمھم فیہ، وکان بعض المتاخرین اختصروا مقالہ ولیراجع اصل لفظہ رحمہ اللہ تعالٰی فانی ارجوا ان لایکون فیہ ما اوقعھم فی الوھم وکیف ما کان فانما استدل بانہ الذی کان علٰی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وھکذا ذکر فی دلیلہ من عبرہ بالاذان علی المنبر عند المنبر کالکافی والکفایۃ والمبسوط وغیرھا، ومعلوم قطعًا انہ لم یکن علٰی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوق المنبر ولذا احتاج ھؤلاء ایضا الٰی تاویل علٰی بعند أو الباء، أو

ہر ایک پر روشن ہے کہ اس عبارت میں مخالفین کے شبہہ میں پڑنے کی کوئی گنجائش نہیں (کہ امام طحاوی نے امام کے منبر پر ہونے کی بات کہی ہے نہ کہ اذان کے) اور اسی عبارت کو بعض متاخرین نے اپنے طور پر مختصر کیا ہے۔ اصل عبارت کو دیکھا جائے تو اس شبہ کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ بھلا ایسے ہو سکتا ہے۔ امام طحاوی نے اپنے استدلال میں فرمایا وہ اذان جس پر سعی واجب ہوتی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد مبارک میں یہی تھی، بعد کے جن لوگوں نے اس اذان کی تعبیر علی المنبر یا عند المنبر سے کی جیسے صاحب کافی وکفایہ اور مبسوط وغیرہ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ یہی اذان حضور کے مبارک عہد میں ہوتی تھی، اور سب کو معلوم ہے کہ اذان خطبہ عہد رسالت میں منبر کے اوپر نہیں ہوتی تھی اسی لئے تو ان علماء نے بھی علی کو عند

---

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلوۃ باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۸

المبالغة فاذن یجب حمله ما كان علیه فی زمنه الكریم وكما لم یثبت كونهٗ فی عهدهٖ صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فوق المنبر، كذالك لم یثبت كونه ملاصق المنبرؔ أو عند المنبر بالمعنی الذی یزعمون ۔ وانما ثبت كونه علی باب المسجد فیجب ان لا یحمل الاعلیٰ ما یوافقه عند كان او علیٰ، ولكن الانصاف قد عز فی الاخلاف ۔

کے معنٰی میں لیا۔ اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ جس کو عند کہتے ہیں وہ علٰی باب المسجد ہے تو عبارت میں لفظ عند ہو یا علٰی سب کو اسی ثابت شدہ محل پر حمل کرنا چاہئے نہ کہ اس واقعہ کے انکار کے لئے معبرین کی تعبیر کو سند بنانا چاہئے مگر افسوس کہ انصاف دنیا سے ناپید ہو رہا ہے۔

نفحہ : لئن تنزلنا لهم عن جمیع هٰذه التحقیقات التی ذكرنا بتوفیق ربنا علی الاعلیٰ فی "عند وعلیٰ"

نفحہ : اگر ہم عند اور علٰی کے بارے میں ذکر کی ہوئی تمام تحقیقات سے قطع نظر کرلیں تب بھی بات وہی ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ذکر کی ہے۔

فاولاً ما قولهم "المعتبر الاذان علی المنارة او الاذان علی المنبر او عند المنبر" الا حكایة حال للتعریف ویعرف كل احد حتی الصبیان انه لیس بحكم و قولهم "لا یؤذن فی المسجد" و "یكره الاذان فی المسجد" حكم والعبرة بالحكم لا بالحكایة۔

اولاً ان تمام عبارتوں میں جہاں اذان علی المنارہ یا اذان علی المنبر یا عند المنبر کا لفظ آیا ہے بطور تعارف وحکایت حال کے ہے (یعنی وہ اذان جو فلاں جگہ ہوتی ہے اس میں کوئی حکم نہیں کہ اذان یہاں ہونی چاہئے) بخلاف ان اقوال کے جن میں مسجد میں اذان کی ممانعت آئی ہے جیسے لا یؤذن فی المسجد (مسجد میں اذان نہ دی جائے) یا یکرہ الاذان فی المسجد (مسجد میں اذان مکروہ ہے) کہ یہ صاف صاف حکم ہے، اور اعتبار حکم کا ہے تعارف و حکایت کا نہیں۔

وثانیًا الاذان الذی كذا

ثانیًا یہ طریقہ بیان (کہ جو اذان فلاں

بیان علامۃ لہ فلا یدل علی جوازہ فضلاً عن استنانہ قال الامام الاجل ابوزکریا النووی فی شرح صحیح مسلم، ثم العلامۃ المحدث طاھر فی مجمع بحار الانوار "ان العلامۃ تکون بحرام ومباح[1]"۔ ارأیت ان اجتمع فی صعید السلطان والامراء والناس فمن لایعرف السلطان سأل عالما من فیھم الملک الذی یفترض علینا طاعتہ فی المعروف، فقال الذی علی راسہ تاج الذھب، ھل یکون ذلک حکما منہ بجواز لبس الذھب للرجال، کلا، علماؤنا قد ارشدوا الی الحکم ان لایؤذن فی المسجد وانہ مکروہ فی المسجد ومع ذلک لاشک ان لو فعل فیہ کما یفعل ھؤلاء لکان موجبا للسعی وترک البیع علی قول الامام الطحاوی فلو فرض ان الناس احدثوہ ھکذا فعرفوہ بہ بیانا لحکم السعی کان ماذا۔

جگہ ہوتی ہے) علامت ہے۔ اور علامات کا مسنون ہونا تو بڑی بات ہے، جائز ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ امام اجل ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور علامہ محدث طاہر فتنی نے مجمع البحار میں فرمایا: "کسی چیز کی علامت مباح اور حرام دونوں ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے۔" اس کی مثال یہ ہے کہ کسی میدان میں بادشاہ، امراء اور عوام سبھی جمع ہیں، ایک آدمی بادشاہ کو نہیں پہچانتا۔ اس نے ایک پرہیزگار عالم دین سے پوچھا ان لوگوں میں بادشاہ کون ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے، وہ عالم کہے گا کہ جس کے سر پر سونے کا تاج ہے دیکھئے یہاں سونے کے تاج کی علامت سے بادشاہ کو پہچنوایا گیا۔ تو کیا یہ تعارف اس بات کا حکم ہوگیا کہ مردوں کو سونے کا تاج پہننا جائز ہے! تو جب ہمارے علمائے یہ حکم بتادیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اور یہ کہ مسجد کی اذان مکروہ ہے، تو اگر اس کے خلاف مسجد کے اندر اذان دی جانے لگے، جیسا کہ آجکل یہ لوگ کر رہے ہیں تو یہ اذان بھی امام طحاوی کے مسلک پر موجب سعی و ترک بیع ہوگی۔ ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ اذان متصل منبر لوگوں نے از خود ایجاد کرلی ہے پھر بھی اس ممنوع اذان کو وجوب سعی کی علامت قرار دیں تو اس سے یہ اذان جائز تو ہو نہیں جائے گی۔

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الزکوٰۃ باب اعطاء المؤلفۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۲

ثالثًا الحکم الضمنی فی الوصف العنوانی حکم منطقی والحکم المنطقی ان کان قصدیا لم یلزم ان یکون شرعیا فکیف اذا کان ضمنیا الم تسمع الی ما قالہ العلماء فی حدیث علیك السلام تحیۃ الموتی[1]

ثالثًا قضیہ ضمنیہ میں دو حکم ہوتا ہے، ایک موضوع کے وصف کا صدق ذاتِ موضوع پر اور دوسرا وصف محمول کا صدق ذاتِ موضوع پر۔ پہلے والا حکم ضمنی منطقی ہوتا ہے اور دوسرا حکم صریحی، شرع کے نزدیک یہی معتبر ہے۔ حکم منطقی قصدی ہو تو تب بھی شرعًا معتبر نہیں۔ اور مسئلہ دائرہ میں تو اس اذان پر جو فی زمانہ متصل منبر ہوتی ہے۔ فقہائے اذان کا حکم ضمنًا لگایا ہے، تو یہ شرع کے نزدیک کب معتبر ہوگا؟ اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ علیك السلام میں مخاطب پر سلام کا حکم منطقی قصدی ہے مگر شریعت نے اسے نامعتبر اور ناجائز بتایا۔ حدیث شریف میں ہے: "علیك السلام مُردوں کا سلام ہے۔"

رابعًا بعد اللتیا والتی ان کان فمن باب "الاشارۃ" وقولھم لایؤذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد "عبارۃ" وقد نصوا قاطبۃ ان العبارۃ مرجحۃ علی الاشارۃ وان الحکم والفتیا بالمرجوح جھل و خرق الاجماع، کما فی تصحیح القدوری والدر المختار[2]۔

رابعًا تمام بحث ومباحثہ کے بعد اذان علی المنبر سے اگر کوئی حکم ثابت ہو تو بطور اشارۃ النص ثبوت ہوگا۔ اور فقہاء کے قول "لایؤذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد" عبارۃ النص ہے اور تمام علمائے اصول کا اجماع ہے کہ عبارۃ النص راجح اور اشارۃ النص مرجوح ہے اور درمختار میں ہے کہ قولِ مرجوح پر فتوٰی دینا جہالت اور خرقِ اجماع ہے۔

---

[1] المصنف لعبدالرزاق باب کیف السلام والرد حدیث ۱۹۴۳۴ المجمع الاسلامی بیروت ۱۰/ ۳۸۴

[2] الدر المختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

وخامسًا فی معانیہ انواع الاحتمال، والنصان صریحان والمحتمل لایعارض الصریح و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

وخامسًا اذان علی المنبر کے معنٰی میں مختلف قسم کے احتمال ہیں، اور ممانعت اذان فی المسجد کی عبارت نص صریح ہے، اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ محتمل صریح کا مقابل نہیں ہوسکتا، اور کلام محتمل سے استدلال باطل ہے۔

وسادسًا مع قطع النظر عن کل ما مرّ غایتہ تعارض حاظر ومبیح فیترجح الحظر بل الأمر اذا تردّد بین السنۃ والکراھۃ کان سبیلہ الترک کما نص علیہ فی ردالمحتار[1] والبحر وغیرھما، لان درء المفاسد اھم من جلب المصالح[2]، وفی معراج الدرایۃ للامام القوام الکاکی ثم منحۃ الخالق غض البصر مکروہ والجماعۃ سنۃ فترک السنۃ اولٰی من ارتکاب المکروہ[3] اھ فعلی کل حال ما النصر الا لنا ولا الدائرۃ الا علیھم وللہ الحمد۔ فھٰذہ عشرۃ أجوبۃ عن "عند" و عشرۃ عن "علٰی" وللہ الحمد العلی

سادسًا جو پہلے گزرا اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے، اس کی غایت حظر و اباحت کی دلیل میں تعارض ہے تو ترجیح حظر کو ہوگی، بلکہ امر جب سنّت وکراہت میں دائر ہو تو اس کا راستہ ترکِ سنّت ہے جیسا کہ ردالمحتار اور بحر وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ کیونکہ مفاسد سے بچنا منافع کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ معراج الدرایہ اور منحۃ الخالق میں ہے غضِ بصر مکروہ اور جماعت سنّت ہے، چنانچہ ترکِ سُنّت اولٰی ہے ارتکابِ مکروہ سے۔ بہر حال نصرت ہمارے لئے اور وبال ان پر ہے۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ یہ "عند" سے متعلق دس جواب ہیں، اور "علٰی" سے متعلق بھی دس جواب ہیں۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی بلند و

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ۱/ ۴۳۱ و البحرالرائق باب العیدین ۲/ ۱۶۵
[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۵
[3] منحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۲

الاعلیٰ۔

وانت خبیر ان کل ما ذکرنا فی ھٰذہ النفحۃ الاخیرۃ فانما ھو علیٰ غایۃ التنزل وارخاء العنان و جری علیٰ سنن المناظرۃ والا حققنا کلام الفقہاء الکرام بما لا یبقی معہ للمنصف کلام ولا للمجادل مجال جدال واما المکابر فداءہ عضال نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

نفحہ ۸: اعلم ان السنۃ عند السادۃ المالکیۃ فی اذان الخطبۃ ایضًا ان یکون علی المنارۃ وصرحوا ان کونہ بین یدی الخطیب بدعۃ ومکروھۃ وقال الامام محمد العبدری الفاسی المالکی فی المدخل "ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذٰلک کان علیٰ عھد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرًا من خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنھم، ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذانًا اٰخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاک" ثم لما تولی ھشام بن عبد الملک اخذ الاذان

اعلیٰ کے لئے ہیں۔

اس نفحہ میں جتنی باتیں ہم نے ذکر کیں اپنے منصب سے اُتر کر اور لگام ڈھیلی کر کے، اور بطور مناظرہ۔ ورنہ ہم نے تو فقہائے کرام کے کلام کی وہ تحقیق کی ہے کہ جس کے بعد منصف کو کلام کی گنجائش ہی نہیں، بلکہ مجادل بھی جدل سے باز آئے۔ رہ گیا مکابرانہ کلام تو یہ ایک گمراہی ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

نفحہ ۸: ائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اذانِ خطبہ میں بھی سُنّت یہی ہے کہ منارہ پر ہو خطیب کے سامنے یہ اذان بدعت مکروہہ ہے۔ امام محمد عبدری فاسی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں: "امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت کی اذان میں سُنّت یہ ہے کہ موذن اس وقت منارہ پر ہو۔ ایسا سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور زمانہ ابوبکر و عمر اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ابتدائے خلافت تک رہا۔ اس کے بعد حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور اذان زیادہ فرمائی جو مقام زوراء پر دی جاتی اور عہدِ رسالت والی اذان کو جہاں کا تہاں باقی رکھا (یعنی جب خطیب منبر پر چڑھتا اس وقت اذان منارہ پر دیجاتی) ہشام ابن عبدالملک بادشاہ ہوا تو اس نے اذانِ اول کو مقامِ زوراء سے منارہ کی طرف

الذی فعله عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ بالزوراء وجعله علی المنار، ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علٰی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابی بکر وعمر وصدرًا من خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنھم بین یدیہ، قال علماؤنا رحمھم اللہ تعالٰی علیھم وسنۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولٰی ان تتبع اھ[1] (باختصار)

منتقل کیا، اور اذان عہدِ رسالت وصاحبین اور ابتدائے عہدِ عثمانِ غنی میں (یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت) منارہ پر ہوتی تھی، اس کو امام کے سامنے دلانے لگا۔ ہمارے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

وحواشی الجواھر الزکیۃ شرح المقدمۃ العشماویۃ للعلامۃ یوسف السفطی المالکی "الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیہ اھل المغرب الی الاٰن، وفعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرزلی وقد نھی عنہ مالک فعلہ علی المنار والامام جالس ھو المشروع اھ[2] سکندری۔

حواشی جواہر زکیہ شرح مقدمہ عشماویہ للعلامہ یوسف السفطی سکندری مالکی میں ہے: دُوسری اذان زمانۂ قدیم سے منارہ پر ہوتی تھی اہلِ مغرب کا آج بھی اسی پر عملدرآمد ہے، اس اذان کے امام کے سامنے دینے کو امام برزلی نے مکروہ لکھا ہے۔ امام مالک نے اس سے منع فرمایا۔ امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر اذان مشروع ہے۔

وفی المواھب اللدنیۃ للامام احمد القسطلانی وشرحھا للعلامۃ محمد

مواہب لدنیہ میں امام احمد قسطلانی نے اور اس کی شرح میں علامہ زرقانی مالکی رحمہما اللہ تعالٰے

---

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض البدع التی احدثت فی المسجد الخ دار الکتاب العربی بیروت ۲/۲۱۲

[2] حواشی الجوہر الزکیۃ شرح المقدمۃ العشماویۃ للعلامۃ یوسف السفطی المالکی

الزرقانی المالکی رحمھما اللہ تعالٰی: قال الشیخ خلیل ابن اسحٰق فی التوضیح اسم شرحہ علی ابن الحاجب "اختلف النقل ھل کان یؤذن بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او علی المنار الذی نقلہ اصحابنا انہ کان علی المنار نقلہ ابن القاسم عن مالک فی المجموعۃ ونقل ابن عبدالبر فی کافیہ عن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم[1]" الخ۔ وسیأتی تمامہ بعونہٖ تعالٰی۔

نے فرمایا "شیخ خلیل ابن اسحٰق نے توضیح میں فرمایا جو ابن حاجب کی شرح ہے کہ علمائے نقل نے اختلاف کیا کہ اذانِ ثانی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ کے سامنے ہوتی یا منارہ پر۔ ہمارے اصحاب سے منارہ پر ہونا ہی منقول ہے جیسا کہ ابن قاسم نے اس کو امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مجموعہ میں نقل کیا۔ ابن عبدالبر نے امام مالک سے یہی نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم معمول نہیں ہے" (پوری تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے)۔

فھٰذہٖ نصوص الامام مالک و اصحابہ علٰی ان کون الاذان بین یدی الخطیب بدعۃ من راسہ فضلاً عن کونہ فی المسجد وانما السنۃ فیہ ایضا کاذان سائر الصلوات کونہ علی المنار فظھر ان ادعائھم اجماع المسلمین علی الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فریۃ منھم وای اجماع یقوم مع خلاف امام دار الھجرۃ وجماھیر اصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھم وکذا کذب من

امام مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے یہ نصوص "اذان بین یدی الخطیب" کے بالکلیہ بدعت ہونے کی تصریح ہیں چہ جائیکہ اس کا مسجد میں ہونا جائز ہو۔ سنت تو یہ ہے کہ باقی تمام اذانوں کی طرح یہ بھی منارہ پر ہو۔ تو مخالفین کا یہ افترا ہے کہ اذانِ ثانی کا منبر کے متصل مسجد میں ہونا اجماعِ مسلمین سے ثابت ہے، بھلا امام دار الھجرۃ امام مالک اور ان کے خلفاء رضی اللہ تعالٰی عنہم کو چھوڑ کر کون سا اجماع منعقد ہوسکتا ہے، تنہا ائمہ مالکیہ کا اختلاف ہی قدحِ اجماع کے لئے کافی ہے جبکہ اس

---

[1] المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۹۲-۱۹۱
شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ " " دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۸-۳۸۰

ادّعٰی اجماع المذاھب الاربعۃ ولعلّ مالکا لیس عندہ من الاربعۃ ۔ ھذا اذا لم یصرح ائمّتنا الحنفیۃ بکراھۃ الاذان داخل المسجد فکیف وقد صرحوا۔ ولا نعلم خلافا فیہ عن غیرھم فلا یبعد ان الاجماع علٰی خلاف ماھم علیہ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ میں ائمہ احناف رحمہم اللہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے، اور احناف وغیرہ کسی سے بھی اس کے خلاف ہونے کا علم نہیں۔ تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کے مکروہ ہونے پر ہی اجماع ہو۔

نفحہ ۹: وبہ ظھر بطلان زعمھم تعامل جمیع المسلمین فی جمیع بلاد الاسلام بایقاع ھذا الاذان داخل المسجد لصیق المنبر الم تسمع السکندری ثم السفطی ان الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیہ اھل المغرب الی الاٰن اھ[1] ونحن فی معظم بلادنا الجوامع السلطانیۃ مبنیۃ فیھا دکک لھذا الاذان بعیدۃ عن المنبر وعلیھا یفعل الی الاٰن وقد قدمنا انہ اذان خارج المسجد لکن العوام لایعلمون، یعلمون ظاھرا من الحال وعن الحقیقۃ ھم غافلون، واذ لم یھتدوا لھا ظنوہ اذانا فی المسجد فعن ھذا نشأ وفشا فیھم ھذا ثم قاسوا علیہ اذان سائر الصلوات، اذ لا فارق

نفحہ ۹: مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ تمام اسلامی شہروں میں سارے مسلمانوں کا تعامل اسی پر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے متصل ہوتی ہے (تو تعامل کی دلیل سے اذان ثانی متصل منبر جائز ہوتی) کیونکہ سکندری پھر سفطی کا بیان سُن چکے کہ مالکیہ اور اہلِ مغرب کا تعامل بیرون مسجد کا ہے۔ خود ہندوستان کے اکثر شہروں میں شاہی جامع مسجدوں میں منبروں سے دُور چبوترے بنے ہوتے ہیں جن پر آج تک اذان ہوتی ہے۔ پہلے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ یہ اذان بھی دراصل بیرونِ مسجد ہے، لیکن عوام لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے غافل اور ظاہر سے دھوکے میں پڑے ہیں، اور اس کو اذان اندرونِ مسجد سمجھتے ہیں، اور یہیں سے ان میں شائع و ذائع ہے۔ اور پھر اسی لاعلمی پر اپنے ایک فاسد قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مسجد مسجد سب برابر ہیں ان میں باہم نہ کوئی فرق ہے نہ کوئی فرق کا

---

[1] اشہد الجواہر الزکیۃ شرح المقدمۃ العشماویۃ للعلامۃ یوسف السفطی المالکی

ولا قائل بالفرق فتری هم فی کل صلٰوة يقوم احدهم اينما شاء من بيت الله فيرفع عقيرته بالاذان، و اذا قيل له اتق الله قابل بالعناد والطغيان فصار عمل السنه عندهم منسيا و تصريحات الفقه شيئا فريا احدثوا تعاملا فيما بينهم على خلاف الشريعة ثم جعلوه لابطال حکم الشرع ذريعة و الى الله المشتکی وهو المستعان۔

ولم يعلموا ان مثل هذا التعامل لاحجة فيه والا لکان الکذب والغيبة والنميمة احدر بالجواز فانها اکثر تعاملا و افشی فی الناس شرقا وغربا بعد قرون الخير۔ قال صلی الله تعالٰی عليه وسلم: "ثم يفشوا الکذب"[1]۔

قال فی فتاوی الغياثية اواخر کتاب الاجارة عن السيد الامام الشهيد رحمه الله تعالٰی، انما يدل على

قائل۔ پس جب یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی ہے تو پنجوقتہ نمازوں میں بھی اذان مسجد کے اندر ہونے میں کیا حرج ہے، اور نماز کے وقت دربارِ الٰہی کے جس حصہ میں بھی جی چاہتا ہے کھڑے ہوکر چیخنے لگتے ہیں، اور جب انھیں کوئی تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور مسجد میں آواز بلند نہ کرو، تو عناد و فساد کرنے لگتے ہیں۔ اور اب صورتِ حال یہ ہوگئی ہے کہ سنّت کا عمل مُردہ ہوگیا ہے اور تصریحاتِ ائمہ جھوٹ قرار دی جاچکی ہیں، اور خلافِ سنت عمل کو تعامل قرار دے لیا ہے، اور حکمِ شرع کے ابطال کے لئے اسی کو دلیل بنالیا ہے۔ تو اللہ تعالٰی سے اس کے لئے فریاد ہے اور اسی سے مدد کی طلب ہے۔

اور یہ نکتہ وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ایسا تعامل قطعاً سند نہیں، ورنہ جھوٹ، غیبت، چغل خوری اس سے زیادہ جواز کے مستحق ہونگے کہ ان کا تعامل قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مشرق و مغرب میں پھیل گیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔"[1]

صاحبِ فتاوٰی غیاثیہ نے اواخر کتاب اجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا، "وہی تعامل جواز کی دلیل بنتا ہے جو

[1] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹

الجواز مایکون علی الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذٰلک لایکون فعلھم حجۃ الااذاکان ذٰلک من الناس کافۃ فی البلدان کلھا، الا ترٰی انھم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لایفتٰی بالحل اھ۔[1]

صدرِ اول سے آج تک برابر جاری ہو۔ اور ایسا نہ ہو تو کسی عہد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں یا ان تمام شہروں، قصبوں اور قریوں کے سبھی انسانوں کا تعامل ہو تو اور بات ہے اور یہ بالکل واضح امر ہے کہ اب اگر سب جگہ کے سب لوگ شراب پینے لگیں، سُودی کاروبار میں مبتلا ہوں تو بھی اس کے حلال ہونے کا فتوٰی نہیں دیا جائے گا۔"

وفی جمعۃ ردالمحتار:
"التعارف انما یصلح دلیلاً علی الحل اذاکان عاما من عھد الصحابۃ والمجتھدین کما صرحوا بہ اھ۔"[2]

ردالمحتار کے باب الجمعہ میں ہے:
"تعامل اس وقت جواز کی دلیل بنتا ہے جبکہ عام ہو اور عہد صحابہ و مجتہدین سے اس پر عملدرآمد ہو۔ ایسا ہی ائمہ نے تصریح کی ہے۔"

وفی جنائزہ نقلا عن بعض المحققین من الشوافع بالتقریر ما نصہ "ھذا الاجماع اکثری و ان سلم فمحل حجیتہ عند صلاح الازمنۃ بحیث ینفذ فیھا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر وقد تعطل ذٰلک منذ ازمنۃ۔"[3]

اسی کتاب کے باب الجنائز میں بعض محققین شوافع سے منقول ہے: یہ اجماع اکثری ہے، اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کے دلیل جواز ہونے کا تب اعتبار ہوگا کہ یہ امت کے صلاح کے وقت کا ہو، جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نافذ ہو۔ اور یہ تو زمانہ دراز سے معطل ہے۔

وفی المکتوب الرابع والخمسین

مجدد الف ثانی شیخ احمد العمری سرہندی

---

[1] فتاوٰی غیاثیۃ کتاب الاجارات نوع فی النساج مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶۰
[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۵۱
[3] ؍؍ ؍؍ باب صلوۃ الجنائز ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۶۰۲

من الجلد الثاني من المكتوبات الشيخ احمد العمری السرهندی الشهير بمجدد الف ثانی ما ترجمته "غمرت الدنيا في بحر البدعات واطمأنت بظلمات المحدثات من يستطيع دعوى رفع البدعة والتكلم باحياء السنة اكثر علماء الزمن حماة البدع ومحاة السنن يحسبون شيوع البدع تعاملا فيفتون بجوازها بل استحسانها ويدلون الناس على اتيانها يظنون ان الضلال اذا شاع والباطل اذا تعورف صار تعاملا ولا يدرون ان مثل هذا التعامل بشيئ ليس دليلا على حسنه انما العبرة بتعامل جاء من الصدر الاول او حصل اجماع جميع الناس عليه" ثم احتج بعبارة الغياثية المذكورة ثم قال "ولا شك ان العلم بتعامل الناس كافة و عمل جميع القرى والبلدان خارج عن وسع البشر اھ"[1]

کے مکتوبات کی جلد ثانی مکتوب ۵۴ میں ہے "دُنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے۔ رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعوٰی کون کرسکتا ہے۔ اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں۔ بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہیں، اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتوٰی صادر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہوجائے تو تعامل بن جاتا ہے۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونے کی دلیل نہیں، جُزایں نیست کہ وہ تعامل معتبر ہے جو صدر اوّل سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو (پھر غیاثیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کرکے فرمایا) تمام لوگوں کا تعامل اور تمام شہروں اور دیہاتوں کا عمل معلوم ہونا آدمی کی وسعت وطاقت سے باہر ہے اھ"

واكثر المخالفين لنا في المسئلة الدائرة انما يفتخرون بانهم من غلمان هذا الشيخ وقد قرئ عليهم قوله هذا مرارا فلا يسمعون

مسئلہ اذان میں ہمارے مخالفین میں سے بہتوں کو اس پر فخر ہے کہ وہ شیخ مجدد کے غلاموں میں سے ہیں۔ ہم نے بارہا شیخ مجدد کی یہ عبارت پڑھ کر انھیں سنائی بھی (کہ اب سے

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب پنجاہ وچہارم نولکشور لکھنؤ ۲/۱۰۳

ولاینتھون عن ادعاء التعامل و لایرعوون انما اتخذوا شیخھم ھواھم فھم بفتوی الھوٰی یعملون نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

وہ اپنے تعامل مقبول کے دعوے سے باز آئیں) مگر وہ تعامل کے دعوٰی سے باز نہیں آتے۔ دراصل (حضرت مجدد) کے بجائے انھوں نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا شیخ بنالیا ہے اور اسی کے فتوے پر عمل کرتے ہیں، ہم اللہ تعالٰی سے عفو و عافیت طلب کرتے ہیں۔

قال العلامۃ الشامی فی رد المحتار من الاجارات وفی رسالتہ "تحریر العبارۃ" وفی کتابہ "العقود الدریۃ" کلھا عن العلامۃ "قنالی زادہ"ؑ ان المسئلۃ البناء والغرس علٰی ارض الوقف کثیرۃ الوقوع فی البلدان و اذا طلب المتولی او القاضی رفع اجارتھا الٰی اجر المثل، یتظلم المستاجرون ویزعمون انہ ظلم، وھم ظالمون، ولبعض الصدور والاکابر یعاونونھم ویزعمون ان۔ ھذا تحریک فتنۃ علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علٰی ماھی علیہ وان

علامہ شامی نے ردالمحتار، کتاب الاجارہ، رسالہ تحریر العبارۃ، عقود دریہ سب میں علامہ قنالی زادہ سے نقل کیا کہ "وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانے کا معاملہ وقف کے اجیروں میں کثیر الوقوع ہے۔ جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے اور اجرت مثل پر ان زمینوں کے کرایہ پر اٹھانے کی بات کہی جاتی ہے تو ان زمینوں کے قدیم کرایہ دار اس کی فریاد کرتے ہیں اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔ اور بعض صدور واکابران کی مدد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ اس لئے جیسا اب تک ہوتا آیا تھا ویسا ہی عملدرآمد ہوتے رہنا چاہئے کہ

ؑ ھکذا فی ردالمحتار طبع قسطنطنیۃ وفی تحریر العبارۃ ننلی زادہ بغیر الالف وفی العقود الدریۃ منلی زادہ بالمیم ۱۲ منہ۔

ؑ یہ لفظ ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ میں ہے اور "تحریر العبارۃ" میں ننلی زادہ بغیر الف کے ہے اور عقود الدریہ میں منلی زادہ میم کے ساتھ ہے ۱۲ منہ۔ (ت)

شر الامور محدثاتها ولا یعلمون ان الشر فی اغضاء العین عن الشرع وان احیاء السنۃ عند فساد الامۃ من افضل الجہاد و اجزل القرب اھ۔[1]"

ہر بات سے بُری نئی بات پیدا کرنا ہے۔ اور وہ یہ نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شرع سے چشم پوشی خود بُری ہے، اور اُمت میں فساد واقع ہونے کے وقت سنت کا زندہ کرنا جہاد سے بھی افضل ہے اور بزرگ ترین عبادت ہے۔

وفی تحریر العبارۃ: فعلم بھذا ان ھذہ علۃ قدیمۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اھ۔[2]"

تحریر العبارۃ میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے (کہ شر پھیل جائے تو لوگ چشم پوشی اختیار کرتے ہیں) لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"

وفی رد المحتار: "اذا تکلم احد بین الناس بذلک یعدون کلامہ منکرا من القول وزورا وھذہ بلیۃ قدیمۃ اھ۔[3]"

ردالمحتار میں ہے: "لوگ آدمی کی حق بات کو بھی ناحق سمجھتے ہیں یہ قدیم بُرائی ہے۔"

وفیہ وفی العقود الدریۃ: "وھذا علو فی ورق۔[4]"

اور اسی (ردالمحتار) میں اور عقود الدریہ میں ہے: "یہ ایک ورق میں ہم نے علم عظیم ظاہر کیا۔"

وھذہ لعمرک حال الناس فی تہالکھم علی ھذا المحدث و

واللہ! اس اذان ممنوع ومحدث سے لوگوں کے ہلاکت میں پڑنے کا حال بھی ایسا ہی ہے اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[2] تحریر العبارۃ فیمن ھو اولٰی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[4] " " " " " " " " " "

العقود الدریۃ " مسئلہ استبقاء البناء والغراس ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۲۵

هٰذہ ھی اعذارھم فی ایقاعہ والقاء السنۃ ۔ واللہ المستعان، و لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

سنّت چھوڑ کر اس امر مکروہ میں پڑے رہنے کیلئے لوگوں نے ایسے ہی اعذار بارد تراش رکھے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نفحہ ۱۰ : اذقد ظھران لاتعامل الی الاٰن فما ظنك بالتوارث الذی بہ یلھجون واذا اخذوا بالحدیث والفقہ فھم یتلجلجون ۔

نفحہ ۱۰ : جب یہ ظاہر ہوگیا کہ اذان متصل منبر کے تعامل کی کوئی اصل نہیں۔ پھر توارث کے ثبوت کی کون سی صورت ہے کہ اس سے بھی یہ لوگ پناہ پکڑتے ہیں، اور جب حدیث وفقہ سے ان امور پر مواخذہ کیا جاتا ہے تو کج مج بیانی دکھاتے ہیں۔

ویاسبحان اللہ انما التوارث التعامل فی جمیع القرون، فاذا لم یتحقق الی الاٰن کیف یثبت من سالف الزمان واذ قد ارشد الحدیث الصحیح ان الذی فی عھد الرسالۃ و الخلافۃ الراشدۃ کان علی خلاف مایزعمون فانّی یصح التوارث والی من یسندون وعمن یرثون قال المحقق حیث اطلق فی فتح القدیر مسألۃ الجھر فی الاولیین والاخفاء فی الاخریین قولہ "ھذا ھو المتوارث" یعنی انا اخذنا عمن یلینا الصلوۃ ھکذا فعلا وھم عن یلیھم کذلك وھکذا الی الصحابۃ رضی اللہ عنھم وھم بالضرورۃ اخذوہ عن صاحب الوحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلا یحتاج الی ان ینقل فیہ نص معین [1] اھ ۔

سبحان اللہ! توارث تو تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے۔ اور جب آجکل کا تعامل ثابت نہ ہوسکا تو گزشتہ زمانوں کا کیسے ثابت ہوگا۔ اور حدیث صحیح سے پتہ چلا کہ عہدِ رسالت وزمانہ خلافت راشدہ میں عملدرآمد ان کے مزعومہ کے خلاف تھا، تو کہاں سے توارث ثابت ہوگا، کس سے اس کی نسبت ثابت کرینگے اور کس کا ورثہ اس کو قرار دیں گے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: "رکعتین اولیین میں قرات جہری اور اخریین میں سری ہی متوارث ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا" اور انھوں نے اس کو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا' ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم تک، اور انھوں نے اس کو صاحبِ وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سیکھا اس لئے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ فی القرأۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۸۳

فھذا معنی التوارث المحتج به شرعًا مطلقًا المستغنی عن ابداء سند خاص وانی لھم بذلك وکیف یصح فیما قد علمنا عن صاحب الوحی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وعن خلفائه الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم خلافه۔

اقول وتحقیق المقام ان الاحوال اربع: (۱) العلم بعدم الحدوث (۲) وعدم العلم بالحدوث (۳) والعلم بالحدوث تفصیلا ای مع العلم بانه حدث فی الوقت الفلانی۔ (۴) والعلم به اجمالا ان علمنا انه حادث ولا نعلم متی احدث۔ ومن احدث، فالشیئ اذا کان ناشیا متعاملًا به فی عامة المسلمین، وعلمنا انه ھو الذی کان علٰی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فھو القسم الاول، وھو المتوارث الاعلٰی، واذ لم یعلم کیف کان الامر علٰی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولا علم حادث بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فیحمل علٰی ان کل قرن اخذہ عن سابقه ویجعل متوارثا تحکیمًا للحال

یہی توارث کے وہ معنی ہیں جس سے شرعًا دلیل پکڑنا درست ہے، اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تو مسئلہ دائرہ میں یہ لوگ کیسے توارث ثابت کریں گے جبکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صاحبِ وحی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے اس کے خلاف روایت ہے۔

اقول (میں کہتا ہوں) تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے (۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو (۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔ (۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا (۴) حدوث کا علم اجمالی ہو، یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نوایجاد ہے، لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔

جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو اور اس کا عمل شائع و ذائع ہو، اور اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا، یہ قسم اول ہے، اور اسی کو متوارث اعلٰی بھی کہتے ہیں۔ اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا، نہ یہی پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے، تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے، اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا

حملا علی الظاھر والاصل ، اذ الاصل فی الامور الشرعیۃ ھو الاخذ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، والعمل بالسنۃ ھو الظاھر من حال عامۃ المسلمین" وھذا ھو القسم الثانی" وھذا ما یقال فیہ انہ لایحتاج الی سند خاص"۔ اما اذا علم حدوثہ فلا یمکن جعلہ متوارثا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سواء علمنا وقت حدوثہ اولا ، لان عدم العلم بوقت الحدوث لیس عدم العلم بالحدوث فضلا عن العلم بعدم الحدوث فرب حادث نعلم قطعا انہ حادث ولا نعلم متی حدث کاھرام مصر ، بل والسماء والارض فی الحدوث المطلق ومعالیق الحجرۃ الشریفۃ التی تعلق حولھا من قنادیل الذھب والفضۃ ونحوھما فی الحدوث المقید قال السید السمھودی فی خلاصۃ الوفاء : ولم اقف علی ابتداء حدوثھا[1] الخ وحینئذ ینظر ھل یخالف

تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل وظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے متوارث حکمی کہا جاتا ہے کہ امور شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے، اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں، یہ متوارث کی قسم ثانی ہے، اس کے لئے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں۔ اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک کی ایجاد ہے۔ ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں، یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا جیسے اہرام مصر۔ بلکہ حدوث مطلق میں آسمان و زمین بھی۔ اور حدوث مقید میں جیسے وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوتی ہیں، حضرت علامہ سمہودی نے خلاصہ وفاء الوفا میں فرمایا کہ "ہمیں ان کے ابتدائے حدوث کا وقت نہیں معلوم" تو ایسے نوپیدا امور جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو۔ حسب

---

[1] وفاء الوفاء الفصل الخامس والعشرون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۸۴

16

هٰذا سنة ثابتة فی خصوص الامر اولا۔ علی الثانی یحال الامر علٰی حال الشیئ فی نفسہ فان کان حسنا داخلا تحت قواعد الحسن فحسن علی تفاوتہ من الاستحباب الی الوجوب حسب ما تقتضیہ القواعد الشرعیۃ، و قد یطلق علیہ "المتوارث" اذ تقادم عہدہ کذکر العمین الکریمین فی الخطبۃ، وھذا ادنی اقسامہ، ولا اطلاق لہ علی مادونہ الا بالمفہوم اللغوی، کتوارث التقیۃ فی الرافضۃ، والکذب فی الوھابیۃ، وان کان قبیحا داخلا تحت قواعد القبح فقبیح علی تفاوتہ من الکراھۃ الی التحریم اولا ولا فلا ولا بل مباح عہ۔ والخروج عن العادۃ شہرۃ و مکروہ کما نصوا علیہ[1]۔ و رد

قواعد شرعیہ ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کسی سنّتِ ثابتہ کے مخالف تو نہیں، مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہوگا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی "متوارث" کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ خطبۂ جمعہ میں حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج کہ حادث ہے پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے۔ البتہ یہ کسی سنّتِ ثابتہ کے خلاف نہیں، تو یہ توارث کا سب سے ادنٰی درجہ ہے۔ اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاح شرع نہیں کہا جائیگا' ہاں توارثِ لغوی ہوسکتا ہے، جیسے تقیہ شیعوں میں متوارث ہے، اور جھوٹ وہابیہ میں أبًا عن جدٍ رائج ہے۔ اور اگر ایسی نو پید چیز ہو جو بعد عہدِ رسالت ہو اور اسکے حدوث کا وقت نہ معلوم ہو۔ اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اسکا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر تحریم تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اگر بھی حادث نہ سنّتِ ثابتہ کے خلاف ہو نہ قواعد قبح کے دائرے میں آتی ہو، تو یہ صرف مباح ہے، نہ قبیح ہے نہ مستحب۔ ہاں جب شہر و علاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔ چنانچہ

عہ بیاض فی الاصل

[1] الحدیقۃ الندیۃ من الآفات السحر فھو حرام مکتبۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۵۸۲

"خالقوا الناس باخلاقهم"[1] و قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "بشروا ولا تنفروا"[2] وعلی الاول یرد ولا یقبل وان فشا ما فشا، وقد اجار اللہ الامۃ عن الاجتماع علی مثلہ الا ان یکون شیئ تغیر فیہ الحکم بتغییر الزمان کمنع النساء عن المساجد وھذا فی الحقیقۃ لیس مخالفاً للسنۃ الثابتۃ بل موافق لھا، وان خالف الواقع فی عہدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان الواقع کان لشیئ کان وبان والحادث لشیئ لو کان فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکان۔ فھذا ھو التحقیق ومعلوم ان مسئلتنا ھذہ من القسم الرابع فی التقسیم الاول۔ والقسم الاول فی

علماء[عہ] نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو۔ اور حدیث شریف میں ہے، "لوگوں کو بشارت دو نفرت نہ دلاؤ"۔ سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات بدعت مردودہ ہوگی، اور گو وہ لاکھ پھیل گئی ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسے حادث امر پر پوری امتِ مسلمہ کا اجماع نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالٰی نے اس امت کو گمراہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ ایک استثنائی صورت البتہ ہے کہ وہ بات ہے تو عہدِ رسالت کے بعد کی اور بظاہر مخالف سنّت بھی ہے، لیکن زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا، اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عملدرآمد جاری وساری ہوگیا، جیسے حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے عہدِ پُرنور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں لیکن بعد میں ان کو عام طور سے مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ ایسا فرزایدہ امر حقیقت میں سنّتِ ثابتہ کے مخالف نہیں ہوتا، اگرچہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ اب جو بات پیدا ہوگئی ہے اگر حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں

عہ حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ اقامۃ القیامۃ ص۲

رواہ مسندا وقال رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین ۱۲ نظام الدین

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزۃ الباب الثانی الفائدۃ الثانیہ دار الفکر بیروت ۶/ ۳۵۴ و ۵۷۲

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ حاکم کتاب السماع والوجد دار الفکر بیروت ۶/ ۵۷۲

التقسیم الثانی ای نعلم انه حادث وان لم نعلم متی حدث . ونعلم ان الواقع علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان علی خلاف ذٰلك ولیس شیئا یتغیر فیه الحکم بتغیر الزمان ومع هٰذا تظافرت النصوص عن ائمة الفقه بنهی عام هو داخل فیه ، بل ارشد الائمة الی النهی عن خصوصه ، ودلت الادلة علی قبحه وشناعته کما تقدم کل ذٰلك ، فثبت انه یستحیل جعله متوارثا . بل هو من المحدثات المردودة قطعاً ، والحمد لله ، وبه استبان ان الجهل بمبدأه لا یجعله قدیما للعلم بحدوثه بل الجهل بالمبدأ یؤخره جدا ، لان الحادث انما یضاف الی اقرب الاوقات ونا عم انه

ایسا ہوتا تو آپ بھی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمادیتے (کما قال ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا) ام المؤمنین حضرت عائشہ نے ایسا ہی فرمایا۔ یہ تحقیق مقام ہے اور یہ معلوم ہے کہ ہمارا مسئلہ پہلی تقسیم کی چوتھی قسم سے ہے، اور تقسیم ثانی کی پہلی قسم ہے یعنی اس کے بارے میں ہمیں حادث ہونا تو معلوم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے حدوث کا وقت کب ہے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے خلاف عملدرآمد رہا ہے اور یہ ان امور سے بھی نہیں جس کا حکم زمانے کے بدلنے سے بدلتا ہو، اور اس کے ساتھ ہی ائمہ فقہاء کی بے شمار نصوص نہی عام کی صورت میں موجود ہیں بلکہ خاص اذان جمعہ کی ممانعت کی طرف بھی رہنمائی ہے، اور متعدد دلیلیں اس کے قبح و شناعت پر بھی دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ ساری تفصیل گزر چکی۔ تو ثابت ہوا کہ اس کو متوارث قرار دینا محال ہے۔ اور یہ قطعاً یقیناً بدعات مردودہ میں سے ہے۔ اس سے یہ امر بھی روشن ہوگیا کہ کسی امر کے احداث کا وقت معلوم نہ ہونا اس کو قدیم نہیں بناتا جبکہ اس کے حادث ہونے کا علم ہو، بلکہ جس کے حدوث کی ابتداءً نہ معلوم ہو، اس کے بارے میں یہ امر سمجھا جائے گا کہ یہ امر بالکل نو پید ہے کیونکہ حادث قریب ترین وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور یہ گمان کرنا

حدث من زمن سیدنا عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ فریۃ بلا مریۃ۔ واحتجاج التانوی الوھابی لہ بانہ لما قال فی الھدایۃ "اذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بین یدی الامام بذٰلک جری التوارث[1] اھ۔" قال علیہ امام العینی فی البنایۃ "ای فی زمن عثمان[2]" اھ۔ ولایمکن ان یراد بقولہ بین یدی المنبر مجرد المحاذات لثبوتھا من زمن الرسالۃ فلابد ان یراد بہ کونہ لدی المنبر متصلاً بہ لیصح جعلہ متوارثا من زمن عثمان لا قبلہ اھ۔ وما زعم الوھابی المفتری وھذہ فریۃ فوق فریۃ، ولقد صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: "اذا لم تستحی فاصنع ما شئت[3]"۔ فان عبارۃ البنایۃ ھکذا "ای بذٰلک شاع الاذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی

کہ اس کا حدوث تو زمانہ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے بلا شُبہہ ایک افتراء ہے۔ اور وہابی تھانوی کا ہدایہ کی اس عبارت سے استدلال کہ "امام منبر پر چڑھے اور بیٹھے تو مؤذن اس کے سامنے اذان دے کہ یہی متوارث ہے"۔ اور امام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہے" غلط ہے۔ صاحبِ ہدایہ کے قول "یہی متوارث ہے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "امام کے سامنے اذان ہونا" کیونکہ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ یہ منبر کے سامنے والی اذان زمانۂ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد ہے اور اُسی وقت سے متوارث ہے، حالانکہ اس اذان کا تو عہدِ رسالت سے ہونا منقول، متوارث ہے۔ اصل میں ان وہابی صاحب کا یہ زعم باطل، ہدایہ اور عینی کی عبارت میں ناجائز دست درازی کا نتیجہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بے شرم ہو گئے ہو تو جو چاہو کرو"۔ پوری عبارت یوں ہے: "یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ سے یہی جاری وساری ہوگیا کہ منارہ

---

[1] الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۵۱

[2] البنایۃ فی شرح الھدایۃ " " المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ج ا جزء الثانی ص۱۰۱۴

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ و ۶۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/۲۳۷ و ۲۳۸

المنارة مر به جری التوارث من زمن عثمان بن عفان الی یومنا هذا اھ[1]" فالاشارة الی التاذین بعد التاذین - لا الی التاذین بین یدیه - ولکن الوهابیة قوم یفترون - ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم -

پر پہلی اذان ہو، اور اس کے بعد منبر کے سامنے والی اذان ہوا کرتی ہے۔" حضرت امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی عبارت میں ذالك کا مشارٌ الیہ پہلی اذان کے بعد دوسری اذان ہونے کو قرار دیا ہے نہ کہ دوسری اذان کے منبر کے سامنے ہونے کو۔ اور اسی کو حضرت عثمان کے عہد سے آج تک جاری رہنے کو بتایا - اور تھانوی صاحب نے اس کو منبر کے سامنے سے جوڑ دیا۔ اور کیوں نہ ہوتا یہ وہابی قوم بڑی افترا پرداز ہوتی ہے لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

وکذا زعمه بعد التنزل حدوثه من زمن هشام بن عبد الملك وهذا انما قاله بعض المالکیة فی التاذین بین یدی الامام لقولهم انه محدث وانما کان هذا الاذان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وخلفائه الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنهم علی المنار ایضا کما تقدم وقد رده محققوهم وبینوا ان هشاما لم یتغیر هذا الاذان شیئا انما غیر الاذان الاول الذی احدثه عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه کان یفعل بالزوراء

یونہی تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ "ہم اپنے منصب سے اتر کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ لصیق المنبر اذان ہشام ابن عبد الملک نے ایجاد کیا" زعم فاسد اور وہم کاسد ہے۔ حقیقتِ امر یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متبعین اذان بین یدی الخطیب کو حادث و مکروہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی، ہشام ابن عبد الملک نے اپنے زمانہ میں اس اذان کو جسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقامِ زوراء پر دلانا جاری کیا تھا منارہ پر دلانا شروع کیا اور اس دوسری اذان کو منارہ کے

---

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الصلوٰة باب صلوٰة الجمعة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة المجلد الاول الجزء الثانی ص ۱۰۴۳

فنقله هشام الی المسجد علی المنارۃ۔

بجائے خطیب کے سامنے کردیا۔ مگر محققین مالکیہ نے اپنے ہی ہم مذہب علماء کے اس خیال کو رَد کردیا کہ ہشام نے دوسری اذان میں کوئی ترمیم نہیں کی وُہ عہدِ رسالت اور عہدِ شیخین بلکہ عہدِ عثمان و مابعد کے موافق برابر خطیب کے سامنے ہوتی رہی، ہشام نے تو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اضافہ کردہ اذان کو مقام زوراء سے منتقل کرکے منارہ مسجد نبوی پر کرانا شروع کیا۔

قال العلامۃ الزرقانی المالکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی شرح المواھب (عبارۃ ابن الحاجب من المالکیۃ "یحرم الاشتغال عن السعی عند اذان الخطبۃ وھو المعھود) فی زمانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، (فلما کان عثمان وکثروا امر بالاذان قبلہ علی الزوراء[1] ثم نقلہ ھشام الی المسجد وجعل الاٰخر بین یدیہ بمعنی انہ ابقاہ بالمکان الذی یفعل فیہ فلم یغیرہ بخلاف ماکان یفعل بالزوراء فحولہ الی المسجد علی المنار[1] باختصار

چنانچہ امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب لدنیہ میں ابن حاجب مالکی کی مندرجہ ذیل عبارت کی شرح میں فرمایا: "خطبہ کی اذان شروع ہونے پر نمازِ جمعہ کے لئے سعی حرام ہے" (یعنی اذانِ خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جانا چاہیے) زمانہ رسالت میں یہی معہود و معروف تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا زمانہ آیا اور نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو حضرت ذوالنورین نے خطیب کے منبر پہ بیٹھنے سے قبل بھی مقامِ زوراء پر ایک اذان پکارنے کا حکم دیا (پھر ہشام نے اس اذان کو مسجد کی طرف منتقل کیا اور دوسری اذان کو سامنے دلایا) مطلب یہ ہے کہ دوسری اذان وہیں دلائی جہاں عہدِ رسالت میں ہوتی تھی، اس میں کچھ تغیر نہیں کیا، البتہ حضرت عثمان غنی نے جو اذان مقام زوراء پہ دلوانی شروع

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۷۹

ولئن فرضنا ان هشامًا هو الذی غیر السنة فمن هشام وماهشام حتی یعتبر بتغییرہ ویوخذ بفعله وتترك سنة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم وخلفائه الراشدین لاجله لایرضی به احدٌ من اهل الدین ۔ ونسبة الوهابی ایاہ الی ائمة الهدٰی مالك وابی حنیفة وغیرهما رضی الله تعالٰی عنهم ۔ انهم اتبعوا هشامًا فیه وترکوا السنة لاجله افتراء منه علیهم وسبّة غلیظة فی حقهم حاشاهم عن ذٰلك، ولکن اذ قد الخبیث اذ قد سب محمدًا او سب رب محمد جل وعلا وصلی الله تعالٰی علیه وسلم وطبعه واشاعه فمن بقی نعوذ بالله من حال کل مرتد وشقی ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

نفحہ ١١: واذ قد طولبوا مرارًا انکم تدعون التوارث عن المصطفٰی صلی الله تعالٰی

کی تھی اس کو مسجد کی طرف منتقل کیا یعنی اسے منارہ پر دلوانے لگا' اھ بالاختصار۔

اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہشام نے منبر کے سامنے والی اذان میں بھی تصرف کیا اور اسے منبر کے متصل دلانے لگا اور سنتِ رسول کو بدل دیا، تو یہ ہشام کون ہے اور کیا ہے کہ اسکے بدلنے کا لحاظ کیا جائے اور اس کی اتباع کی جائے، اور اس کی خاطر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلائے راشدین کی سنت چھوڑ دی جائے۔ بھلا دینداروں میں سے کون اس پر راضی ہو گا! اور اس وہابی نے جو یہ کہا کہ ائمہ ہدٰی مثل امام مالک و ابوحنیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ہشام کی اتباع کی اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی۔ یہ ان ائمہ ہدٰی پر اس کی افترا پردازی ہے اور ان کی طرف ایک غلیظ برائی کی نسبت ہے، ان کا دامن اس آلودگی سے پاک ہے، لیکن اس خبیث نے جب گلہ گویوں کو دو ٹکڑے کر دیا اور اللہ و رسول (جل وعلا وصلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو گالی دی اور اسے چھاپ کر شائع کیا، تو اب کون رہ گیا، ہم مرتد کے حال سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نفحہ ١١: ان سے بار بار مطالبہ کیا گیا کہ تم لوگ اس باب میں زمانۂ رسالت سے آج تک کے توارث کے مدعی ہو تو کیا کسی اور

علیہ وسلم فهل نص علیه احد ، او عندکم علیه من دلیل ، ام انتم شاهدتم زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ، ام کل ما ترونه فی زمنکم فهو مستمر من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اجاءهم[عه] اضطرار الغریق الی التشبث بکل حشیش فتمسکوا بمنقول ومعقول ، اما المنقول فقول الهدایة والهندیة : اذن المؤذنون بین یدی المنبر وبذلك جری التوارث۔[1] وهذا کما تری نزغة من جهلهم بمعنی بین یدیه کما عرفت مفصلاً۔ فقول الهدایة حق وهدایة ، وفهمهم منه ان الاذان داخل المسجد متوارث من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم جهل وغوایة۔ واما المعقول فهو انه لم یذکر فی شیئ من التواریخ ان هذا الاذان سری الیه التغیر بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعلم انه کما یفعل الاٰن کان هکذا الفعل

نے بھی اس توارث پر نص کیا ہے، تمھارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے یا تم لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود رہ کر اس کا مشاہدہ کیا ہے یا آج تم لوگ کررہے ہو یا دیکھ رہے ہو، حضور کے زمانہ سے آج تک مسلسل جاری ہے تو ان کو ڈوبنے والے کی بیقراری گھیر لیتی ہے جو ہر تنکے پر سہارے کے لئے ہاتھ مارتا ہے۔ اور یہ لوگ ایک عقلی اور ایک نقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔ دلیل منقول میں ان لوگوں کا سہارا ہدایہ اور ہندیہ کا یہ قول ہے کہ "موذن نے منبر کے سامنے اذان دی اور اسی پر توارث ہوا" ان کی یہ دلیل اس جہالت کی پیداوار ہے کہ انھوں نے سامنے کے معنی متصل منبر قرار دے لیا جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے، تو ہدایہ کی بات تو حق و ہدایت ہے لیکن اس سے ان کا یہ سمجھنا کہ اذان کا منبر کے بالکل قریب ہونا متوارث ہے، ان کی جہالت ہے۔ اور عقلی دلیل ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب میں حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی تغیر ہوا۔ اور آج کل متصل منبر ہورہی ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ رسالت سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے —

عه فی الاصل هكذا ولعله الجاء۔

[1] الهدایة کتاب الصلوٰة باب صلوٰة الجمعة المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۵۱
الفتاوی الهندیة " الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۳

على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم
وهذا قول من ليس له من العلم الا
الاسم - فلا التواريخ التزمت ذكر
جميع الحوادث الجزئية المتعلقة بالمسائل
الشرعية، ولا كل كتب التواريخ وجد
المدعى، ولا كل ما وجد طالعه
برمته، ولا عدم الوجدان عدم
الوجود ولا عدم الذكر ذكر العدم - ولو
تنزلنا عن كل هذا فاذ
قد ثبت بالحديث الصحيح ان الذى
كان على عهد رسول الله صلى الله
تعالىٰ عليه وسلم خلاف ما شاع
فى هٰؤلاء فالتغير ثابت لا مرد
له افتردون الحديث الصحيح،
ام تكذبون العيان الصريح،
بان التواريخ لم تتعرض لبيان
التغير، ولكن الجهل اذا تملك
لم يخش الفضوح والتعيير، ولا حول و
لا قوة الا بالله العلى العظيم۔

نفحہ ۱۲: لا حجة فى توارث
البعض اذا خالف الحديث والفقه،
الا ترىٰ ان اجل توارث و
اعظمه واهيبه وافخمه توارث
اهل الحرمين المحترمين زادهما الله
تعالىٰ عزا وتعظيما واهلهما فضلا وتكريما

اس دلیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قائل
کو علم سے کچھ مَس ہی نہیں کیونکہ نہ تو تاریخ میں
اس بات کا التزام ہے کہ مسائل جزئیہ شرعیہ سے
متعلق ہر ہر جزئی کا اس میں بیان ہوگا۔ نہ مدعی
نے اسلام کی ساری تاریخی کتابوں کو پایا، نہ سب کا
حرفاً حرفاً مطالعہ کیا۔ ظاہر ہے کسی چیز کا نہ پانا
اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یونہی کسی امر کا
ذکر نہ ہونا اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ
ہوا ہی نہیں۔ اور اگر سب کچھ من وعن تسلیم
کرلیا جائے، تو یہاں توصحیح حدیث سے یہ
ثابت ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم کے زمانہ میں جو ہورہا تھا آج اس کے
خلاف کیا جارہا ہے، تو تاریخ میں ذکر ہو نہ ہو۔
صحیح حدیث سے تو ثابت ہورہا ہے کہ سنت رسول
میں تغیر ہوا، تو کیا آپ لوگ اہل تاریخ کی خوشی کا
سہارا لے کر صحیح حدیث کو جھٹلائیں گے، اور عین
صریح کا انکار کریں گے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جہل
جس پر سوار ہوجاتا ہے اسے رسوائی یا عار
دلانے کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔

نفحہ ۱۲: اور کچھ لوگوں کا توارث جب
حدیث وفقہ کے خلاف ہو تو لائق استدلال
نہیں ہوتا۔ سب جانتے ہیں کہ توارث میں
سب سے عظیم وبزرگ اور پرہیبت حرمین
محترمین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً کا توارث ہے
وہ بھی قرون اولٰی کا۔ مگر ہمارے امام اعظم

لاسیما فی القرون الاولی ومع ذلك لم یسلمه امامنا الاعظم وجمیع ائمۃ الفتوی فی مسألۃ الاذان الفجر من اللیل لمجیئ الحدیث بخلافہ قال فی الهدایۃ "لایؤذن لصلوۃ قبل دخول وقتها ویعاد فی الوقت لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهیل وقال ابویوسف وهو قول الشافعی رحمهما اللّٰه تعالٰی یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اهل الحرمین والحجۃ علی الکل قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لبلال رضی اللّٰه تعالٰی عنه لاتؤذن حتی یستبین لك الفجر هٰکذا ومدیدہ عرضا[1]" قال الامام الاکمل البابرتی فی العنایۃ، "قوله والحجۃ علی الکل ای علی ابی یوسف والشافعی واهل الحرمین یعنی ان الحدیث حجۃ علی الاخذ والماخوذ منه[2]" فاذا کان هذا فی توارث اهل الحرمین التابعین وتبع التابعین وهم ماهم فما ظنك

اور تمام اہلِ فتاوٰی اذانِ فجر کے مسئلہ میں اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حدیث اس توارث کے خلاف مروی ہے، ہدایہ میں ہے: "نمازِ فجر کے لئے دخولِ وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے، اور اگر پہلے دے دی گئی ہو تو وقت ہونے پر دُہرائی جائے کہ اذان وقت کے اعلان کے لئے ہے، اور وقت سے پہلے دینا لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔ امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ فجر کی اذان توارث حرمین شریفین کی وجہ سے فجر سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے، اور دونوں کے خلاف دلیل حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے جو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اس وقت تک اذان نہ دو جب تک صبح یوں روشن نہ ہوجائے۔ اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو عرض میں پھیلا دیا" حضرت امام اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں: "صاحبِ ہدایہ کا "حجۃ علی الکل" فرمانا امام شافعی، قاضی ابویوسف اور اہلِ حرمین سب کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث آخذ اور ماخوذ منہم سب پر حجت ہے۔" تو جب اہلِ حرمین وہ بھی تابعین اور تبع تابعین جیسے عظیم بزرگوں کا یہ حال ہے، پھر ان مدعیوں کے

---

[1] الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب الاذان المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۷۲ تا ۷۶

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر ؍؍ ؍؍ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۲۱

بتوارث تدعیه الآن فی بعض البلدان وما فیکم ولا فیمن ولی کم او ولی من ولی کم من یکون فعله او سکوته حجة فی الشرع فضلا عن ان یکون حجة علی الشرع واللّٰه یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

نفحہ ۱۳: ظهر بهذا وللّٰه الحمد وهن تمسکه بفعل مؤذن الحرمین الشریفین فمع ان هذا الاذان فی مکة زادها الله شرفا علی حاشیة المطاف وما کان مسجد الحرام علی عهد سید الانام علیه افضل الصلوٰة والسلام الا قدر المطاف کما فی المسلك المتقسط لعلی القاری وغیره فاذن محل الاذان الآن هو محله القدیم وان احاط به المسجد بالزیادة کما احاط ببئر زمزم۔ وفی المدینة المنورة صلی الله تعالٰی علی من نورها وبارك وسلم علی دکة بازاء المنبر فامر قد مت وقدتم الامر لما قدمنا ان الدکاك ومئذنة خارجة عن المسجد بالمعنی الاول غیر ان الشان فی احداثها کما

مذعومہ توارث کا کیا حال ہوگا جس میں آپ جیسوں سے پیوستہ لوگ ہیں۔ ان کا فعل یا سکوت شریعت میں حجت کب ہے کہ اس کو شرع کے خلاف حجت قرار دیا جائے۔ پس اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

نفحہ ۱۳: اس توضیح سے ان لوگوں کے استدلال کی کمزوری ظاہر ہوگئی جو حرمین شریفین کے مؤذنوں کے فعل سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ اذان مکہ شریف میں مطاف کے حاشیہ پر ہوتی ہے۔ اور حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد کریم میں مسجد حرام موجودہ مطاف کے حدود میں ہی تھی، جیسا کہ ملّا علی قاری کی مسلک متقسط وغیرہ میں ہے، تو اس تقدیر پر آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتی تھی۔ اب مسجد کی توسیع کی وجہ سے اگرچہ وہ جگہ مسجد کے احاطہ میں آگئی ہے، جیسا کہ چاہِ زمزم بھی فی الحال مسجد کے احاطہ میں ہی ہے، اور مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں چبوترے پر جو منبر کے مقابل ہے۔ تو اگر یہ چبوترے قدیمی ہوں تو بات مکمل ہوگئی کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ چبوترہ اور مئذنہ مسجد بالمعنی الاول سے خارج ہے لیکن بات تو ان کے حادث ہونے کی ہے۔ تو ان سے

تقدم فكيف يحتج به، والله الهادي۔

اذ علمت ان امامنا رضی الله تعالیٰ عنه وجمیع ائمة الفتوی بعده لم یقبلوا توارث التابعین وتبعهم من اهل الحرمین الشریفین لمخالفة الحدیث فما ظنك بفعل مؤذن الزمان وهل یسوغ لحنفی ان یستبیح الجهر بکلام لمستمع الخطبة ولو کان صلوٰة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم او ترضیا للصحابة او دعاء للسلطان اعز الله نصره وخذل اعدائه اولسیدنا الشریف حفظه الله تعالیٰ - الیس قد اجمع ائمتنا علیٰ تحریم الکلام اذ ذاك و لو دینیا وفوق ذلك بکثیر امر التمطیط فی التکبیر قد اقام علیه النکیر المحقق فی فتح القدیر ولم یستبعد فساد صلوٰة من یفعله ای وکذا صلوٰة من یصلی بتکبیره وتبعه علیه فی الحلیة والنهر والدرر وغیرها وجزم بفساد الصلاة به السید العلامة اسعد مفتی المدینة المنورة تلمیذ

اذان کے اندرونِ مسجد ہونے پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے۔

جب آپ جان چکے کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد تمام اہلِ فتویٰ نے تابعین اور تبع تابعین کا توارث قبول نہیں کیا کہ یہ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ تو آجکل کے مؤذنوں کی کیا حقیقت ہے، کیا کسی حنفی کو یہ اجازت ہے کہ خطبۂ جمعہ سننے والے کو بلند آواز سے بولنے کی اجازت دے، اگرچہ یہ کلام حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر درود شریف کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو یا صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہم ہی کیوں نہ ہو یا سلطانِ اسلام یا شریفِ مکہ کے لئے دعاءِ خیر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا ہمارے ائمہ نے اس وقت دینی اور دنیاوی سبھی قسم کے کلاموں کی حرمت پر اجماع نہیں کیا؟ اور اس سے زیادہ اہم معاملہ تکبیر کے ابلاغ ہی کے لئے مکبر کا بہت بلند آواز سے گٹکری بھر کر تکبیر بولنے کا ہے۔ محقق علے الاطلاق امام ابن ہمام نے اس کی سخت تردید کی اور فرمایا: "ایسا کرنے والے کی نماز فاسد ہونے کا ڈر ہے۔" یُونہی اس کی نماز جو ایسے مکبر کی آواز پر بنا کرے اور صاحبانِ حلیہ و درر و نہر اور اس کے علاوہ علماء نے بھی اس کی مخالفت فرمائی، اور اس کی نماز فاسد ہونے کا فتویٰ سید علامہ مفتی اسعد مفتیِ مدینہ منورہ نے دیا جو

العلامة شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر معاصر المدقق العلامة محمد الحصکفی صاحب الدر المختار رحمھم العزیز الغفار قد حکی فی اوائل فتاواہ من ھذا ما یفضی الی العجب فراجعھا ان شئت۔

وبالجملة دلائل الشرع محصورة ولا حجة فی فعل کل احد لاسیما من لیس بعالم ولا تحت العلماء ولکن العجب کل العجب من ھؤلاء الوھابیة الملاحدة الزنادقة السابة للہ ولرسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کیف یحتجون بفعل المؤذنین و یرمون حضرات سادتنا علماء الحرمین الشریفین نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم، فی کتبھم وخطبھم بشنائع فظیعة قد براھم اللہ تعالٰی عنھا۔ والوھابیة قوم یکذبون ثم لایقتدون بعلماء الحرمین فی عقائدھم الحقة فضلاً عن اعمالھم الحسنة کمجلس المیلاد الشریف والقیام فیہ لتعظیم من عظم اللہ تعالٰی

شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر کے شاگرد ہیں۔ اور صاحب درمختار کے ہمعصر ہیں۔ اللہ تعالٰی ان سب پر اپنی رحمت کی بارش برسائے، انھوں نے اپنے فتاوٰی کے شروع میں اس سلسلہ کی ایک عجیب بات نقل کی جسے دیکھا جاسکتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شریعت کی دلیلیں محدود و مشہور ہیں، اور ان کے باہر کسی کے عمل سے استدلال نہیں ہوسکتا بالخصوص جبکہ وہ عالم بھی نہ ہو، نہ علماء کا زیر فرمان ہو، لیکن ان وہابیہ زنادقہ پر سخت تعجب ہے کہ کس طرح مؤذن کے فعل سے استدلال کرتے ہیں اور حرمین شریفین کے حضرات سادات علمائے کرام کو بدنام کرتے ہیں۔ یہ ذلیل قوم علمائے حرمین شریفین پر غلط اتہام رکھتی ہے اور ان کے حق فتووں کی اقتدار نہیں کرتی، تو ان کے اعمال حسنہ مثل میلاد و قیام کی کیا پیروی کریں گی! ان پر قول فیصل یہ ہے کہ انھیں سادات حرمین کا فتوٰی حسام الحرمین دکھا کر کہا جائے یہ علمائے حرمین کا فتوٰی نہیں ہے؟ تو اگر وہ اس کو رد کرتے ہیں تو مؤذنین حرمین کے فعل سے ہم پر الزام کرنے کا کیا حق ہے؟ اور اقرار کرکے ان وہابیہ کی تکفیر کرتے ہیں تو ان سے کہا جائے کہ مسئلہ اذان میں آپ ان کا فروں کی کیوں اتباع کرتے ہیں آپ کو تو انکار کرنے کا حق ہے۔

(ہم اللہ تعالٰی سے عفو و عافیت کے طالب ہیں، اور اس کے علاوہ نہ کوئی قوت والا ہے

شانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نفحہ ۱۴: قدمنا من الخطبۃ ثم فی الاجمال فی بحث التوارث الباطل المظنون (وانہ کیف یسری الی الظنون) مایکفی ویشفی وبینا الحق و رفعنا اللوم عن اساتذتکم واشیاخکم بل وعنکم ایضًا یا مخالفین ان رجعتم الی الحق بعد ماظھر ولم تنکروا الصبح حین زھر فارجعہ فانہ مھم و من لم یرجع فھوجبل واقع بھم، ومن الدلیل علٰی ما ذکرت ان العالم ینکر فلا یسمع ما قدمت الاٰن عن رد المحتار من تعطل نفاذ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر منذ ازمنۃ[1]، وعلٰی ما ذکرت ان العالم یسکت حینئذ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا رأیت الناس قد مرجت عھودھم وخفت اما نتھم وکانوا ھٰکذا و شبک بین انا ملہ فالزم بیتک و املك علیك لسانك وخذ ما تعرف ودع ماتنکر و علیك بخاصۃ امر نفسك ودع

نہ طاقت والا وہی علی وہی عظیم ہے جل جلالہٗ وعم نوالہٗ)

نفحہ ۱۴: توارث باطل ومظنون کے بارے میں خطبہ میں اور توارث کی اجمالی بحث میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا وُہ کافی اور شافی ہے۔ ہم نے حق واضح کیا اور مدعیان توارث کے استاذوں ان کے شیوخ اور خود ان سے بھی "سکوت عن الحق" کا الزام زائل کیا۔ کاش کہ یہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے اور صبح چمکنے کے بعد اس کا انکار نہ کرتے، حالانکہ وہ ان کے لئے اہم اور ایسا پتھر ہے جو بے توجہی سے انھیں کے اوپر آپڑے گا۔ ہمارے اس دعوٰی پر کہ "عالم انکار کرتا ہے مگر عوام اس کی پرواہ نہیں کرتے" دلیل صاحب رد المحتار کا مذکورہ بالا قول ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مدتوں سے معطل ہوچکا ہے۔" اور اس امر کی دلیل کہ "بسا اوقات عالم منکر دیکھ کر خاموش رہتا ہے" حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا یہ قول ہے: "جب تم لوگوں کو اس حال میں دیکھو کہ ان کے عہود ایک دوسرے سے گتھ گئے ہیں اور امانتوں کو ہلکا سمجھنے لگے ہیں، اور وہ جال کی طرح بن گئے ہیں (حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرما کر جال کی صورت بنائی) تو تم اپنے گھر کو لازم پکڑو، اور اپنی زبان کو قابو میں

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۲

عنك امر العامة "۔ رواہ الحاکم[1] عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما و صححہ و اقرہ الترمذی۔

رکھو، خود اپنے نفس کی نگہداشت لازم جانو، اور عوام کا معاملہ ان پر چھوڑ دو۔" اسے حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور اسے ترمذی نے برقرار رکھا۔

وابن ماجۃ عن ابی ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ائتمروا بالمعروف وتناھوا عن المنکر حتی اذا رأیت شحا مطاعا وھوی متبعا ودنیا مؤثرۃ واعجاب کل ذی رأی برأیہ ورأیت امرا لابد لك بہ فعلیك خویصۃ نفسك ودع امر العوام[2] (الحدیث)۔

ابن ماجہ نے ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو تا آنکہ بخل کی حکومت دیکھو، خواہشات نفس کی پیروی کی جانے لگے، اور لوگ دنیا کو اختیار کر چکے ہوں۔ ہر رائے والا اپنی رائے پسند کرے ایسے میں کوئی ضروری معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

ونظیر ما ذکرت من شیوع امر من قبل السلطنۃ ما فی الھدایۃ فی تکبیرات العیدین "ظھر عمل العامۃ الیوم بقول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما لامر بنیہ الخلفاء فاما المذھب فالقول الاول[3] اھ۔"

اور اس بات کا ثبوت کہ سلطنتوں کی طرف سے بھی بہت باتیں پھیلائی جاتی ہیں صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ "تکبیرات عیدین میں آج کل عام طور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر عمل ہو رہا ہے کیونکہ خلفائے بنو العباس نے اسی پر عملدرآمد کا حکم دیا، لیکن مذہب تو احناف کا قول اول ہی (یعنی چھ زائد تکبیریں) ہے۔"

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الادب دار الفکر بیروت ۴/ ۲۸۲ و ۲۸۳
[2] سنن ابن ماجہ کتاب الفتن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۹
[3] الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب العیدین المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۵۳

وماذکرت من سکوت العلماء علیه سکوتھم وھم صحابة متوافرون وائمة اجلاء تابعون علی زخرفة الولید المسجد الشریف النبوی حتی انفق علی جدار القبلة وما بین السقفین خمسة وارب عون الف دینار مع ان بعضھم قد انکر علی امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنه حین بناه بالحجارة مکان اللبن و قصصه و سقفه بالساج مکان الجرید۔ قال الامام العینی فی العمدة "اول من زخرف المساجد الولید بن عبدالملك بن مروان وذٰلك فی اواخر عصر الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم وسکت کثیر من اھل العلم عن انکار ذٰلك خوفاً من الفتنة اھ"[1]

اور جو میں نے یہ کہا کہ ظہور منکرات کے وقت علماء خاموش رہے ہیں، اس کا ثبوت علمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین کثیرہ متوافرہ ائمہ اجلہ کی وہ خاموشی ہے جو ولید کے مسجد نبوی شریف کے آرائش کرنے پر تھی اس نے دیوارِ قبلہ اور دونوں چھتوں کے مابین کی آرائش پر ۴۵ ہزار اشرفیاں خرچ کی تھیں حالانکہ انھیں میں بعض امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس بات پر نکیر کرچکے تھے کہ انھوں نے دیواروں کو اینٹوں کے بجائے منقش پتھروں سے بنوایا اور چھت کو کھجور کے پتوں کے بجائے ساج کی لکڑی سے۔ امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "ولید بن عبدالملک بن مروان نے سب سے پہلے مسجد شریف کو مزین کیا، صحابہ کرام کے آخری عہد کی بات ہے، بہت سارے اہلِ علم اس وقت اس لئے خاموش رہے کہ فتنہ برپا ہوگا۔"

ولابن عدی فی الکامل والبیھقی فی الشعب عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: "اذا رأیتم امراً لا تستطیعون تغییرہ فاصبروا حتی یکون اللہ ھوالذی یغیرہ"[2]

ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے انھوں نے حضور اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا "جب تم کوئی ایسا کام دیکھو جس کے بدلنے کی تم طاقت نہیں رکھتے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اسے بدل دے۔"

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب بنیان المسجد تحت الحدیث ۴۴۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۳۰۴

[2] شعب الایمان حدیث ۹۸۰۲ ۷/۱۴۹ و الکامل لابن عدی ترجمہ عفیر بن معدان الحمصی ۵/۲۰۱۷

17

والدليل على ما ذكرت من اشتباه الامر فى ذلك على المتاخرين حتى العلماء بالتعامل ما اسلفت عن الشيخ المجدد وقد كان فى ما قررنا ابانة اعذار لمن عبر ومن غبر فان لم يرض به المخالفون فهم الذين يقضون على اساتذتهم و مشائخهم اما بالجهل او بالسكوت عن الحق و قد كانت لهم مندوحة عنه الم يعلموا ان الخليفة الراشد امير المومنين عمر بن عبد العزيز رضى الله تعالٰى عنه كم من سنن احياها وظلمات بدع اجلاها فكان له الاجر الجزيل والذكر الجميل والفخر الجليل ولم يكن عتب قط على من قبله من الصحابة الكرام واكابر ائمة التابعين الاعلام رضى الله تعالٰى عنهم انهم جهلوا الحق اوسكتوا عنه ولا قيل لامير المومنين انك تقحمت ما اجتنبوه او انكرت ما اقروه افانت اعلم منهم بالسنة او اتقى منهم للفتنة وعلٰى هذا درج امر كل مجدد فانه لايبعث الا لتجديد ما خلق و تشئيد ماوهى وربما كان من قبله اعلم منه واتقى۔ وكذٰلك غير المجددين

اور اس امر کی دلیل کہ اس معاملہ میں متاخرین پر معاملہ تعامل سے مشتبہ ہوگیا حد یہ کہ علماء بھی شبہہ میں پڑ گئے شیخ مجدد کا وہ قول ہے جسے ہم نقل کر چکے ہیں۔ ہمارے اس بیان سے گزرنے والوں اور باقی رہنے والوں سبھی کا عذر ظاہر ہوگیا۔ اگر کوئی ہمارے اس بیان پر راضی نہ ہو تو خود اپنے ہی شیوخ اور اساتذہ پر جہل یا سکوت عن الحق کا فیصلہ کرتا ہے حالانکہ وہ اس سے بچ سکتا تھا۔ خلیفۂ راشد عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے کتنی سنتوں کا احیاء فرمایا اور کتنی بدعتوں کی تاریکیاں کافور فرمائیں۔ یہ امر ان کے لئے تو اجر عظیم اور بقائے ذکر حسن کا ذریعہ ہے اور بجا طور پر باعثِ فخر و مباہات ہے۔ لیکن ان سے قبل گزرنے والے صحابہ کرام اور اکابر ائمہ تابعین اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے کسی عتاب یا عیب جوئی کا سبب نہیں کہ وہ لوگ حق سے غافل رہے یا اس سے خاموشی اختیار کی۔ نہ اس سے امیر المومنین پر خوردہ گیری کی گئی کہ آپ نے ان چیزوں کی مزاحمت کیوں کی جس سے متقدمین ائمہ نے پرہیز کیا، یا آپ نے ان امور کا انکار کیا، جسے ان بزرگوں نے باقی رکھا، تو کیا آپ ان سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں اور ان سے زیادہ ذکی و علیم ہیں؟ اور اسی میں تمام مجددین کا

من کل عالم تصدّٰی لاحیاء السنة او اخماد بدعة فانه یحمد و یوجر ولا یذم من مضٰی قبله ولا یعیر بخلاف من غبر بل من المثل الدائر السائر کم ترك الاول للاٰخر و ھذا سیدنا الغوث الاعظم القطب الاکرم سید الاولیاء و سند الائمة والعلماء صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیه الاکرم وعلیه وعلٰی اصوله و فروعه و مشائخه و مریدیه وکل من انتمٰی الیه، روی عنه الائمة الکبار باسانید صحیحة مفصلة فی البھجة الشریفة وغیرھا من الکتب المنیفة: "انه قیل له رضی اللہ تعالٰی عنه ما سبب تسمیتك محی الدین، قال رجعت من بعض سیاحاتی مرة فی یوم جمعة فی سنة احدی عشرة وخمسمائة الی بغداد حافیا فمررت بشخص مریض متغیر اللون نحیف البدن،

معاملہ شامل ہے کہ وہ بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ جو کمزوری آگئی ہے اسے مضبوط کریں اور جو کہنہ معلوم ہو رہا ہے اس کو نیا کریں۔ اور بسا اوقات ان مجددین سے پہلے ان سے بڑے بڑے اور ان سے زیادہ پرہیزگار علماء گزر چکے ہوتے ہیں۔ اور علمائے غیر مجددین بھی احیائے سنت و اماتت بدعت ہی کے درپے ہوتے ہیں اور کسی بات پر ان کی تعریف ہوتی ہے جس کا انھیں اجر ملے گا۔ اور جو یہ کارنامہ کئے بغیر گزر گئے نہ تو ان کی برائی ہوتی ہے نہ کرنیوالوں کو عار دلایا جاتا ہے، اور یہ تو ایک مشہور مثل ہے کہ پہلے کے بزرگ بعد میں آنے والوں کیلئے بہت سے کام چھوڑ گئے۔ حضرت غوث اعظم، قطب معظم، سید الاولیاء، سند الائمہ اللہ تعالٰی ان کے جد کریم، خود ان پر اور ان کے اصول و فروع، مشائخ و مریدین اور ان سے نسبت رکھنے والوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے سے ائمہ کبار نے سند صحیح کے ساتھ بہجۃ الاسرار وغیرہ معتبرات میں روایت کی کہ: "آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا حضور! آپ کا لقب محی الدین کیسے ہوا؟ آپ نے جواب دیا میں ۵۱۱ھ میں اپنی کسی سیاحت سے جمعہ کے دن بغداد لوٹ رہا تھا اس وقت میرے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے راستہ میں ایک کمزور اور نحیف، رنگ بریدہ مریض آدمی پڑا ہوا ملا،

فقال لی السلام علیك یا عبد القادر، فرددت علیه السلام، فقال ادن منّی فدنوت منه، فقال لی اجلسنی فاجلسته فنما جسده و حسنت صورته وصفا لونه فخفت منه، فقال اتعرفنی، فقلت لا، قال انا الدین وکنت دثرت کما رأیتنی و قد احیانی اللّٰه تعالٰی بك و انت محی الدین، فترکته وانصرفت الی الجامع فلقینی رجل ووضع لی نعلًا وقال یا سیدی محی الدین، فلما قضیت الصلٰوۃ اهرع الناس الی یقبلون یدی ویقولون یا محی الدین، وما دعیت به من قبل[1] کلامه الشریف۔

قلت وهذا وان بلغ اشده وبلغ اربعین سنة رضی اللّٰه تعالٰی عنه فلو ان الاسلام لم یبلغ فی عهده رضی اللّٰه تعالٰی عنه الی ان یعد میتا فما الذی احیاه وعلام سمی محی الدین وان کان بلغ الی تلك الغایة فما ظنك بائمة اجلاء

اس نے مجھے عبد القادر کہہ کر سلام کیا میں نے اس کا جواب دیا تو اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے کہا کہ آپ مجھے بٹھا دیجئے۔ میرے بٹھاتے ہی اس کا جسم تر و تازہ ہوگیا صورت نکھر آئی اور رنگ چمک اٹھا مجھے اس سے خوف معلوم ہوا، تو اس نے کہا مجھے پہچانتے ہو، میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اس نے بتایا میں ہی دین اسلام ہوں اللہ تعالٰی نے آپ کی وجہ سے مجھے زندگی دی اور آپ محی الدین ہیں۔ میں وہاں سے جامع مسجد کی طرف چلا، ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جوتے پیش کئے اور مجھے محی الدین کہہ کر پکارا، میں نماز پڑھ چکا تو لوگ چہار جانب سے مجھ پر ٹوٹ پڑے میرا ہاتھ چومتے اور مجھے محی الدین کہتے۔ اس سے قبل مجھے کسی نے محی الدین نہیں کہا تھا۔"

میں کہتا ہوں یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کمال کو پہنچ گئے تھے اور آپ کی عمر شریف چالیس سال ہوچکی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کی ایسی حالت ہوگئی تھی کہ اس کو مردہ کہا جائے گا یا نہیں، اگر کہا جائے کہ نہیں، تو آپ نے زندہ کس کو کیا، اور آپ کا نام محی الدین کیوں ہوا۔ اور اگر ہاں کہا جائے تو وہ ائمہ عظام اور

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۱۰۹

علماء و اولیاء کانوا قبله اهم کانوا عنه غافلین او ترکوا نصره حتی بلغ الیٰ ذٰلك الضعف المبین ۔ ام تزعمون ان الارض کانت خلت عن ولی الله و عالم امین کل ذٰلك من اجلی الاباطیل لایذهب الیه عاقل ذودین۔

وانما الامر ما وصفنا ان لمن احیا لاحقا اجره ولمن سکت سابقا عذره ، والاشیاء مقسومة بید التقدیر القدیم "ان الفضل بید الله یؤتیه من یشاء[1]، و الله ذو الفضل العظیم[2]"

وبالجملہ انما هم الشریعة یردون و باب احیاء السنة یسدون اذ کلما قام عبد الله یحی سنة او یمیت بدعة یقال له الم یك قبلك علماء بالدین، اکانوا جاهلین، ام غافلین، ام انت اعلم منهم اجمعین، وما هو الا تصدیق قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "لیاتین علی الناس زمان یکذب فیه الصادق ویصدق فیه الکاذب[3] ـ وحدیث یکون المعروف

اولیاء تمام جو آپ سے پہلے تھے کیا اسلام کی ... غافل تھے یا انھوں نے حق کی حمایت چھوڑ دی تھی کہ دین ضعف کی اس حد تک پہنچ گیا تھا یا پھر یہ گمان کیا جائے کہ دنیا علماء و اولیاء سے خالی ہوگئی تھی ۔ حالانکہ یہ تینوں باتیں خلافِ واقعہ اور باطل ہیں ۔

توحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس نے بعد میں احیائے دین کیا اس کیلئے اجر ہے ، اور جو لوگ پہلے خاموش گزرے ان کے لئے عذر ہے ۔ اشیاء کی تقدیر ازل سے ہی دستِ قدرت میں ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل بے نہایت سے جس کو چاہتا ہے فضیلت عطا فرماتا ہے ۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ مخالفین اذانِ بیرونِ مسجد شریعت کو رَد کرتے ہیں ، اور احیاءِ سنت کا راستہ مسدود کرتے ہیں اس لئے کہ جب کوئی بندہ احیاءِ سنت و اماتتِ بدعت کیلئے اُٹھے اسے یہ کہہ کر رد کیا جا سکتا ہے ، کیا آپ سے پہلے علمائے دین نہ تھے ؟ کیا وہ سب جاہل تھے ؟ کیا وہ سب غافل تھے ؟ یا آپ ان سب سے بڑے عالم ہیں ؟ تو یہ صورتِ حال اس حدیثِ کریم کا مصداق ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا " ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ سچا جھٹلایا جائے گا اور جھوٹے کو شاباش ملے گی ، معروف و مشروع باتیں ناپسند

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷۳
[2] القرآن الکریم ۳/ ۷۴
[3] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/ ۲۹۳

منکرًا والمنکر معروفًا[1]۔

کما قد منا فھذا ما یریدون والذین یکیدون وما یکیدون الا انفسھم ولکن لا یشعرون۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

واذ قد فرغنا بحمد اللہ تعالٰی عن ابطال ما توافقوا علیہ فلنأت علٰی ما انفرد بہ بعضھم عن بعض وباللہ التوفیق۔ ؎

نفحہ ۱۵: ذکر بعضھم اثرا جعلہ من روایۃ جویبر فی تفسیرہ عن الضحاک عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ، ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ امر مؤذنین ان یؤذنا للناس الجمعۃ خارجا من المسجد حتی یسمع الناس وامران یؤذن بین یدیہ کما کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ ثم قال عمر نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین[2]۔

فدل بمفھومہ ان الاذان بین یدیہ لم یکن خارج المسجد ودل بقولہ کما کان انہ فی عھد النبی

ہوں گی اور منکرات کو قبول کیا جائے گا۔"

یہ ان لوگوں کی مراد اور حیلہ جوئیوں کا جواب ہے اور یہ مکر کرتے ہیں اور مکر سے آدمی اپنے نفس کو ہی دھوکا دیتا ہے۔ ہم تو اللہ تعالٰی سے عفو و عافیت کے طلبگار ہیں۔

یہاں تک ہم ان کی مشترکہ جدوجہد کی تنقید سے فارغ ہو چکے ہیں اور اب انفرادی کاوشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، توفیقِ خیر تو اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ ؎

نفحہ ۱۵: بعضوں نے ایک اثر نقل کیا جسے جویبر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیا کہ "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کیلئے خارج مسجد اذان دیں تاکہ لوگ سن لیں، اور یہ حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان دی جائے جیسا کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی میں ہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔"

اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اذان بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔ اور اس اذان کے لئے یہ کہنا کہ یہ اذان عہدِ رسالت

---

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۹۰۶۹ کان یجلس علی الارض دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/۲۶۲

[2] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۲/۴۵

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایضًا داخل المسجد۔

اور زمانہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایسے ہی ہوتی تھی، اس لئے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ یہ اذان ان زمانوں میں اندرونِ مسجد ہوتی تھی۔

اقول اولًا قد اعطیناک فی النفحۃ التاسعۃ الفقہیۃ من معانی المسجد ما یغنیک و یعینک علٰی کل ما یاتیک من امثال ھذا التشکیک فامر مؤذنین ان یؤذنا خارج المسجد بالمعنی الثانی او الثالث ایضًا کما فعلہ امیرالمومنین ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہم اذ زاد اذانًا علی الزوراء عند کثرۃ المسلمین و یشیر الیہ فی نفس الاثر قولہ "حتّٰی یسمع الناس" وقولہ "نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین" فلا یدل ان دل الاعلٰی کون الاذان بین یدیہ داخل المسجد باحد ھذین المعنیین وھو عین مرادنا "فلینظر ھل یذھبن کیدہ ما یغیظ"۔

اقول (میں کہتا ہوں) اولًا ہم نویں فقہی نفحہ میں بیان کر آئے ہیں کہ مسجد کے تین اطلاقات ہیں، اسی اعتبار سے خارج مسجد کے بھی تین معنے ہوں گے۔ اثر مذکور میں آئے ہوئے لفظ حتی یسمع الناس اور ابتدعناہ عند کثرۃ المسلمین اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں خارج مسجد سے مراد معنی ثالث ہیں، اور معنی ثانی ہو تو بھی ہم کو کچھ ضرر نہیں کہ ہم بھی تو اسی کے قائل ہیں کہ حدودِ مسجد کے اندر ہو مگر موضع صلوٰۃ سے باہر ہو۔ مسجد کے اطلاق کی مذکورہ بالا توضیح ایسے تمام شبہوں کے لئے نسخہ شفا ہے۔

وثانیًا انظروا الٰی ظلم ھؤلاء یردون حدیث صحیح ابی داؤد لاجل محمد بن اسحٰق الذی اجمع عامۃ ائمۃ الحدیث والفقہ علی توثیقہ، و

وثانیًا یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ یہ حضرات حضرت ابوداؤد رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیثِ صحیح کو تو رد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق پر جرح کرتے ہیں جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث و فقہ متفق ہیں۔

ل‍ہ فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

يحتجون باثر جويبر وما جويبر من ابن اسحٰق الّا كالعتمة من الاصباح۔ رجل لم يذكر فی تهذيب الكمال و لا تذهيب التهذيب ولا تهذيب التهذيب ولا ميزان الاعتدال ولا اللاٰلی المصنوعة و لا العلل المتناهية ولا خلاصة التهذيب مع الزيادات توثيقاله عن احد من ائمة التعديل انما ذكروا عنهم جرحه۔ قال النسائی وعلی بن جنيد والدارقطنی "متروك"[1] قال ابن معين "ليس بشئ ضعيف"[2]۔ قال ابن المدينی "ضعيف جدا"[3]۔ وذكره يعقوب ابن سفيٰن "فی باب من يرغب عن الرواية عنهم"[4]۔ وقال ابوداؤد "هو علٰی ضعفه"[5]۔ وقال ابن عدی "الضعف علٰی حديثه ورواياته بيّن"[6]۔ وقال الحاكم ابو احمد "ذاهب الحديث"[7]۔ قال الحاكم ابو عبد الله "انا ابرأ الی الله من عهدته"[8]۔ وقال ابن حبان "يروی عن الضحاك اشياء مقلوبة"[9]۔ وقال فی اللاٰلی هالك "تالف متروك جدا"[10]۔ ونقل فی ذيلها عن لسان الميزان

اور جویبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ جویبر اور ابن اسحٰق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے، نہ تو تہذیب الکمال میں جویبر کی توثیق کسی امام ائمہ تعدیل سے مروی، نہ تذہیب التہذیب میں، نہ تہذیب التہذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لاٰلی المصنوعہ، نہ علل المتناہیہ نہ خلاصۃ التہذیب مع زیادات میں، بے تو صرف جرح ہے۔ چنانچہ نسائی وعلی بن جنید اور دارقطنی فرماتے ہیں، متروک ہے ـــــ ابن معین فرماتے ہیں، کچھ نہیں ضعیف ہے ـــــ ابن المدینی فرماتے ہیں؛ بے حد ضعیف ہیں ـــــ یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا جن سے روایت نہ کی جائے ـــــ امام ابوداؤد نے فرمایا؛ وہ ضعف پر ہیں ـــــ ابن عدی فرماتے ہیں؛ ان کی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے ـــــ حاکم ابو احمد نے فرمایا؛ ان کی حدیثیں ضائع ہیں ـــــ حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا؛ میں ان کی حدیثوں سے اللہ تعالٰی کی طرف برأت ظاہر کرتا ہوں ـــــ ابن حبان فرماتے ہیں، ضحاک سے الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتا ہے ـــــ لاٰلی میں فرمایا؛ ہلاک کرنیوالے، برباد کرنیوالے سخت متروک ہیں۔ ـــــ اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے

---

[1] تا [5] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۳۲۰
[6] تا [9] " " " " " " " " ۱/۳۲۱
[10] اللاٰلی المصنوعۃ

"متروك الحديث عند المحدثين[1]" وقال فی التقریب "ضعیف جدًا[2]" وقال احمد بن سیار "حاله حسن فی التفسیر وهو لین فی الروایة[3]" وعده یحیٰی ابن سعید "ممن لایوثقونه فی الحدیث، هٰؤلاء لایحمل حدیثهم ویکتب التفسیر عنهم[4]" وقال فی الاتقان بعد ذکران الضحاك عن ابن عباس منقطع "وان کان من روایة جویبر عن الضحاك فاشد ضعفالان جویبرا شدید الضعف متروك اھ[5]" ولکن اذا لم تستحی فاصنع ماشئت[6]۔

منقول ہے، محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے ــــ تقریب میں ہے: بے حد ضعیف ہیں ــــ احمد بن سیار نے فرمایا: تفسیر میں ان کا حال ٹھیک ہے اور روایت میں کمزور ہیں۔ ــــ یحیٰی ابن سعید نے فرمایا: حدیث میں ان پر بھروسا نہیں کیا جاتا، روایت نہیں کی جاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے ــــ اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا: ضحاک کی روایت ابن اسحٰق سے منقطع ہے، اور اگر ضحاک سے جویبر روایت کریں تو اور شدید ہے، اور یہ متروک ہیں ــــ تو کتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جویبر جیسے متروک الحدیث کی روایت سے سند پکڑی جائے، اور محمد ابن اسحٰق جیسے ثقہ کی روایت چھوڑ دی جائے۔

وثالثًا من ظلمهم الدندنة علیٰ حدیث ابن اسحٰق بالعنعنة وما فی عنعنة المدلس الاحتمال الانقطاع ثم عادوا یتمسکون بهٰذا الاثر وفیه مکحول عن معاذ

ثالثًا ان حضرات کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ محمد ابن اسحٰق کی حدیث پر معنعن ہونے کا الزام لگاتے ہیں جبکہ مدلس کی معنعن حدیث میں روایت کے منقطع ہونے کا احتمال ہے اور روایت جویبر میں شدید ضعف کے ساتھ ساتھ مکحول عن

---

[1] ذیل اللآلی المصنوعة کتاب العلم المکتبة الاثریة سانگلہ ہل، شیخوپورہ ص ۴۳
[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۹۸۹ جویبر بن سعید دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۱۶۸
[3] تہذیب التہذیب ترجمہ " " مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[4] " " " " " " " " "
[5] الاتقان النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی " ۲/۴۷۲
[6] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ و ۶۶۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۷/۲۳۸، ۲۳۷

منقطع قطعا۔

معاذ روایت ہے جو یقیناً منقطع ہے۔

ورابعًا من خیانتھم ان اثروا ھٰذا الاثرعن فتح الباری وترکوا قولہ "ھذا منقطع بین مکحول ومعاذ"۔[1]

رابعًا ان حضرات نے جویبر کے اثر کو فتح الباری سے نقل کیا اور اس پر خود صاحب فتح الباری کی یہ جرح چھوڑ دی کہ یہ اثر مکحول اور معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان منقطع ہے۔

وخامسًا ترکوا قولہ "ولا یثبت لان معاذًا کان خرج من المدینۃ الی الشام فی اول ماغزوا الشام واستمرالٰی ان مات بالشام فی طاعون عمواس[2]۔"

خامسًا صاحب فتح الباری کی یہ تنقید بھی ترک کر دی "یہ روایت ثابت نہیں" کہ اس روایت میں ہے کہ عہدِ عمر کا یہ قصہ حضرت معاذ نے مکحول سے بیان کیا جب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری سال شام گئے، پھر وہیں رہ گئے، مدینہ شریف واپس نہیں آئے یہاں تک کہ طاعون عمواس میں ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔

وسادسًا ترکوا قولہ "وقد تواردت الروایات ان عثمٰن ھو الذی زادہ فھو المعتمد[3] اھ"

سادسًا ان لوگوں نے صاحبِ فتح کی یہ تنقید بھی چھوڑ دی کہ متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اذانِ اول کا اضافہ کرنیوالے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔

فقد افادان الاثر منقطع ومعلول ومنکر لمخالفتہ لاحادیث صحیح البخاری وغیرہ الکثیرۃ المشھورۃ فترکوا کل ذٰلک خائنین۔

ابن حجر کی ان تنقیدوں سے ثابت ہوا کہ یہ اثر منقطع ہے، معلول ہے، بخاری شریف کی احادیث صحیحہ مشہورہ کی مخالفت ہونے کی وجہ سے منکر ہے، اور ان حضرات نے سب کو چھوڑا تو خائن ہوئے۔

---

[1] تا [3] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفٰے البابی مصر ۲/۴۵

وسابعًا ان کان فیہ شیئ فلیس الا مفہوم وردہ عند ائمتنا معلوم لاسیما مفہوم اللقب الذی ھو اضعف المفاھیم لم یقل بہ الا شرذمۃ قلیلۃ من الحنابلۃ ودقاق الشافعی وانداد المالکی۔

سابعًا اس عبارت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بطور عبارۃ النص نہیں بلکہ بطور مفہوم مخالف اور مفہوم مخالف بھی لقبی جو ائمۂ احناف کے نزدیک اضعف المفاہیم ہے۔ یوں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا ہی اعتبار نہیں، مفہوم مخالف لقبی کا کیا ذکر جو مالکیہ کے ایک مختصر گروہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور دقاق شافعی اور انداد مالکی کا قول ہے۔

وثامنًا جاء الملک ثلثۃ سفراء ووصل احدھم الی باب تجاہ الملک واثنان متاخران، سأل عنھم الملک فقال الحاجب احدھم بین یدی الملک واثنان خارج الحضرۃ فھل یفھم منہ ان الذی بین یدیہ قد دخل جوف الدار ولیس علی الباب ولکن الجھل یاتی بالعجب العجاب۔

ثامنًا بادشاہ کے پاس تین نفر آئے، ایک تو بادشاہ کے سامنے آیا لیکن باہری دروازے تک، دو اور پیچھے رہے۔ بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ حاجب نے جواب دیا ایک تو بادشاہ کے سامنے ہے اور دو دربار سے باہر ہیں۔ تو حاجب نے جسے بادشاہ کے سامنے کہا کیا وہ دربار کے اندر تھا، وہ تو دروازہ پر ہی تھا لیکن جہالت عجب عجب گل کھلاتی ہے۔

نفخہ ۱۶: ظھر لک الجواب وللہ الحمد عن اثر النسائی عن طلق بن علی فخرجنا حتی قدمنا بلدنا فکسرنا بیعتنا ثم نضحنا مکانھا واتخذناھا مسجدًا فنادینا فیہ بالاذان۔[1]

نفخہ ۱۶: مذکورہ بالا بیان سے حضرت طلق ابن علی کے اس اثر کا جواب بھی ہوگیا جو امام نسائی نے نقل کیا: "ہم مدینہ سے چل کر اپنے ملک میں پہنچے اپنے گرجا کو ہم نے ڈھا دیا اور حضور کی خدمت سے لایا ہوا پانی وہاں چھڑک دیا اور گرجا کی جگہ مسجد بنائی اور اس میں اذان دی۔"[1]

---

[1] سنن النسائی کتاب المساجد اتخاذ البیع مساجد نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۱۴

واثر الترمذی عن مجاهد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر مسجداً وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبداللہ[1] (الحدیث)

اور ترمذی کے اس اثر کا بھی جواب ہوگیا جو حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ "ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے جس میں اذان ہوچکی تھی اور ہم اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے تو مؤذن نے تثویب کہی تو حضرت عبداللہ مسجد سے نکل گئے۔"

واثر اٰخر عن ابی الشعثاء قال خرج رجل من المسجد بعد ما اذن فیہ بالعصر وقال ابوھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ "اما ھذا فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم"[2]

ایک اور اثر جو ابوشعثاء سے مروی ہے کہ اذانِ عصر کے بعد ایک شخص مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "اس نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔"

فانھما علی وزان اثر اقوی لم یھتد والہ وھو اثر مسلم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ: ان من سنن الھدی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ"۔[3]

کما قدمنا فی النفحۃ التاسعۃ

یہ دونوں حدیثیں اسی روایت کے ہم پلہ ہیں جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے قوی بھی ہے "جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سنن ہدٰی ہے۔"

یہ اثر ہم نفحۂ تاسعہ فقہیہ میں ذکر کر آئے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی تثویب الفجر امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[2] " " باب ماجاء فی کراہیۃ الخروج من المسجد بعد الاذان " " " ۱/۲۸

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلٰوۃ الجماعۃ وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

الفقهية وقد كفانا المؤنة الامامان الجليلان في فتح القدير وغاية البيان اذ قال في المسجد اي في حدوده لكراهة الاذان في داخله[1]

مگر ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں کہ ہماری طرف سے اس کا جواب دو جلیل القدر امام فتح القدیر اور غایۃ البیان میں دے چکے ہیں کہ ان حضرات نے مسجد کی شرح میں فرمایا، "مطلب یہ کہ جس مسجد کی حدود میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنی سنّت ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔"

والعجب ان المحتج باثر ابن عمر هذا قد احتج بعبارة اختلقها على صلٰوة المسعودي لا اثر لها فيها ولم ير في صلٰوة المسعودي انه ذكر هذا الاثر هكذا ان عبدالله بن عمر رضي الله تعالٰى عنهما دخل مسجدًا ليصلي فخرج المؤذن فنادٰى بالصلٰوة[2] (الحديث) وعزاه الصلٰوة الامام السرخسي و صلٰوة الامام ابي بكر خواهر زاده رحمهما الله تعالٰى ومثله في الضعف بل اضعف التمسك بحديث مرفوع لم يهتدوا له ايضا وانما دللناهم عليه فتعلق به بعضهم وهو حديث ابن ماجة

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر سے استدلال کرنے والے نے اس عبارت میں اپنی طرف سے فیہ کا اضافہ کر دیا۔ اور حوالہ میں صلٰوۃ مسعودی کا نام لکھا، حالانکہ صلٰوۃ مسعودی میں یہ روایت صلٰوۃ امام سرخسی اور صلٰوۃ امام ابوبکر خواہر زادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے: ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما دخل مسجدًا لیصلی فخرج المؤذن فنادٰی بالصلٰوۃ (الحدیث) یعنی اصل عبارت میں فیہ کا لفظ نہیں ہے۔ سند اور استدلال کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ضعیف ایک اور حدیث ہے جس سے وہ غافل تھے ہم نے ہی ان کی رہنمائی کی تھی، تو بعض نے اس سے بھی سند پکڑی۔ ابن ماجہ نے وہ حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۹
[2] صلٰوۃ المسعود باب بیست ویکم در بیان بانگ نماز مطبع محمدی بمبئی ۲/ ۹۵

عن امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "من ادرکہ الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ وھو لایرید الرجعۃ فھو منافق"[1]

تعالٰی عنہ سے اُنھوں نے حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کی "جس نے کسی مسجد میں اذان پائی اس کے بعد مسجد سے بلا ضرورت باہر ہوا اور واپس ہونے کا ارادہ بھی نہیں تو وہ منافق ہے۔"

فان فی المسجد ظرف الادراک دون الاذان الاترٰی الی المناوی فی التیسیر اذ یقول فی شرحہ (من ادرکہ الاذان) وھو (فی المسجد)[2]۔

استدلال ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں فی المسجد ادراک کا ظرف ہے (یعنی اذان سُننے والا مسجد میں تھا خود اذان مسجد میں نہیں ہوئی تھی، امام مناوی نے اپنی شرح بنام تیسیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا: جس نے اذان اس حالت میں سنی کہ وہ مسجد میں تھا)

بل کفی الحدیث شرحًا للحدیث فللامام احمد بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلٰوۃ فلا یخرج احدکم حتی یصلی"[3]

بلکہ خود ایک دوسری حدیث میں اسکی شرح یہی فرمائی گئی، امام احمد سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں "جب تم مسجد میں ہو اور اذان دیجائے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلو۔"

لکن السفیہ کل السفیہ والبلید کل البلید من تمسک بحدیث

اور انتہائی بیوقوفی یہ ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث سے استدلال

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب اذا اذن وانت فی المسجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من ادرک الاذان الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۳۹۲
[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۳۷

ابی داؤد رأیت رجلا کان علیہ ثوبان اخضران فقام علی المسجد فاذن[1]، (و روایۃ ابی الشیخ فی ھذا الحدیث) علی سطح المسجد فجعل اصبعیہ فی اذنیہ و نادی[2]، و رأی ذٰلک عبد اللہ بن زید فی المنام۔

کیا جائے" میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس پر دو ہرے کپڑے تھے تو اس نے مسجد کے اوپر کھڑے ہوکر اذان دی (اور ابوالشیخ نے اسی حدیث کی روایت میں لفظ علی سطح المسجد (مسجد کی چھت پر) کہا اور اپنی دونوں انگلیاں اپنے کان میں ڈالیں اور اذان دی (در اصل حضرت عبد اللہ بن زید نے یہ معاملہ خواب میں دیکھا تھا)

و حدیث ابن سعد فی طبقاتہ عن نوار ام زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہما قالت کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقہ من اول ما اذن الی ان بنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدہ فکان یوذن بعد علی ظھر المسجد قد رفع لہ شیئ فوق ظھرہ[3]۔

اور طبقات ابن سعد میں حضرت زید ابن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ "مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتدار سے اسی پر اذان دیتے تھے لیکن جب حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد بنا لی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کر دیا، تو اسی پر اذان دینے لگے۔"

فان فی ھٰذہ تصریحات بکون الاذان خارج المسجد بالمعنی الاول والجھول لایمیز بین المنافع و المضار وقد اسلفنا عدۃ روایات لھذا محتجین بھا والسفیہ یبحث عن حتفہ بظلفہ۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ سب صورتیں مسجد بمعنی اول سے خارج ہیں، تو ان سے داخل مسجد اذان کے مدعیوں کو کیا حاصل ؟ لیکن جاہل نفع اور نقصان میں فرق نہیں کرتا، اور بیوقوف اپنے کُھر سے ہی اپنی موت کریدتا ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۴

[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/۳۳۱

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ومن النساء بنی عدی بن النجار ترجمۃ النوار بنت مالک دار صادر بیروت ۸/۴۲۰

نفحہ ۱۷: تعلق سفیهان منهم بروایة ابن ماجة عن عبد الله بن زید رضی الله تعالٰی عنه فیها، قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان صاحبکم قد رأی رؤیا فاخرج مع بلال الی المسجد فالقها علیه ولینادِ بلال فانه اندی صوتا منك قال فخرجت مع بلال الی المسجد فجعلت القیها علیه وهو ینادی بها۱؎ وهذا کما تری اشبه بالهذیان۔

نفحہ ۱۷: دو بیوقوفوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جو حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے: "حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے۔ تو اے عبداللہ! بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ تم تلقین کرو اور بلال پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بلال کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلماتِ اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دُہراتے۔" یہ استدلال ہذیان جیسا ہے۔

فاولاً: این الخروج الی المسجد عن الدخول فی المسجد۔

اولاً: مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے (اور حدیث شریف میں مسجد کی طرف جانے کی بات ہے مسجد میں داخل ہونے کی نہیں)

ثانیاً: لم یکن لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مجلس غیر مسجده الکریم ولا بین المسجد والحجرات الشریفة شیئ انما کانت علی حافة المسجد الشرقیة واتیان عبد الله بن زید الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان من اٰخر اللیل قریبا من الصباح کما جمع به

ثانیاً: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد مبارک اور حجراتِ ازواجِ مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر تھے، تو دروازہ سے باہر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نشست گاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عبداللہ بن زید کا آنا قریب صبح رات کے آخری حصہ میں تھا، اس کی تصریح امام ابوداؤد نے

۱؎ سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۱

بین روایۃ ابی داؤد "فلما اصبحت اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم"[1] و روایۃ ابن ماجۃ "فطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلاً"[2]۔

اپنی روایت میں کی ہے۔ اور ابن ماجہ نے اپنی روایت میں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حاضری آخری شب میں فجر سے کچھ پہلے تھی، الفاظ دونوں روایتوں کے مندرجہ ذیل ہیں: "صبح کے وقت رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا" (ابی داؤد)۔ "رات میں انصاری رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آئے" (ابن ماجہ)

و لم یکن ھذا اٰیان خروجہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن مسجدہ الکریم ولا دخول احد علیہ فی الحجرۃ الکریمۃ فلم یکن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ ذاک الا فی المسجد الشریف او الحجرۃ المنیفۃ۔ و علٰی کل کان عبد اللہ حین اتاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المسجد ھذا ھو الظاھر و لو لم یکن ظاھرًا لکفانا الاحتمال لقطع الاستدلال و معلوم ان من کان فی المسجد اذا قیل لہ اخرج الی المسجد یستحیل ان یراد بہ اخرج حتی تدخل المسجد، و انما یراد بہ اخرج الٰی منتھی حد المسجد وحینئذٍ تکون

اور یہ وقت رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باہر جانے کا نہ تھا، نہ کسی کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کا تھا، تو اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا تو مسجد مبارک میں تھے یا حجرہ شریفہ میں، تو اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت عبد اللہ اس وقت مسجد میں ہی تھے روایات سے یہی ظاہر ہے ورنہ اس کا احتمال تو ہے ہی جو استدلال کو باطل کر دیتا ہے اور مسجد میں موجود رہنے والے سے یہ کہا جائے کہ مسجد کی طرف جاؤ۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ مسجد سے نکل کر پھر مسجد میں آؤ۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کی انتہائی حد تک جاؤ۔ گویا سرکار ان الفاظ سے یہ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کی حدود میں اذان دی جائے، مسجد میں نہیں، نہ مسجد سے دور۔ جیسا کہ آسمان

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷۲
[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲

الحکمة فی التعبیر بالی الارشاد الی ان یؤذن فی حدودالمسجد لافیه لابعیدًا منه کما اراہ النازل من السماء علیه الصلٰوۃ والسلام فکان الحدیث دلیلاً لنا علیهم والجهلة یعکسون ومما یشهد له ان النازل من السماء اراہ الاذان خارج المسجد اذقام علی حصة الجدار فوق السطح وماکان امر؏ النازل الا للتعلیم فلذا امران یخرج من المسجد الی حدودہ وللّٰه الحمد۔

سے اترنے والے فرشتے نے انھیں دکھایا تھا۔ پس یہ حدیث تو مخالفین کے خلاف ہماری دلیل ہے، اور وہ اس کو الٹ رہے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل کہ فرشتے نے انھیں مسجد سے باہر اذان دے کر دکھایا تھا۔ یہ ہے کہ وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے اوپر کھڑا ہوا تھا اور وہ تعلیم کے لئے ہی آیا تھا اس لئے آپ نے حکم دیا کہ اندرونِ مسجد سے نکل کر مسجد کے کنارے کی طرف جاؤ، فالحمدللہ۔

وثالثا: لوتنزلنا عن الکل فقد ذکرنا الجواب العام التام الشافی الکافی ان المراد بالمسجد احد المعنیین الاخیرین، وللّٰه الحمد۔

ثالثاً: اور ان سب سے قطع نظر کیا جائے تو ہم ایک تام اور عام جواب دے چکے ہیں کہ ایسی تمام روایتوں میں مسجد سے اس کے دوسرے اور تیسرے معنٰی مراد ہیں۔

؏ واذاضم الی ذٰلك قول الشرنبلالی فی مراقی الفلاح (یکرہ اذان قاعد) لمخالفة صفة الملك النازل[1] لکان حدیث الملك علٰی کثرۃ روایاته التی قدمنا کثیرًا منها دلیلا براسه علی کراهة الاذان داخل المسجد فافهم منه حفظه ربه ۱۲۔

اور جب اس کے ساتھ مراقی الفلاح میں مذکور قولِ شرنبلالی کو ملایا جائے یعنی بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اذان کے لئے اترنے والے فرشتے کی صفت کی مخالفت ہے، تو فرشتے والی حدیث باوجود ان روایاتِ کثیرہ کے جن کو ہم بیان کرچکے ہیں مسجد کے اندر کی کراہیت پر دلیل ہوگی۔ پس اس کو سمجھ۔ (ت)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلٰوۃ باب الاذان دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۰۰

نفحہ ۱۸: حاول بعض الوھابیۃ الفجرۃ ان یثبت مطلوبہ الباطل بآیات القراٰن العظیم وحاشا القراٰن ان یکون لباطل ظھیرًا قال قال عزوجل، "واذن فی الناس بالحج"[1] واخرج سعید بن منصور واٰخرون عن مجاھد قال لما امر ابراھیم ان یؤذن فی الناس بالحج، قام علی المقام فنادی بصوت اسمع من بین المشرق والمغرب، یایھا الناس اجیبوا ربکم[2]

نفحہ ۱۸: بعض وہابی صاحبان نے اپنا مقصد قرآن پاک سے ثابت کرنے کا قصد کیا ہے حالانکہ قرآن عظیم باطل کا مددگار نہیں ہوسکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے فرمایا: "(اے ابراہیم) لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔" اور سعید بن منصور اور دوسرے محدثین نے حضرت مجاہد سے روایت کی: "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے فرمایا (جسے مشرق و مغرب کے سبھی لوگوں نے سنا) کہ اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔

واخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن مجاھد قال تطاول بہ المقام حتی کان کاطول جبل فی الارض فاذن فیھم بالحج فاسمع من تحت البحور السبع[3]

ابن المنذر وابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقامِ ابراہیم پر اعلان کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ انھیں لے کر بلند ہونے لگا یہاں تک کہ زمین کے تمام پہاڑوں سے بلند ہوگیا، آپ نے اسی بلندی پر سے لوگوں میں حج کا اعلان کیا جو سات سمندروں کی تہ سے بھی سنا گیا۔

واخرج ابن جریر عن مجاھد

ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کی

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۷

[2] الدرالمنثور بحوالہ سعید بن منصور تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۲ داراحیاء العربی بیروت ۶/ ۳۳
تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم " " " " " ۱۳۸۸۰ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۶

[3] " " " " " " " " " " " " " "
الدرالمنثور بحوالہ ابن المنذر وابن ابی حاتم " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۳

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قام ابراھیم خلیل اللہ علی الحجر فنادٰی "یاایھا الناس کتب علیکم الحج فاسمع من فی اصلاب الرجال و ارحام النساء"[1]

اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر پکارا "اے لوگو! اللہ تعالٰی نے تم پر حج فرض کیا۔" تو باپوں کی پشتوں سے اور ماؤں کے شکموں سے لوگوں نے ان کی آواز سنی۔

قال قال و نحن ندعی ان ھذا الحجر کان حین نادٰی علیہ خلیل اللہ داخل المطاف قریب جدار الکعبۃ لان علیا القاری قال فی شرح اللباب قال فی البحر" والذی رجحہ العلماء ان المقام کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملصقا بالبیت قال ابن جماعۃ ھو الصحیح و روی الازرقی ان موضع المقام ھوالذی بہ الیوم فی الجاھلیۃ و عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اھ۔ و الاظھر انہ کان ملصقا بالبیت ثم اخر عن مقامہ لحکمۃ ھنالک تقتضی ذٰلک اھ"[2]

مستدلین کا دعوٰی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوارِ کعبہ کے قریب تھا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح لباب میں فرمایا، بحر میں کہا گیا کہ علمائے نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ مقام ابراہیم عہدِ رسالت میں کعبہ شریف سے بالکل متصل تھا۔ ابن جماعہ نے اسی کو صحیح کہا اور ازرقی نے روایت کی کہ مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہدِ رسالت اور زمانۂ ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہما میں تھا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکایا گیا۔

و ذالک لان ابراھیم صلوات اللہ علیہ بنی الکعبۃ قائما علیہ فاستمر

حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی تو وہ

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷/ ۱۶۹

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۳۲

منذ ذاك متصل الکعبۃ کما فی تاریخ القطبی وسائر کتب السیر" وکان ابراھیم علیہ الصلوات والسلام یبنی واسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ینقل لہ الحجارۃ علی عاتقہٖ فلما ارتفع البنیان قرب لہ المقام فکان یقوم علیہ ویبنی اھ[1]"

فثبت انہ کان حین اذن علیہ للحج متصل جدار الکعبۃ واستمر کذٰلک الی زمانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم انتقل عنہ بوجہٖ قال ولئن سلمنا ان محلہ منذ القدیم حیث ھو الاٰن فالمدعٰی ثابت ایضا لانہ الاٰن ایضًا داخل المطاف لان المطاف ھو الموضع المفروش بالرخام ومقام ابراھیم داخل فیہ، فثبت ان التاذین فی المسجد جائز مطلقا ولا کراھۃ فیہ اصلا ولیس بدعۃ بل ھو سنۃ ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم (انتھٰی) (کلامہ الردی السقیم مترجمًا)

اقول انعم بہٖ من برھان تزری بالھذیان ویغبط بہ المجانین والبلہ والصبیان۔

اسی حال پر دیوارِ کعبہ کے پاس ہی پڑا رہا۔ ایسا ہی تاریخ قطبی اور بقیہ کتبِ تاریخ میں تحریر ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے، جب دیواریں بلند ہوگئیں تو مقامِ ابراہیم اسی کے قریب لایا گیا اور آپ اسی پر کھڑے ہوکر دیواریں چُنتے تھے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اعلانِ حج کے وقت بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ تک وہیں پڑا رہا، بعد میں کسی مصلحت پر کچھ اور کھسکا دیا گیا، اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عہدِ قدیم سے ہی وہ موجودہ مقام پر ہی ہے، تب بھی ہمارا دعوٰی ثابت ہے کہ موجودہ جگہ بھی مطاف میں ہی ہے، اس لئے کہ مطاف وہ جگہ ہے جہاں سنگِ مرمر بچھا ہوا ہے، اور مقامِ ابراہیم اسی میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اذان داخلِ مسجد مطلقًا ناجائز ہے، اس میں نہ تو کوئی کراہت ہے اور نہ یہ بدعت ہے، یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے۔

اقول جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال ہذیان سے بھی آگے ہے اور پاگلوں، بیوقوفوں اور بچّوں کے لئے بھی قابلِ رشک ہے۔

---

[1] سبل الہدٰی والرشاد الرابعہ ۱/۱۵۵ و الکامل فی التاریخ ۱/۱۰۶ و تاریخ مکۃ المشرفۃ ص ۴۳ و ۴۴

فاولاً کیف لزم من کون المقام ملصقاً بجدار البیت علٰی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وفی الجاھلیۃ کونہ کذلک علٰی عہد ابراھیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم وتحکیم الحال لایجری فی شیئ منقول غیر مرکوز وان فرض فظاھر والظاھر حجۃ فی الدفع لا للاستحقاق وانت مستدل لا دافع۔

اولاً رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور عہدِ جاہلیت میں مقامِ ابراہیم کے دیوارِ کعبہ کے متصل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ عہدِ خلیل علیہ السلام میں بھی وہیں رہا ہو۔ اور موجودہ حالت پر قیاس کرکے ایک اِدھر اُدھر منتقل ہونے والی چیز پر ماضی کا حکم لگانا جائز نہیں۔ اور ایسے قیاس سے کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔ اسی لئے تو اس کی تعبیر ظاہر اور اظہر سے کی ہے، اور ظاہر دلیل پکڑنے والے کے لئے مفید نہیں۔ اس سے معترض کو فائدہ پہنچتا ہے اور آپ مستدل ہیں۔

وثانیاً ما نقل عن تاریخ القطبی فای رائحۃ فیہ لما ادعاہ من انہ استمر منذ ذاک متصل الکعبۃ فالاستناد بہ جہل۔

ثانیاً تاریخ قطبی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ پتھر عہد ابراہیم علیہ السلام سے اسی مقام پر قائم ہے، پھر اس روایت کو سند میں ذکر کرنا جہالت ہے۔

وثالثاً بل فیہ فلما ارتفع البنیان قرب لہ المقام فدل علی ان محلہ کان بعیداً انما قرب الاٰن للحاجۃ والعادۃ ان الشیئ اذا نقل لحاجۃ یرد الی محلہ الاول بعد قضائہا کما ھو مشاھد فی السلالیم وفی منبر یوضع لدی باب الکعبۃ یوم دخول العام۔

وثالثاً قطبی کی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مقامِ ابراہیم کا ٹھکانا کہیں اور تھا، تعمیر کی ضرورت سے دیوارِ کعبہ کے پاس لایا گیا۔ اور عادت یہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً کہیں رکھی جاتی ہے ضرورت پوری ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ کرلی جاتی ہے، خود حرم شریف میں یہ دستور دیکھا گیا کہ دخول عام کے دن سیڑھیاں اور منبر لگادئے جاتے ہیں پھر علیحدہ کرلئے جاتے ہیں اور ان کے اصل مقام پر انہیں لوٹا دیا جاتا ہے۔

ورابعاً ان فرض کونہ

رابعاً اور اگر یہ مان بھی لیا جائے

لصیق الجدار الجمیل علی عہد خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بالتبجیل کان ایضا نزعم انہ کان کذٰلک حین اذن علیہ للحج رجما بالغیب بلادلیل غایتہ انہ لم ینقل انہ نقل حینئذ وعدم النقل لیس نقل العدم والاستصحاب غیر داف للمستدل عند الاصحاب۔

کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پتھر دیوار کے قریب تھا تب بھی یہ گمان کرنا کہ اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیا ہے، زعم باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس پتھر کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی روایت نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ منتقل نہیں ہوا۔ تو ہم بتاچکے ہیں کہ یہ استصحاب ہے جس سے مستدل کو فائدہ نہیں پہنچتا۔

وخامسًا بل قد ورد ما یدل علٰی انہ کان فی غیر ھٰذا المحل حین اذن علیہ وکفٰی بہ قاطعا لشقشقتہ اخرج الازرقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال "سألت عبد اللہ بن سلام عن الاثر الذی فی المقام، فقال لما امر ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام فلما فرغ امر بالمقام فوضعہ قبلہ، فکان یصلی الیہ مستقبل الباب[1]" (الحدیث)۔

خامسًا اس امر کی روایت ہے کہ مقام ابراہیم اعلانِ حج کے وقت موجودہ مقام پر موجود نہیں تھا جس سے تمام اوہام کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ ازرقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مقام ابراہیم میں پڑے ہوئے نشان کے بارے میں سوال کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلانِ حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہوکر اعلان فرمایا۔ اعلان سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ اس پتھر کو لیجاکر کعبہ کے دروازہ کے سامنے رکھا جائے۔ اور آپ اسی پتھر کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔

وسادسًا ان شئت قطعت

سادسًا اس شبہہ کو جڑ بنیاد سے

---

[1] الدر المنثور بحوالہ الازرقی تحت الآیۃ ۲/۱۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۶۶-۲۶۵

راس الشبهة من راسها وذلك لان رواية قيامه عليه الصلوٰة والسلام حين الاذان على المقام رواية اسرائيلية كما رأيت وسيدنا ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما كان ياخذ عنهم كما هنا، وروى ابن ابى حاتم عن الربيع بن انس قال سمعنا عن ابن عباس انه حدث عن رجال من علماء اهل الكتاب ان موسٰى دعا ربه[1] (الحديث) فى قصة ملاقاته الخضر عليهما الصلوٰة والسلام اقرها واخرج ابن ابى شيبة عن ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما قال سئلت كعبا ما سدرة المنتهٰى؟ قال سدرة ينتهى اليها علم الملٰئكة وسئلته عن جنة الماوٰى فقال جنة فيها طير خضر ترتقى فيها ارواح الشهداء[2]۔

واخرج ابن جرير عن شمر

اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان حج کے وقت مقام ابراہیم پر کھڑے ہونے کی روایت اسرائیلی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بنی اسرائیل کی روایت قبول فرماتے تھے جیسا کہ اس مجوزہ روایت میں انھوں نے کیا۔ ابن ابی حاتم ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اہلِ کتاب سے روایت کیا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنے رب سے دُعا کی، یہ حضرت موسٰی وخضر علیہم السلام کی ملاقات کے قصے میں ہے۔ مندرجہ ذیل روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی ثابت رکھا کہ "میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پُوچھا تو انھوں نے کہا کہ انتہائی حد پر ایک بیری کا درخت ہے جہاں تک فرشتوں کا علم پہنچتا ہے۔ اور میں نے ان سے جنۃ الماوٰی کے بارے میں پُوچھا تو انھوں نے فرمایا ایسا باغ جس میں شہداء کی رُوحیں سبز پرندوں کے جسم میں رہ کر سیر کرتی ہیں۔"

ابن جریر نے شمر سے روایت کی کہ حضرت

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی حاتم سورۃ الکہف ۱۷ تا ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۷۹
[2] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ تحت الآیۃ ۵۳/ ۱۴ " " " ۷/ ۶۴۲

قال جاء ابن عباس الی کعب فقال حدثنی عن قول اللہ "سدرۃ المنتہٰی" (الحدیث)[1]

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت کعب کے پاس آئے اور سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا۔ (القصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے اور روایت مبحوثہ بھی اسرائیلی ہے)

وقد صح عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ انہ اذن علی ثبیر، روی عبد الرزاق وغیرہ عن معمر قال قال ابن جریج قال ابن المسیب قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ لما فرغ ابراھیم من بنائہ، بعث اللہ جبریل فحج بہ حتی اذا رأی عرفۃ قال قد عرفت وکان اتاھا قبل ذلک مرۃ فلذلک سمیت عرفۃ حتی اذا کان یوم النحر عرض لہ الشیطان فقال احصب فحصبہ بسبع حصبات۔ ثم الیوم الثانی فالثالث فلذلک کان رمی الجمار قال اعل علی ثبیر فعلاہ فنادی یا عباد اللہ اجیبوا اللہ یا عباد اللہ اطیعوا اللہ فسمع

ادھر حضرت امیر المومنین مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہِ ثبیر پر چڑھ کر اعلانِ حج فرمایا تھا۔ عبدالرزاق وغیرہ نے معمر سے انھوں نے ابن جریج سے انھوں نے حضرت علی (رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) سے روایت کی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنا سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جبریل امین کو بھیجا اور انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کرایا، آپ نے عرفات کو دیکھ کر فرمایا میں اس میدان کو پہچان گیا ایک بار اس سے قبل بھی حضرت خلیل یہاں آئے تھے اور اسی وجہ سے اس کا نام "عرفہ" پڑا۔ یوم النحر کے دن شیطان نے آپ سے تعرض کیا تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مارنے کی ہدایت کی، اور آپ نے ابلیس کو سنگسار کیا پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اسی لئے حج میں رمی جمار شروع ہوئی۔ حضرت جبریل امین نے فرمایا: کوہ ثبیر پر چڑھو۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے

---

[1] جامع البیان تحت الآیۃ ۵۳/ ۱۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۷/ ۶۳

دعوته من بین الابحر السبع[1] (الحدیث)۔

ثبیر کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان فرمایا، اے بندگانِ خدا! اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو، اے بندگانِ خدا! اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو۔ تو ان کا یہ اعلان ساتوں سمندر سے سُنا گیا۔

وھذا کما تری سند صحیح علٰی اصولنا فھذا نص عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حکما لان الامر لادخل فیہ للرأی وما کان امیر المؤمنین علی لیاخذ عن اھل الکتاب فلم یکن الا سماعًا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ فثبت ان الاذان کان علٰی جبلٍ بمزدلفۃ وسقط انہ کان داخل المسجد علی المقام ولک ان تقول لاخلف فان ثبیرًا من الحرم وقد افاد ابن عباس نفسہ "ان مقام ابراھیم الحرم کلہ[2]" اخرجہ عنہ عبد بن حمید وابن ابی حاتم بل اخرج ھذا عنہ قال "مقام ابراھیم الحج کلہ"[3]۔

یہ سند ہمارے اصول پر صحیح ہے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے اور معاملہ چونکہ قیاسی نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چونکہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لئے لامحالہ یہ بات انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہی سُن کر بیان فرمائی۔ تو اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اعلانِ حج منٰی شریف کے پہاڑ سے ہوا۔ اور یہ بات ساقط الاعتبار ہوگئی کہ اعلانِ حج مسجد کے اندر مقام ابراہیم سے ہوا۔ اور ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تعارض بھی نہیں کہ جبل ثبیر بھی حدودِ حرم کے اندر ہی ہے۔ چنانچہ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی سارا حرم مقام ابراہیم ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس سے تو یہ بھی مروی ہے کہ مقام ابراہیم پورا حج ہے۔

وسابعًا اضطربت الروایۃ عن

سابعًا اعلان حج کے مقام میں حضرت

---

[1] الدر المنثور بحوالہ عبدالرزاق تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۱

[2] ؍؍ بحوالہ عبد بن حمید وابن ابی حاتم ؍؍ ۲/ ۱۲۵ و تفسیر ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۳/ ۹۷ ۳/ ۷۱۱

[3] تفسیر القرآن العظیم تحت الآیۃ ۳/ ۹۷ حدیث ۳۸۴۷ و ۳۸۴۸ مکتبہ نزار مصطفٰی الباز مکۃ المکرمۃ ۳/ ۷۱۱

ابن عباس ففی بعضہا "اذن علی المقام" وفی بعضہا علی ابی قبیس رواہ عنہ ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لما امر اللہ ابراھیم ان ینادی فی الناس بالحج صعد ابا قبیس فوضع اصبعیہ فی اذنیہ ثم نادٰی ان اللہ تعالٰی کتب علیکم الحج فاجیبوا ربکم[1] الحدیث، وفی اُخری لہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال صعد ابراھیم ابا قبیس، فقال اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان ابراھیم رسول اللہ ایھا الناس ان اللہ امرنی ان انادی فی الناس بالحج ایھا الناس اجیبوا ربکم[2]

ابن عباس سے روایتیں مضطرب ہیں۔ بعض میں تو وہی مقام ابراہیم ہے، اور بعض میں یہ ہے کہ جبلِ ابوقبیس پر اعلانِ حج ہوا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام جبلِ ابوقبیس پر چڑھے اور کہا اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، واشھد ان ابراھیم رسول اللہ۔ اے لوگو! مجھے اللہ تعالٰی نے حکم دیا کہ میں لوگوں میں حج کا اعلان کروں تو تم لوگ اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو۔"

وفی بعضہا علی الصفا رواہ عبد بن حمید عن مجاھد قال "امر ابراھیم ان یؤذن بالحج فقام علی الصفا فنادٰی بصوت سمعہ ما بین المشرق والمغرب یا ایھا الناس اجیبوا الٰی ربکم"[3]

اور بعض روایتوں میں جبلِ ابوقبیس کے بجائے کوہِ صفا کا ذکر ہے۔ ابن حمید کی یہ روایت امام مجاہد سے اس طرح مروی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مقام صفا پہ لوگوں کو حج کا اعلان کریں، آپ نے ایسی آواز سے پکارا کہ مشرق ومغرب کے لوگوں نے سنا۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے، اے لوگو! اپنے رب کی پکار کا جواب دو۔

---

[1] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/۲۷ حدیث ۱۳۸۷۸ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ ۸/۲۴۸۶
الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۴

[2] " " " " " ۱۳۸۸۴ " " " " " ۸/۲۴۸۷ و ۲۴۸۸

[3] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید ۲۲/۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۳

وروی ھو وابن المنذر عن عطاء قال "صعد ابراھیم علی الصفا فقال یاایھا الناس اجیبوا ربکم"[1]

ابوحاتم اور ابن منذر نے عطا سے روایت کی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہِ صفا پر چڑھے اور پکارا: اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔

ومعلوم ان الروایۃ عن مجاھد روایۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم فالاضطراب بالتثلیث والا فلاشك فی التثنیۃ فکان من ھذا الوجہ ایضا حدیث امیرالمومنین احق بالاخذ ولذا امشی علیہ القطبی فی تاریخہ ولم یلتفت لما سواہ فانذ حضت الشبھۃ عن رأس والحمد للہ رب الناس۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت مجاہد کی روایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہی ہے تو اس روایت میں تین اضطراب ہوئے، ورنہ دو ہونے میں تو شبہہ ہی نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت راجح اور اولٰی بالاخذ ہے اس لئے قطبی نے اپنی تاریخ میں امیرالمومنین کی روایت پر ہی اعتماد کیا اور دوسری روایتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔

ثامناً بعد اللتیا والتی ان کان فشریعۃ من قبلنا فلا تکون حجۃ الا اذا قصھا اللہ تعالٰی اور سولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من دون انکار کما نص علیہ فی اصول الامام البزدوی والمنار وسائر المتون الاصولیۃ والشروح قال الامام النسفی فی کشف الاسرار انا شرطنا فی ھذا ان یقص اللہ تعالٰی اورسولہ من غیر انکار اذ لاعبرۃ بما ثبت بقول اھل الکتاب،

ثامناً ساری بحث ومباحثہ کے بعد اعلانِ حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گزشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا، اور گزشتہ شرائع کے احکام ہمارے لئے دلیل نہیں جب تک قرآن وحدیث میں اس کا بیان بلا انکار ہو۔ چنانچہ اصول امام بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون وشروح میں اس کی تنصیص ہے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا: "ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ ورسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہلِ کتاب کے قول کا کوئی اعتبار

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ عبد بن حمید وابن المنذر تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۲

ولا بما ثبت بکتابھم لانھم حرفوا الکتب ولا بما ثبت بقول من اسلم منھم لانہ تلقن ذلك من کتابھم او سمع من جماعتھم[1] اھ۔ ومثلہ فی کشف الاسرار للامام البخاری۔

نہیں۔ اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی ہے۔" اور اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسا نہیں کہ ان لوگوں نے انہی محرف کتابوں میں دیکھا ہوگا یا انہی کی جماعت سے سنا ہوگا۔ اور اسی طرح کشف الاسرار للامام بخاری میں ہے۔

وفی فواتح الرحموت لبحر العلوم فان قلت فلم لم یعتمد باخبار عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ فانہ لا یحتمل کذبہ قلت ھب لکن التحریف وقع قبل وجودہ فھو لم یتعلم الا المحرف[2] اھ بالالتقاط

بحر العلوم حضرت علامہ عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت میں فرمایا: خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہئے کہ وہ تو بلاشبہ سچے تھے، اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا کیونکہ تحریف تو ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

وھذا شئ لم یقصہ ربنا ولا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ لم یرد فی حدیث مرفوع فالاحتجاج بہ راسا مدفوع۔ ھذا علی التسلیم والا فقد علمت ان الذی

اور اعلان حج کی یہ روایت ایسی ہی ہے نہ تو قرآن عظیم میں اس کا بیان ہے نہ کسی حدیث مرفوع میں ہی اس کا تذکرہ ہے، تو سرے سے اس حدیث سے استدلال ہی غلط ہے، یہ بھی اس صورت میں کہ مخالفین کا دعوٰی

---

[1] کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار فصل فی شرائع من قبلنا دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۶۲
کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب " " " دار الکتاب العربی " ۳/۲۱۲

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی المختار ۲/ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۸۴

يدعيه هذا الوهابي من انه اذن عليه في جوف المسجد لم يقصه مسلم ولا كتابي ولا كافر سواه فاحتجاجه به ليس الا احتجاجا بهواه۔

وتاسعًا ان تعجب فعجب قوله ان المقام الأن ايضًا داخل المطاف وهذا شئ يرده العيان ويشهد بكذبه كل من رزق حج البيت الحرام۔

وعاشرًا اعجب من الاحتجاج عليه بانه مفروش بالرخام وكان في باله ان كل ما فرش فيه الرخام صار المطاف الذی كان قدر المسجد الحرام علٰی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم فليدخل ما حول زمزم ايضًا فيه ولو كان فرش بعض الملوك سائر المسجد الشريف ورواقاته بالرخام، لحكم هذا الجاهل بان المسجد كان الی الرواقات علٰی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم واذا بلغ الجهل الٰی هذا النصاب سقط الخطاب وانما المطاف هی دائرة الرخام حول البيت الحرام وعلٰی حرفها باب السلام ولا شك ان قبة المقام خارجة عنها و

جوں کا توں تسلیم کرلیا جائے، ورنہ تفصیل گزر چکی کہ مسجد حرام کے اندر اعلان حج کا تذکرہ نہ کسی مسلمان سے مروی نہ کتابی سے نہ کافر سے، اندرونِ مسجد کی بات تو صرف ان وہابی صاحب کی ہے، تو وہ اپنے دعوٰی میں اپنی خواہشِ نفس سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

تاسعًا قابلِ تعجب بات تو یہ ہے کہ "مقامِ ابراہیم اب بھی مطاف کے اندر ہے" یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے جس کی شہادت ہر حاجی دے سکتا ہے۔

عاشرًا اس سے زیادہ حیرت ناک یہ انکشاف ہے کہ جہاں تک سنگِ مرمر بچھا ہے سب مطاف ہے جہاں تک عہدِ رسالت میں مسجد تھی، تو زمزم شریف کا اردگرد بھی عہدِ رسالت کی مسجد میں شامل ہوگیا کہ وہاں بھی سنگِ مرمر بچھا ہے۔ اور اگر کسی بادشاہ نے پوری مسجد حرام میں سنگِ مرمر بچھا دیا تو وہ بھی عہدِ رسالت کی مسجد حرام ہوگئی حالانکہ مطاف تو سنگِ مرمر کا گول دائرہ ہے جو کعبہ مکرمہ کے گرداگرد ہے، اور جس کے کنارہ پر باب السلام ہے اور بلاشبہ مقامِ ابراہیم کا قبہ اس سے باہر ہے اور اہل مکہ ایسے کم عقل تو نہ تھے کہ نفس مطاف میں قبہ بناتے اور لوگوں پر مطاف کو تنگ کرتے۔

ماکان اھل مکۃ سفھاء کھٰذا لیبنوا قبۃ فی نفس المطاف ویضیقوا المحل علی اھل الطواف نعوذ باللہ من الجھل والاعتساف۔

نفحہ ۱۹: ثم تمسک بقولہ تعالٰی "ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ"[1]۔ وقولہ تعالٰی "ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا"[2] وقولہ تعالٰی: فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ"[3]۔ وفی حدیث الصحیحین[عہ]: ان ھذہ المساجد لاتصلح لشیئ من ھذا البول والقذر وانما ھی لذکر اللہ والصلوٰۃ وقراءۃ القراٰن[4]۔

اقول اولا قضینا الوتر عن کشف ھذہ الشبھۃ فی النفحۃ الاولی القراٰنیۃ وبینا ان الاذان لیس ذکرا خالصا۔

نفحہ ۱۹: مسجد کے اندر اذان جائز ہونے پر اس آیت سے بھی مخالفین نے استدلال کیا ہے "اُس سے بڑا ظالم کون ہے جو مسجد میں اللہ کا نام لینے سے منع کرے" اور آیت مبارکہ "اور مسجد جس میں اللہ تعالٰی کا ذکر بہت ہوتا ہے" اور آیت گرامی "ان گھروں کو اللہ تعالٰی نے بلند کرنے کا اور ان میں اپنا نام لینے کا حکم دیا"۔ اور بقول صاحبِ مشکوٰۃ صحیحین کی ایک حدیث، ورنہ مخرجین نے اسے صرف مسلم کی حدیث قرار دیا ہے "یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں یہ تو ذکرِ الٰہی، نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہیں۔

اقول (میں کہتا ہوں) اولا ہم نفحہ قرآنیہ میں اس شبہ کو بالکلیہ حل کرچکے ہیں کہ اذان محض ذکرِ الٰہی ہی نہیں ہے۔

عہ تبع فیہ صاحب المشکٰوۃ وانما عزاہ المخرجون لمسلم وحدہ ۱ھ منہ

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۴ [2] القرآن الکریم ۲۲/۴۰

[3] " " ۲۴/۳۶

[4] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۸

[5] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ الصحیحین کتاب الطہارۃ باب تطہیر النجاسات الفصل الاول " " " ص ۵۲

وثانیاً منع الاذان فی المسجد منع رفع الصوت فیہ ومنع رفع الصوت بالذکر لیس منع الذکر فقد ثبت عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی بعض المواطن اذ قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ایھا الناس اربعوا علٰی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولاغائبا ولکن تدعون سمیعًا بصیرا۔"[1] وما کان لینھاھم عن ذکر اللہ تعالٰی وقد قدمنا عن الدرر والاشباہ وغیرھما کراھۃ رفع الصوت بالذکر فی المسجد[2] وفی المسلک المتقسط لعلی القاری، "قد صرح ابن الضیاء ان رفع الصوت فی المسجد حرام ولو بالذکر اھ[3]۔"

وصرح فی الکافی الامام الحاکم الشہید الذی جمع فیہ کلام الامام محمد وفی المحیط والفتح والبحر وشرح اللباب ورد المحتار وغیرھا بکراھۃ رفع

ثانیاً مسجد میں اذان منع کرنے کا مطلب آواز بلند کرنے کو منع کرنا ہے اور ذکرِ الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت ذکر کی ممانعت نہیں ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض مواقع پر حضور سیدِ عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا، ارشادِ نبوی ہے: "اے لوگو! اپنے نفسوں پر آسانی کرو تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں بلا رہے ہو، تم تو سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔" بھلا حضور صلے اللہ تعالٰی کسی کو ذکرِ الٰہی سے روکتے تھے، ہم ماسبق میں درر وغیرہ کے حوالے سے واضح کرچکے ہیں کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے۔ ملا علی قاری کی مسلک متقسط میں ابن ضیاء کی تصریح ہے کہ "مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے چاہے ذکرِ الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔"

کافی حاکم شہید مجموعہ کلام امام محمد اور محیط، فتح القدیر، بحرالرائق، شرح لباب وشامی وغیرہا میں ہے: "طواف میں بلند آواز سے قرآن شریف منع ہے۔" تو پناہ بخدا یہ کہنا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاء اذا علا عقبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۴۴
صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب خفض الصوت بالذکر " " " ۲/ ۳۴۶
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۳
[3] المسلک المتقسط مع ارشاد الساری فصل استلام الرکن الیمانی مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۰

الصوت بالقرآن فی الطواف[1] فہل تراھم (والعیاذ باللہ) داخلین فی ھذا الوعید الشدید حاشاھم عن ذٰلك بل انت فی ضلال بعید۔

جلائے گا کہ یہ سارے ائمہ وعلماء معاذ اللہ قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں. وہ حضرات تو اس وعید سے بلاشبہہ پاک ہیں، یہ خود آپ کی اپنی گمراہی ہے۔

وثالثا انما یعود ھذا التشنیع الشنیع الی الائمة الاجلاء الذین نھوا عن الاذان فی المسجد ونصوا علی کراھة فیه وقد اجارھم اللہ تعالٰی عن ھذا ومن شنع علیہم فعلیه دائرة السوء وھو الملوم والمدحور۔

ثالثًا یہ وعید شدید ان ائمہ کرام پر بھی وارد ہوگی جنھوں نے مسجد کے اندر اذان کی کراہت پر تنصیص فرمائی، وہ تو بلاشبہہ اس سے اللہ تعالٰی کے امن میں محفوظ ہیں، ہاں جو ان پر طعن وتشنیع کرے وہی ہلاکت کے گڑھے میں مقہور ومردود ہے۔

رابعًا ھٰؤلاء الوھابیة ھم الذین یتمسکون فی بحث البدعة باثر سنن الدارمی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه فی انکارہ علی الذین اجتمعوا فی المسجد حلقا جلوسًا ینتظرون الصلٰوة فی کل حلقة رجل یقول کبروا مائة، ھللوا مائة، سبحوا مائة فیفعلون، فقال والذی نفسی بیدہ انکم لعلٰی ملة ھی اھدٰی من ملة محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

رابعًا یہ وہابیہ حضرات بدعت کی بحث میں دارمی کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہیں جو آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں پر انکار کیا جو ایک مسجد میں گروہ درگروہ حلقہ بناکر بیٹھے نماز کا انتظار کررہے تھے، ہر حلقہ میں ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو، سو بار لا الٰہ الا اللہ پڑھو اور سو بار تسبیح کرو۔ بقیہ لوگ اس کی بات پر عمل کرتے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کیا تم لوگ اس ملت میں ہو جو محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی زیادہ

---

[1] رد المحتار کتاب الحج باب الاحرام دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۶۸
فتح القدیر 〃 〃 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۹۰
بحر الرائق 〃 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۲۹

او مفتحوا باب الضلالة؟ قالوا واللّٰہ یا اباعبدالرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید الخیر لن یصیبہ[1] (الحدیث)۔

ہدایت پر ہے یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ ان لوگوں نے عرض کی یا اباعبدالرحمٰن! اپنے اس فعل سے ہم لوگ بھلائی کے طلبگار تھے آپ نے فرمایا کتنے بھلائی کے طالب اس تک نہیں پہنچتے ہیں۔

وقد اجبنا عنہ فی المجلد الحادی عشر من فتاوٰنا باجوبۃ شافیۃ، لکن این ذھب ھذا منھم ھھنا ام یدخلون عبداللّٰہ بن مسعود ایضًا فی وعید من اظلم نعم لاغرو فقد سبوا اللّٰہ وسبوا رسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[2]۔

ہم نے اپنے فتاوٰی کی گیارھویں جلد میں اس کے متعدد بھرپور جواب دئے ہیں لیکن خود ان حضرات سے ان کی یہ محبوب دلیل کہاں رہ گئی، یا پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی وعید "من اظلم" میں شامل کرتے ہیں اور ان سے کچھ بعید بھی نہیں یہ لوگ تو اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دے چکے ہیں۔ تو قیامت میں انھیں پتہ چلے گا کہ کہاں پلٹائے گئے ہیں۔

نفحہ ۲۰: قدمنا فی النفحۃ الثامنۃ العودیۃ ان امام دار الھجرۃ عالم المدینۃ سیدنا مالکا رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ وجماھیر اصحابہ ذھبوا الٰی ان جعل ھٰذا الاذان بین یدی الامام بدعۃ مکروھۃ وانما السنۃ فیہ ایضا المنارۃ وھذا ما بلغ ھم ولکن نطق حدیث ابی داؤد الصحیح ان فعلہ بین یدی

نفحہ ۲۰: ہم شمامہ عودیہ کے آٹھویں نفحہ میں ذکر کر آئے ہیں کہ امام دار الھجرۃ عالم مدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اکثر اصحاب نے اس اذان کو بدعتِ مکروہہ قرار دیا ہے، اور اپنے علم کے اعتبار سے اس اذان کا مقام مسنون منارہ کو قرار دیتے ہیں، مگر ابوداؤد کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے

---

[1] سنن الدارمی مقدمۃ الکتاب باب فی کراہیۃ اخذ الرای نشر السنۃ ملتان ۱/۶۰ و ۶۱

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

الامام ھو السنۃ من لدن سید الانام علیہ وعلٰی اٰلہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔ فبعض محققی اصحابہ رحمہم اللہ تعالٰی ومنھم الحافظ ابوعمر بن عبدالبر خالف فی ذٰلک ووجہ الکلام الٰی بعض الاصحاب مع ذکرہ فی الکافی الفقھی عن صاحب المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ وکانہ وجد عنہ روایۃ اخری اوسھا والانسان للنسیان، فقال فی الاستذکار مانقلہ الشیخ خلیل فی التوضیح وعنہ فی المواھب وھذا نصھا مع شرحھا للعلامۃ الزرقانی المالکی۔

اور یہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ سے ثابت ہے، اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب تحقیق نے جن میں حافظ ابوعمر بن عبدالبر بھی ہیں، اس کی مخالفت کی اور اذانِ خطبہ کے منارہ پر مسنون ہونے کو بعض اصحاب مالک کا قول بتایا۔ حالانکہ کافی فقہی میں اسے امام مالک صاحبِ مذہب رحمۃ اللہ علیہ کا قول بتایا، تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابن عبدالبر کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دوسری روایت ملی ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو سہو لاحق ہوا ہو اور بھول چوک تو انسان کے لئے ہی ہے۔

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استذکار میں جو فرمایا شیخ خلیل نے اسے اپنی توضیح میں نقل کیا۔ ان سے مواہب میں نقل ہوا۔ ہم استذکار کی عبارت امام زرقانی مالکی کی شرح کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

فی الاستذکار اسم الشرح الصغیر علی الموطا لابن عبدالبر ان ھذا اشتبہ علٰی بعض اصحابنا فانکر ان یکون الاذان یوم الجمعۃ بین یدی الامام کان فی زمنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وابی بکر وعمر وان ذٰلک حدث من زمن ھشام[1] وھذا قول من قل علمہ بالاحادیث وکانہ یعنی الداؤدی ثم

استذکار (یہ موطا کی ایک مختصر شرح ہے جسے ابن عبدالبر نے تحریر کیا ہے) میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی تو ان لوگوں نے عہدِ رسالت اور عہدِ شیخین میں اذانِ جمعہ کے خطیب کے سامنے ہونے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ یہ تو ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ کی ایجاد ہے۔ یہ علمِ حدیث سے کم واقفیت رکھنے والوں کا قول ہے اور اس سے صاحب استذکار

---

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۱

استشهد فی الاستذکار بحدیث السائب بن یزید المروی فی البخاری ثم قال "وقد رفع الاشکال فی ذٰلک روایة ابن اسحٰق عن الزهری عن السائب بن یزید۔ قال کان یؤذن بین یدی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة وابی بکر وعمر اھ"[1]۔

فانظر ان السادة المالکیة صاروا فرقتین جمهورهم علی ان الاذان بین یدی الامام بدعة وانما سنته علی المنارة۔ ونازعهم بعضهم بالحدیث فاستشهد بحدیث ابن اسحٰق ولابد اذ لا ذکر لبین یدیه الا فی حدیثه فحدیث ابن اسحٰق هو السند بهؤلاء وبه ردوا علی جمهورهم لا انهم ردوا علیه ایضا کما ردوا علی قول جمهورهم ولکن اشتبه الرد بالمردود علی العلامة علی فقال "اما الذی نقله بعض المالکیة عن ابن القاسم

کی مراد شاید داؤدی ہیں پھر اسی استذکار میں اپنے قول پر سائب ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے استدلال کیا جو بخاری میں مروی ہے پھر فرمایا کہ اس حدیث کا اشکال ابن اسحٰق عن زہری عن سائب ابن یزید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے زائل کردیا اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو آپ کے سامنے اذان ہوتی، اور ایسا ہی ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی ہوتا رہا اھ۔

تو دیکھئے کہ اعلام مالکیہ دو فرقہ ہوگئے۔ ان کے جمہور کا قول ہے کہ خطیب کے سامنے اذان بدعت ہے، سنت تو منارہ کی اذان ہے۔ اور جمہور کے اس قول کی مخالفت انھیں میں کے کچھ لوگوں نے کی کہ مسنون اذان تو خطیب کے سامنے کی ہے، اور اس کی شہادت میں ابن اسحٰق کی حدیث محولہ بالا پیش کی، اور یہ ضروری بھی تھا کہ ابن اسحٰق کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں "بین یدیہ" کا لفظ نہیں ہے تو حدیث ابن اسحٰق جمہور مالکیہ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں کی سند ہے جسے وہ اپنے جمہور پر رَد کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ان منازعین نے اس حدیث ابن اسحٰق کو بھی رَد کیا ہے۔ لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اشتباہ ہوا اور انھوں نے رَد کو بھی مردود سمجھ لیا (یعنی یہ سمجھا کہ منازعین اپنے جمہور کے قول کی طرح

[1] الاستذکار باب الجمعۃ باب ماجاء فی الانصات یوم الجمعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۷

عن مالك انہ فی زمنہ علیہ الصلوۃ والتسلیم لم یکن بین یدیہ بل علی المنارۃ۔ ونقل ابن عبد البر عن مالك ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم وما ذکرہ محمد بن اسحق عند الطبرانی وغیرہ فی ھذا الحدیث ان بلالاً کان یؤذن علی باب المسجد فقد نازعہ کثیرون ومنھم جماعۃ من المالکیۃ بان الاذان انما کان بین یدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کما اقتضتہ روایۃ البخاری ھذہ[1] اھ۔

ولیس فی روایۃ البخاری مایقتضی من ذلك شیئاً۔ اقول قد صدق ان روایۃ البخاری لایقتضی شیئا من کونہ بین یدیہ او علی المنارۃ ولکن الاستشہاد کان بروایۃ ابن اسحق وانما ذکر اسم البخاری ایذانا بان اصل الحدیث عندہ و اوصحتہ روایۃ ابن اسحق

حدیث ابن اسحٰق کو بھی رُد کرتے ہیں) اسی لئے وہ فرماتے ہیں: بعض مالکیہ نے ابن قاسم سے انہوں نے امام مالک سے روایت کی کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذانِ خطبہ خطیب کے سامنے نہیں بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ ایسا ہی ابن عبدالبر نے امام مالک سے روایت کیا کہ امام کے سامنے اذان ہونا امر قدیم نہیں۔ اور محمد بن اسحٰق کی جو حدیث طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ دروازہ مسجد پر اذان دیتے تھے، اسکی مخالفت مالکی حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی (دروازۂ مسجد پر نہیں) اور یہی روایتِ بخاری کا مقتضی ہے۔

(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تفصیل کے بعد دوسرے گروہ کے اس قول (اذان تو خطیب کے سامنے ہوتی جیسا کہ روایت بخاری کا مقتضا ہے" کا رُد کرتے ہوئے فرمایا) بخاری کی روایت میں نہ بین یدیہ کا ذکر ہے نہ بابِ مسجد کا۔ اقول ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ "روایت بخاری میں کسی بات کی تصریح نہیں" بجا ہے۔ لیکن منازعین کا استدلال دراصل روایت ابن اسحٰق سے ہے (جس میں لفظ بین یدیہ

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوٰۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

كما هو صريح لفظ الاستذكار و
كيف يرد على حديث ابن اسحٰق
بان الاذان انما كان بين
يديه صلى الله تعالٰى عليه
وسلم مع ان حديث
ابن اسحاق هو المصرح
بهذا فيرد على الشئ بنفس
الشئ ولكن الامر انه
كتب هذا المحل معتمدا
على ما فى الصدور ولو راجع
كلام المنازعين لعلم
انهم لا يقولون ان
حديث البخارى يقضى بالرد
على جمهورهم والرأى انهم
لا ينازعون حديث ابن اسحٰق
بل به يستشهدون و به على
جمهورهم يردون و
لا بعد ان كونه بين
يديه صلى الله تعالٰى
عليه وسلم مصرح به
فى حديث ابن اسحٰق
نفسه بل لا نعلم التصريح
به الا فيه فكيف يرد عليه بمفاد نفسه
ولكن نسى و لم يتفق له مراجعة
الحديث و لا مراجعة كلام المنازعين

مذکور ہے) بخاری کا نام تو یہ بتانے کے لئے
لیا گیا ہے کہ روایت ابن اسحٰق کی اصل بخاری میں ہے،
بخاری نے یہ حدیث مختصر روایت کی اور ابن اسحٰق
کی سند سے یہی حدیث ابوداؤد نے مفصل تخریج کی
ہے، اور یہی استذکار کی عبارت سے ہویدا ہے۔
(ایسی صورت میں) بھلا حدیث ابن اسحاق پر
اس بات سے کیسے رَد ہو سکتی ہے کہ "اذان
حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے سامنے
ہوتی تھی" خود حدیث ابن اسحٰق بھی تو اسی امر کو
ثابت کر رہی ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ تعالٰے
علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی، تو ایک بات کو
خود اسی سے رَد کرنے کے کیا معنٰی! ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے
اس مقام کو اپنی یادداشت پر بھروسا کر کے لکھا اگر
منازعت کرنیوالوں کے کلام کو پھر دیکھ لیا ہوتا تو
انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ منازعین یہ نہیں کہتے کہ حدیث
بخاری میں جمہور ائمہ مالکیہ کا رد ہے حقیقت تو یہ ہے
کہ وہ لوگ حدیث ابن اسحاق کا بھی رد نہیں کرتے،
وہ تو اس حدیث کو اپنے جمہور کی رائے کے خلاف
سند میں پیش کرتے ہیں، اور اس میں کوئی بعد بھی
نہیں، کیونکہ اذان کے خطیب کے سامنے ہونے کی تصریح
صرف حدیث ابن اسحٰق میں ہے، تو جو بات خود
حدیث ابن اسحٰق ہے، اسی سے اس حدیث کو رَد
کیسے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت علی قاری
بھول گئے اور خود حدیث اور کلام منازعین کو بھی

والله يفعل ما يريد ولما سبق
الى خاطره ان القائلين
بكونه بين يديه صلى الله تعالى عليه
وسلم ينازعون حديث ابن اسحاق
ولا تمكن المنازعة الا اذا اريد
بباب المسجد في حديثه
باب ليس وجاه المنبر خطر بباله
ان المراد باب الشرقي او الغربي
واید هٰذا الخطور انه لم يكن في
زمنه رحمه الله تعالى بل
منذ نحو مائة وخمسين
سنة من قبله باب شمالي في
المسجد الكريم كان الناس بنوا
هنالك دورهم كما ذكره السيد
العلامة السمهودي رحمه الله
تعالى فحق له ان يدخل
حديث ابن اسحٰق فيما ينازعه
القائلون بكونه بين يديه
فكر عليهم بالرد بانه لا مستدلهم
في انكار على الباب ولا يقتضي حديث
البخاري شيئا من ذٰلك
نقوى الى هنا امر جمهور المالكية
وتم الرد على المنازعين
لانعدام ما يثبت كونه بين
يديه، لكن كان هذا هو مذهبه

نہیں دیکھا، اور جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے،
اور جب ان کے دل میں یہ بات جم گئی کہ اذان بین
یدیہ کے قائل مالکی حضرات حدیث ابن اسحٰق کا رد
کرتے ہیں۔ اور اصحاب بین یدیہ کے قول اور
روایت ابن اسحاق میں جبھی منازعت ہوگی کہ
ان کی حدیث میں آتے ہوئے لفظ باب مسجد سے
مراد مسجد نبوی کا ایسا دروازہ ہو جو منبر کے سامنے
نہ ہو تو ان کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ حدیث
ابن اسحٰق میں مذکور باب مسجد سے مراد یا تو مسجد کا
مشرقی دروازہ ہے یا مغربی، اور اس کی
مزید تائید اس امر سے ہوئی کہ ان کے زمانہ میں بلکہ
ان کے عہد سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہی مسجد شریف
کا شمالی دروازہ جو منبر کے بالمقابل تھا ختم ہوگیا
تھا اور لوگوں نے وہاں اپنے گھر بنالئے تھے
جیسا کہ علامہ سمہودی نے تحریر فرمایا ہے، تو
انھیں یہی معلوم ہوا کہ بین یدیہ اور باب المسجد
دو مختلف سمتوں میں ہیں اسی لئے انھوں نے
اصحاب بین یدیہ کو روایت ابن اسحاق کا مخالف
سمجھا۔ پھر پلٹ کر اصحاب "بین یدیہ" کا رد کیا کہ
حدیث بخاری میں تو "بین یدیہ" کا لفظ ہے ہی نہیں،
پھر "بین یدیہ" روایت بخاری کا مقتضیٰ کیونکر
ہوا! اس لئے آپ حضرات کا علی الباب والی
روایت کو رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ لیکن خود
احناف اذان "بین یدیہ" کے قائل ہیں، اور
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی ہی ہیں اس لئے

ومذھب ائمتہ الکرام فحاول التوفیق بما یرجع الی ماھو مذھبہ بالتحقیق، فقال "لکن یمکن الجمع بین القولین بان الذی استقر فی اٰخر الامر ھو الذی کان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]" ای لم یکن الاذان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اول الامر بل علی الباب الشرقی او الغربی (وھذا ما فی حدیث ابن اسحٰق وکلام مالک) ثم استقر الامر اخیرًا علی کونہ بین یدیہ (وھو مراد المنازعین فیہ)۔

ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی کہ ممکن ہے ابتدا میں مسجد شریف کے باب شرقی یا غربی پر اذان ہوتی رہی ہو، جیسا کہ روایت ابن اسحٰق یا کلام مالک میں ہے لیکن بعد میں معاملہ سامنے پر ہی مستقل ہوگیا اور یہی مراد کلام متنازعین کی بھی ہے۔

اقول انت تعلم انہ مبنی علی ماشبہ لہ وتوجیہ کلام مالک بما ذکر توجیہ بما لایرضی بہ فقد اسلفنا عنہ انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نھی عن الاذان بین یدی الامام۔

اقول (میں کہتا ہوں) ملا علی قاری کی یہ بات تو ایک اشتباہ پر مبنی ہے، پھر یہ توجیہ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب کے بھی موافق نہیں کہ وہ تو مطلقًا اذان بین یدیہ کے منکر ہیں (پھر ایسی غیر مفید اور بے بنیاد تاویل سے کیا حاصل)

ثم حاول التطبیق بوجہ اٰخر بعید سحیق فقال اوبان اذان بلال علی باب المسجد کان اعلاما فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن[2] اھ۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بعید تاویل بھی کی ہے وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ عہدِ رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ جو اذان بابِ مسجد پر دیتے تھے وہ اذان نہ ہو صرف اعلان رہا ہو، اور یہی حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل ہو اھ۔

---

[1] و [2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوٰۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

يشير الى الاثر المذكور عن تفسير جويبر وقد كان قدمه ورده وذكره ثمه توفيقا ينبغی نقله ليتضح به مرامه بهذا التطبيق قال بعد ما ذكر ان عثمان رضی الله تعالٰی عنه هو الذی احدث الاذان الاول ما نصه "ولا يعارض ان عثمٰن هو المحدث لذٰلك ما روی ان عمر هو الأمر بالاذان الاول خارج المسجد يسمع الناس ثم الاذان بين يديه ثم قال نحن ابتدعنا ذٰلك لكثرة المسلمين لانه منقطع ولا يثبت وانكر عطاء ان عثمٰن احدث اذانًا و انما كان يامر بالاعلام ويمكن الجمع بان ما كان فی زمن عمر (رضی الله تعالٰی عنه) مجرد الاعلام واستمر فی زمن عثمٰن (رضی الله تعالٰی عنه) ثم رأی ان يجعله اذانًا علٰی مكان عال

یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لے کر حضرت علی قاری جویبر کے مذکورہ بالا اثر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کو خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کر کے اس کا رد کیا ہے اور وہیں ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ ہم ذیل میں اسے نقل کرتے ہیں، اس سے اس تاویل کا مطلب بھی کھلے گا۔ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا منشا بھی ظاہر ہو گا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد قرار دے کر فرماتے ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اذان اول کا موجد ہونے کے معارض وہ اثر (اثر جویبر) نہیں ہو سکتا (جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذانِ اول خارج مسجد دلائی کہ لوگ سن سکیں۔ پھر اذان بین یدیہ دلائی اور فرمایا کہ ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ اذان ایجاد کی) کیونکہ یہ اثر منقطع ہے اس کا ثبوت نہیں۔ اور حضرت عطا رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد نہیں مانتے۔ ان کے بقول حضرت عثمان تو صرف اعلان کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اعلان شروع کرایا تھا حضرت عثمان کے دَور تک جاری رہا، پھر انھوں نے اپنی رائے سے اس اعلان کے بجائے

ففعل واخذ الناس بفعله فی جمیع البلاد اذ ذاك لکونه خلیفة مطاعا۔[1]

بلند مکان پر اذان دلانی شروع کردی اور ان کے امام مطاع ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اسی پر عملدرآمد جاری کردیا۔

اقول ولا یذھب عنك ان ھذا قمع لاجمع اذقد اٰل الامر الی انه جعله اذانا فقد احدث اذانا وعطاء ینکرہ فاین الجمع بل السبیل ما سلك فی فتح الباری وغیرہ ان المثبت مقدم علی النافی وقد ثبت احداث عثمٰن الاذان وانه ھو الذی احدثه لا امیر المؤمنین عمر باحادیث صحاح لامرد لھا فلاحجة فی انکار عطاء ولا فی روایة تفسیر جویبر۔

اقول (میں کہتا ہوں) شیخ علی قاری کی یہ جدوجہد جمع کے بجائے قمع ہے، کیونکہ آخر میں انہوں نے یہ اقرار کیا کہ حضرت ذوالنورین نے ابتدائی اعلان کو اذان کردیا، توحضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانِ اول کے موجد ہوئے۔ اور حضرت عطاء ابن رباح سرے سے ان کے موجد اذان ہونے کا ہی انکار کرتے ہیں تو ملّا علی قاری علیہ الرحمہ کی بات جمع بین القولین کیسے ہوئی! اس لئے جمع کا صحیح طریقہ وہی ہے کہ صاحبِ فتح الباری کی طرح کہا جائے (۱) مثبت روایت (یعنی ذوالنورین کا موجد اذان اول ہونا) نافی (یعنی قول عطاء) پر مقدم ہے (۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اذان اول کا موجد ہونا ایسی روایتوں سے ثابت ہے جس کی تردید نہیں ہوسکتی، اس لئے نہ توحضرت عطاء کے انکار کا کچھ فائدہ ہوگا نہ تفسیر جویبر کی روایت اثر انداز ہوگی۔

ولھذا الشیخ لما جمع بان عمر رضی اللہ تعالٰی عنه احدث اعلاما واستمر

المختصر ہماری اس تفصیل سے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معنی واضح ہوگئے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ تعالٰی

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۲۹۷

الٰی زمن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه وجعله بعد اذانا فالی هذا یشیر بقوله " فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن " و لما کان یرد علیه ان علی تطبیقکم هذا یکون تقدیم الاعلام علی الاذان ثابتا من زمن الرسالة فکیف یقول الفاروق نحن ابتدعناه لکثرة المسلمین ـ حاول ان یرفو هذا الخرق فقال " ولعله ترك ایام الصدیق او اواخر زمنه علیه الصلٰوة والسلام ایضا فلهذا اسماه عمر بدعة وتسمیة تجدید السنة بدعة علی منوال ما قال فی التراویح نعمت البدعة هی اھ[1]ـ

علیہ وسلم کی جس اذان کے بارے میں بین یدی الخطیب یا علٰی باب المسجد یا علی المنار ہونے کی بات کہی جارہی ہے وہ دراصل اذان نہ تھی نمازِ جمعہ کا اعلان تھا۔ اور یہی حضرات فاروق وعثمان کے اعلان بعدہ الاذان کی اصل ہے، لیکن حضرت علی قاری کی اس تطبیق پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے اعلان کا رواج عہدِ رسالت سے ہی تھا، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہی اعلان کرا کے یہ کیسے کہا کہ ہم نے اس کی ایجاد کی! ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ " یہ اعلان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری عہد اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے زمانے میں موقوف ہوگیا رہا ہوگا۔ حضرت عمر نے اس کی تجدید کی اور اس کا نام ایجاد رکھا ہوگا، جیسا کہ تراویح کی جماعت کو بھی آپ نے البدعۃ کہا تھا حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دو تین یوم تراویح کی جماعت قائم فرمائی تھی۔

اقول ولا یخفٰی علیك ان الشیخ انما یبدی هذه الاشیاء

اقول (میں کہتا ہوں) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام توجیہات کو

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوٰۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/۴۹۷

بیمکن ولعل وما بیدہ سند علٰی شیئ من ھٰذا ولا لہ فیہ سلف ولا بہ حصول مارام من التوفیق فان مآل ترجّیاتہ واحتمالاتہ انہ کان علٰی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلام بالجمعۃ علٰی باب المسجد ثم اذان بین یدیہ اذا جلس علی المنبر ثم ترك الاعلام فی اواخر عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم ثم جددہ عمر لکثرۃ المسلمین وابقاہ عثمٰن ثم حولہ الی الاذان الذی فی حدیث ابن اسحٰق انہ کان علی الباب وفی کلام مالك انہ لم یکن بین یدیہ ھو ھٰذا الاعلام اما الاذان فما کان الا بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانت تعلم انہ۔

اولاً لا یلائم قول مالك

"ہوسکتا ہے" اور "ممکن ہے" کے لفظ سے شروع کیا ہے، کسی بھی توجیہ کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ سلف صالحین میں سے کوئی ان کی کسی رائے میں ان کا ہم نوا ہے۔ نہ انکی اس جدوجہد سے مختلف اقوال وروایات میں باہمی تطبیق کا مقصد ہی کچھ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کے تمام امکانات واحتمالات کا حاصل یہ ہے کہ عہد رسالت میں اعلان جمعہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ہوتا تھا پھر امام جب منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان خطبہ ہوتی پھر عہد نبوت کے آخری دور یا عہد صدیقی میں یہ اعلان متروک ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے پھر اس اعلان کی تجدید کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں بھی اس اعلان کو جاری رکھا پھر ان کی رائے ہوئی کہ اعلان کے بجائے اذان ہی دی جائے۔ تو وہ اذان جس کا ذکر روایت ابن اسحاق میں ہے جسے وہ مسجد کے دروازہ پر بتاتے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خطیب کے آگے نہیں ہوتی تھی وہ دراصل یہی اعلان تھا اور اذان خطبہ تو حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی (مگر اس پر مندرجہ ذیل اشکالات ہیں)

اولاً امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ

فانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ینھی عن الاذان بین یدی الامام لا عن اعلام اٰخر قبلہ ولا کان فی عہدہٖ رضی اللہ تعالٰی عنہ اعلام بین یدی الامام غیر الاذان حتی ینکرہ ویقول انہ محدث لیس من الامر القدیم فاین التوفیق۔

وثانیاً لا یلائم حدیث ابن اسحٰق لانہ ذکر ان الذی کان علی باب المسجد کان ھو بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین یجلس علی المنبر فکیف یفرق بین الشیئ ونفسہٖ و یقال ان ما علی الباب کان اعلاماً وما بین یدیہ کان اذاناً، فان کان الاذان فی حدیثہٖ بمعناہ فالذی کان علی الباب کان اذاناً و ان کان بمعنی الاعلام فالذی بین یدیہ کان اعلاماً فکیف التفریق واین التطبیق۔

وثالثاً اجمعت الامۃ ان الذی کان عند جلوسہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنبر کان ھٰذا الاذان المعروف وتظافرت الروایات واجمع من یعتد باجماعھم انہ لم یکن فی عہدہ صلی اللہ تعالٰی

امام کے سامنے خطبہ دینے سے منع کرتے تھے، اس سے قبل کے کسی اعلان کو نہیں۔ اور حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے علاوہ کوئی اعلان تھا ہی نہیں کہ امام مالک رضی اللہ تعالٰے عنہ کو اسے روکنے کی ضرورت پڑتی۔

ثانیاً یہ تاویل حدیث ابن اسحاق کے بھی خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد جو چیز ہوتی تھی وہ دروازۂ مسجد پر ہوتی تھی، اور وہی آپ کے سامنے بھی تھی۔ اور آپ کی تاویل کا مقصد یہ ہے کہ بین یدیہ اور باب مسجد دو علیحدہ جگہیں ہیں۔ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور بین یدیہ اذان ہوتی تھی۔ تو حدیث ابن اسحٰق میں جو چیز مذکور ہے اگر اذان ہے تو وہ درِ مسجد پر ہوتی تھی۔ اور اگر اعلان تھا تو حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے سامنے جو ہوتا تھا وہ بھی اعلان ہی تھا، پس دونوں باتوں میں کہاں موافقت ہوئی۔

وثالثاً اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے وقت یہی معروف مشہور اذان ہوتی تھی، اسی پر کثیر روایتوں کا اتفاق، اور جن اعلام کا اجماع قابلِ اعتماد ہے ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ عہدِ رسالت و

علیه وسلم للجمعة شیئ غیر ھذا ولا علی عھد الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه وانه لم یکن علٰی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم تثویب فی شیئ من الصلوات الا الفجر علٰی جعل قوله الصلوٰۃ خیر من النوم تثویبًا۔ فلو کان ھذا اعلامًا حملًا لحدیث ابن اسحٰق علیه المصرح فیه بکونه اذا جلس علی المنبر بقیت الجمعة علٰی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بدون الاذان المعروف وھو خلاف الاجماع۔

عہدِ صدیقی میں اس اذان کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا، ان زمانوں میں تثویب کا رواج بھی نہ تھا، ہاں نمازِ فجر کے لئے البتہ الصلوٰۃ خیر من النوم پکارا جاتا تھا اگر اسے تثویب قرار دیا جائے۔ پس اگر روایت ابن اسحاق کی مصرح اذان کو اعلان قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عہدِ رسالت میں جمعہ کے لئے اذان ہوتی ہی نہیں تھی، اور یہ بھی خلافِ اجماع ہے۔

ورابعًا اذا ترک ھذا فی اواخر عھدہٖ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه بقیت الجمعة من دون ایذان لا اعلام ولا اذان وھذا خلاف الاجماع۔

رابعًا اور بقول حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ جب عہدِ رسالت کے اخیر یا عہدِ صدیقی میں یہ اعلان بھی موقوف ہوگیا تو ان دونوں مبارک زمانوں میں جمعہ کے لئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا نہ اذان۔ اور یہ بھی خلافِ اجماع ہے۔

وخامسًا اذن لا یستقیم قول عمرؓ نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمینؓ لا احداثا ولا تجدیدا لان الذی یفعل عند جلوس الامام لم یزل مستمرًا من زمنه علیه الصلوٰۃ والسلام۔

خامسًا اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "ہم نے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے اس کو ایجاد کیا" کا معنی درست نہ رہے گا نہ بطورِ احداث نہ بطورِ تجدید، کیونکہ جو ہوتا ہے وہ تو زمانۂ رسالت سے ہی چالو تھا۔

وسادسًا اذن کان اذان

سادسًا اس تقدیر پر اذان خطبہ

لہ فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۲/۴۵

الخطبة هو المحدث فكان احق بقول عمر نحن ابتدعناه۔

ہی تو نوایجاد ہوئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس کو اپنی ایجاد کہنا ہی صحیح ہوا۔

وسابعًا کیف یکون ھذا اصلا لاعلام عمر و عثمان فانه کان قبل جلوس الامام وھذا عند جلوسه علی المنبر۔

سابعًا یہ اعلان حضرات فاروق و عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل کیسے ہوا۔ ان حضرات کا اعلان تو آپ ہی کے بیان کے مطابق اذان خطبہ سے پہلے ہوتا تھا، اور جس کو آپ ان کے اعلان کی اصل بتا رہے ہیں یہ تو عین امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتا ہے۔

وبالجملة فیه مفاسد اظهر من ان تظهر واکثر من ان تحصر وانما الامر ما وصفنا انه رحمه الله تعالٰی کتب البحث من دون مراجعته للحدیث ولا لکلام

المختصر اس تاویل کے مفاسد بیان سے باہر اور شمار سے زائد ہیں، حقیقت وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے کہ حضرت ملّا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ پوری بحث احادیث اور کلام منازعین، اور کلام امام مالک

عنه ولذا نسبه للطبرانی مع وجوده فی افضل السنن ابی داؤد وقال الزرقانی فی المقصد الثالث من شرح المواهب علی المؤلف المؤاخذه فی ترک الترمذی ان الحدیث اذا کان فی احد الستة لایعزی لغیرها کما قال مغلطائی[1] انتهی منه حفظه ربه۔

اسی لئے اس کو طبرانی کی طرف منسوب کیا باوجودیکہ یہ اس سے افضل سنن ابوداؤد میں موجود ہے۔ امام زرقانی نے شرح مواہب کے مقصد ثالث میں ترک ترمذی کے بارے میں مؤلف پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا: جب کوئی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہو تو اسے ان کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، جیسا کہ مغلطائی نے کہا ہے انتہی منہ حفظہ ربہ۔ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ

المنازعين، ولا لكلام مالك واصحابه الاكثرين والا لم تعرض تلك الاوهام ولم يستقم له تاويل حديث ابن اسحٰق ولا ماينكر عليه مالك بالاعلام۔ فظهر ان تعلق بعض جهلة الزمان بهٰذا البحث الذى ليس له روح ليعيش انما هو تشبث الغريق بالحشيش وتقدم بعض مايليق به فى النفحة التاسعة الحديثية۔

اوران کے متبعین کی طرف مراجعت کے بغیر لکھ دیا، ورنہ یہ اوہام عارض ہوتے اور نہ حدیث ابن اسحٰق کی تاویل درست ہوتی۔ عہد حاضر کے بعض جاہلوں کا اس بے جان بحث سے زندگی کی مدد چاہنا، ڈوبنے والے کے تنکے کا سہارا ڈھونڈنے کے مترادف ہے، اس بحث سے متعلق بعض باتوں کو ہم نفحہ تاسعہ حدیثیہ میں ذکر کرچکے ہیں۔

ثم ليس فيه على ما قررنا مايقرا عينهم اذ ليس فيه ان الاذان كان علٰى عهده صلى الله تعالٰى عليه وسلم فى جوف المسجد وفيه الكلام والله المستعان ولله الحمد۔

لطف یہ ہے کہ اس بحث سے سہارا ڈھونڈنے والوں کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا کہ ان کا دعوٰی تو مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے، اور اس پوری بحث میں اندرونِ مسجد اذان ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

نفحہ ۲۱: قال القهستانى فى شرح النقاية عند قولها (اذن ثانيا بين يديه) اى بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر او الامام ويساره قريبا منه ووسطهما بالسكون فيشمل ما اذا اذن فى زاوية قائمة او حادة او منفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين ولا بأس بشموله بحسب المفهوم ما اذا كان

نفحہ ۲۱: قہستانی نے شرح نقایہ میں مصنف کے قول "دوسری اذان خطیب کے سامنے ہوگی" کی شرح میں کہا: یعنی ان دونوں سمتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں متوازی جارہی ہیں ان کے قریب اور ان دونوں کے درمیان (یہاں لفظ وَسْط کی سین ساکن ہے)، تو زاویہ قائمہ کے اندر کھڑا ہو یا حادہ ومنفرجہ، سبھی صورتوں کو شامل ہے، یہ سب زاویے ان دونوں جہتوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ان دونوں خطوط متوازیہ سے بنتے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار

ظهر المؤذن الی وجه ما یضاف الیه الیدان، فان قرینة الاذان تدل ان وجهه یکون الیه لکن یشکل بما اذا کان ظهره الی ظهر المضاف الیه الا اذا قیل باخراجه بقرینة قوله استقبلوه مستمعین اھ[1]

سے یہ عبارت اس صورت کو شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو، لیکن اذان کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مؤذن کا چہرہ ہی امام کے چہرہ کی طرف ہو۔ اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ سب امام کی طرف رُخ کریں اور اس کی بات سنیں اھ۔

اقول هذا کلام تحیر هؤلاء فی حله وتناقضوا فی حمله واستشهد به بعضهم بجهله ولیس فیه الا مشتت لشمله ومسفه لعقله ثم هو غیر محرر فی اصله فنذکر بتوفیقه تعالٰی اولا ما یشرحه ثم نکمل الفائدة ما یزیفه ویجرحه ثم نتوجه الی اجهل هؤلاء فنطرحه ولنقدم لذلك مقدمات نوضحه۔

اقول (میں کہتا ہوں) قہستانی کی اس عبارت نے مخالفین کو حیرت میں ڈال دیا ہے، اور اس عبارت کا حل کرنا انھیں مشکل پڑ رہا ہے، اور اس کا مطلب بیان کرنے میں وہ لوگ باہم متناقض ہیں۔ اور بعض نے تو اس سے اپنی جہالت کی دلیل فراہم کی۔ اور فی الحقیقت یہ عبارت مخالفین کے پریشاں خاطری کے اظہار کا ذریعہ اور ان کی بے وقوفی کے ظہور کا سبب بنی۔ اور لطف یہ کہ قہستانی کا یہ بیان بھی خود کوئی قابلِ اعتماد بات نہیں۔ تو بتوفیق اللہ تعالٰی پہلے ہم اس کلام کی تشریح کرتے ہیں، پھر اس کی کمزوری کا بیان کریں گے، پھر مخالفین کی جہالت واضح کریں گے۔ اس کے لئے چند توضیحی مقدمات کی تفہیم ضروری ہے۔

الاولٰی: المنبر فی قولهم

مقدمہ اولٰی: فقہاء کے قول

[1] جامع الرموز کتاب الصلوٰۃ فصل صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۸-۶۹

بین یدی المنبر مجاز عن الخطیب بالنقل والعقل المصیب اما النقل فقول العلامۃ المحقق البحر فی البحر "الضمیر فی قولہ بین یدیہ عائد الی الخطیب الجالس، وفی القدوری بین یدی المنبر وھو مجاز اطلاقا لاسم المحل علی الحال کما فی سراج الوھاج فاطلق اسم المنبر علی الخطیب اھ[1]" واما العقل فلان المنبر لو کان عریضا یسع رجالا فقام الامام علی احد طرفیہ والمؤذن بحذاء طرفہ الاخر فقد اخطأ السنۃ لانہ لیس بین یدی المنبر مع انہ بین یدی المنبر لاشک فعلم ان السنۃ ھو کونہ بین یدی الخطیب دون المنبر اذ العود غیر مقصود وقد مرت السنون لم یکن منبر فما کان یواجہ الا الامام امام الانام علیہ وعلٰی اٰلہ افضل الصلوۃ والسلام ھذا ظاھر جدا۔

20

بین یدی المنبر میں لفظ منبر بول کر مجازاً خطیب مراد لیا گیا ہے۔ یہ نقلی دلیل سے بھی ثابت ہے اور عقلی دلیل سے بھی۔ دلیل نقلی صاحب بحرالرائق کا یہ قول ہے جو انھوں نے بحر میں فرمایا: "قول بین یدیہ میں ضمیر خطیب کی طرف لوٹ رہی ہے جو منبر پر بیٹھا ہو۔" قدوری میں ہے: "لفظ بین یدی المنبر میں منبر سے مجازاً خطیب مراد ہے کہ اکثر محل بول کر حال مراد ہوتا ہے۔" ایسا ہی سراج الوہاج میں بھی ہے کہ منبر کا لفظ بول کر خطیب مراد ہے۔" عقلی دلیل یہ ہے کہ منبر اگر اتنا چوڑا ہو کہ اس کے عرض میں کئی آدمی کھڑے ہو سکتے ہوں، تو اگر امام منبر کی ایک طرف بیٹھا اور مؤذن دوسری طرف سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سنّت ترک کر دی کیونکہ اس صورت میں وہ امام کے مقابل نہیں منبر کے سامنے البتہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سنّت یہی ہے کہ مؤذن خطیب کے سامنے ہو منبر کے سامنے نہیں، اس لیے کہ توجہ کا مقصود لکڑی نہیں ہے۔ مسجد نبوی شریف میں کئی سال تک منبر تھا ہی نہیں تو لامحالہ مؤذن حضور امام الائمہ سید الانام رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہی رُخ کرتا تھا، یہ امر بالکل ظاہر ہے۔

---

[1] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵۷

الثانیة[2] فی المغرب الوسط بالتحریك اسم لعین ما بین طرفی الشیئ کمرکز الدائرۃ۔ وبالسکون اسم مبھم لداخل الدائرۃ مثلا ولذٰلك کان ظرفا فالاول یجعل مبتدأ او فاعلا ومفعولا بہ وداخلا علیہ حرف الجر ولایصح شیئ من ھذا فی الثانی۔ تقول وسطہ خیر من طرفہ واتسع وسطہ، وضربت وسطہ، وجلست فی وسط الدار، وجلست وسطھا بالسکون لاغیر، ویوصف بالاول مستویا فیہ المذکر والمؤنث والاثنان والجمع وقال اللہ تعالٰی "جعلناکم امۃ وسطا"، وللہ علی ان اھدی شاتین وسطا الی بیت اللہ، او اعتق عبدین وسطا انتہی وفی الصحاح کل موضع صلح فیہ بین فھو وسط بالتسکین

مقدمہ ثانیہ: مُغرب میں ہے:

اَلوَسَط سین کی حرکت کے ساتھ نام ہے کسی چیز کے دونوں کناروں کے ٹھیک بیچ کا، جیسے دائرہ کے لئے مرکز۔ اور الوَسْط سین کے سکون کے ساتھ اسم مبہم ہے تو مثلاً دائرہ کے اندر کسی مقام کو بھی وسط کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وسط بالسکون تو کلام میں صرف ظرف واقع ہوتا ہے۔ اور وسط بالتحریک مبتدا، فاعل، مفعول بہ واقع ہوتا ہے، اور اس پر حرف جر بھی داخل ہوتا ہے۔ اور وسط بالسکون ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "وَسَطُہ خیرٌ من طرفِہ" اس کا بیچ کنارہ سے اچھا ہے۔ اس صورت میں وسط مبتدا واقع ہوا ہے۔ "واتسع وسطہ" یہ وسط کے فاعل ہونے کی مثال ہے کہ اس کا بیچ وسیع ہوا۔ "ضربت وسطہ" اس کے بیچ میں مارا۔ یہ مفعول بہ واقع ہونے کی مثال ہے۔ اور "جلست فی وسط الدار" تو گھر کے وسط میں بیٹھا، یہ فی داخل ہونے کی مثال ہے۔ لیکن وسْط بالسکون کے استعمال کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتا ہے، جیسے جلست وسطہ میں گھر میں بیٹھا۔ یہاں وسط مفعول فیہ ظرف واقع ہے،

---

[2] البحرالرائق بحوالہ المغرب کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۱ و ۳۵۲

"کجلست وسط القوم وان لم یصلح فیہ فھو بالتحریك" کجلست وسط الدار، وربما سکن ولیس بالوجہ[1] اھ۔

ایک علامت یہ بھی ہے کہ وَسَط بالتحریک مذکر، مؤنث، واحد، تثنیہ، جمع سب کی صفت بن سکتا ہے قرآن عظیم میں ہے "جعلنٰکم امۃ وسطا" ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا' یہاں لفظ وسط مونث کی صفت ہے "للّٰہ علیّ ان اھدی شاتین وسطا" میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط بکریاں نذر کرتا ہوں۔ یہاں وسط تثنیہ مؤنث کی صفت ہے "واعتق عبدین وسطا" میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط قسم کے غلام آزاد کروں گا۔ یہاں وسط تثنیہ مذکر کی صفت ہے اھ۔ صحاح جوہری میں ہے: جہاں لفظ بین کا محل استعمال ہو وہاں وسط بالسکون پڑھا جائے جیسے جلست وسط القوم میں قوم کے درمیان بیٹھا۔ اور لفظ بین کا محل استعمال نہ ہو تو وسط بالتحریک ہوگا جیسے جلست وسط الدار میں گھر کے ٹھیک بیچ میں بیٹھا۔ کہیں بالسکون بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں اھ مترجم۔

الثالثۃ[3] کل زاویۃ جعل منقصف وترھا مرکزًا و رسمت علیہ ببعد احد طرفیہ قوس الی جھۃ الزاویۃ حتی وصلت الی الطرف الاٰخر فان الزاویۃ ان کانت قائمۃ تمر القوس براسھا او منفرجۃ فوراء راسھا او حادۃ فدونہ وبالعکس ان مرت القوس براسھا فھی قائمۃ او وقعت وراءہ فمنفرجۃ اودونہ فحادۃ۔

مقدمہ ثالثہ: جس کسی بھی زاویہ کے وتر کے منتصف کو مرکز مان کر وتر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک زاویہ کی جہت میں کوئی قوس بنائی جائے۔ تو اگر زاویہ مذکورہ قائمہ ہوگا تو قوس اس کے راس پر سے، اور اگر زاویہ منفرجہ ہوگا تو قوس زاویہ کے وراء سے اور زاویہ حادہ ہوگا تو قوس اس زاویہ کے نیچے سے گزرے گی۔ اسی کو اُلٹ کر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر قوس زاویہ کے راس سے گزرے تو زاویہ قائمہ ہوگا اور قوس زاویہ کے وراء سے گزرے تو زاویہ منفرجہ ہوگا اور قوس زاویہ کے نیچے سے گزرے تو زاویہ حادہ ہوگا۔

---

[1] الصحاح تحت اللفظ "وسط" دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۹۷۵

وبعبارة اخرى كل خط نصف ورسمت على منتصفه ببعد احد طرفيه قوس وصلت لطرفه الآخر فاذا جعلت هذا الخط قاعدة مثلث واقع الى جهة القوس فان وقع راسه على نفس القوس فزاوية قائمة او وراءها فحادة او دونها فمنفرجة وبالعكس ان كانت زاوية الراس قائمة تقع على نفس القوس او حادة فوراءها او منفرجة فدونها۔

اسی مدعا کا اظہار بلفظِ دیگر یوں بھی ہو سکتا ہے، کسی بھی خط کی تنصیف کے بعد اس منتصف پر خط کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک قوس بنائی جائے۔ اور یہ خط کسی ایسے مثلث کے قاعدے پر منطبق ہو جائے جو جانب قوس واقع ہے۔ تو اگر مثلث کا راس خود اسی قوس پر واقع ہو تو وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اور اس قوس سے باہر کی طرف واقع ہو تو زاویہ حادہ ہے۔ اور قوس کے اندر واقع ہو تو زاویہ منفرجہ ہوگا۔ اور اسے اُلٹ کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر زاویہ راس قائمہ ہو تو نفس قوس پر واقع ہوگا اور حادہ ہو تو قوس کے باہر۔ اور منفرجہ ہو تو قوس کے اندر واقع ہوگا۔

(توضیحِ دعوٰی)

وليكن ا ب خطاً رسمنا على نصفه ج ببعد ا قوس ا ح ب ثم جعلناه قاعدة مثلثات ا ء ب، ا ر ب، ا ہ ب فزاوية الواقعة على القوس قائمة والواقعة وراءها

ہم نے مان لیا کہ ا ب ایک خط ہے جس کو مقام ج پر نصف کر دیا گیا ہے اور اسی ج کو مرکز مان کر اسے شروع کر کے ح سے ہوتی ہوئی ب تک ایک قوس بنائی۔ ا ح ب، پھر اسی خط ا ب کو تین مثلثوں ا ء ب، ا ر ب، ا ہ ب کا قاعدہ

حادة وہ الواقعۃ دونھا منفرجۃ ـ وان کانت الزاویۃ قائمۃ تقع علی نفس القوس مثل ء، اوحادۃ تقع خارجھا مثل ر، او منفرجۃ فداخلھا مثل ہ۔

قرار دیا تو زاویہ ء جو قوس پر واقع ہے قائمہ ہے، اور زاویہ ر جو قوس سے باہر ہے حادہ ہے، اور زاویہ ہ جو قوس کے اندر ہے منفرجہ ہے۔ اور بالعکس یوں بھی کہہ سکتے ہیں اگر زاویہ قائمہ ہے تو قوس پر واقع ہے جیسے زاویہ ء، اور حادہ ہے تو قوس سے باہر ہے۔ جیسے زاویہ ر اور اندر ہے تو زاویہ منفرجہ ہے جیسے زاویہ ہ۔

ثبوتِ دعوٰی کی تقریر

وذٰلک لان القوس نصف دائرۃ وقد وقعت فیھا زاویۃ ء فھی قائمۃ بحکم ل من ثالثۃ الاصول فتکون ر حادۃ والا اجتمع فی مثلث ب ء ر قائمتان وھو محال بحکم لب من اولی الاصول ـ وکذا ب ہ ء حادۃ لعین ذٰلک فب ہ ا منفرجۃ بحکم بح من اولٰھا۔

یہ اس لئے کہ قوس نصف دائرہ ہے اور اسی پر زاویۂ واقع ہے اس لئے مقالہ ثالثہ کی تیسویں[۳۰] شکل کے حکم سے یہ ضرور قائمہ ہے، اور چونکہ زاویہ قائمہ کے پہلو والا زاویہ بھی قائمہ ہوتا ہے۔ اس لئے زاویہ ر کا حادہ ہونا ضروری ہے ورنہ مثلث ب ء ر میں بیک وقت دو زاویہ قائمہ ہونا لازم آئے گا جو مقالہ اولٰے کی شکل بتیس[۳۲] کی رو سے محال ہے اسی طرح اسی دلیل سے مثلث ب ہ ء کا زاویہ ہ بھی حادہ ہے (اور چونکہ حادہ کے پہلو والا زاویہ منفرجہ ہوتا ہے) اس لئے مثلث ب اہ کا زاویہ ہ ضرور منفرجہ ہے جیسا کہ مقالہ اولٰی کی تیرھویں شکل سے ظاہر ہے۔

ثم لتکن ء قائمۃ فلا موقع لھا الاعلی نفس

یا یوں کہئے زاویہ ء قائمہ ہے تو لامحالہ نفس قوس پر واقع ہے اس لئے کہ یہ ر کی

القوس اذ لو وقعت دونها مثل ہ او ورائها مثل ر وقد تبین ان ء ایضا قائمۃ لاجتمع فی مثلث قائمتان، ولتکن ہ منفرجۃ فلا تقع الا داخل القوس اذ لو وقعت علیها کانت قائمۃ او ورائها کانت حادۃ لما مر۔

ولتکن ر حادۃ فلا وقوع لها الا خارج القوس اذ لو وقعت علیها کانت قائمۃ۔ او داخلها کانت منفرجۃ لما سبق، وذلك ما اردناه وبه تبنیت العبارۃ الاولٰی اصلاً وعکساً۔

الرابعۃ کل زاویۃ غیر حادۃ نزل من راسها عمود علٰی قاعدتها فانه یکون نصف القاعدۃ ان کانت الزاویۃ قائمۃ متساویۃ الساقین والاقل من نصفها سواء کانت منفرجۃ مطلقاً او قائمۃ مختلفۃ الساقین۔

طرح خارج قوس واقع ہو۔ یا ہ کی طرح تحت قوس توجس طرح زاویۂ قائمہ ہے اسی طرح ہ اور ء بھی قائمہ ہوجائیں گے۔ اور ایک مثلث میں دو دو زاویہ قائمہ ہوں گے۔ یا یوں کہئے کہ اگر زاویہ ہ منفرجہ ہے تو لامحالہ داخل قوس ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ نفس قوس پر ہو تو اس کا قائمہ ہونا لازم آئے گا، یا خارج قوس ہو تو حادہ ہونا لازم آئے گا دلیل مذکورہ بالا کی رو سے۔

یا یوں کہئے کہ زاویہ ر اگر حادہ ہے تو لامحالہ وہ خارج قوس ہوگا کیونکہ نفس قوس پر ہونے کی صورت میں لامحالہ وہ قائمہ ہوجائے گا، یا داخل قوس ہو تو منفرجہ ہونا لازم آئے گا۔ دلیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور یہی ہمارا دعوٰی تھا۔ ہماری اس دلیل سے پہلی عبارت اصلاً و عکساً ثابت ہوئی۔

مقدمہ رابعہ: جب کسی زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس زاویہ کے قاعدے پر عمود کا نزول ہو تو وہ عمود ہمیشہ قاعدے کا نصف ہوگا بشرطیکہ زاویہ قائمہ متساویۃ الساقین ہو ورنہ عمود ہمیشہ قاعدے کے نصف سے بھی چھوٹا ہوگا (۲) خواہ زاویہ مطلقاً منفرجہ ہو (۳) یا قائمہ مختلفۃ الساقین ہو۔

(ع۱ کی توضیح اور ثبوت)

فلتکن اج ب قائمۃ متساویۃ الساقین فج اَ نصف اب بوجوہ کثیرۃ منھا ان زاویتی ج اب، ج ب ا متساویتان بخامسۃ الاولٰی لتساوی الساقین و حیث ان ج قائمۃ فکلتاھما نصف قائمۃ بلب منھا و ح ء ب قائمۃ بحکم العمودیۃ فر ج ب نصف قائمۃ بلب فج ء، ء ب متساویان بسادسۃ الاولٰی، وکذا بعین البیان ج ء، ء ا فیکون اء، ء ب متساویین، فکل منھما نصف اب مساویا لج ء۔

مان لیجئے کہ مثلث اج ب کا زاویہ ج قائمہ متساویۃ الساقین ہے تو عمود ج ا جو اس زاویہ کے راس سے اس کے قاعدے پر ڈالا گیا ہے وہ خط اب یعنی قاعدے کا نصف ہے۔ اس کی بہت سی دلیلیں ہیں، ایک دلیل مندرجہ ذیل ہے ج اب اور ج ب ا میں ا و ب دونوں زاویے مقالہ اولٰے کی پانچویں شکل (شکل ماموفی) کی رُو سے برابر ہیں کیونکہ اس مثلث کی دُو ساقین اج اور ج ب برابر ہیں، اور جب ج زاویہ قائمہ ہے تو اس کے بقیہ دونوں زاویے یعنی ا اور ب نصف قائمہ ہوں گے مقالہ اولٰے کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے (اور زاویہ ج سے جو خط قاعدے تک آیا ہے اس سے دُو ۲ مثلث بن گئے ہیں ا ء ج اور ج ء ب) اور اس خط کے عمودی ہونے کی وجہ سے زاویہ ع قائمہ ہے تو زاویہ ج نصف قائمہ ہوگا مقالہ اولی کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رُو سے، اور زاویہ ب پہلے ہی بیان سے نصف قائمہ ثابت ہو چکا ہے۔

پس اس مثلث کی دونوں ساقین ح ء اور ء ب بھی مساوی ہوں گی مقالہ اولیٰ کی چھٹی شکل کی رو سے۔ اور اسی بیان سے دوسرے مثلث کی دونوں ساقیں ح ء اور ۱ ء بھی مساوی ہوں گی تو قاعدے کے دونوں ٹکڑے ۱ ء اور ء ب مساوی ہو گئے۔ اور قاعدے ۱ ب کا نصف نصف ہوں گے۔ اور خط ح ء کے بھی مساوی ہوں گے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے راس سے قاعدے پر اترنے والا خط قاعدے کا نصف ہوتا ہے۔

(ع ۲ کی توضیح اور ثبوت)

ثم لتکن ا ہ ب قائمۃ مختلفۃ الساقین فنقول ہ ر اصغر من نصف ا ب اعنی نصف القطر لان ر لیس مرکزاً والا لکان فی مثلثی ا ر ہ، ہ ر ب ضلعا ا ر، ر ب متساویین و ر ہ مشترک و زاویتا ر قائمتان
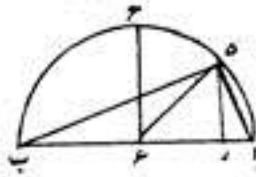
ہم نے فرض کیا کہ مثلث ا ہ ب میں زاویہ ہ قائمہ مختلف الساقین ہے۔ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے خط ہ ر نصف ا ب یعنی نصف قطر سے چھوٹا ہے اس لئے کہ ر یہاں مرکز نہیں ورنہ پیش نظر دونوں مثلث یعنی ا ر ہ اور ہ ر ب میں دونوں خط ا ر اور ر ب برابر ہوجائیں گے اور ہ ر دونوں مثلثوں میں مشترک۔ اور دونوں مثلثوں میں ر زاویہ قائمہ (یعنی

فبرابعة الاولٰی یتساوی ا ہ ہ ب بھف فلیکن المرکز ء وقلنا ہ ء نصف القطر فلوکان ہ س مساویا لہ تساوت بالماموف زاویتا س ء فاجتمع فی مثلث قائمتان۔

دو قائمے) پس مقالہ اولٰی کی شکل رابع سے لازم آئے گا کہ ا ہ اور ہ ب دونوں ساقیں مساوی ہوجائیں اور یہ خلاف مفروض ہوگا (کہ ہم نے زاویہ قائمہ مختلف الساقین مانا تھا اور یہاں دونوں کا مساوی ہونا لازم آیا) جب س کو مرکز ماننے پر خلاف مفروض لازم آیا، تو مان لیجئے کہ مرکز دراصل ء ہے اور ہ کو ملا کر نصف قطر کرلیجئے۔ اس صورت میں ہ س ہ ء کے برابر ہو تو (مقالہ اولٰی کی پانچویں شکل کے لحاظ سے زاویہ س اور زاویہ ء دونوں برابر ہونگے تو ایک مثلث کے دو زاویے قائمہ ہوگئے (اور یہ محال ہے تو لامحالہ ہ س، ہ ء دونوں ساقیں برابر نہیں)

وان کان ہ س اکبر من ہ ء کانت ء الموترۃ بالاکبر اکبر من س القائمۃ الموترۃ بالاصغر بحکم یح من الاولٰی فاجتمع فی مثلث قائمۃ ومنفرجۃ فلاجرم ان ہ س اصغر من ا ء۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہ س کو ہ ء سے بڑا مانا جائے۔ تو مقالہ اولٰی کی اٹھارھویں شکل سے لازم آئے گا کہ زاویہ ء جس کے وتر ہ س کو ہم نے ہ ء سے بڑا مانا ہے، چھوٹے وتر والے زاویہ قائمہ یعنی س سے بڑا ہو جائے اور زاویہ قائمہ سے جو زاویہ بڑا ہوگا وہ منفرجہ ہی ہوگا۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مثلث میں زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ دونوں جمع ہوگئے اور یہ بھی محال ہے اور ہ س کے نصف قطر سے بڑے اور برابر ہونے کی صورتیں محال ہوگئیں، تو لامحالہ ہ س، ہ ء نصف قطرہ سے چھوٹا ہے اور ہم اسی کے مدعی تھے۔

(۳ کی توضیح اور ثبوت)

والامر فی المنفرجة اظهر سواء کانت متساویة الساقین مثل ا ی ب، او مختلفتهما مثل ا ح ب لانها تقع داخل القوس فالعمود النازل منها علی القطران مر بالمرکز مثل ی ء کان جزءً من نصف القطر ح ء وان لم یمر به مثل ح ط۔

زاویہ منفرجہ میں اس خط نازل کا نصف قطر سے چھوٹا ہونا زیادہ واضح ہے زاویہ منفرجہ متساوی الساقین جیسے مثلث ا ی ب یا مختلف الساقین جیسے مثلث ا ح ب کیونکہ یہ زاویہ بہر تقدیر قوس کے اندر ہوگا، تو اس زاویہ سے جو عمود بھی قطر پر نازل ہوگا یا تو مثلث ا ی ب کی طرح مرکز سے ہو کر گزرے گا جیسے خط ء ی تو وہ یقیناً نصف قطر یعنی خط ء ح کا جزء ہوگا (اور اگر زاویہ مختلف الساقین میں ہوگا جیسے ح ط کہ یہ مرکز سے ہو کر نہیں گزرتا)

اخرجنا ح الی ء ك کان ح ء الاصغر من ء ك نصف القطر لکونه وتر القائمة اکبر من ح ط وتر الحادة بحکم ۱۸ من الاولی و ذلك ما اردناه۔

تو ہم ح کو ء ك کی طرف لے چلیں گے (اور ء ك نصف قطر ہے) تو ء ح، ء ك سے چھوٹا ہوگا کیونکہ ء ك زاویہ قائمہ کا وتر ہے جس کو ح ط سے بڑا ہونا چاہئے جو زاویہ حادہ کا وتر ہے مقالہ اولیٰ کی شکل ۱۸ کی رُو سے۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

الخامسة، کل خط اقیم علی نصفه عمود غیر محدود و اخرج

مقدمہ خامسہ: ہر وہ خط جس کے نصف پر کوئی عمود قائم کیا جائے، اور پھر اس خط کے

من طرفیه خطان یحدثان معه زاویتین مجموعهما اصغر من قائمتین فان تساوت الزاویان فملتقی الخطین علی نفس العمود والا فخارجه وعلی کل تحتمل زاویة ملتقاهما ان تکون قائمة اوحادة او منفرجة۔

دونوں کناروں سے ایسے دو خطوط کھینچیں جو پہلے خط پر ایسے دو زاویے پیدا کریں جس کا مجموعہ دو قائمہ سے کم ہو۔ اور اس صورت میں یہ دونوں زاویے برابر ہوں تو خطین کا ملتقٰی عمود پر ہوگا۔ اور برابر نہ ہوں تو دونوں خطوں کا ملتقٰی عمود سے باہر ہوگا۔ اور ہر صورت میں اس کا احتمال ہے کہ ان دونوں خطوں کے ملتقٰی کا زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ ہو۔

(توضیح و ثبوت)

فلیکن اب خطًا نصف علٰی ح و اقیم علیه عمود ح ء غیر محدود فاخرج من جنبیه خطا اء۔ ب ء محدثین زاویتی اب مساویتین فانهما یلتقیان علی نقطة ء من العمود والا فیلتقیا خارجه مثلًا علٰی ہ وصلناہ ح ففی مثلثی اح ہ ب ح ہ نصفا اح ب ح متساویان بالفرض وکذا ا ہ ب ہ لخامسة الاولٰی لتساوی زاویتی ا ب

مان لیجئے کہ ا ب ایسا خط ہے جس کا نصف نقطہ ح ہے اور اس پر ایک غیر محدود عمود ح ء قائم کیا گیا، پھر اس خط کے دونوں کناروں سے دو خط ا ء اور ب ء ایسے کھینچے گئے جو خط اول کے اوپر دو برابر زاویے اب پیدا کرتے ہیں، تو وہ دونوں خطوط عمود کے نقطہ ء پر ملیں گے۔ اور دونوں زاویے برابر نہ ہوں تو لامحالہ یہ دونوں خطوط عمود سے خارج ملیں گے۔ مثلًا مانا گیا وہ نقطہ ہ پر ملے ہوئے ہیں ہم نے ہ ح کو ملادیا تو یہاں دو مثلث ا ح ہ اور ب ح ہ پیدا ہوئے جس میں خط مفروض کے دونوں نصف ا ح اور ب ح بالفرض برابر ہیں، اور چونکہ زاویہ ا اور

بالفرض و ہ ح مشترك فبثامنة الاولٰی تتساوى زاويتا ا ح ہ، ہ ح ب فبحكم ىح منها كانتا قائمتين وقد كانت ا ح ء قائمة فتساوى الكل و الجزء ہف۔

زاویہ ب برابر فرض کیا گیا ہے اس لئے مقالہ اولٰی کی شکل خامس سے جس طرح ا ح اور ب ح برابر ہیں اسی طرح ا ہ اور ب ہ بھی برابر ہونگے، اور ہ ح دونوں مثلث میں مشترک ہے۔ تو لامحالہ مقالہ اولٰی کی شکل ثامن کی وجہ سے زاویہ ا ح ہ اور زاویہ ہ ح ب برابر ہونگے اور مقالہ اولٰی کی شکل ۱۳ سے ثابت ہے کہ دونوں مل کر دو قائمہ ہوں گے یعنی ہر زاویہ قائمہ ہوگا حالانکہ ا ح ء قائمہ ہے اور ا ح ہ بھی قائمہ ہوگیا (جو خود اس کا جزء ہے) اور اس صورت میں جزء و کل کا مساوی ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔

وليخرج عن جنبيه ا ہ ب ہ عن زاويتين مختلفتين فملتقٰى هما خارج العمود علٰی ہ والا فيلتقيا علٰی ء من العمود ففي مثلثي ا ح ء، ء ح ب نصفا ا ح، ح ب متساويان و ء ح مشترك و زاويتا ح قائمتان فبالرابع تتساوى زاويتا ا ب وقد فرضنا مختلفين ہف فالحكم ثابت و ذلك ما اردناه۔

• دوسری صورت کی توضیح یہ ہے کہ ہم خط مفروض کے دونوں کناروں سے ایسے دو خط ا ہ اور ب ہ کھینچتے ہیں خط کے اوپر مختلف زاویے بناتے ہیں، تو ہمارا دعوٰی یہ ہے ملتقی عمود سے خارج نقطہ ہ پر ہوگا ورنہ یہ ماننا پڑیگا کہ یہ دونوں خط بھی عمود کے نقطہ ء پر ملے ہیں اور یہاں مثلث ا ح ء اور مثلث ء ح ب میں خط کے دونوں نصف ا ح اور ح ب برابر ہیں۔ اور ء ح دونوں مثلثوں میں مشترک اور زاویہ ح دونوں مثلث میں قائمہ، اس لئے بشکل رابع زاویہ ا ب برابر ہوئے حالانکہ ہم نے ان دونوں کو مختلف فرض کیا تھا، اور یہ خلاف مفروض دعوٰی کہ نہ ماننے سے لازم آیا، تو دعوٰی ثابت ہوا۔

اما احتمال الزوايا الثلث في الملتقي علی کل تقدیر فظاهر لان الزاویتین الحادثتین منهما فحادة سواء کانت الزاویتان علی الخط الاول متساویتین او مختلفتین کل ذلك بلب من الاولی۔

تیسری صورت کہ دونوں قسم کے ملتقیٰ پر تینوں ہی قسم کے زاویے کا احتمال ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ دونوں کناروں سے کھینچے خطوط اور خط اول سے پیدا ہونے والے دونوں زاویوں کا مجموعہ اگر قائمہ کے برابر ہے تو ملتقیٰ زاویہ قائمہ ہوگا اور مجموعہ زاویتین اگر قائمہ سے چھوٹا ہے تو ملتقیٰ کا زاویہ منفرجہ ہوگا، اور اگر مجموعہ قائمہ سے بڑا ہے تو ملتقیٰ کا زاویہ حادہ ہوگا خواہ خط اول پر پیدا ہونے والے زاویے باہم برابر ہوں یا نہ ہوں۔ یہ ساری باتیں مقالہ اولیٰ کی شکل ۳۲ سے ثابت ہیں۔

اذا عرفت هذا واعلمناك في النفحة الاولی العودية ان معنی بين يديه التركيبي الفضاء المحقق المحصور بالجارحتين عند بسطهما او الموهوم عند ارسالهما اعني الخط النافذ علی الاستقامة من وسط احد كتفيك الی وسط الكتف الاخر ولا يمكن ارادته هنا وفي عامة استعمالات هذا اللفظ بل اريد فيها باليدين الجهتان الواقعتان علی سمتهما اي تخرج من طرفي كتفيه خطين

مذکورہ بالا توضیحات کی معرفت اور لفظ بین یدیہ کے معنی کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرلینے کے بعد (لفظ بین یدیہ کی وضاحت ہم اسی شمارہ کے نفحہ اولیٰ میں کر آئے ہیں کہ بین یدیہ مرکب اضافی ہے۔ تو ایک معنی مضاف اور مضاف الیہ کے تفصیلی ترجمہ کے لحاظ سے ہوں گے "دونوں ہاتھ کے درمیان" اسی معنی کے تین مصادیق ہیں۔ دونوں ہاتھ سامنے پھیلائیں تو وہ فضا جو دونوں ہاتھ کے درمیان محصور ہے

اور "ایسے ہی پیچھے پھیلائیں تو پیچھے کی فضا کو جو دونوں ہاتھوں کے درمیان محصور ہے" اور "جب ہاتھ لٹکالیں تو دونوں مونڈھوں کے بیچ کی دوری جس کو ایک خط کے ذریعے

عمودين على ذلك الخط الواصل بين كتفيه فهذان الخطان هما الجهتان المسامتتان ليمين من اضيف اليه اليدان و شماله كما قدمنا ثمه عن الكشاف والمدارك وغيرهما فكل ما وقع بين هذين الخطين بشرط القرب اللائق بالشئ المتفاوت تفاوتا شديدا بحسب المقام فهو بين يديه۔

سمجھا جا سکتا ہے جو ایک مونڈھے کے وسط سے دوسرے مونڈھے کے وسط تک سیدھا فرض کیا جائے، لیکن اس لفظ کے عام استعمال کا معاملہ ہو یا خاص بین یدی الخطیب کا موقع ہو عام طور سے اس لفظ کے معنی ترکیبی تفصیلی مراد نہیں ہوتے بلکہ دوسرے معنی اجمالی عرفی یا لغوی مراد ہوتے ہیں جس میں دونوں لفظ کے علٰحدہ علٰحدہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مرکب لفظ کو اکائی مان کر پورے مرکب کے ایک ہی اجمالی معنی مراد ہوتے ہیں، تو لفظ بین یدیہ کے اجمالی معنی کو یوں سمجھئے کہ دونوں مونڈھوں کے درمیان جو سیدھا خط ہم نے فرض کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ جسم کے عرض میں ہی ہوگا، اس کے دونوں کناروں پر دو عمودی خطوط کو سامنے فرض کیا جائے جو اسی فاصلے پر بالکل متوازی سامنے چلے جائیں۔ ان دونوں خطوں کے درمیان جو بھی ہے اسی کو بین یدیہ کہا جائے گا۔ اس مضمون پر ہم مدارک اور کشاف کی شہادت بھی پیش کر چکے ہیں۔

كما افدناك تحقيقه بما لا مزيد عليه الى هنا اتم معنى كلام القهستاني الى قوله قريبا منه۔

قہستانی کی مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملہ کا مطلب مکمل ہوگیا؛

"دوسری اذان بین یدیہ ہوگی یعنی ان دونوں متوازی جہتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں اور اس سے قریب ہو۔"

یہاں قہستانی کے لفظ قریبا منہ کے یہ معنی نہیں کہ موذن امام یا منبر کے متصل ہو بلکہ

ایسا قریب مراد ہے جو محل استعمال کے مناسب ہے۔ اور یہاں جب مسجد کے اندر مطلقاً اذان منع ہے تو لامحالہ یہاں قریب کا مطلب مسجد سے باہر مسجد کی حدود کے اندر ہوگا۔ گزشتہ اوراق میں لفظ قریب پر بھی ہم بھرپور روشنی ڈال چکے ہیں۔

ثم اذا نصفت الخط الواصل بین الکتفین و نسمیہ الخط الکتفی واقمت علیہ عموداً ثالثا و ایاہ نسمی العمود کان ھو و ما یقع علیہ وسط الجھتین المذکورتین بینھما بالتحریك وما کان بینھما منحازا عن العمود فھو وسطھما بالسکون و وسطھما بالسکون فیشمل ما اذا اذن فی زاویۃ قائمۃ او حادۃ منفرجۃ حادثۃ من خطین خارجین من ھاتین الجھتین[1]

اب ہم اس خط کو جو ہم نے دونوں مونڈھوں کے درمیان فرض کیا تھا اور جس کا نام ہم نے خط کتفی رکھا تھا اس کے ٹھیک بیچ میں ایک تیسرا عمود فرض کریں، تو یہ عمود دونوں متوازی خطوں کے بھی ٹھیک بیچ میں ہوگا جس کو اہلِ لغت وَسَط بالتحریک کہتے ہیں۔ اور ان دونوں متوازی خطوں کے درمیان جو کشادگی ہوگی اس کو وسط بالسکون کہا جاتا ہے۔ علامہ قہستانی کی بقیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے "اذان ثانی دونوں جہتوں کے وسط بالسکون میں ہوگی تو ان سب صورتوں کو شامل ہوگی جب مؤذن زاویہ قائمہ اور حادہ یا منفرجہ میں کھڑا ہو۔ یہ سب زاویے ان دونوں خطوں کے نکتۂ ایصال پر پیدا ہونگے جو ان دونوں جہتوں سے نکل رہے ہیں"

فالآن یرید الشیخ لیفید ان لیس شرط کون الشیئ بین یدیك وقوعہ علی العمود بل یکفی کونہ بین خطی الجھۃ اینما کان فلذا قال و وسطھما بالسکون وھو عطف علی قریباً

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن کے خطیب کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ مؤذن کا عمود یعنی خط وَسَط پر کھڑا ہونا ضروری ہے بلکہ خط کتفی کے دونوں کناروں سے نکلنے والے خطوط متوازیہ کے درمیان کشادگی میں عمود وَسط سے اِدھر اُدھر ہٹ کر کھڑا ہونا بھی

---

[1] جامع الرموز للقہستانی کتاب الصلوٰۃ فصل صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۸

منه لانه قريب منه اوعلى
بين الجهتين تفسيرًا له
ثم فرع عليه جواز قيام
المؤذن في زاوية قائمة
اوحادة اومنفرجة
وبيانه انه لا يمكن
جعل الخط الكتفي وتر
زاوية قائمة او منفرجة
يقوم فيها اي بين
ساقيها المؤذن لان
مابين كتفي الانسان
نحو ذراع فان جعل
وتر زاوية غير حادة
كان ما بينها و بين
الكتفي شبرًا او اقل
بحكم القاعدة الرابعة
وقدم الانسان اكثر
من شبر ولذا تعبر
اهل الهيئة والمساحة
ثلثي ذراع بالقدم
حيث يقولون ان
بارتفاع الناظر عن وجه
الارض كذا قدما ينحط
الافق كذا دقيقة كما
ذكرنا ضابطته وتفاريعها

کافی ہے، جیسا کہ شیخ قہستانی کے قول وسطھما
بالسکون سے ظاہر ہے۔ اب جی چاہے وسطھما
کا عطف قریبًا منہ پر مانو کہ لفظ وسطھما
اور قریبًا منہ پاس پاس ہی ہیں یا بین
الجہتین پر عطف تفسیری مانو، ہر طرح
معنی درست ہے۔ اسی عمود وسط کے آزاد
بازو اور خطین متوازین کے درمیان کھڑے
ہونے کو قہستانی ریاضی کی زبان میں سمجھانا چاہتے
ہیں کہ مؤذن چاہے زاویہ قائمہ پر کھڑا ہو چاہے
زاویہ حادہ پر اور چاہے منفرجہ پر، ہر طرح
کھڑے ہونے کو بین یدی الخطیب کہا جائیگا۔
سوال یہ ہے کہ یہ زاویے جن کی ساقوں کے
درمیان مؤذن کھڑے ہوکر اذان دے سکتا ہے
مسجد کے اندر اس طرح کہ مفروضہ خط کتفی کو
ان مثلثوں کا وتر بنانا جائے اور اس کے دونوں
کناروں سے نکل کر جو دو خط عمود وسط پر ملتے
ہیں انھیں کے نکتۂ اتصال پر تلے اوپر جو زاویہ
منفرجہ اور قائمہ پیدا ہوتے ہیں وہی مؤذن کے
کھڑے ہونے کا مقام ہو تو یہ ناممکن ہے، کیونکہ
خط کتفی کل ایک ہاتھ لمبا ہوگا۔ اور اس کا
نصف ایک بالشت ہوگا تو زاویہ اور وتر کے
درمیان ایک بالشت یا اس سے بھی کم کی
گنجائش ہوگی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ رابعہ میں ثابت
کر آئے ہیں، اور آدمی کے قدم کی لمبائی ایک
بالشت سے زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ اہل مساحت

النفیسۃ المحتاجۃ الیھا فی علم الاوقات فی تحریراتنا فی فن التوقیت وباللہ التوفیق فلذا لم یخرج الخطین المحدثین زاویۃ مقام المؤذن بالتفائھما ونسمیھا خط المقام عن یمین الامام وشمالہ بل عن موضع ما من امتداد خط الجہتین وذلک قولہ خارجین من ھاتین الجہتین[1]۔

اور اہل ہیئت کا قول ہے کہ ایک قدم ذراع کا دوثلث ہوتا ہے، جہاں وہ کہتے ہیں کہ زمین سے ناظر کی بلندی اتنے قدم پر ہو، یا وہ کہتے ہیں کہ خط افق سے اتنا قدم اور اتنا دقیقہ بلند ہو۔ ان مسائل کے ضابطے اور تفریعیں بھی ہم اپنی فن توقیت کی تصانیف میں بخوبی بیان کرچکے ہیں۔ تو جب مؤذن کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے اور وتر زاویہ میں بالشت بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ ہے، تو وہاں مؤذن کیسے کھڑا ہوگا، اس جگہ پر تو خطیب ہی بیٹھا ہوگا اور وہاں امام کے دائیں بائیں بھی۔ ان دونوں خطوط متوازیہ سے نکلنے والے خطوط سے کوئی ایسا زاویہ نہیں نکل سکتا جس پر مؤذن کھڑا ہو (جس کا نام ہم خط مقام رکھ لیتے ہیں) تو لامحالہ خط کتفی سے آگے بڑھ کر طرفین کے خطوط متوازیہ میں کہیں اس مثلث کا قاعدہ تسلیم کرنا پڑے گا جس کے زاویوں کے اندر مؤذن کھڑا ہو۔ اسی کا اشارہ قہستانی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "زاویہ قائمہ حادہ یا منفرجہ جو ان دونوں خطوط سے پیدا ہوتے ہیں جو امام کی جانب یمین اور شمال سے نکلے ہیں۔"

وھما کما تری غیر محدودتین وانما یاتی التحدید من قبل قضیۃ المحل وھی ھنا کما بینا بدلائل قاھرۃ ونصوص باھرۃ

دونوں طرف کے یہ دونوں خطوط تو غیر محدود ہیں۔ ان کی تحدید تو محل و مقام کے تقاضے کے موافق ہوگی، جیسے ہم دلائلِ قاہرہ و نصوصِ باہرہ سے ثابت کر آئے ہیں کہ وہ مسجد سے خارج مسجد کے

[1] جامع الرموز للقہستانی کتاب الصلوٰۃ فصل صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۷

کونہ خارج المسجد فی حدودہ وفنائہ فتعین ھو وتر الزاویۃ المقام بحکم فقہاء الکرام وسنۃ الشارع سید الانام علیہ وآلہ افضل الصلوۃ والسلام فکان الشکل ھذا:

حدود اور بیرونی صحن میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ مقام مؤذن کے زاویہ کا وتر فقہائے کے قول اور حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کے موافق مسجد کی آخری حد ہی ہوگی، اس کی شکل اس طرح ہوگی:

اب الخط الکتفی اء، ب ہ خطا الجہتین المسامتین ح ط العمود ح ر حد المسجد وفناؤہ۔ اخرج من ح ر خطا المقام ح ک رک فالتقیا علی العمود واحدثا قائمۃ ک او خطا ح ی ری فاحدثا ی المنفرجۃ او خطا ح ل ر ل فاحدثا حادۃ ل ففی ایہا اذن المؤذن کان بین یدیہ والقیام فی ک غیر متعین علیہ۔
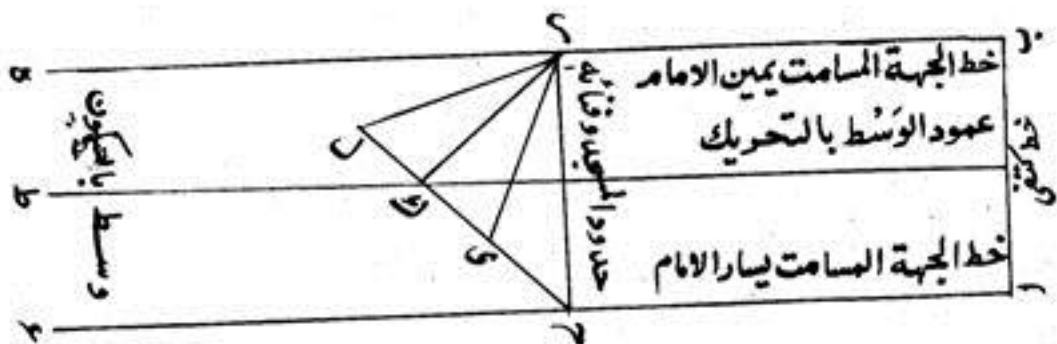
مذکورہ بالا صورت میں خط اب خط کتفی ہے۔ اور اء، ب ہ دو خطوط جہت ہیں اور باہم متوازی ہیں۔ اور ح ط خط کتفی کے نصف پر عمود وسط بالتحریک ہے۔ ح ر مسجد کی حدود اور اس کا صحن ہے۔ مقام ح ر سے دو خط مقام مؤذن کے ح ک اور رک اور دونوں عمود پر ملے اور اس سے زاویہ قائمہ ک پیدا ہوا اور دونوں خط ح ی ری مقام ی پر ملے تو زاویہ منفرجہ پیدا ہوا۔ اور دو خط ح ل ر ل مقام ل پر ملے تو زاویہ حادہ پیدا ہوا۔ (علامہ قہستانی یہی کہنا چاہتے ہیں) کہ مقام ک پر مؤذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ ان تینوں زاویوں میں سے جہاں بھی کھڑا ہو کر اذان دے گا بین یدی الخطیب ہوگا۔

فان قلت هذا كما يشمل الزوايا يشمل ما اذا كان ظهر المؤذن الى وجه الامام۔

قلنا نعم هو داخل فی مفهوم بين يديه ولكن ليس كل ما يشمله مفهوم اللفظ يكون مرادًا فان الاطلاق غير العموم وقد دلت القرائن ههنا ان المراد المواجهة بين الامام والمؤذن لان الامام على المنبر مستدبر القبلة والمؤذن بين يديه وقد امران يستقبل القبلة فی الاذان فتعين ان يكون وجهه الى وجه الامام كما ان مفهوم بين يديه يشمل المتصل والمنفصل والخارج عن المسجد والداخل لكن دلت الدلائل ان داخل المسجد غير مقصود ولا البعيد بحيث لا يعد اذانه اذانا لهذا المسجد فتعين كونه فی حدود المسجد وفنائه مرادًا والاعتراض عليه بشمول مفهوم اللفظ جهل بعيد كشموله لمستدبر القبلة۔

فان قلت قرينة امر

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ جس طرح زوایا ثلٰثہ کو شامل ہے اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن کی پشت امام کی طرف ہو۔

جواب یہ ہے کہ بیشک بین یدیہ کے مفہوم میں یہ صورت بھی داخل ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ لفظ کا مفہوم جس جس چیز کو شامل ہو سب لفظ سے مراد بھی ہوں، کیونکہ اطلاق عموم کے مغایر ہے، اور یہاں قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ کا مراد ومطلب امام اور مؤذن میں سامنا ہے، اس لئے کہ امام منبر پر قبلہ کی طرف پیٹھ کئے ہوتا ہے اور مؤذن کو اس کے سامنے ہو کر اذان میں قبلہ کی طرف منہ کرنیکا حکم ہے۔ تو متعین ہو گیا کہ مؤذن کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہوگا۔ اس کو وسی طرح سمجھا جائے کہ لفظ بین یدیہ کے مفہوم میں امام سے متصل اس سے منفصل اور خارج مسجد سبھی داخل ہے، لیکن دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ داخل مسجد مراد نہیں، نہ مسجد سے اتنا دور مراد ہے کہ اس اذان کو اس مسجد کی اذان کہا ہی نہ جا سکے۔ تو متعین ہو گیا کہ بین یدیہ سے مراد حدود مسجد اور صحن مسجد ہے۔ تو جیسے اس پر یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا کہ داخل مسجد مفہوم بین یدیہ میں داخل ہے، اسی طرح یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے اذان کرے۔

یہاں یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ مؤذن کے

المؤذن باستقبال القبلة لا تنفی ما اذا کان ظھر المؤذن لظھر الامام بان قام المؤذن بین الامام والقبلة متوجھا للکعبة وربما یترکون متسعا کبیرا بین المنبر والقبلة کما ھو مشاھد فی مکة المکرمة وذٰلک لان الجھتین المسامتین تمتدان خلف الیدین ایضا کما تمتدان امامھما۔

قلنا نعم ھذا مشکل الا ان یقال باخراجه بقرینة قول الماتن واستقبلوه فان المؤذن داخل فی عموم ھذا الجمع وفیه نظر لان عبارة المتن واستقبلوه مستمعین وھذا بیان حال الخطبة والاذان قبلھا ولذا مرضه بقوله الا اذا قیل الخ[1]۔ ھذا اشرح کلامه حسب مرامه۔ **اقول** وفیه **اولاً** لا تفریع شمول الزوایا الثلث علی تسکین الوسط بل لو کان بتحریکه لشملھا ایضا کما علمت فی الخامسة۔

رُو بقبلہ اذان دینے کا قرینہ اس صورت کی نفی تو نہیں کرتا کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو، اور مؤذن امام اور قبلہ کے بیچ میں کعبہ کی طرف رُخ کرکے کھڑا ہو۔ کیونکہ بہت سی مسجدوں میں لوگ منبر اور دیوار قبلہ کے بیچ میں کافی وسیع جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ خود مکہ میں مسجد حرام کے اندر بھی ایسا ہی ہے کہ دو طرفہ متوازی جہتیں امام کے آگے اور پیچھے دونوں طرف ہی ہوسکتی ہیں۔

یہ اعتراض ضرور مشکل ہے مگر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ متن میں سب کو امام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے اور اس سب میں مؤذن بھی داخل ہے، اس لئے اس کو بھی امام کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے، مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام کی طرف رُخ کرنے کا حکم خطبہ کی حالت میں ہے نہ کہ اذان کی حالت میں۔ قہستانی نے اسی لئے اس سوال کا جواب لفظ قیل سے دیا ہے جو جواب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں تک قہستانی کی پوری عبارت کی توجیہ انھیں کے حسب منشا ہوئی۔ مگر اس پر **پہلا شبہہ** یہ ہے کہ زوایا ثلث کی وسط بالسکون کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں یہ تو عود پر ملتقی ہونے کی صورت میں بھی متحقق ہوں گے۔ یہ بات مقدمہ خامسہ میں ظاہر ہوچکی ہے۔

---

[1] جامع الرموز کتاب الصلوٰۃ فصل صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۹

الاترٰی عند تساوی زاویتی ح ر تقع الکل علی العمود لما تقدم فی الخامسۃ مع ان ی منفرجۃ و ك قائمۃ و ل حادۃ الاٰن یقال لیس المراد مجرد شمول الاقسام بل الافراد والزوایا الثلٰث کما تحدث علی العمود کذا خارجۃ فانما یشملہا بالسکون۔

وثانیًا الذی استشکلہ لیس بوارد اصلًا فانك ان اردت المعنی الترکیبی فالکل خارج وان اردت الاجمالی فھو للامام والقدام کما

مندرجہ ذیل صورت میں جب ح ر کے زاویے برابر ہوں گے۔ تینوں زاویے عمود پر ہی واقع ہونگے۔ اس کی توضیح بھی مقدمہ خامسہ میں ہوچکی ہے۔ زاویہ ی منفرجہ ہے اور ك قائمہ ہے اور ل حادہ ہے۔ مگر اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہاں اقسام کا شمول بتانا نہیں ہے افراد کا شمول بتانا ہے (یعنی یہ بتانا نہیں ہے کہ تینوں زاویے کس صورت میں متحقق ہوسکتے ہیں اور کس میں نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں زاویے بیک وقت عمود اور اس کے اغل بغل میں وسط بالسکون میں متحقق ہوں گے)

دوسرا شبہہ یہ ہے کہ قہستانی نے جس دوسرے اعتراض کو مشکل کہہ کر پیش کیا ہے وہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ "بین یدیہ" کے معنی تفصیلی و اجمالی کے بیان میں ہم یہ بتاچکے ہیں کہ یہاں معنی تفصیلی مراد ہی نہیں ہیں۔ تو

نصوا علیه وقد مناه ولا یقال سمت وجهك الا لجهة توجهك وان امکن مد الخط خلفًا وقدامًا ووجه یدیك الی جهة وجهك فلا یسامتهما الا الخط الممتد الی ھذه الجهة فالصواب اسقاط ھذا الاشکال، والاصوب ان یقول ووسطهما بالسکون فشمل ما اذا کانت جهة المؤذن علی سمت جهة الخطیب او منحرفة عنهما الی احدی کتفیه ما لم یخرج عن الخطین کما ان مستقبل القبلة مستقبل لها ما لم یخرج عن الربع الذی الکعبة فی وسطه کما حققناه بتوفیق الله تعالی فی رسالتنا "ھدایة المتعال فی حد الاستقبال" ھذا ما یتعلق بکلامه شرحًا وجرحًا۔

اما ھؤلاء فنتعرض لھذه العبارة منهم وھابیان ضالان واخران جاھلان وخامسًا من الطلبة۔

معنی تفصیلی کے ایک رُخ سے اعتراض کے کیا معنی! اور معنی اجمالی مراد ہیں جس کا مطلب امام کے سامنے ہے۔ محاورہ میں سمت وجہت کہنے سے جدھر آپ کا چہرہ ہو وہی رُخ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح آدمی کے ہاتھ کا رُخ بھی اس کے چہرہ کی طرف ہی ہے۔ تو خطوط اگرچہ امام کے آگے پیچھے سبھی طرف نکل سکتے ہیں۔ لیکن ان ہاتھوں کے مقابل جو خط ہوگا وہ خطیب کے سامنے ہی ہوگا۔ تو بہتر یہ ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی ساقط کر دیا جائے، اور وسطھما کے بجائے اوسطھما کہا جائے تاکہ عمود پر اور اس کے آزو بازو کے مقابل کھڑے ہونے کی سبھی صورتوں کو شامل ہو جب تک ان دو خطوں سے باہر نہ ہو جیسا کہ استقبالِ کعبہ میں حکم ہے کہ دائرے کے جس رُبع کے وسط میں کعبہ واقع ہے اس پورے رُبع کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ استقبال قبلہ کا وافی اور کافی بیان بحمد اللہ ہماری کتاب "ھدایة المتعال فی حد الاستقبال" میں ہے۔ یہاں تک قہستانی کی عبارت کی تشریح اور اُن پر پڑنے والے شبہات کا بیان ختم ہوا۔

اب ہم اذانیانِ ہند کی تگ و دو کی طرف رخ کرتے ہیں۔ علامہ قہستانی کی اس عبارت پر خامہ فرسائی کرنے والے پانچ صاحبان سامنے آئے ہیں جن میں ۲ دو وہابی، ۲ دو جاہل،

اما احد الضالین واضلّهما فجعله دلیلا علٰی انه لاحاجة ای المحاذاة عینا بین الخطیب والمؤذن وجعله ردًّا علٰی کلام اهل الحق من هذه الجهة وھٰذا جهل منه شدید فان المحاذاة سنة لاشك، وان اراد بها مسامتة جهتی المؤذن والامام فلا محاذاة مقصورة علیه ولا کلام اهل الحق یومی الیه لکن الجهلة لایفهمون. والباقون استدلوا بها علٰی ان هذا الاذان داخل المسجد لضیق المنبر فاما الضال الاٰخر فاقتصر علی الاستدلال بقوله قریبًا منه. قد علمت ردہٗ مرارًا وفسر قوله الجهتین المسامتین الخ، بما بین جهتی الامام اما بیمینه او یسارہٖ۔ اتری مثل ھٰؤلاء الجهلاء اهلا للمخاطبة. واما الذی یعد من الطلبة فزاد فی الطنبور نغمة وفی الشطرنج

ایک نام نہاد طالب علم ہیں۔ ایک وہابی صاحب نے قہستانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس عبارت سے ثابت ہے کہ مؤذن اور خطیب کا سامنا ضروری نہیں ہے، اور علمائے اہلسنت کے اس دعوٰی کا قہستانی کی عبارت رد ہے اور یہ اسکا جہل شدید ہے "مؤذن اور خطیب کا سامنا بلاشبہ سنّت ہے۔" ہاں اگر سامنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ دونوں کا چہرہ ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل ہونا ضروری ہے، تو یہ نہ سنّت سے ثابت نہ اہلِ حق اس کے مدعی۔ ہم "سامنے" کا مطلب کافی وضاحت سے سمجھا آئے لیکن جاہل کیا سمجھیں۔ اور باقیوں نے اس عبارت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اذان ثانی مسجد کے اندر منبر سے متصل ہوگی۔ دوسرے وہابی صاحب نے اس مدعا پر لفظ قریبًا منه سے استدلال کیا ہے (کہ عبارت قہستانی میں اس اذان کے "منبر کے قریب ہونے" کی تصریح ہے) لیکن اس سے کیا حاصل۔ "قریب" کے لفظ پر تو ہم بار بار روشنی ڈال چکے ہیں کہ یہ اپنے معنی میں کس قدر وسعت رکھتا ہے۔ اور اسی شخص نے قہستانی کے لفظ جہتین مسامتین کی تفسیر کی کہ امام کی یمین و یسار کی دو جہتوں کے درمیان۔ بھلا ایسے جاہل مخاطبہ کے لائق بھی ہیں۔ اور نام نہاد طالب علم صاحب نے تو اور گل کھلایا

بغلة فزعم ان القهستانی ذکر قوله ای قریبًا منه بعد قوله عند المنبر وھذا افتراء منه علیه فلیس ھنا فی کلام القھستانی لفظة "عند المنبر" اصلا ولا لفظة "ای" ولو کان لم یکن فیه ما یقر عینه فلا القرب ینکر ولا فی جوف المسجد یحصر کما تبین مرارًا و اما الجاھلان فاقتحما خوض بحر اغرقھما فقال احدھما ان وتر المثلث عرض المنبر و قد علمت مرّة ان المراد بالمنبر الامام و ما بین کتفیه یستحیل ان یراد وترا و قال الاٰخر فی تفسیر کلام القھستانی یخرج خطان عن یمین الامام ویسارہ حتی یلتقیا علی زاویة قائمة او حادة او منفرجة فیقوم المؤذن فی ھذہ الزاویة ویؤذن قال وکان عرض منبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

کہ شطرنج کی بساط پر خچر دوڑا دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ قہستانی نے لفظ قریبًا منہ کو لفظ عند المنبر کے بعد رکھا، حالانکہ یہاں قہستانی کے پورے کلام میں عند المنبر کا لفظ کہیں نہیں۔ تو یہ طالب علم قہستانی پر افترا کررہے ہیں وہ افترا بھی بے مزہ، کیونکہ قہستانی کی اصل عبارت میں یہ لفظ ہوتا تب بھی ان کی تسلّی کا کوئی سامان نہ تھا کہ ہم کو قریب منبر ہونے سے کب انکار ہے، ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ قریب بہت وسیع المعنٰی لفظ ہے اس لئے قریب ہونے کیلئے اذان کا مسجد میں ہونا ضروری نہیں جیسا کہ باربار واضح ہوچکا اور ان دو جاہل صاحبان نے (ریاضی کے) سمندر میں غوطہ لگایا جو خود انھیں کو لے ڈوبا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مثلث کا وتر منبر کی چوڑائی ہے، جبکہ ہم یہ طے کر آئے ہیں کہ علماء کی تحریروں میں منبر کے لفظ سے بھی امام اور اس کے دونوں مونڈھوں کا بیچ مراد ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کر آئے ہیں کہ اس جگہ کا مذکورہ مثلث کا وتر ہونا محال ہے۔ اور دوسرے جاہل صاحب کا خیال ہے کہ قہستانی کے بقول دونوں خط امام کے دائیں بائیں سے نکل کر زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ پر ملیں گے، اور موذن اسی زاویہ پر کھڑے ہو کر اذان دے گا، اس نے کہا چونکہ حضور کے عہد مبارک میں آپ کے منبر کی چوڑائی دو ہاتھ کی تھی، اور آدمی کا قدم

ذراعین وقدم الانسان شبر و ربع شبر فان اخذ المثلث متساوی الاضلاع تحدث زاویة حادة ویکون الفصل ذراعین الا قلیلا وفی القائمة اقل منه وفی المنفرجة اقل من الاقل و الحادة وان امکن اخراجها خارج باب المسجد لکن یسقط ھذا الاحتمال قید ان یوذن المؤذن قائما فی زاویة لان الباب ان بعد اربعین ذراعا والوتر کما تقدم ذراعان فالزاویة الحادثة خارج الباب تکون ضیقة جدا لاتسع عودا دقیقا فضلا عن الانسان مع ان المقصود القھستانی ان تمکن الزوایا الثلاث ثمہ و لا امکان ھناك لغیر الحادة اھ۔

ھذیانه المتعلق بالمبحث الھندسی وقد علمت انه جھل منه وسوء فھم۔

فاولاً: لم یخرج القھستانی خطی المقام عن کتفی الامام بل عن خطی الجھتین کما مر۔

سوا بالشت کا ہوتا ہے اور وہاں مثلث متساوی الاضلاع بنایا جائے تو زاویہ حادہ پیدا ہوگا اور فاصلہ دو ہاتھ سے ذرا کم ہوگا، اور قائمہ میں اس سے کم، اور منفرجہ میں کم سے بھی کم۔ اور زاویہ حادہ مسجد سے باہر بھی فرض کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس احتمال کو قہستانی کی یہ عبارت ساقط کردیتی ہے کہ موذن زاویہ کے اندر کھڑے ہوکر اذان دے کیونکہ دروازہ مسجد اگر منبر سے چالیس ہاتھ کی دوری پر ہو۔ اور مثلث کا وتر وہی دو ہاتھ کا ہو تو اس وتر پر چالیس ہاتھ کی دوری پر جو زاویہ حادہ پیدا ہوگا وہ بےحد تنگ ہوگا، وہاں ایک باریک لکڑی کی بھی گنجائش نہ ہوگی چہ جائیکہ انسان کی، حالانکہ قہستانی کا مقصود تو یہ ہے کہ وہاں تینوں زاویے پیدا ہوں اور اس صورت مذکورہ بالا میں باب مسجد پر سوائے حادہ کے اور کسی زاویہ کا امکان ہی نہیں۔

میری گزارش یہ ہے کہ یہ ریاضی کی بحث تو کیا ہوگی یہ تو ہذیان ہے جو جہل اور سوء فہمی کی پیداوار ہے۔

اولاً: قہستانی نے مقام موذن کے خطوط کو امام کے دونوں مونڈھوں سے نکلنے کی بات نہیں کی بلکہ وہ تو جہتین کے دونوں خطوط سے نکلتی ہیں مونڈھوں سے نہیں۔ جیسا کہ ہم واضح کر آئے ہیں۔

وثانیًا: لو اخرج من کتفیہ استحال قیام المؤذن فی قائمۃ او منفرجۃ کما علمت۔

وثالثًا: جری علٰی لسانہ بعض الحق من حیث لایدری ان الملحظ ھٰھنا یمین الامام ثم عاد الی الباطل الصرف فجعل عرض المنبر مطمح النظر وقد علمت بطلانہ۔

ورابعًا: تخصیصہ الحادۃ بالمثلث المتساوی الاضلاع من ضیق العطن ولم یقدر علٰی تعیین قدر العمود فقال ذراعین الا قلیلًا والعلم ان نسبۃ الٰی ذراعین کنسبت تا جزما الطبد الی المرفوع ولو علم لقال فی القائمۃ ذراع او اقل ثم لا یجب ان یکون الفصل فی المنفرجۃ اقل منہ فی القائمۃ بل ربما یکون اکثر بکثیر مثلاً:

ثانیًا: اور اگر امام کے دونوں مونڈھوں سے خط نکالا جائے تو ان پیدا ہونے والے زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں موذن کا قیام ناممکن ہے، جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے۔

ثالثًا: اس جاہل کے منہ سے غفلت میں ایک سچی بات نکل گئی کہ لحاظ یہاں امام کے دائیں بائیں کا ہوگا، پھر وہ محض باطل کی طرف پلٹا تو اس نے منبر کی چوڑائی کو مطمح نظر بنایا حالانکہ اس کا بطلان بھی ظاہر ہوچکا ہے۔

رابعًا: زاویہ حادہ کی مثلث متساوی الاضلاع کے ساتھ تخصیص بھی از خود نطاق میں تنگی پیدا کرنا ہے (کہ زاویہ حادہ کچھ متساوی الاضلاع کے ساتھ ہی خاص نہیں) یہ جاہل عمود کی مقدار بھی متعین نہ کرسکا۔ اس کو اندازہ سے بیان کیا کہ دو ذراع سے ذرا کم، حالانکہ عمود کی نسبت ذراعین کی طرف، مرفوع کی طرف تا جزما الطبد کی نسبت کی طرح ہے۔ اگر وہ جانتا تو کہتا کہ عمود ایک ذراع یا اس سے کم ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زاویہ منفرجہ میں زاویہ اور وتر کا فصل قائمہ سے کم ہو، حالانکہ بسا اوقات منفرجہ کا فاصلہ قائمہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

ادرنا علیٰ د ب القوس واقمنا علیٰ نصفہ ج عمود ج ء واخذنا ثمن ج ء فی الطرفین ج ہ ء س ووصلنا د س ب س فکانت د س ب منفرجۃ عمودھا ج س وسمنا من ہ ، ہ ح موازی ج ب وصلنا د ح ب ح فکانت د ح ب قائمۃ نزلنا منہا عمود ح ط فکان مساویا لج ہ بحکم لد من اولی الاصول وھو سبع ج س بالفرض فکانت فصل المنفرجۃ سبعۃ امثال فصل القائمۃ ویمکن ان یکون الف ضعف والف الف ضعف کمالایخفیٰ۔

خط د ب پر ہم نے ایک قوس بنائی، اور د ب کے نصف پر ہم نے ایک عمود ج ء قائم کیا اور ہم نے عمود کے دونوں کناروں سے عمود کا ثمن ج ہ اور ء س ممتاز کیا، اور د س ب کو ہم نے خطوط سے ملا دیا، تو ایک مثلث منفرج الزاویہ پیدا ہوا (کہ زاویہ کا رأس قوس سے نیچے ہے) جس کا عمود ج س ہے، پھر ج ب کے مقابل ہم نے ایک خط ہ ح کھینچا اور ہم نے د ح ب ح کو بذریعہ خطوط ملا دیا۔ یہ ایک مثلث بن گیا جس کا زاویہ ح قائمہ ہے، کیونکہ اس زاویہ کے رأس پر قوس واقع ہے) اب ہم اس زاویہ قائمہ سے ایک عمود ح ط نازل کرتے ہیں تو یہ عمود مقالہ اولیٰ کی ۳۴ ویں شکل کی رُو سے ج ہ کے برابر اس مقدار کو ہم ج س کا ⅐ فرض کر آئے ہیں، تو یہاں منفرجہ کا فاصلہ زاویہ قائمہ اور اس کے وتر کے فاصلہ سے سات گنا بڑھ گیا ہے اور ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا بھی تفاوت ہو سکتا ہے تو یہ کہنا کہ منفرجہ کا وتر سے فاصلہ بنسبت قائمہ کے کم ہوگا مطلقاً صحیح نہیں ہوا۔ پس جب تینوں زاویوں کا حال یکساں ہے پھر حادہ کی تخصیص کیسی؟

خامسًا: من جهله الاشد حسبانه ان الزاوية القائمة او المنفرجة عند ملتقى خطيها تسع انسانا بخلاف الحادة الذی ذکر ولم يدر ان التقاء الخطين علی نقطة لاتتجزی ولا سعة هناك لحبة خردل ولا لعشر عشير معشارها مالم يبلغ الجوهر الفرد۔

وسادسًا: رسم له قائمة ساقاها قدر شعيرة او نصفها مثل هذا ا ب ج وقل له قم فی زاوية ا ب ج هذه بحيث تسعك ولا يبقی شیئ منك خارجها فان قال لا استطيع فقد كذب نفسه لانه كانت تسعه حادة المثلث المتساوی الاضلاع عند المنبر وهذه اكبر منها بقدر نصفها لانها قائمة والقوائم كلها متساوية فكيف لا تسعك اكبرت او تخلخلت ام تكاثفت القائمة وضاقت حتی صارت اصغر من اصغر منها وحينئذٍ يصير جهله

خامسًا: اس جاہل کا یہ گمان انتہائی جاہلانہ ہے کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو انسان کی گنجائش ہو سکتی ہے، مگر زاویہ حادہ علیٰ باب المسجد میں گنجائش نہیں ہوگی اور یہ نہ سمجھ سکے کہ دو خطوں کا نقطہ اتصال تو جزء لایتجزیٰ ہوتا ہے جہاں رائی کے ہزارویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تاآنکہ وہ جوہر فرد نہ ہوجائے۔

سادسًا: اس جاہل نے کہا کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو آدمی کا کھڑا ہونا ممکن ہے زاویہ حادہ میں نہیں۔ تو انھیں سمجھانے کے لئے ایک مثلث بنایا جائے جس کی دونوں ساقیں جو یا نصف جو کے برابر ہوں اس طرح ا ب ج اور ان سے کہا جائے کہ یہ ایک زاویہ قائمہ ہے آپ اس میں یوں کھڑے ہو کر دکھائیے کہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ اس سے باہر نہ ہو۔ تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر ہے۔ تو انھوں نے اپنی کہی ہوئی بات جھٹلائی کہ زاویہ قائمہ میں انسان سما سکتا ہے کہ وہ کہہ آئے ہیں کہ منبر کے پاس مثلث متساوی الاضلاع کے زاویہ حادہ میں آدمی سما سکتا ہے۔ اور یہ زاویہ قائمہ اس حادہ سے دوگنا بڑا ہے کہ یہ زاویہ قائمہ ہے اور سارے ہی زاویے قائمے برابر ہوتے ہیں، تو وہاں تو حادہ میں وہ وسعت اور یہاں قائمہ تنگ پڑگیا، یعنی یا تو آپ ہی بھاری بھرکم ہوگئے یا آپ میں تخلخل ہوگیا، یا قائمہ ہی تنگ ہو

بمرأى عينيه فيعترف به اضطرار
التجربة على نفسه ومشاهدته
جهاراً ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔

وسابعًا: وزعمه ان
لا امكان هناك لغير الحادة
شهادة منه بجهله الشديد مبني
على زعمه الطريد۔ ان
الوتر عرض المنبر وقد علمت
ما هو الحق به فظهر والحمد لله
العلي الاكبر ولكن هذا اٰخر الكلام
وقد اتينا بحمد الله تعالیٰ على جميع
ما ابدوا من الاوهام ولم نترك الا ما
يستنكف الهذيان ان شبه به، وقد تكفل
بالرد على قضها وقضيضها رسائل
اولادي واصحابي في هٰذه المسألة مثل
"اذان من الله" و"وقاية اهل السنة" و"سلامة
الله لاهل السنة" و"نفي العار" و
"سيف القهار" و"تعبير خواب" و
"حق نما فيصله" و"اللطمات و
الاسواط" الى غير ذٰلك مما تافت
عشرًا ولم تبق لاحد عذرًا والحمد لله
في الاولىٰ والاخرىٰ فالمرجو من سادتنا
واخوتنا العلماء الكرام ادام الله بهم
نفع الاسلام ان ينظروا بعين الانصاف
ويسمحوا برفع الخلاف ويظهروا الحق

متکاثف ہوگیا یہاں تک کہ اپنے سے چھوٹے سے بھی چھوٹا ہوگیا
تب انھیں اپنی جہالت مشاہدہ میں آئیگی اور خود بذاتہ علیٰ رؤس
الاشہاد تجربہ کرکے اعتراف کریں گے۔

سابعًا: اور ان کا یہ زعم کہ دروازہ پر
زاویہ قائمہ اور منفرجہ متحقق نہیں ہوگا، اور
بڑی جہالت ہے جس کا مبنیٰ منبر کو وتر مثلث
قرار دینا ہے، ورنہ ہم خوب ظاہر کرچکے ہیں کہ
یہ تینوں زاویے خارج الباب کیسے پیدا ہوسکتے
ہیں، اور یہ ہماری آخری بات ہے جو ان کے
تمام اوہام کے ازالہ پر حاوی ہے۔ ان اوہام
کی بات الگ ہے جس سے ہذیان بھی شرمائے۔
ویسے ان کی ہر چھوٹی بڑی کتھا کا رد میری اولاد
اور میرے احباب کے رسائل میں ہے جیسے
اذان من اللہ، وقایہ اہلسنت، سلامۃ اللہ
لاہل السنۃ، نفی العار، سیف القہار،
تعبیر خواب، حق نما فیصلہ واللطمات
والاسواط وغیرہ جن کی تعداد دس تک پہنچتی ہے،
اللہ تعالےٰ کیلئے ابتداء اور اسی کیلئے انتہا میں
حمد ہے۔ ہمارے سرداروں اور ان علمائے کرام
سے (جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ نفع پہنچایا)
امید ہے کہ ہماری اس تحریر کا انصاف سے مطالعہ
کریں اور رفع خلاف میں کوشش کریں اور حق تعالیٰ کیلئے حق کا اظہار کریں
بزرگ و برتر رب العالمین کے لئے حمد ہے، اور افضل
درود اور مکمل سلام اس کے حبیب سید المرسلین خاتم
النبیین اور ان کے آل واصحاب عظام پر ہو

لاجل الحق تعالیٰ الحق وجل الحق۔
والحمد للّٰہ رب العالمین وافضل الصلوٰت
واکمل السلام علٰی سید المرسلین خاتم النبیین
وٰالہ الکریم وصحبہ العظام وابنہ الکرام و
حزبہٖ اجمعین عدد کل ذرۃ ذرۃ الف الف
مرۃ فی کل اٰن وحین الٰی ابد الاٰبدین
استراح القلم واستنار الحق ان شاء
الکریم الاکرم لعشر خلون من شوال المکرم
۱۳۳۳ھ من الھجرۃ القدسیۃ علٰی
صاحبہا الکریم وٰالہ الکرام اکرم الصلوٰۃ
والتحیۃ اٰمین۔ والحمد للّٰہ رب العٰلمین
سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون
وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین
قال بفمہٖ ورقمہٖ بقلمہ احد کلاب باب
عبد القادر احمد رضا المحمدی السنی
الحنفی البریلوی غفر اللّٰہ لہ وحقق لہ
املہ واصلح عملہ بجاہ المصطفٰی واھلہ
صلی اللّٰہ تعالٰی وبارك وسلم علیہ وعلیھم
ابدًا قدر حسنہٖ وجمالہٖ وجودہ ونوالہٖ و
افضالہٖ اٰمین، والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

ان کے صاحبزادے اور ان کی تمام جماعت پر ہو۔
ہر ذرہ کے بدلے ہزار ہزار بار ہر آن و ہر گھڑی
ابدالآباد تک۔ ۱۰ر شوال ۱۳۳۳ھ (صاحبِ
ہجرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر بزرگ تحیۃ
اور سلام ہو) کو قلم نے آرام پایا اور حق روشن
ہوا۔ اللہ تعالےٰ کے لئے حمد اور پاک پروردگار
کیلئے پاکی ہے اس سے جو اسکے بارے میں وہ کہتے رہتے ہیں اور
سلام ہے پیغمبروں پر، اور اسی کے لئے حمد ہے
جو رب العالمین ہے۔ اپنی زبان سے کہا،
اپنے قلم سے لکھا۔ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے دروازے کے کتے احمد رضا
محمدی سُنّی حنفی بریلوی نے۔ اللہ تعالیٰ اس کو
بخشے اس کی امیدیں پوری کرے اور اس کے
عمل کو صلاح و فلاح دے حضور نبی اکرم کے
طفیل ان پر اور ان کے آل و
اصحاب پر برکت و سلام اتارے، اپنے حسن و
جمال اور جود و نوال اور انعامات و اکرامات کے
حساب سے۔ آمین!

اضافات افاضات

اعلموان العبد الفقیر کان ختم الکتاب بحول الوھاب بما فیہ غنیۃ لاولی الالباب، ثم کتابۃ فی الاخریات کشفت عن وجھھا النقاب وقد انطوی کتابنا، وللہ الحمد علی مایقضی علیھا بالتباب غیران زیادۃ خیرخیر للاحباب والتصریح احسن من التلویح لعامۃ الطلاب فاحببت اضافۃ افاضات تجلی الصواب وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ ماٰب۔

جاننا چاہئے کہ میں بندہ محتاج اپنی کتاب ختم کرچکا تھا جس میں سمجھداروں کے لئے بے نیازی تھی کہ اک تحریر نے اخیر میں اپنے چہرہ سے نقاب اُلٹی، اور الحمدللہ ہماری کتاب میں وہ سب باتیں جمع ہیں جو اس تحریر کو سوخت کرسکتی ہیں لیکن احباب کے لئے بھلائی کی زیادتی بھلی ہے، اور عام طالبعلموں کے لئے تصریح تلویح (اشارہ وکنایہ) سے بہتر ہے۔ میں نے ایسے افاضات کے اضافہ کو پسند کیا جو حق کو ظاہر کریں۔ میری توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، میرا بھروسا اسی پر ہے، اور میرا لوٹنا اسی کی طرف ہے۔

نفحہ ۲۲: متقاص فی اللداد والعناد وشیمۃ الحساد بقی صامتا الی ان تمت الردود علی

نفحہ ۲۲: خصومت وعناد اور خصلت و حساد میں انتہا کو پہنچا ہوا رَد کے تمام ہونے پر خاموش رہا۔ اور پُورے رَد پر غور وخوض کرکے

كل مردود فنظر جميع ذٰلك و حاول
ان يستخرج له مخرجا من كل تلك
المهالك فوسوس اليه وسواسه ان
يفزع الى عرف عوام يخترعه مخالفا للغة
والشرع واصطلاح الاصول جميعا ليرد
به جميع ما سردنا من نصوص القراٰن
المجيد والحديث الحميد واقاويل
ائمة التفسير وشروح الحديث وكبراء
اللغة وعظماء الاصول فی تحقيق
معانی "بين يديه" و "عند". فزعم
ان كل ذٰلك بمعزل عما هو فيه
فان كلامنا فی العرف العام وفيه بين
يديه وعند كلاهما للقرب وليس
فيه القرب الا لذٰلك الوجه المخصوص
الذی يوجب التصاق الاذان بالمنبر.
فتوهم بهٰذا النافق قد خرج و
شرد عن كل ما ورد فان ما فی القراٰن
والحديث والتفسير والشروح كل ذٰلك
معنی شرعی وما فی كتب الاصول عرف
خاص علمی والكلام فی العرف العام
ولم يدر ان هٰذه حيلة هدمت كل
ما بنی وضربت علی راسه نفسها
فقضت عليها بالفناء.

فاولاً استندت بقول الراغب
فانما كتابه فی لغة العرب

اس کے مہلکات سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا رہا،
تو اس کے شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ
لغت، شرع، اصطلاح اصول سب کے
خلاف عرف عام کی پناہ لے۔ اور اسی ایک
حربہ سے قرآن وحدیث واقاویل ائمہ تفسیر
وشروح حدیث اور ائمہ لغت و اصول نے
جو کچھ بھی لفظ بین یدیہ اور عند کی تحقیق
میں کہا ہے سب سے چھٹکارا حاصل کرے
کہ ہمارا کلام تو عرف عام ہے، اور عرف عام
میں بین یدیہ اور عند دونوں کے معنی
"قریب" کے ہیں۔ اور قریب بھی وہ جو ہم کہہ
رہے ہیں، جس سے اذان منبر کے نزدیک اور
متصل ہو۔ اور سوچا کہ اس سوراخ میں داخل
ہو کر ان الفاظ کے سلسلہ میں تمام ارشادات
سے نجات مل جائے گی جو قرآن وحدیث اور
تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ سب عند
اور بین یدیہ کے معنی شرعی کو بتاتے ہیں،
اور لغات معنی لغوی کا اظہار کرتے ہیں۔ کتب
اصول معنی اصطلاحی بیان کرتی ہیں، اور یہاں
تو بحث عرف عام میں ہے اور یہ سمجھ نہ سکا
کہ اس کی اس ایک حیلہ سازی نے اس کی
ساری عمارت ہی ڈھادی اور کاتا کوتا کپاس
کردیا۔

اولاً آپ نے امام راغب اصفہانی
کے قول سے استدلال کیا۔ ان کی کتاب

او المحاورات الکریمۃ القرآنیۃ و قد عزلتھما معا و قولہ یقال و یستعمل[1] لا یخرجہ عن لغۃ العرب الی العرف الجدید و ان اخرج عندك فقد قال فی التاج "یقال بین یدیك لکل شیئ امامك[2]" وفی الرضی "ان عند یستعمل فی القریب والبعید[3]"۔

تو لغتِ عرب اور محاورات قرآن میں ہے، اور آپ نے ان دونوں کو چھوڑ کر عرف عوام کی پناہ لی (پھر آپ نے اپنے نئے عرف کے لئے ان کی کتاب سے کیسے استدلال کیا) امام راغب کا یہ قول کہ لفظ اس معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کو لغتِ عرب سے نکال کر عرف جدید تھوڑا ہی بنا دے گا۔ اور اگر آپ کو یہی اصرار ہے کہ استعمال کا مطلب جدید ہے، تو تاج العروس اور رضی نحوی کے بارے میں کیا کہیں گے، وہ بھی تو کہتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنٰی "ہر وہ شے جو تمہارے سامنے ہو" (تاج) اور عند قریب اور بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے (رضی)

وثانیًا ما فزعك الی الکشاف والمدارك اولیسا من التفاسیر وانما ذکرا ما ذکرا شرحا للمحاورۃ القرآنیۃ وھی عندك بمعزل عن الاستناد وقولھما "حقیقۃ قولھم[4]" والضمیر فیہ للعرب والعرب لا تتکلم الا بلغتھا واللغۃ

ثانیًا آپ نے کشاف اور مدارک کی پناہ کیسے ڈھونڈی، کیا یہ تفاسیر میں سے نہیں، ان دونوں نے جو کچھ کہا ہے محاورہ قرآن کی شرح ہے، اور آپ قرآن عظیم کے محاورہ کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ زمخشری یا امام نسفی نے اپنی تفسیروں میں جو فرمایا "حقیقۃ قولھم" (ان کے قول کی حقیقت) تو "ان" سے مراد عرب ہی ہیں، اور عرب کی

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون لفظ "عند" نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۳۵۵

[2] تاج العروس فصل الیاء من باب الواو والیاء تحت اللفظ "ید" داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۴۱۹

[3] الرضی فی شرح الکافیہ الظروف منھا لدی ولدن دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۲۳

[4] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۹/ ۱ دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۶۵
تفسیر الکشاف " " " " " " ۱۰/ ۴۱۹ و ۳۵۰

لاتثبت الا بکلامھا فھما متلازمان وفی الاصل ولا امکان لادعاء النقل الا بحجۃ وبرھان فصل کیف وان النقل خلاف الاصل۔

بول چال تو لغت عرب ہے (تو پھر آپ لغت سے کیسے استدلال کرتے ہیں آپ تو عرف عام کے دعویدار ہیں) قصہ اصل یہ ہے کہ آپ کے عوام کا عرف بین یدیہ اور عند میں اگر ہوگا تو معنی منقول اور چونکہ نقل خلاف اصل ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی آپ کو دلیل لانا پڑے گی، وہ کہاں سے لائیں گے!

وثالثا کذلک القرآن العظیم انما نزل بلسان عربی مبین قال تعالٰی انا جعلناہ قرآنا عربیا[1] وقال تعالٰی انہ لحق مثل ما انکم تنطقون[2]۔ فما فیہ الا کانوا یتحاورونہ فیما بینھم غیر ما ثبت فیہ النقل الشرعی فثبوت معنی فی القرآن ادل دلیل واجلہ علی محاورۃ العرب، اللھم الا ان یثبت النقل الشرعی ودون ثبوتہ خرط القتاد وادعاؤہ جزافا امر عظیم فی الفساد، قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح والبحر فی البحر والشامی فی ردالمحتار: "الخطاب

ثالثا یونہی قرآن عظیم عربی مبین میں نازل ہوا، اس پاک کلام میں ہے "ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا" اور "یہ بیشک حق اور تمہارے ہی کلام کی طرح ہے"۔ تو قرآن کریم میں عرب کے ہی محاورے ہوں گے۔ عربیوں کے محاوروں کے خلاف اگر کچھ ہو تو اس کے لئے نقل شرعی کا ثبوت درکار ہے۔ تو قرآن میں کوئی لفظ کسی معنٰی میں بولا جانا یہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ اس لفظ کے محاورہ عرب میں یہ معنٰی ہیں، اور معنی شرعی کے لئے نقل کا ثبوت ضروری۔ اور مسئلہ بین یدیہ میں اس کا ثبوت محال، اور خالی دعوٰی لایعنی بڑ ہے۔ حضرت محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور صاحب بحر نے بحرالرائق میں، اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا: "قرآن کا

---

[1] القرآن الکریم ۴۳/۳

[2] " " ۵۱/۲۳

انما ھو باللغۃ العربیۃ ما لم یثبت نقل کلفظ الصلٰوۃ ونحوہ فیصیر منقولًا شرعیا[1] اھ۔

خطاب لغتِ عرب میں ہی ہے جب تک کہ نقل سے ثابت نہ ہو جیسے لفظ صلوٰۃ وغیرہ۔ ثبوت نقل کے بعد البتہ یہ منقول شرعی ہوجائے گا۔"

وقال بحر العلوم فی فواتح الرحموت دعوی النقل دعوی علی اللہ تعالٰی فلابد لاثباتھا من قاطع ولیس ھٰھنا امارۃ ظنیۃ فضلا عن القاطع فلا یلیق بحال مسلم ان یجترأ علی اللہ بما لم یعلم[2] اھ۔

حضرت مولانا عبدالعلی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں: "نقل کا دعوٰی اللہ تعالٰی پر ایک دعوٰی ہے تو اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ضروری ہے اور فیما نحن فیہ علامت ظنی بھی نہیں چہ جائیکہ قطعی ہو۔ تو مسلمان کیلئے یہ درست نہیں کہ بے جانے اللہ تعالٰی پر یہ جرأت کرے۔" (تو آپ جو یہ فرماتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی متصل منبر ہونا ہے۔ نہ محاورہ قرآنی ہے نہ حدیث کی بول چال ہے، نہ لغت و اصول میں ہے۔ یہ تو عرف عوام ہے۔ بے ثبوت آپ کا یہ عرف عام پیدا کہاں سے ہوگا!)

ورابعًا کل کلام انما یحمل علی عرف التکلم کما نصوا علیہ فی غیر ما مقام وسیدنا سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنھما من اھل اللسان ولا یتکلم الاعلٰی عرفھم ولم یکن لہ اصطلاح خاص علی خلاف العرف العام وقد اطلق "بین یدیہ" علی اذان کان

رابعًا ہر کلام میں متکلم کے محاورہ اور عرف عام کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اہلِ عرب اور صاحبِ لسان عرب ہیں۔ آپ کا کلام بھی عربی بول چال اور عربی محاورہ میں ہی ہوگا۔ عرف کے خلاف ان کی کوئی خاص اصطلاح نہ ہوگی۔ انھوں نے "بین یدیہ" کا لفظ مسجد کے دروازہ پر اذان کیلئے استعمال کیا، اور اس معنٰی پر ہم نے

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۷

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ فی ان الحقیقۃ الشرعیۃ لاتحتاج الٰی قرینۃ ۱/ ۲۲۳

على باب المسجد وكذٰلك بينا في "عند" عدة محاورات عامة لا ينكرها الا مكابر فادعاء ان العرف العام خاص اللفظ بما يزعمونه جهل بالعرف او فرية عليه۔

وخامسًا يا للعجب زعم ذالك المدعى في رد كلمات ائمة الاصول المتواترة المتظافرة على ان عند للحضرة بقوله ان كل ذٰلك لغو لا يجدى شيئًا انما النظر الى الحقيقة العرفية وكل سمع باسم اصول الفقه يعلم ان ما يذكر فيه اصول للفقه وليس مصطلح الفقه مخالفًا لما ذكر من معاني الالفاظ في الاصول وانما البحث ههنا عن لفظ "عند" الواقع في كلام الفقهاء فان فرض ان هناك عرفا جديدا للعامة مخالفا لعرف الفقه و الاصول لم يكن فيه ما يقر عينك فان كلام الفقهاء انما يحمل على عرف الفقهاء دون العوام ولكن التعصب اذا تملك اهلك۔

لفظ عند کے بھی کئی محاورے نقل کئے جس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے بعد یہ دعوی کرنا کہ عرف عام نے ان لفظوں کو بالکل پاس کے معنی میں خاص کیا ہے، یا تو جہالت ہے یا افتراء پردازی۔

خامسًا علم اصول فقہ کا لفظ جو شخص سنے گا وہی یہ فیصلہ کرے گا کہ فن علم فقہ کے قواعد وضوابط اور مصطلحات کیلئے وضع ہے، اور یہ بھی یقین کرے گا کہ فقہاء اور علم اصول فقہ کی اصطلاحات میں کوئی اختلاف نہیں، جس لفظ کا جو معنی ائمہ اصول فقہ نے متعین کیا فقہاء کے نزدیک بھی وہ مسلّم ہے۔ مسئلہ اذانِ ثانی میں فقہاء نے عند المنبر کا لفظ کتابوں میں استعمال کیا۔ ائمہ اصول فقہ نے "عند" کے معنی "حضور" قرار دیے۔ تو ظاہر ہے کہ فقہاء کے عرف میں بھی اس لفظ کے یہی معنی ہوں گے۔ بالفرض اس لفظ کے لئے کوئی دوسرا عرف بھی ہو۔ اور اس نے کوئی اور معنی قرار دیے ہوں۔ تب بھی یہاں ضرورت تو فقہاء کے عرف کی ہے کہ یہاں یہ لفظ انھیں کے کلام میں استعمال ہوا ہے، کسی دوسرے عرف سے کیا سروکار۔ دوسرا عرف تو یہاں کے لئے بالکل بیکار ہے۔ لیکن یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ مدعی کس ڈھٹائی سے ائمہ اصولِ فقہ کی تصریحات سن کر کہتا ہے کہ یہ سب فضول ہے۔

سادساً ماذا یقول المعاند فی قول العلامة خیر الدین الرملی رحمہ اللہ تعالٰی فی فتاواہ[1] فی رجل حلف بالطلاق الثلاث انہ لایشتی عند زوجتہ فی البلد فشتی فی جامعہا لا یقع علیہا الطلاق لان الشرط کون المتشتیة فی البلد عندہا و لم یوجد وعند للحضرة الا ان ینوی ذلك واللہ تعالٰی اعلم اھ بالالتقاط فہذہ مسئلة الحلف انما مبنی الحلف علی العرف و قد افصح فیہ ان عند للحضرة فظہر ان ما ذکر ائمة الاصول ھو العرف، وبالجملة فالحق ان لاخلف ھہنا بین اللغة ولسان الشرع والاصول والفقہ والعرف کل ذلك متوارد علی ما ذکرنا من معانی بین یدی وعند ولیس ھنا نقل ولا اشتراك ولا تجوز بل معنی مطلق منتخب علی مصادیقہ یتعین

یہاں تو عرف عوام کی ضرورت ہے۔ بھلا کلام فقہاء میں عرف عوام کی کیا ضرورت! سچ یہ ہے کہ تعصب آدمی کو اندھا اور بہرا کردیتا ہے۔

سادساً آخر یہ معاند اس کا کیا جواب دیں گے کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میری بیوی کو تین طلاقیں اگر میں جاڑے میں اس شہر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہوں۔ اور اس نے اس شہر کی جامع مسجد میں جاڑا گزارا تو اس عورت پر طلاق نہ پڑے گی کیونکہ شرط جاڑے میں شہر میں بیوی کے ساتھ رہنے کی تھی، اور وہ نہیں پائی گئی۔ اور عند کا لفظ حضور کے لئے ہے ہاں ھذا البلد سے اسی کی نیت جامع مسجد کی بھی ہو تو طلاق پڑجائے گی۔ مسائل حلف کی بنا عرف پر ہے۔ اور امام رملی نے صاف بیان کردیا کہ عند حضور کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند کے بارے میں ائمہ اصول نے جو فرمایا وہ بھی معنی عرفی ہی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی کا کوئی شائبہ نہیں۔ اور زبان شرع اور اصول وفقہ اور عرف سب لغوی معنی کے ہی موافق ہیں، جیسا کہ ہم نے بین یدیہ اور عند کے معنی

---

[1] فتاوی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفة بیروت ١/ ٣٨ و ٣٩

بعضها فی الکلام بقرائن الکلام کما فصلناہ و للّٰہ الحمد۔

وسابعًا لئن تنزلنا عن هذا کله فالذی لجاء الیه الحیلة امران الاول بین یدیه وعند للقرب وقد استند له بالراغب وغیرہ وقد منا انه غیر مستنکر ولا یفیدہ ولا یضرنا والاٰخران القرب فی العرف العام خاص بما یلصق المؤذن بالخطیب کما یزعمون وهذا هو الذی فیه مرامه ولم یستند فیه بشئ سوی شقشقة اللسان وقد تقدم من المحاورات ما یکذبه فلم یرجع سعیه الی طائل۔

وثامنًا تنزلنا عن هٰذا ایضا فرضنا ان ثمه عرفا کما تدعی لکن ان کان ففی نفر مثلك من العوام فمالك لاتفرق بین عرف العوام والعرف العام لانّ الکلام هٰهنا فی عرف الفقهاء الکرام فهل عندك دلیل انهم یحصرون القرب فیما تزعم کلا بل کلامهم

میں بیان کیا ہے، وللہ الحمد۔

سابعًا اگر ان سب باتوں سے قطع نظر بھی کرلی جائے تو مذکورہ حیلہ کی ڈھال دو باتیں ہیں یہ کہ عند اور بین یدیہ کے معنی "قریب" کے ہیں۔ اس کے ثبوت میں راغب وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ہم کو انکار نہیں۔ لیکن وہ آپ کو مفید نہیں اور اس سے ہمارا نقصان نہیں۔ دوسری بات یہ کہ قرب عرف عام میں خطیب کے بالکل متصل ہونے کے لئے خاص ہے، اور یہی مدعیوں کا خاص مقصد ہے، لیکن اس مقصد پر دراز لسانیوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی۔ اور ہم ایسے بہت سے محاورات ذکر کرچکے ہیں جس سے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے تو یہ ساری دراز لسانیاں بے فائدہ ہیں۔

ثامنًا اگر اس سے بھی قطع نظر کرکے مان لیا جائے کہ یہاں حسب ادعائے مدعی کوئی عرف ہے۔ تو عوام کے کسی گروہ کا ہوگا۔ تو ایک بات تو یہ ہے کہ مدعی یہاں عرف عوام اور عرف عام میں فرق نہیں کرتا۔ دوسری بات یہ کہ یہاں ضرورت تو فقہاءِ کرام کے عرف کی ہے (نہ کہ عرف عوام یا عرف عام کی) تو کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ فقہاء قرب کو اسی خاص معنی

ناطق ببطلان ما تحکم ولنسرد علیک شیئا منه فستهدی الی الحق ان اراد الله والا فیستهدی غیرک ممن هدی الله۔

فاقول وبالله التوفیق لاشک ان القرب امر اضافی فاذا ذکر الحاشیتان والتفاصل بینهما فلا یمتری غیر مجنون ان القرب لاینتهی الی حد لا یتجاوزه مالم ینقطع العالم کله فکل بعید من شیئ مهما بعد اقرب الیه بالنسبة الی ما هو ابعد منه کالکرسی اقرب الی الارض من العرش مع انه ابعد الاجسام من الفرش بعد العرش بحیث لا یقدر بعده الا خالقه عزوجل ثم من علمه لکن ربما تکون للشیئ بالنظر الی اٰخر حالة یطلق علیه بالنسبة الیه لفظ القریب مطلقا بدون لحاظ اضافته الی شیئ ثالث وله وجوه کثیرة مختلفة باختلاف المقام۔ منها "قرب التناول" ان

میں بولتے ہیں۔ آپ کے اس دعوٰی کے بطلان پر بہت سی دلیلیں ہیں ان میں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں ممکن ہے آپ کو حق کی ہدایت ہو۔ اور اگر مرضی الٰہی یہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو ہی ہدایت ہوگی۔

فاقول وباللہ التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں) بلاشبہ قرب ایک اضافی چیز ہے، تو جب دونوں حدوں کا ذکر کر دیا جائے تو پاگل ہی یہ خیال کرے گا کہ قرب اسی پر ختم ہے اور اس سے متجاوز نہ ہوگا جب تک کل عالم ختم نہ ہو جائے۔ ہر اگلی منزل قریب ہو سکتی ہے کیونکہ کوئی چیز جو کسی چیز سے دور ہو۔ جب ہم اس کو اس سے دور والی چیز کی نسبت سے دیکھیں گے تو یہ قریب ہو جائے گی، جیسے کرسی زمین سے بہ نسبت عرش کے قریب ہے اور وہ بہ نسبت اجسام عرش کے بعد زمین سے سب سے زیادہ دُور ہے، اتنا دور کہ اس کی دوری کا اندازہ اس کا پیدا کرنے والا ہی کر سکتا ہے یا وہ جسے اللہ تعالٰی بتائے۔ لیکن بسا اوقات ایک چیز کو بہ نسبت دوسری چیز کے ایسی حالت ہوتی ہے جس پر لفظ قریب کا اطلاق ہوتا ہے، اور اس میں کسی تیسری چیز کی طرف اضافت کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اس قرب کی اختلاف مقام کے لحاظ سے مختلف کثیر قسمیں ہیں۔ ان سے ایک قرب تناول ہے۔ اس کا مطلب

يكون الشئ منك بحيث تصل يداك اليه كقوله تعالٰى "فراغ الٰى اهله فجاء بعجل سمين فقربه اليهم قال الا تاكلون"[1] ومنها "قرب السمع" ان يبلغه صوتك۔ ومنها قرب السير" ان لا يلحقك كبير حرج فی الوصول اليه۔ فلو خص الفقهاء القرب لقرب التناول صلح كلامك وحصل مرامك لكنهم براء عنه قطعًا اكبر كلما تراهم يطلقون القرب و يعنون به احد الوجوه الثلثة الاخيرة حتی تافت عبارتهم فی تفسير القرب المطلق عشرًا فيما يحضر فی الأن ولعل ما لم استذكر نحوها او اكثر۔ وبيان ذالك فی مسائل :

المسألة الاولٰى اطبقوا ان الماء ان كان قريبًا لم يجز التيمم للمسافر وان كان بعيدًا جاز و اختلفوا ان ای ما يسمٰى قريبا بالاتفاق علٰى ان المراد قرب

یہ ہوتا ہے کہ وہ شے ایسی جگہ ہے جہاں تمہارا ہاتھ پہنچ سکے۔ جیسے اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہل کی طرف گئے اور ایک گرم بُھنا ہوا بچھڑا لائے اور اسے فرشتوں کے قریب کیا اور ان سے کہا کیوں نہیں کھاتے ہو" اور ان سے ہے "قرب سمع" جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکے۔ اور ان سے ہے "قرب سیر" یہ کہ وہاں تک پہنچنے میں آپ کو زیادہ حرج نہ لاحق ہو۔ تو اگر فقہاء نے اپنے کلام میں قرب کو قرب تناول تک ہی خاص کیا ہوتا تو آپ کا کلام درست ہوتا اور آپ کا مقصد حاصل ہوتا، لیکن وہ حضرات اس سے قطعی طور پر بری ہیں انکے بیشتر کلمات میں قرب کا لفظ بقیہ تین معنوں میں سے کسی ایک کیلئے استعمال ہوا ہے۔ فی الوقت قرب مطلق کی تفسیر میں فقہاء کی دس عبارتیں مجھے یاد ہیں (اور جو مستحضر نہیں وہ بھی اس سے زائد ہوں گی) جن کا بیان مندرجہ ذیل مسائل میں ہے :

مسئلہ ۱ : سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہو تو مسافر کو تیمم جائز نہیں، اور دور ہو تو جائز ہے اور قرب و بعد مسافت میں اس کے باوجود اختلاف ہوا کہ قرب سے مراد سب کے نزدیک وہی مسافت ہے جو

---

[1] القرآن الکریم ۵۱/۲۶-۲۷

السیر والاجماع علی ان لیس المراد قرب التناول قال فی العنایۃ المنصوص علیہ کون الماء معدوما وھٰھنا معدوم حقیقۃ لکن نعلم بیقین ان عدمہ مع القدرۃ علیہ بلاحرج لیس بمجوز للتیمم والالجاز لمن سکن بشاطئ البحر وقدعدم الماء من بیتہ فجعلنا الحد الفاصل بین البعد والقرب لحوق الحرج[1] اھ۔ وفی البنایۃ لیس لہ ان یتیمم اذا کان الماء قریبا منہ[2] اھ وفیہا (ھ) " المیل ھو المختار فی المقدار " (ش) ای مقدار بعد الماء وجہ کونہ مختارا ان المسافۃ القریبۃ جدا مانع من جواز التیمم والبعد یجوزلہ فقدرا لبعد بالمیل لالحاق الحرج الی وصول الماء، وعند محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرطہ ان یکون بینہ وبین المصر میلان وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لو ذھب الیہ وتوضأ تذھب

آسان ہو۔ مگر اس پر اجماع ہے قرب تناول مراد نہیں۔ صاحبِ عنایہ فرماتے ہیں : یہ بات شرع میں منصوص ہے کہ تیمم کے لئے پانی کا معدوم ہونا عذر ہے۔ اور صورت مسئولہ میں پانی حقیقۃً معدوم بھی ہے لیکن یہ بھی یقیناً معلوم ہے کہ پانی نہ ہو مگر بآسانی دستیاب ہو جائے۔ تو یہ جواز تیمم کے لئے عذر نہیں، ورنہ دریا کے کنارے گھر بنانے والے کے گھر میں پانی نہ ہو تو وہاں بھی وہ تیمم کرنے لگے گا۔ اس لئے قرب وبُعد میں حدِ فاصل حرج کو قرار دیا گیا۔" بنایہ میں ہے کہ پانی قریب ہو تو آدمی کو تیمم کی اجازت نہیں۔" اسی میں ہے " مقدار میں ایک میل کی مسافت معتبر ہے " یعنی پانی کی دُوری کی مقدار میں اور اس مقدار کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا بہت قریب ہونا جوازِ تیمم کو مانع ہے اور بعد سے تیمم جائز ہوتا ہے۔ تو اس کی مقدار ایک میل مقرر کی گئی کہ اس سے زائد حد مقرر کرتے ہیں مکلف کو پانی تک پہنچنے میں حرج لاحق ہوتا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر اور شہر کے درمیان دو میل کا فاصلہ شرط ہے۔ اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے یہاں دوری کی حد یہ ہے کہ پانی کی تلاش کیلئے

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الطہارۃ باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۰۸

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ " " المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

القافلة و تغيب عن بصره ويجوز التيمم وهذا احسن جدًا، وقيل اذا كان نائيًا عن بصره واختلفوا فى النائى قيل قطع ميل، وعن محمد قطع ميلين وقيل فرسخ وقيل جواز قصر الصلوٰة، وقيل عدم سماع الاذان، وقيل عدم سماع اصوات الناس، وقيل لو نودى من اقصى المصر لا يسمع، وفى البدائع ان ذهب اليه لاينقطع عنه جلبة البعير ويحس اصواتهم واصوات وراء فهو قريب، وقيل ان كان بحيث يسمع اصوات اهل الماء فهو قريب۔ قال قاضى خان واكثر المشائخ عليه و كذا ذكره الكرخى واقرب الاقوال اعتبار الميل، فان قلت النص مطلق عن اشتراط المسافة فلا يجوز تقييده بالرائ قلت المسافة القريبة غير مانعة بالاجماع والبعيدة غير مانعة

آنے جانے میں قافلہ نگاہوں سے اوجھل ہوجائے تو تیمم جائز ہوگا اور یہ بہت عمدہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ پانی نگاہوں سے دُور ہو۔ دوری کی تعیین میں پھر اختلاف ہوا، تو کسی نے ایک میل کہا، امام محمد نے دو میل فرمایا۔ ایک قول ایک فرسنگ کا ہے۔ اور کہا گیا کہ اتنی دور جس کے بعد نماز قصر کی جاتی ہے۔ کسی نے کہا کہ جہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچے۔ کسی نے کہا کہ اتنی کہ وہاں سے آبادی کا شور نہ سنائی دے۔ اور کہا گیا کہ اتنی دُور کہ شہر کے کنارے کھڑے ہوکر پکارا جائے تو مخاطب سُن نہ سکے۔ بدائع میں لکھا ہے: "اتنی دور کہ وہاں جانے پر قافلہ کا شور و غوغا سنتا رہے اور پیچھے والوں کی آواز بھی آتی رہی تو قریب ہے"۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ پانی کے پاس رہنے والوں کی آواز آتی رہے تو قریب ہے۔ قاضیخاں نے فرمایا کہ اکثر مشائخ اسی کو مانتے ہیں۔ ایسا ہی امام کرخی نے فرمایا۔ اور ہمارے نزدیک اقرب الاقوال ایک میل کا اعتبار ہے۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت قرآنی تو مسافت کے اشتراط کے بارے میں مطلق ہے اسکو رائے سے مقید کرنا کیسے جائز ہوگا، تو میں کہوں گا کہ قریب کا مانع ہونا اور بعید کا نہ مانع ہونا ایک اجماعی مسئلہ

بالاجماع فجعلنا الفاصل بینھما المیل اھ[1]

المسألة الثانیة فی التنویر

لوکانت البئر او الحوض او النھر فی ملک رجل فلہ ان یمنع مرید الشفة من الدخول فی ملکہ اذا کان یجد ماء بقربہ[2] (قال العلامة الشامی) قال العلامة المقدسی و لم ار تقدیر القرب وینبغی تقدیرہ بالمیل کما فی التیمم اھ[3]

ورأیتنی کتبت علیہ اقول فیہ تامل فان العطشان ربما یتضرر بذھابہ میلا ولا فی طلب الماء کذلک المحدث فینبغی احالة الامر علی حالتہ ولعلھم لذا ارسلوہ ولم یقدروہ۔

المسألة الثالثة فی شھادات

الدر المختار یجب اداؤھا بالطلب بشروط سبعة مبسوطة فی البحر وغیرہ منھا عدالة

ہے اس لئے حدِ فاصل ایک میل کو قرار دیا گیا اھ

مسئلہ ۲: تنویر الابصار میں ہے: "کنواں یا حوض یا نہر کسی آدمی کی ملک ہوں، اس سے قریب ہی کہیں اور پانی ہو تو کھانے، پینے، دھونے اور جانوروں کو پلانے والوں کو وہ اپنے کنویں وغیرہ سے روک سکتا ہے۔" علامہ شامی علامہ مقدسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "قرب کی مقدار کہیں نظر سے نہیں گزری تو تیمم کی طرح یہاں بھی ایک میل کو ہی حدِ فاصل مقرر ہونا چاہیے۔"

میں نے شامی کی اس تحریر پر حاشیہ لکھا یہاں ایک میل کی مسافت میں تامل ہے کہ پیاسوں میں لبسا اوقات اتنی دور جانے کی تاب نہیں رہتی، اور محدث کا یہ حال نہیں، شاید اسی وجہ سے علماء نے کوئی مقدار متعین نہیں کی۔ اور مقدار کا معاملہ مبہم چھوڑ دیا تو ہر ضرورتمند اپنی ضرورت کے حساب سے قرب و بُعد کی مقدار مقرر کرے۔

مسئلہ ۳: درمختار کے باب الشہادات میں ہے: "مدعی کے طلب پر گواہ کو سات شرطوں کے ساتھ گواہی دینا واجب ہے جن کا ذکر بحرالرائق وغیرہ میں تفصیل سے ہے جس میں

---

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الطھارۃ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹
[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب احیاء الموات فصل الشرب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۷
[3] ردالمحتار " " " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸۳

القاضی وقرب مکانہ[1] قال البحر ثم الشامی فان کان بعیدًا بحیث لا یمکنہ ان یغدو الی القاضی لاداء الشہادۃ ویرجع الی اھلہ فی یومہ ذلک قالوا لا یأثم لانہ یلحقہ الضرر بذلک وقال اللہ تعالٰی ولا یضار کاتب ولا شہید[2] اھ۔

ایک قاضی کی عدالت اور ادائے شہادت کی جگہ کا قریب ہونا ہے۔ شامی اور بحرالرائق دونوں میں ہی تصریح ہے کہ "اگر قاضی دور ہو کر دن بھر میں گواہی دے کر گواہ اپنے گھر واپس نہ پہنچ سکے تو گواہی دینا واجب نہیں کہ اتنی دور تک آنے جانے سے گواہ کو ضرر پہنچے گا، اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہیں دیا جائیگا۔" دیکھئے ان تینوں مثالوں میں قرب سے مراد قرب میسر ہے (قرب متناول مراد نہیں ہے)۔

المسألۃ الرابعۃ فی الذخیرۃ

ثم العالمگیریۃ اذا کان المدعی علیہ خارج المصر انہ علی وجہین الاول ان یکون قریبًا من المصر فیعدیہ بمجرد الدعوی وان کان بعیدًا لا یعدیہ والفاصل بین القریب والبعید انہ اذا کان بحیث لو ابتکر من اھلہ امکنہ ان یحضر مجلس الحکم و یجیب خصمہ و یبیت فی منزلہ فھذا قریب وان کان یحتاج الی ان یبیت

مسئلہ ۴: ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے جب مدعا علیہ شہر سے باہر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر وہ شہر کے قریب ہے تو قاضی مجرد دعوٰی کی بنا پر اس کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم بھیجے گا اور اگر وہ دور ہے تو ایسا نہیں کرے گا، قریب وبعید میں فرق یہ ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں وہ صبح اپنے گھر والوں سے نکلے تو مجلس قضا میں حاضر ہو کر اپنے خصم کو جواب دے کر واپس اپنے گھر والوں میں آکر رات گزارنا ممکن ہو تو قریب شمار ہوگا اور اگر رات کہیں راستے میں گزارنا پڑے تو بعید شمار ہوگا۔ ذخیرہ میں یونہی

---

[1] الدرالمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰
[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

الطریق فھٰذا بعید۔ کذا فی الذخیرۃ ملتقطاً۔

ہے۔ (التقاط)

المسألۃ الخامسۃ قال امامنا الثانی ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ فی کتاب الخراج، ثم حمل الاموال (ای الضحاک بن عبد الرحمٰن الاشعری) علی قدر قربہا وبعدہا فجعل علی کل مائۃ جریب زرع مما قرب دیناراً، وعلی کل الف اصل کرم مما قرب دیناراً، وعلی کل الف اصل مما بعد دیناراً (ومثلہ ذکر الفرق بین القریب والبعید من الزیتون) وکان غایۃ البعد عندہ مسیرۃ الیوم والیومین واکثر من ذٰلک وما دون الیوم فھو فی القرب وحملت الشام علی مثل ذٰلک وحملت الموصل علی مثل ذٰلک۔[2] (فھٰذہ کلھا قرب السیر)

مسئلہ ۵: ہمارے امام ثانی امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الخراج میں فرمایا: پھر اس (ضحاک بن عبدالرحمٰن اشعری) نے اموال کو ان کے قُرب و بُعد کی مقدار پر محمول کیا، چنانچہ قریبی کھیتی کے ہر سَو جریب پر ایک دینار، قریبی باغ کے انگوروں کی ہر ہزار بیلوں پر ایک دینار، اور دُوری کی صورت میں ہر دو ہزار بیلوں پر ایک دینار مقرر فرمایا (اور اسی طرح زیتون میں بھی قریب و بعید کے فرق کو ذکر کیا) اور بُعد کی حد ایک یا دو یا زیادہ دنوں کی مسافت ہے، جو اس سے کمتر ہو وہ قریب ہے۔ شام اور موصل بھی اسی پر محمول ہیں۔

المسألۃ السادسۃ فی مختار الفتاوٰی ثم الھندیۃ ان کان فی کرم اوضیعۃ یکتفی باذان

مسئلہ ۶: مختار الفتاوٰی پھر ہندیہ میں ہے: اگر کوئی شخص اپنی جائداد یا باغ میں ہے تو اُس کے لئے اپنی بستی یا شہر کی اذان کافی

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الادب القاضی الباب الحادی عشر نورانی کتبخانہ پشاور ۳/ ۳۳۵ و ۳۳۶

[2] کتاب الخراج فصل فی ارض الشام والجزیرۃ دار المعرفۃ بیروت ص ۴۱

القرية او البلدة ان كان قريبا والا فلا، وحد القريب ان يبلغ الاذان اليه منها[1]

ہے بشرطیکہ قریب [illegible] کافی نہ ہوگی۔ اور قریب ہونے کی حد یہ [illegible] سے اذان کی آواز اس تک پہنچ [illegible]

المسألة السابعة [illegible] فی الفتح [illegible] يحرم فی الخطبة الكلام وان كان امرا بمعروف او تسبيحا والاكل والشرب والكتابة (الى ان قال) هذا كله اذا كان قريبا بحيث يسمع فان كان بعيدا بحيث لا يسمع اختلف المتأخرون فيه فمحمد بن مسلمة اختار السكوت ونصير بن يحيى اختار القراءة[2] الخ۔

مسئلہ ۷: محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا: خطبہ کی حالت میں کلام منع ہے گو امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو، یونہی تسبیح یا کھانا پینا اور کتابت سبھی منع ہے (الی ان قال) یہ احکام اس وقت ہیں کہ مقتدی امام کے اتنا قریب ہو کہ امام کی آواز سُن رہا ہو، اور اگر دور ہو کہ امام کی آواز نہیں سن رہا تو متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، حضرت محمد ابن مسلمہ سکوت پسند کرتے ہیں اور نصیر الدین یحیٰی قرأت پسند کرتے ہیں۔

المسألة الثامنة فی الهندية من تكبيرات العيدين عن المحيط عن محمد يرى تكبير ابن مسعود فكبر الامام غير ذلك اتبع الامام الا اذا كبر الامام تكبيرا لم يكبره احد من الفقهاء[3] اھ (ثم نقل عن البدائع) لكن هذا اذا كان بقرب الامام

مسئلہ ۸: عالمگیری کے باب تکبیرات عیدین میں ہے کہ "امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو پسند کرتے تھے (یعنی چھ زائد تکبیریں) امام اگر اس کے علاوہ اتنی تکبیریں کہے جو کسی فقیہ کا مذہب نہ ہو تو مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔" پھر بدائع سے نقل کیا "یہ اس وقت ہے جب

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الصلوٰۃ الباب الثانی فی الاذان نورانی کتبخانہ پشاور ۱/ ۵۴

[2] فتح القدیر 〃 باب صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۷، ۳۸

[3] الفتاوی الہندیۃ 〃 الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۵۱

یسمع التکبیرات منه فاما اذا کان یبعد منه یسمع من المکبرین یلق بجمیع مایسمع وان خرج من اقاویل الصحابة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم لجواز ان الغلط من المکبرین فلو ترك شیئا منها ربما کان المتروك ما اتی به الامام[1]

المسألة التاسعة فی جمعة البحر الرائق ذکر فی المضمرات قال الشیخ الاجل الامام حسام الدین تجب علی اهل المواضع القریبة الی البلد التی هی توابع العمران الذین یسمعون الاذان علی المنارة باعلی الصوت[2]

المسألة العاشرة فی تنویر الابصار لا نقتل من امنه حرا او حرة لو فاسقا بشرط سماعهم ذلك من المسلمین فلا امان لو کان بالبعد منهم[3]

مقتدی امام کے قریب ہو کر خود اس کی آواز سُن رہا ہو، اور اتنی دُور ہو کر خود اس کی نہ سنتا ہو، بلکہ مکبروں سے سُن کر ادا کرتا ہو تو جتنی سُنے سب ہی ادا کرے اگرچہ وہ اقوال صحابہ سے بھی باہر ہو، کیونکہ غلطی کا امکان مکبروں کی طرف سے بھی ہے، تو کچھ تکبیریں چھوڑنے میں خطرہ یہ ہے کہ کہیں امام کی کہی ہوئی تکبیریں ہی نہ چھوٹ گئی ہوں۔

مسئلہ ۹: بحرالرائق کے باب الجمعہ میں ہے: "مضمرات میں ذکر کیا کہ شیخ امام اجل حسام الدین نے فرمایا کہ جمعہ شہر سے قریب والے مواضع کے باشندوں پر واجب ہے جو اتنے قریب ہوں کہ منارہ پر بلند آواز سے اذان کہی جائے تو سُنیں۔"

مسئلہ ۱۰: تنویر الابصار میں ہے: "جس کافر کو کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے امن دے دیا گو امن دینے والے فاسق ہی کیوں نہ ہوں اس کا قتل منع ہے اس شرط کے ساتھ کہ امن دینے والوں کی آواز انھوں نے خود سُنی ہو، تو دور والوں کو امن نہیں ملے گا۔"

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الصلوٰۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱

[2] بحرالرائق " باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۱

[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۳

المسألة الحادیة عشرة وفی شرح الدرر و فی الدر المختار اذا احیٰ مسلم او ذمی ارضا غیر منتفع بہا و لیست بمملوکۃ لمسلم ولا ذمی و ھی بعیدۃ من القریۃ اذا صاح من باقصی العامر (ھو جھوری الصوت، بزازیۃ) لایسمع بہا صوتہ ملکہا[1] الخ۔ وفی الکفایۃ من الذخیرۃ الفاصل بین القریب و البعید مروی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی یقوم رجل جھوری الصوت من اقصی العمران علی مکان عال وینادی باعلی صوتہ فای موضع الذی لایسمع فیہ یکون بعیدا[2]۔

المسألة الثانیة عشرة وفی الدر المختار لووجد قتیلا فی الشارع الاعظم والسجن والجامع لاقسامۃ والدیۃ علی بیت المال ان کان نائیا ای بعیدا عن المحلات والایکن نائیا بل قریبا منہا فعلی اقرب المحلات الیہ[3] (قال الشامی قولہ قریبا منہا) الظاھر ان

مسئلہ ۱۱: شرح درر اور درمختار میں ہے: "کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی بنجر زمین آباد کی اور وہ کسی کی ملک نہ ہو، نہ مسلمان کی نہ ذمی کی۔ اور یہ آبادی سے اتنی دُور ہو کہ کنارہ آبادی سے پکارا جائے اور پکارنے والا بلند آواز ہو، (بزازیہ) تو آواز سُننے میں نہ آئے، تو آباد کرنیوالا اس زمین کا مالک ہوگا"۔ اور کفایہ میں ذخیرہ سے مروی ہے: "قریب و بعید کے درمیان حدِ فاصل حضرت قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی آپ نے فرمایا ایک بلند آواز آدمی آبادی کے انتہائی سرے سے کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر پُوری طاقت سے پکارے اور آواز وہاں نہ پہنچے تو وہ بعید ہے"۔

مسئلہ ۱۲: درمختار میں ہے: "اگر کوئی مقتول شارع عام میں، قیدخانہ میں اور مسجد جامع میں پایا گیا تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہے البتہ اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ یہ جب ہے کہ وہ جگہیں محلوں سے بعید ہوں۔ اور اگر قریب ہوں تو جو محلہ وہاں سے سب سے قریب ہو اس پر تاوان ہے"۔ امام شامی نے فرمایا کہ ظاہر

---

[1] الدرالمختار کتاب احیاء الموات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۵

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر " " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۲

[3] الدرالمختار کتاب الدیات باب القسامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۲

المعتبر فيه سماع الصوت[1]"

23

یہی ہے کہ یہاں قرب سے مراد آواز سننے کا قرب ہے۔"

المسألة الثالثة عشرة فی الهداية

وان وجد فی برية ليس بقربها عمارة فهو هدر وتفسير القرب ما ذكرنا من استماع الصوت[2] فهذه كلها قرب السمع۔

مسئلہ ۱۳: ہدایہ میں ہے، اور اگر ویرانہ میں مقتول پایا گیا جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون ضائع ہے۔ اور "قریب" کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ وہاں سے آواز سُنی جارہی ہو" یہ سب مثالیں قرب سماع کی ہیں۔

المسألة الرابعة عشرة ما قدمنا

مسئلہ ۱۴: افضہ ثانیہ عودیہ میں ہم ذکر

عه في الهندية عن الفتاوى الكبرى وهى المسئلة الخامسة عشرة جرى بينه و بين امرأته تشاجر من قبل اخته فقال لها ان سبت اختى بين يدى فانت طالق ثلثا ثم دخل الزوج عليها وهى تشاجر مع اخته وتسبها فسمع الزوج ان سبتها و هى تراه طلقت لانها سبتها بين يديه[3] كذا فى الفتاوى الكبرى۔

ہندیہ میں بحوالہ فتاوٰی کبرٰی وارد ہے، اور یہ پندرھواں مسئلہ ہے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان خاوند کی بہن کے بارے میں جھگڑا واقع ہوا تو خاوند نے کہا اگر تُو نے میرے سامنے میری بہن کو گالی دی تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ پھر خاوند اپنی بیوی کے ہاں آیا درانحالیکہ وہ اس کی بہن کے ساتھ جھگڑا کر رہی تھی اور اسے گالیاں دے رہی تھی جنھیں خاوند نے سنا۔ اگر گالی دیتے وقت بیوی خاوند کی طرف دیکھ رہی تھی تو طلاق واقع ہوگئی کیونکہ اُس نے خاوند کے سامنے اس کی بہن کو گالی دی۔ فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الدیات باب القسامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۰۷
[2] الہدایۃ " " مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۳۸
[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطلاق الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۴۳

فی النفحة الثانیة العودیة عن الجوهرة النیرة هذا اذا کان الحافظ قریبًا منه اعنی بحیث یراه امّا اذا بعد بحیث لایراه فلیس بحافظ۔[1] فهذا قرب البصر هذه مصادیق القرب المطلق فی عرف الفقهاء الکرام فان کان الرسم لدیکم ان خطیبکم یاکل المؤذن او مؤذنکم یبتلع المنبر فنعم لابد من قرب التناول والا فما المعین له والحامل علیه نسأل الله ارادة الحق والهدایة الیه اٰمین!

کرآئے ہیں کہ جوہرہ نیرہ میں ہے: "یہ حکم تب ہے کہ نگراں اس سے اتنی قریب ہو کہ اسے دیکھ رہا ہو اور اتنی دُور ہو کہ نہ دیکھے تو وُہ حافظ اور نگراں ہی نہیں۔" یہ قربِ بصر کی مثال ہے اور فقہاءِ کرام کے عرف میں یہ سارے مصادیق قربِ مطلق کے ہیں، تو اگر آپ کے وہاں یہی رسم ہو کہ خطیب موذن کو کھاتا ہو یا موذن منبر کو نگلتا ہو تو ضرور یہاں قرب سے قربِ تناول مراد ہوگا، ورنہ یہاں قربِ تناول کو متعین کرنے اور اس پر برانگیختہ کرنے والی کیا چیز ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے حق و ہدایت کے طالب ہیں۔

وتاسعًا قد اعترف الرجل ان فی العرف لعند فی کل محل حد علیحدة للقرب بقرینة القیام فکان علیه ان یثبت بالدلیل ان قضیة مقام الاذان فی القرب عن الامام الحد الفلانی لکنه ادعی وقنع بالادعاء اللسانی ولوکفت الدعوی للثبوت لقام بالبرهان کل مبهوت، فما لك تقر ولا تقر وتمیل الی الحق ثم تفر۔

تاسعًا یہ شخص اعتراف کرچکا ہے کہ عند ہر مقام پر قرینہ کے لحاظ سے علٰحدہ علٰحدہ قرب کے لئے ہے۔ تو اس کو دلیل سے یہ ثابت کرنا چاہئے تھا کہ مسئلہ مقام اذان میں امام سے قرب کی یہ حد ہے۔ لیکن اس نے ایک دعوٰی کیا اور ثبوت کے لئے اسی دعوٰی کو کافی سمجھا۔ اگر ثبوت کے لئے صرف دعوٰی کافی ہوتا تو ہر مبہوت دلیل والا ہوتا۔ لیکن ان کا عجیب شیوہ ہے کہ اقرار کرکے انکار کرتے ہیں اور حق کی طرف مائل ہو کر اسی سے گریز بھی کرتے ہیں۔

وعاشرًا قال الله

عاشرًا اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب السرقۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۶۱

عزّوجل "وزنوا بالقسطاس المستقیم[1]" ولکل شیئ قسطاس و قسطاس الکلام له کفتان الشرع والعقل، فمن رزق حظًا منهما لایحمله الّا علٰی مایوافقهما اما الجاهل فلا بیده میزان ولا هو یعرف الاوزان فاذا امره من یفترض علیه طاعته ان قم فصل رکعتین فلا تتأخر لمحة فلعله یقول امرنی بالصلٰوة بغیر وضوء اذ لوذهبت اسکب الماء ثم توضأت ثم الی محل الصلٰوة رجعت لفات الفور وقد نبأنی ان لا اتأخر لحظة۔

ولوحلف زید واللہ لایسکن هذه الدار فتاهب من فوره للخروج وجعل ینقل المتاع ولم یقصر ومکث فی هذا یومًا مثلًا یظن الجاهل انه قد حنث لانه لم ینقل یومًا لکن العالم یعلم ان قدر الوضوء مستثنٰی فی الاول شرعا وقدر ماتیسرله فیه النقل مستثنٰی فی الثانی عقلا فلاینتفی بهما الفور، فی الخانیة ثم الهندیة رجل حلف لایسکن هذه الدار

"درست میزان سے تولو"۔ اور میزان ومعیار تو ہر چیز کے لئے ہے۔ چنانچہ زبان کے ترازو کے دو پلڑے ہیں: شرع اور عقل۔ تو جسے ان دونوں سے حصہ ملا ہے وہ ہر بات کو اسی کے موافق محمول کرے گا۔ اور جاہل کے ہاتھ میں نہ میزان ہے نہ وہ اوزان کو جانتا ہے۔ تو جب اسے کوئی اس کا زبردست حاکم کہے کہ اٹھو اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر نماز پڑھو۔ تو وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ مجھے تو فی الفور نماز پڑھنے کا بغیر وضو کے حکم ہے اگر میں وضو کرنے کے لئے پانی بہاؤں پھر محل نماز کی طرف لوٹوں تو تاخیر ہو جائیگی حالانکہ مجھے ایک لمحہ بھی تاخیر کی اجازت نہیں۔

یونہی اگر زید نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ اور فورًا ہی نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔ سامان منتقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور اسی میں ایک دن لگ گیا، تو جاہل گمان کرے گا کہ زید تو حانث ہوگیا کہ قسم کے بعد بھی ایک دن اسی گھر میں رہا۔ لیکن عالم خوب جانے گا کہ پہلی صورت میں وضو کرنے کی مقدار شرعًا مستثنٰی ہے اور دوسری صورت میں آسانی سے سامان جتنی دیر میں منتقل ہوسکے عقلًا مستثنٰی ہے تو اس دیر سے فورًا میں خلل نہیں پڑے گا۔ خانیہ اور ہندیہ میں ہے: جس شخص نے

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۵

فخرج بنفسه واشتغل بطلب دارا اخری لینقل الیها الاھل و المتاع فلم یجد دارًا اخری ایامًا ویمکنه ان یضع المتاع خارج الدار لایکون حانثًا وکذا لو خرج واشتغل بطلب دابة لینقل علیها المتاع فلم یجد اوکانت الیمین فی جوف اللیل ولم یمکنه الخروج حتی الصبح اوکانت الامتعة کثیرة فخرج و ھو ینقل الامتعة بنفسه ویمکنه ان یستکری الدواب فلم یستکر لا یحنث فی جمیع ذٰلك، ھذا اذا نقل الامتعة بنفسه کما ینقل الناس فان نقل لا کما ینقل الناس یکون حانثًا[1] اھ۔

قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا تو وہ خود گھر سے باہر ہوگیا اور منتقل ہونے کے لئے دوسرا گھر تلاش کرنے لگا جو چند دن نہ مل سکا۔ اہل و عیال اور اسباب اسی گھر میں رہے۔ اور ایسا ممکن تھا کہ اس مکان سے وہ اسباب باہر نکال لے مگر نہیں نکالا، تب بھی حانث نہیں ہوگا، یونہی سواری کی تلاش میں چند روز کی تاخیر ہوئی جس پر سامان لادکرلے جائے، یا قسم رات میں کھائی، اور رات کی وجہ سے صبح تک نکلنا ممکن نہ ہوسکا۔ یوں ہی سامان زیادہ تھا جسے وہ خود ہی اٹھاکر منتقل کرنے لگا تو اس میں تاخیر ہوئی۔ وہ سواری کرسکتا تھا مگر سواری نہیں کی۔ ان سب صورتوں میں وہ شخص حانث نہ ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے از خود سامان اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو، معمولاً جیسا اٹھاتے ہیں ویسا ہی اٹھایا، ورنہ حانث ہوگا۔"

وکذٰلك اذجلس عالم یفید ویلقی الدرس او المسائل و الناس جلوس صفوفا حتی الباب فجاء احد من الطلبة اوسائل المسائل فعاقته ھیبة المجلس عن الاقتراب بھم و جعل یستمع من بعد

ایسے ہی کوئی عالم افادہ وتعلیم یا درس مسائل کے لئے خطاب کررہا تھا اور سامعین دروازہ تک صف در صف بیٹھے ہوئے تھے کوئی طالبعلم یا سائل مسئلہ پوچھنے آیا اس کو مجلس کی ہیبت نے عالم کے قریب ہونے نہیں دیا، تو خود عالم نے اسے قریب ہونے کا حکم دیا،

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الایمان الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۷۵

فامره العالم ان یقترب او امر السلطان بعض حواشیه بالقرب فالجاهل یقول القرب مطلق والمراد به فی العرف اقصی مایکون فیرکب اکتاف الناس ویتخطی رقابهم حتی یصل الی العالم و یجلس فی حجره و یطأ فراش الملك ویطلع سریره الی ان یلزق جنبه بجنبه فیستحق التعزیر فی الدنیا والتعذیب فی الاخرة، والعیاذ باللّٰه تعالٰی، والعاقل یعرف ان لیس المراد الا القرب السائغ شرعًا وعرفًا فالسائل ینتهی عند الباب دون مجلس العالم والحاشیة یتقدم الی منتهٰی منصبه والبواب الی الباب، والوزیر الی قرب السریر ثم یقف ویعلم ان الجاهل المستند بالعرف هو الذی اخطأ العرف فان المفهوم بالقرب المطلق هو القدر السائغ دون تعدی الحد.

وبالجملة اطباق الشرع والعقل والعرف جمیعًا ان الشیئ یذکر مرسلا و لا یراد الاعلٰی ما عرف من شرطه وقیوده و ادابه ومن یقطع النظر عن کل ذٰلك مقتصرًا علی القدر الملفوظ فاسم المجنون اخف القابه قال الامام الزیلعی فی ذبائح التبیین

یا بادشاہ نے اپنے بعض حاشیہ نشینوں کو اپنے نزدیک آنے کا حکم دیا، تو جاہل تو یہی کہے گا کہ مطلقًا قریب ہونے کا حکم ہے اور عرف میں اس سے انتہائی قرب مراد ہوتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوتے اور گردنیں پھلانگتے ہوئے عالم کی گود میں جا بیٹھے گا، اور بادشاہ کے دربار میں فرش کو روندتا تخت پر چڑھ جائے گا اور بادشاہ کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ جائیگا اور بادشاہ کی تعذیر اور آخرت کی تعذیب کا مستحق ہوگا معاذ اللہ ———— اور عقلمند خوب سمجھے گا کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جس کی شرعًا اور عرفًا گنجائش ہے، تو سائل دروازہ کے پاس مجلس عالم سے پرے اور بادشاہ کا حاشیہ نشین اپنے منصب تک، دربان دروازے تک اور وزیر تخت کے قریب کھڑا ہو جائیگا اور پتا چل جائیگا کہ عرف کے ساتھ دلیل پکڑنے والے جاہل نے عرف کے سمجھنے میں غلطی کی اس لئے کہ مطلقًا قرب کا مطلب وہ مقدار ہے جہاں تک بڑھنے کی گنجائش ہو نہ کہ تمام حدود کو پھلانگنے کا نام ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ لفظ مطلقًا بولا جاتا ہے اور عقل و شرع اور عرف سب اس پر متفق ہیں کہ مراد تمام شروط و قیود و آداب کو ملحوظ رکھنے والا مقام ہوتا ہے۔ اور جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لفظ کو دیکھے گا تو ایسے آدمی کا سب سے ہلکا لقب پاگل ہوتا ہے۔ امام زیلعی تبیین الحقائق کی کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں

الشیئ اذا عرف شروطه و ذکر مطلقا ینصرف الیها کقول اللہ تعالٰی اقم الصلوٰۃ ای بشروطھا[1] اھ۔

"کہ کسی شَے کے شرائط معروف ہوں اور اسے مطلق بولا جائے تو انھیں شرائط کے ساتھ ملحوظ ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ نماز قائم کرو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو شرائط کے ساتھ قائم کرو۔"

واذا عرفت ھذا فلئن فرضنا فرضا باطلا ان الفقہاء اذا اطلقوا القرب ارادوبہ اقصٰی مایکون من القرب لم یکن فیہ الاما یسخن عین السفیہ فانہ لایراد الا اقصٰی قرب سائغ شرعا۔ وقد عرف من الشریعۃ المطہرۃ کراھۃ الاذان فی المسجد فمنتھی قرب المؤذن علٰی حدود المسجد ثم فی الحد ایضا استماع واقرب مواضعہ من المنبر ماکان علٰی محاذاتہ لانا اذا اخرجنا من المنبر خطوطًا الٰی اسفل المسجد کان الخط الذاھب علٰی استقامۃ سمتہ وتر الحادۃ وسائرھن اوتار القائمۃ فان قام المؤذن فی احد الطرفین کان بعیدا عن المنبر وان قام بحذائہ کان قریبا منہ بحیث لاقرب فوقہ فکان ھذا معنی قولھم عند المنبر وھو

جب صورت حال یہ ہے تو مان لو کہ فقہاء نے قریب المنبر کہہ کر انتہائی قرب مراد لیا، لیکن اس پر ناوانوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اس انتہائی قرب سے مراد بھی وہی قرب ہوگا جس کی شریعت میں گنجائش ہو، اور شرع مقدس کا یہ حکم شائع اور ذائع ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، ایسی صورت میں قرب کی انتہا حدودِ مسجد تک ہوگی، اور اس حد میں بھی سمت کی گنجائش ہے کہ منبر سے سب سے قریب وہ مقام ہوگا جو اس کے ٹھیک مقابل ہو اس لئے کہ جب ہم منبر سے مسجد کی نچلی طرف خطوط کھینچیں تو جو خط سیدھا اس کی طرف جائے وہ حادہ کا وتر ہوگا۔ اور بقیہ خطوط قائمہ کے وتر ہوں گے۔ تو مؤذن اگر اِدھر اُدھر کے خطوط پر کھڑا ہوگا تو منبر سے دُور ہوگا، اور سامنے کھڑا ہوگا تو اتنا قریب ہوگا کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں، تو فقہاء کے قول قریبا منہ کے یہ معنی ہوئے کہ قریب ہونے کی جو انتہائی

[1] تبیین الحقائق کتاب الذبائح دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/۴۶۵

اقصٰی ما یسوغ لہ من القرب فوضح الحق۔

وللّٰہ الحمد و صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین افضل صلٰوۃ المسلمین و اکمل سلام المسلمین والحمد للّٰہ رب العلمین۔

گنجائش نکل سکتی ہے، وہاں کھڑا ہو، تو حق ظاہر ہوگیا۔

اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے اور ہمارے سردار سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل اور جمیع اصحاب پر پڑھنے والوں کا بہترین درود و سلام ہو۔ آخری دُعا یہ ہے کہ حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

رسالہ

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

ختم ہوا

فضائل ومناقب

مسئلہ ۴

بعض اردو کتابوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا حیض ونفاس سے مبرا ومنزہ تھیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ حدیث میں آیا ہے:

ان ابنتی فاطمۃ حوراء اٰدمیۃ لم تحض ولم تطمث[1]

بیشک میری صاحبزادی بتول زہرا انسانی شکل میں حُوروں کی طرح حیض ونفاس سے پاک ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵ از بنگلور جامع مسجد سید شاہ مرسلہ قاضی عبدالغفار صاحب مورخہ ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے "قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ[2]" (میرا یہ

---

[1] کنز العمال برمز خط عن ابن عباس حدیث ۳۴۲۲۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۱۰۹

[2] بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار ذکر تعظیم الاولیاء لہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۸

قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت) فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کی تفصیل قرآن واحادیث سے منصوص نہیں ایسے ماورا متقدمین ومتاخرین سے ان کو فضیلت ہے۔ اور حضرت شیخ احمد سرہندی کے آخر مکتوبات میں ہے کہ مجدد نائب مناب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے ہیں اصل منبع فیوض حضرت غوث الثقلین ہیں[1] ۔ پس اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث الاعظم ان سب اولیاء سے افضل ہیں اور ان کے بعد خواجہ خواجگان بہاءُ الدین نقشبند قدس سرہٗ وحضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ سب کے سب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نائب ہیں تو یہ عقیدہ بخیال صوفیہ جائز ہے یا جائز نہیں؟

الجواب

عقیدہ وہ چیز ہے جس کا اعتقاد و مدارِ سنیت اور اس کا انکار بلکہ اس میں تردد گمراہی وضلالت، اس قسم کے امور اُن مسائل سے نہیں ہوتے، ہاں وہ مسلک جو ہمارے نزدیک محقق ہے اور بشہادت اولیاء و شہادت سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام بمرویات اکابر ائمہ کرام ثابت ہے یہی ہے کہ باستثناء انکے جن کی افضلیت منصوص ہے جیسے جملہ صحابہ کرام وبعض اکابر تابعین عظام کہ والذین اتبعوا باحسان[2] (اور جو بھلائی کے ساتھ اُن کے پیرو ہوئے۔ت) ہیں اور اپنے ان القاب سے ممتاز ہیں ولہذا اولیاء وصوفیہ ومشائخ ان الفاظ سے اُن کی طرف ذہن نہیں جاتا اگرچہ وہ خود سردارانِ اولیاء ہیں، وہ کہ ان الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں ہوں جیسے سائر اولیائے عشرہ کہ احیائے موتٰی فرماتے تھے خواہ حضور سے متقدم ہوں جیسے حضرت معروف کرخی وبایزید بسطامی وسید الطائفہ جنید و ابوبکر شبلی وابوسعید خراز، اگرچہ وہ خود حضور کے مشائخ ہیں اور جو حضور کے بعد ہیں جیسے حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند وحضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی وحضرت سیدنا بہاؤ الملۃ والدین نقشبند اور ان اکابر کے خلفاء ومشائخ وغیرہم قدس اللہ اسرارھم وافاض علینا برکاتھم وانوارھم (اللہ تعالٰی ان کے اسرار کو مقدس بنائے اور اُن کی برکات وانوار ہمیں عطا فرمائے۔ت) حضور سرکار غوثیت مدار بلا استثناء ان سب سے اعلٰی واکمل وافضل ہیں؛ اور حضور کے بعد جتنے اکابر ہوئے اور تازمانہ سیدنا امام مہدی ہوں گے کسی سلسلہ کے ہوں یا سلسلہ سے جدا افراد ہوں غوث، قطب، امامین، اوتادِ اربعہ، بُدلائے سبعہ، ابدال سبعین، نُقبا، نُجبا، ہر دورہ کے عظماء، کبراء سب حضور

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۳ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/۲۴۸

[2] القرآن الکریم ۹/۱۰۰

سے مستفیض اور حضور کے فیض سے کامل و مکمل ہیں ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوآں   ہر کجا مینگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھر میں ایک ہی چراغ ہے اس کی روشنی سے جہاں کہیں تو دیکھے انجمن بنائے ہُوئے ہیں۔ ت)

؎ یہ چشتی نقشبندی، سہروردی   ہر اک تیری طرف آئل ہے یاغوث[1]

ملائک کے بشر کے جن کے حلقے   تیری ضو ماہ ہر منزل ہے یاغوث
بخارا و عراق و چشت و اجمیر   تری لَو شمع ہر محفل ہے یاغوث[2]

شجر سرو سہی کس کے اُگائے تیرے   معرفت پھول سہی کس کا کھلایا تیرا
تُو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار   لائی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا
نہیں کس چاند کی منزل میں ترا جلوۂ نُور   نہیں کس آئینہ کے گھر میں اُجالا تیرا
مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر   کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصلِ بہاری سے نیاز   کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدّام   باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا[3]

یہ ضرور ہے کہ ہر شخص اپنی سرکار کی بڑائی چاہتا ہے مگر من و تو زید و عمرو کے چاہے کچھ نہیں ہوتا، چاہنا اس کا ہے جس کے ہاتھ میزان فضل ہے، غلبۂ شوق اور چیز ہے اور ثبوت دلائل اور۔ ہم جو کہتے ہیں خود نہیں کہتے بلکہ اکابر کا ارشاد ہے اجلّہ اعاظم کا جس پر اعتماد ہے، ایک تو خود حضور والا کا وہ فرمان واجب الاذعان کہ قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ[4] (میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ ت)

---

[1] حدائق بخشش   وصل سوم   مکتبہ رضویہ کراچی   ۲/۱۰
[2] ؍؍ ؍؍ وصل اول فضائل سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍   ۲/۸
[3] ؍؍ ؍؍ وصل سوم در حسن معاودت ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍   ۱/۴
[4] بہجۃ الاسرار و معدن انوار ذکر اخبار المشائخ عنہ بذلک   مصطفٰی البابی مصر   ص ۴

کہ حضور والا سے متواتر ہوا اور اکابر اولیا نے بحکمِ الٰہی اُسے قبول کیا اور قدمِ اقدس اپنی گردنوں پر لیا، نیز ارشادِ اقدس :

الانس لهم مشائخ والجن لهم مشائخ والملئكة لهم مشائخ وانا شيخ الكل لا تقيسوني باحد ولا تقيسوا علىّ احدا ۔ رواه الامام الاوحد ابوالحسن على بن يوسف بن جرير اللخمى الشطنوفى نور الملة والدين ابوالحسن قدس سرهٗ فى بهجة الاسرار قال اخبرنا ابوعلى الحسن بن نجم الدين الحورانى قال اخبرنا الشيخ العارف ابومحمد على بن ادريس اليعقوبى قال سمعت الشيخ عبدالقادر رضى الله تعالٰى عنه فذكره۔[1]

آدمیوں کیلئے شیخ ہیں جن کیلئے شیخ ہیں اور فرشتوں کیلئے شیخ ہیں اور میں اُن سب کا شیخ ہوں، مجھے کسی پر نہ قیاس کرو نہ کسی کو مجھ پر قیاس کرو (اس کو روایت کیا امام یکتا ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی نور الملۃ والدین قدس سرہٗ نے بہجۃ الاسرار میں، انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ابوعلی حسن بن نجم الدین حورانی نے، انھوں نے کہا ہمیں خبر دی شیخ عارف ابومحمد علی بن ادریس یعقوبی نے، انھوں نے کہا میں نے شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا (آگے وہی حدیث ذکر کی) ــــ ت)

حضور کے زمانہ اقدس کے دو ولی جلیل حضرت سیدی ابوالسعود بن احمد بن ابی بکر حریمی و حضرت سیدی ابوعمرو عثمٰن الصریفینی قدس اللہ سرہما فرماتے ہیں :

والله ما اظهر الله تعالٰى ولا يظهر الى الوجود مثل الشيخ محى الدين عبدالقادر رضى الله تعالٰى عنه ۔ رواه ايضًا فى بهجة الاسرار۔[2]

خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے نہ کوئی ولی ظاہر کیا نہ ظاہر کرے مثل شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے۔ (اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں روایت کیا ہے۔ ت)

سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام فرماتے ہیں :

ما اوصل الله تعالٰى وليًّا الٰى مقام الا وكان الشيخ عبدالقادر اعلاه

اللہ سبحانہٗ وتعالٰی نے جس ولی کو کسی مقام تک پہنچایا شیخ عبدالقادر اس سے اعلٰی رہے

---

[1] بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار ذکر کلمات اخبر بہا عن نفسہ محدثا بنعمۃ ربہ مصطفی البابی مصر ص ۲۲ و ۲۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ 〃 〃 〃 ص ۲۵

ولا وھب اللہ المقرب حالا الا وکان الشیخ عبدالقادر اجلہ وما اتخذ اللہ ولیا کان او یکون الا وھو متأدب معہ الی یوم القیمۃ۔ رواہ ایضا فی بھجۃ الاسرار عن الشیخ القدوۃ جمال الدین بن ابی محمد بن عبد البصری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن سیدنا الخضر علیہ الصلٰوۃ والسلام مشافۃ بلاواسطۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور جس مقرب کو کوئی حال عطا کیا شیخ عبدالقادر اُس سے بالا رہے، اللہ کے جتنے اولیا ہوئے اور جتنے ہوں گے قیامت تک سب شیخ عبدالقادر کا ادب کرتے ہیں۔ (اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں شیخ مقتدا جمال الدین بن ابو محمد بن عبدالبصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انھوں نے اس کو سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام سے بالمشافہ بلاواسطہ روایت فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

مسئلہ ۱۶۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ مبین ان مسائل میں کہ:

(۱) جناب باری عزاسمہٗ کے کتنے نام ہیں اور شہنشاہِ جہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کتنے؟

(۲) سُورہ فاتحہ وسورہ اخلاص میں صرف خدا ہی کی تعریف ہے یا رسول کی بھی؟

(۳) جو بزرگ عالمِ حیات میں اپنے معتقدوں کو تعلیم فرماتے ہیں اگر بعد وصال کے خواب میں تعلیم کرے تو اس پر یعنی خواب کی باتوں پر شرع کی رُو سے چلنا کیسا ہے؟

(۴) سُنا ہے کہ حضرت مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لال کافر کو مارا اور وہ بھاگا اور ہنوز زندہ ہے، آیا اس کی کوئی خبر حدیث سے ہے؟ اور کب تک زندہ رہے گا؟ پھر ایمان لائے گا یا نہیں؟

(۵) حنانہ لکڑی جو آپ کے فرق میں نالاں تھی قیامت کے دن اُس کا کیا حال ہوگا؟

الجواب

(۱) اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ کثرت اسما شرف مسمّی سے ناشی ہے، آٹھ سَو سے زائد

ل بہجۃ الاسرار ومعدن انوار ذکر الشیخ ابو محمد القاسم بن عبد البصری مصطفی البابی مصر ص ۱۶۳

مواہب وشرح مواہب میں ہیں[1] اور فقیر نے تقریباً چودہ ۱۴۰۰ سو پائے اور حصر ناممکن۔

(۲) سورہ فاتحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح مدح ہے الصراط المستقیم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور ان کے اصحاب ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، انعمت علیھم چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں انبیاء کے سردار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم۔ شیخ محقق نے اخبار الاخیار میں بعض اولیاء کی ایک تفسیر بتائی جس میں انھوں نے ہر آیت کو نعت کردیا ہے اس میں سورہ اخلاص بھی داخل ہے۔

(۳) اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو۔

(۴) یہ بے اصل ہے۔

(۵) وہ (استنِ حنانہ) جنت کا ایک درخت کیا جائے گا، کما فی حدیث[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی دار المعرفۃ بیروت ۳/۱۱۲ تا ۱۵۱

رسالہ

طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرّفاعی ۱۳۳۶

(سانپوں (موذیوں) کو دور کرنا اس ہادی کی بارگاہ سے جس نے امام رفاعی کو رفعت بخشی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱: از بڑودہ ملک گجرات محلہ راجپورہ متصل مانڈوی مرسلہ میاں محمد عثمان ولد عبدالقادر ۲۶ شوال ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جناب قطب الاقطاب غوث الثقلین میراں محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنے وقت میں غوث یا قطب الاقطاب نہیں تھے بلکہ سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب اور غوث الثقلین تھے اور جناب سید عبدالقادر جیلانی نے جناب سید احمد کبیر رفاعی سے مدینہ منورہ میں چند اولیائے کے ہمراہ بیعت کی ہے یہ بیعت اس وقت ہوئی کہ جب سید احمد کبیر رفاعی کے لئے مزار انور سے دست مبارک نکلا تھا اور اکثر عرب میں سید عبدالقادر جیلانی کو مرقومہ بالا صفتوں سے کوئی نہیں مانتا، ہاں سید احمد کبیر رفاعی کو مانتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ سیدنا احمد کبیر رفاعی کی ولایت اور قطبیت میں ہمیں بالکل کلام نہیں، مگر ان کی تفضیل سیدنا جناب سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ پر نہیں ہوسکتی، اور مدینہ منورہ کی بیعت کا کسی جگہ ثبوت نہیں ملتا، اور اکثر عرب سید عبدالقادر جیلانی

قدس سرہٗ کی بہت قدر و منزلت کرتے ہیں اور قطب الاقطاب وغوث الثقلین کی صفتیں حضرت پیران پیر صاحب ہی پر برتی جاتی ہیں۔

اس مضمون پر بڑودہ میں خفیہ خفیہ بحثیں ہُوا کرتی ہیں، زید کے پیر مرحوم بڑودہ کے رفاعی خاندان کے سجادہ نشین تھے چند روز ہوئے انتقال ہوگیا ہے، یہ انھیں کی تحریک وتحریص کا نتیجہ ہے۔ ہم مستفسر نیچے دستخط کرنے والے نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ سید احمد کبیر اور سید عبدالقادر میں قطب الاقطاب اور غوثِ اعظم کون ہے، اور علمائے ماسلف وحال کس کو مانتے ہیں۔

دوسرے مدینہ منورہ کی بیعت کا اور غوث پاک کی نسبت عقائد اہل عرب کا وافی وکافی ثبوت کتب معتبرہ سے تحریر فرماکر مرہونِ منت فرمائیں، آپ کے فتوے کے آنے کے بعد ان شاء اللہ اندرونی نقیض کا بہت سہولت سے فیصلہ ہوجائے گا اور یہ ابتدائی مواد بڑھ کر مرض مہلک تک نہ پہنچے گا۔

محمد عثمن ولد عبدالقادر بقلم خود، منشی سید قطب الدین، عظیم الدین بقلم خود، چھوٹے خاں، امام خاں بقلم خود، ننھے بھائی، رسول بھائی دستخط خود۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

قل ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء[1]

تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

اس آیہ کریمہ سے مسلمان کو دو ہدایتیں ہوئیں:

ایک یہ کہ مقبولان بارگاہِ احدیت میں اپنی طرف سے ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے کہ فضل تو اللہ تعالٰی کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

دوسرے یہ کہ جب دلیل مقبول سے ایک کی افضلیت ثابت ہو تو اس میں اپنے نفس کی خواہش اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبت شاگردی یا مریدی وغیرہا کو اصلاً دخل نہ دے کہ فضل ہمارے ہاتھ نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷۳

کہ اپنے آباؤ اساتذہ و مشائخ کو اوروں سے افضل ہی کریں جسے خدا نے افضل کیا وہی افضل ہے اگرچہ ہمارا ذاتی علاقہ اُس سے کچھ نہ ہو اور جسے مفضول کیا وہی مفضول ہے اگرچہ ہمارے سب علاقے اُس سے ہوں۔ یہ اسلامی شان ہے مسلمانوں کو اسی پر عمل چاہیے، اکابر خود رضائے الٰہی میں فنا تھے جسے اللہ عزوجل نے اُن سے افضل کیا، کیا وہ اس پر خوش ہوں گے کہ ہمارے متوسل ہمیں اس سے افضل بتائیں۔ حاشَ للہ! وہ سب سے پہلے اس پر ناراض اور سخت غضبناک ہونگے تو اس سے کیا فائدہ کہ اللہ عزوجل کی عطا کا بھی خلاف کیا جائے اور اپنے اکابر کو بھی ناراض کیا جائے۔ حضرت عظیم البرکۃ سیدنا سید احمد کبیر رفاعی قدسنا اللہ لسرہ الکریم بیشک اکابر اولیاء واعاظم محبوبانِ خدا سے ہیں، امام اجل اوحد سیدی ابوالحسن علی بن یوسف نور الملۃ والدین لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ھٰذا الشیخ من اعیان مشائخ العراق واجلاء العارفین وعظماء المحققین وصدار المقربین صاحب المقامات العلیۃ والجلالۃ العظیمۃ والکرامات الجلیلۃ والاحوال السنیۃ والافعال الخارقۃ والانفاس الصادقۃ صاحب الفتح المونق والکشف المشرق والقلب الانور والسر الاظھر والقدر الاکبر[1]

یعنی حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سرداران مشائخ واکابر عارفین واعاظم محققین و افسران مقربین سے ہیں جن کے مقامات بلند اور عظمت رفیع اور کرامتیں جلیل اور احوال روشن اور افعال خارق عادات اور انفاس سچے عجیب فتح اور چمکا دینے والے کشف اور نہایت نورانی دل اور ظاہر تر سر اور بزرگ تر مرتبہ والے۔

یُوں ہی دو ورق میں اس جناب رفعت قباب کے مراتب عالیہ و مناقب سامیہ و کرامات بدیعہ و فضائل رفیعہ ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ممدوح قدس سرہ الشریف کا روضۂ انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حاضر ہونا اور یہ اشعار عرض کرنا ہے:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا	تقبیل الارض عنی وھی نائبتی
وھٰذہ دولۃ الاشباح قد حضرت	فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی[2]

[1] بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۵

[2] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۶۱

(زمانۂ دُوری میں میں اپنی روح کو حاضر کرتا تھا وہ میری طرف سے زمین بوسی کرتی، اب جسم کی نوبت ہے کہ حاضر بارگاہ ہے حضور دست مبارک بڑھائیں کہ میرے لب سعادت پائیں)

اس پر حضور اقدس صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا دستِ مبارک روضۂ انور سے باہر کرنا اور حضرت احمد رفاعی کا اس کے بوسہ سے مشرف ہونا مشہور و ماثور ہے تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک للامام الجلیل السیوطی میں ہے:

لما وقف سیدی احمد الرفاعی تجاہ الحجرۃ الشریفۃ قال ؎

جب میرے سردار احمد رفاعی حجرہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہوئے تو یوں کہا: ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا
تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت
فامدد یمینك کی تحظی بہا شفتی
فخرجت الیہ الید الشریفۃ فقبلہا[1]

جب میں دُور ہوتا تو اپنی روح کو بھیجتا تھا جو میری نائب ہوکر میری طرف سے زمین بوسی کرتی تھی، یہ زیارت کا وقت ہے میں خود حاضر ہوا ہُوں اپنا دستِ اقدس بڑھائیں تاکہ میرے ہونٹ دست بوسی کی سعادت پائیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک آپ کی طرف نکلا جس کو آپ نے چوما۔ (ت)

اور بعینہٖ یہی کرامتِ جلیلہ حضور پُر نور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے بھی مذکور و مزبور ہے۔ کتاب تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر میں ہے:

ذکروا ان الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جاء مرۃ الی المدینۃ المنورۃ وقرأ بقرب الحجرۃ الشریفۃ ھٰذین البیتین (فذکرھما کما مر وقال) فظھرت یدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصافحھا ووضعھا علٰی رأسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔

یعنی راویوں نے ذکر کیا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ایک بار حاضر سرکار مدینہ منورہ ہوکر روضۂ انور کے قریب وہ دونوں شعر پڑھے اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دستِ انور ظاہر ہُوا حضرت غوث نے مصافحہ کیا اور بوسہ لیا اور اپنے سر مبارک پر رکھا۔

اور تعدد سے کوئی مانع نہیں حضور سرکار غوثیت نے پہلا حج ۵۰۹ھ (پانسو نو ہجری) میں فرمایا ہے جب عمر شریف اڑتیس ۳۸ سال تھی، حضور سیدی عدی بن مسافر رضی اللہ تعالٰی اس سفر میں ہمرکاب تھے حضرت

---

[1] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۶۱
[2] تفریح الخاطر مترجم مع اصل عربی متن المنقبۃ الثانیۃ والعشرون سنی دارالاشاعت فیصل آباد ص ۵۶ و ۵۷

سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس وقت ام عبیدہ میں خورد سال تھے حضرت کو گیارھواں سال تھا،^ع ممکن کہ اس بار حضور سرکار غوثیت نے یہ اشعار بارگاہِ عرش جاہ میں عرض کئے اور ظہور دست اقدس و بوسہ مصافحہ سے مشرف ہوئے ہوں۔ جب حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ جوان ہوئے اور حج کو حاضر ہوئے باتباع سرکار غوثیت انھوں نے بھی وہ اشعار عرض کئے اور سرکار کرم کے اس کرم سے مشرف ہوئے ہوں، بہر حال اس پر وہ فقرہ تراشیدہ کہ اس وقت حضور قطب العالمین غوث العارفین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت رفیع رفاعی کے ہاتھ پر معاذ اللہ بیعت فرمائی کذب و افترائے خالص و دروغ بیفروغ ہے اور اللہ واحد قہار جھوٹ کو دشمن رکھتا ہے نہ کہ ایسا جھوٹ جس سے زمین و آسمان ہل جائیں قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین[1] لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو، فان لم یاتوا بالشھداء فاولٰئک عند اللہ ھم الکٰذبون[2] پھر جب وہ گواہان عادل نہ لاسکے تو جو ایسا دعوٰی کریں اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں، وقد خاب من افترٰی[3] خاب وخاسر ہوا جس نے افترا باندھا ــــ حضرت رفیع رفاعی کی قطبیت سے کسے انکار ہے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد حضرت سیدی علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ قطب ہوئے اور سرکار غوثیت کی عطا سے حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے مرتبہ قطبیت پر فائز ہوئے۔ حضرت علی بن ہیتی کا وصال وصالِ اقدس سرکار غوثیت سے تین سال بعد ۵۶۴ھ میں ہے، پھر حضرت سید رفاعی قطب ہوئے

ع ابن خلکان کی روایت میں چند مہینے ہی کے تھے زیادہ سے زیادہ، یا ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

حیث قال احمد بن ابی الحسن المعروف بابن الرفاعی توفی یوم الخمیس الثانی والعشرین من جمادی الاولٰی سنۃ ثمان وسبعین وخمسمائۃ بام عبیدۃ وھو فی عشر السبعین رحمہ اللہ تعالٰی۔[4]

اس نے کہا کہ احمد بن ابو الحسن جو کہ ابن رفاعی کے نام سے مشہور ہیں، کا وصال ۲۲ جمادی الاولٰی ۵۷۸ھ بروز جمعرات ام عبیدہ کے مقام پر ہوا چنانچہ آپ ستر کی دہائی میں ہوئے رحمہ اللہ تعالٰی۔ (ت)

مگر روایت بہجۃ الاسرار شریف عنقریب آتی ہے اس پر ۵۰۹ھ میں سات آٹھ برس کے ہونگے انتہا درجہ دس سال کے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱
[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳
[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱
[4] وفیات الاعیان ترجمہ ۷۰ ابن الرفاعی دار الثقافت بیروت ۱/ ۱۷۲

اور ۵۷۰ھ میں وصال ہوا۔ بہجۃ مبارکہ میں ہے:

الشیخ علی بن الھیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ احد من تذکر عنہ القطبیۃ سکن بلدۃ من اعمال نھر الملك الٰی ان مات بھا سنۃ اربع وستین وخمسمائۃ۔[1]

جن کی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جو نہر الملک کے ایک قریہ میں سکونت پذیر رہے یہاں تک کہ اسی قریہ میں ۵۶۴ھ میں وصال فرمایا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی احد من تذکر عنہ القطبیۃ سکن بام عبیدۃ قریۃ بارض البطائح الٰی ان مات بھا فی سنۃ ثمان وسبعین وخمسمائۃ وقد ناھز الثمانین۔[2]

جن کی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی ہیں جو سرزمین بطائح کے قریہ ام عبیدہ میں ساکن تھے اور وہاں ہی ۵۷۸ھ میں آپ کا وصال ہُوا۔ آپ نے اسّی برس کے قریب عمر پائی۔ (ت)

اُسی میں ہے حضرت شیخ جاگیر مرید جلیل تاج العارفین ابوالوفا نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رفعتِ شان وبے مثلی بیان کرکے فرمایا:

منہ انتقلت القطبیۃ الٰی سیدی علی بن الھیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[3]

ان سے قطبیت میرے سردار شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منتقل ہُوئی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

اخبرنا الشیخ الشریف ابوجعفر محمد بن ابی القاسم العلوی الحسنی قال اخبرنا الشیخ العارف ابوالخیر محمد بن محفوظ قال کنت انا (وفلانٌ وفلان عد عشرۃ انفس من طالبی الاٰخرۃ وثلثۃ من اھل الدنیا) حاضرین

ہمیں شیخ شریف ابوجعفر محمد بن ابوالقاسم علوی حسنی نے بحوالہ شیخ ابوالخیر خبر دی کہ ایک روز عارف باللہ محمد بن محفوظ اور دس حضرات اور طالبانِ آخرت اور تین شخص طالبانِ وزارت وغیرہا مناصبِ دنیا حاضر بارگاہ عالم پناہ سرکار غوثیت تھے حضور نے

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر الشیخ علی بن الھیتی دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۸۹ تا ۲۹۴
[2] بہجۃ الاسرار ذکر الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفٰی البابی مصر ص ۲۲۵ تا ۲۲۷
[3] " ذکر الشیخ جاکیر رضی اللہ عنہ " " " ص ۱۶۹

عند شیخنا الشیخ محی الدین عبد القادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال لیطلب کل منکم حاجۃ اعطیھا لہ (فذکرحوائجھم منہا) قال الشیخ خلیل بن الصرصری ارید ان لا اموت حتی انال مقام القطبیۃ قال فقال الشیخ عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ "کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا" قال فواللہ لقد نالوا کلھم ماطلبوا۔[1]

ارشاد فرمایا ہر ایک اپنی حاجت عرض کرے میں اُسے عطا فرماؤں، سب نے اپنی اپنی دینی و دنیوی مرادیں عرض کیں، ان میں شیخ خلیل صرصری کی عرض یہ تھی کہ میں اپنی زندگی میں مرتبۂ قطبیت پاؤں۔ حضور نے فرمایا "ہم ان کی اور انکی سب کی مدد کرتے ہیں رب کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں"۔ عارف موصوف فرماتے ہیں خدا کی قسم جس نے جو مانگا تھا پایا۔

اُسی میں حضرت سیدی ابو عمرو عثمٰن بن یوسف و حضرت علی بن سلیمٰن خباز و حضرت ابو الغیث ابن جمیل یمنی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے کہ ان سب نے فرمایا:

قطب الشیخ خلیل الصرصری رحمہ اللہ تعالٰی قبل موتہ بسبعۃ ایام۔[2]

حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے قطب کئے گئے۔

یہ قطبیت بمعنی غوثیت ہے اور اقطاب اصحاب خدمت کو بھی کہتے ہیں جو ہر شہر و ہر لشکر میں ہیں، شک نہیں کہ ہر غوث اپنے دورہ میں ان سب اقطاب کا افسر و سرور ہے کہ وہ تمام اولیائے دورہ کا سردار ہوتا ہے تو اس معنٰی پر ہر قطب یعنی غوث قطب الاقطاب ہے بلکہ غوث کے نیچے جو عہدہ داران تمام اصحاب خدمت کا افسر ہو یا بمعنٰی قطب الاقطاب ہے مگر قطب الاقطاب بمعنی اول یعنی غوث الاغواث کہ دوروں کے غوثوں کا غوث ہو، غوثوں کو غوثیت اس کی عطا سے ملتی ہو اور غوث اپنے اپنے دورے میں اس کی نیابت سے غوثیت کرتے ہوں وہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد حضور پُر نور محی الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ والدین ابو محمد ولی الاولیاء، امام الافراد غوث الاغواث غوث الثقلین، غوث الکل، غوث اعظم سید شیخ عبد القادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں اور تا ظہور سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ مرتبۂ عظمٰی اسی سرکار غوثیت بار کے لئے رہے گا۔ حضرت رفاعی اور ان کے امثال قبل و بعد کے قطبوں کو حضور پر تفضیل دینی ہوس باطل و نقصان دینی ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اس کے بیان کو ہم چند احادیث مرفوعۃ الاسانید امام اجل اوحد

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ مختصرا مصطفی البابی مصر ص ۳۰ و ۳۱

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۳۲

سیدی نور الملۃ والدین ابوالحسن علی شطنوفی قدس سرہ الشریف کی کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار معدن الانوار سے ذکر کرتے ہیں اور اس سے پہلے اتنا واضح کردیں کہ یہ امام جلیل صرف دو واسطہ سے حضور سرکار غوثیت کے مستفیضین بارگاہ میں ہیں ان کو محدث جلیل القدر ابوبکر محمد ابن امام حافظ تقی الدین انماطی سے تلمذ ہے اُن کو امام اجل شہیر علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی سے ان کو حضور قطب الاقطاب غوث الاغواث غوث الثقلین غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، نیز ان کو امام قاضی القضاۃ محمد ابن امام ابراہیم بن عبدالواحد مقدسی سے ان کو امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن منصور نقیب السادات سے ان کو حضور سید السادات سے، نیز ان کو شیخ جنید ابومحمد حسن بن علی لخمی سے ان کو ابوالعباس احمد بن علی دمشقی سے ان کو سرکار غوثیت سے، نیز ان کو امام صفی الدین خلیل بن ابی بکر مراغی و امام عبدالواحد بن علی بن احمد قرشی سے ان دونوں کو امام اجل ابونصر موسٰی سے ان کو اپنے والد ماجد حضور سیدنا غوث اعظم سے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اور ان کے سوا اور بہت طرق سے ان امام جلیل کی سند حضور تک ثنائی یعنی صرف دو واسطہ سے ہے، ۷۱۳ھ میں ان کا وصال شریف ہے، اکابر اجلاء نے انھیں امام مانا یہاں تک کہ امام فن رجال شمس ذہبی نے باآنکہ **اوّلاً** ان کی نگاہ دربارۂ رجال کس درجہ بلند و دشوار پسند واقع ہوئی ہے۔

ثانیاً انھیں حضرات صوفیہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اور اُن کے علوم الٰہیہ سے بہت کم عقیدت بلکہ تقریباً بالکلیہ مجانبت ہے۔

ثالثاً اشاعرہ کے ساتھ اُن کا برتاؤ معلوم ہے خود اُن کے تلمیذ اجل امام تاج الدین سبکی ابن امام اجل برکۃ الانام تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی قدس سرہما نے تصریح فرمائی کہ شیخنا الذھبی اذا مر باشعری لایبقی ولا یذر[1] ہمارے استاذ ذہبی جب کسی اشعری پر گزرتے ہیں تو کچھ نہیں رکھتے کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔ اور امام اجل صاحب بہجہ اشعری ہی ہیں۔

رابعاً معاصرت دلیل منافرت ہے اور ذہبی ان امام جلیل کے زمانے میں تھے ان کی مجلس مبارک میں حاضر ہوئے ہیں بااینہمہ اُن کے مداح ہوئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کو الامام الاوحد کے لفظ سے یاد فرمایا یعنی امام یکتا، امام الشان ذہبی کے یہ دو لفظ تمام مدائح و مدارج توثیق و تعدیل و اعتماد و تعویل کو جامع ہیں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی — علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا

---

[1]

الامام الاوحد المقری نور الدین شیخ القراء بالدیار المصریة ابوالحسن اصله من الشام ومولدہ بالقاھرة سنة اربع واربعین وستمائة وتصدر للاقراء والتدریس بالجامع الازھر وقد حضرت مجلس اقرائه واستانست بسمته وسکوته[1]

صاحب تعلیم فرقانِ حمید تمام بلادِ مصر میں شیخ القراء ابوالحسن کنیت ان کی اصل شام سے اور ولادت قاہرہ میں ۶۴۴ھ چھ سو چوالیس میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں درس وتعلیم کی صدارت فرمائی میں اُن کی مجلسِ درس میں حاضر ہوا اور اُن کی روش وخاموشی سے انس پایا۔

امام جلیل عبداللہ بن اسعد یافعی قدس سرہ الشریف مرآۃ الجنان میں فرماتے ہیں:

اما کراماته رضی الله تعالٰی عنه فخارجة عن الحصر وقد ذکرت شیئا منها فی کتاب نشر المحاسن وقد اخبرنی من ادرکت من اعلام الائمة الاکابر ان کراماته تواترت وقریب من التواتر ومعلوم بالاتفاق انه لم یظهر ظهور کراماته لغیرہ من شیوخ الآفاق وها انا اقتصر فی ھذا الکتاب علی واحدة منها وھی ماروی الشیخ الامام الفقیه العالم المقری ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد الشافعی اللخمی فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه بسندہ من خمس طرق وعن جماعة من الشیوخ الجلة اعلام الھدی العارفین المقتنین للاقتداء

یعنی حضور پُرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کرامات شمار سے زیادہ ہیں اُنھیں سے کچھ ہم نے اپنی کتاب نشر المحاسن میں ذکر کیں اور جتنے مشاہیر اکابر اماموں کے وقت میں نے پائے سب نے مجھے یہی خبر دی کہ سرکار غوثیت کی کرامات متواتر یا قریب تواتر ہیں اور بالاتفاق ثابت ہے کہ تمام جہان کے اولیاء میں کسی سے ایسی کرامتیں ظاہر نہ ہوئیں جیسی حضور پُرنور سے ظہور میں آئیں اس کتاب میں اُن میں سے صرف ایک ذکر کرتا ہوں وہ جسے روایت کیا شیخ امام فقیہ العالم مقری ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد شافعی لخمی نے مناقب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ (کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف) میں اپنی پانچ سندوں سے اور عظیم اولیاء ہدایت کے نشانوں عارفین باللہ کی ایک جماعت (یعنی سیدی عمران کیمیاتی[1] وسیدی[2] عمر بزار وسیدی[3] ابوالسعود

---

[1] طبقات المقرئین

قالوا جاءت امرأۃ بولدھا الحدیث۔ مدلل وسیدی ابو العباس احمد صرصری وامام اجل سیدنا تاج الملۃ والدین ابو بکر عبدالرزاق وسیدی امام ابو عبداللہ محمد بن ابی المعالی بن قائد اوانی رضی اللہ تعالٰی عنہم (وقد خرجت عن حق فیہ للہ عزوجل ولك) سے کہ ایک بی بی اپنا بیٹا خدمت اقدس سرکار غوثیت میں چھوڑ گئیں کہ اس کا دل حضور سے گرویدہ ہے میں اللہ کے لئے اور حضور کے لئے اس پر اپنے حقوق سے درگزری حضور نے اسے قبول فرماکر مجاہدے پر لگادیا ایک روز اس کی ماں آئیں دیکھا لڑکا بھوک اور شب بیداری سے بہت زار نزار زرد رنگ ہوگیا ہے اور اسے جَو کی روٹی کھاتے دیکھا، جب بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئیں دیکھا حضور کے سامنے ایک برتن میں مرغی کی ہڈیاں رکھی ہیں جسے حضور نے تناول فرمایا ہے، عرض کی اے میرے مولی! حضور تو مرغ کھائیں اور میرا بچہ جَو کی روٹی۔ یہ سن کر حضور پر نور نے اپنا دستِ اقدس ان ہڈیوں پر رکھا اور فرمایا:

قومی باذن اللہ تعالٰی الذی یحیی العظام — جی اٹھ اللہ کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو جلائے گا۔

یہ فرمانا تھا کہ مرغی فوراً زندہ صحیح سالم کھڑی ہوکر آواز کرنے لگی، حضور اقدس نے فرمایا: جب تیرا بیٹا ایسا ہوجائے تو جو چاہے کھائے۔[1]

اور انھیں سب ائمہ عارفین نے فرمایا کہ ایک بار حضور کی مجلسِ وعظ پر ایک چیل چلاتی ہوئی گزری اس کی آواز سے حاضرین کے دل مشوش ہوئے حضور نے ہوا کو حکم دیا، اس چیل کا سر لے۔ فوراً چیل ایک طرف گری اور اس کا سر دوسری طرف۔ پھر حضور نے کرسیِ وعظ سے اتر کر اس چیل کو اٹھا کر اس پر دستِ اقدس پھیرا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا فوراً وہ چیل زندہ ہوکر سب کے سامنے اڑتی چلی گئی۔[2]

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی آں کنی — مُردہ را جانے دہی و زندہ را بے جاں کنی

(اے قادر! تُو قدرت رکھتا ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، مردہ کو تو جان دیتا ہے اور زندہ کو بے جان کرتا ہے۔ ت)

امام محدث شیخ القراء شمس الملۃ والدین ابو الخیر محمد محمد محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی کتاب نہایۃ الدرایات

---

[1] مرآۃ الجنان سنۃ احدی وستین وخمس مائۃ ذکر نسبہ ومولدہ الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۶۶ تا ۲۶۹

[2] بہجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ مختصراً مصطفی البابی مصر ص ۶۵

فی اسماء رجال القراءات میں فرماتے ہیں،

علی بن یوسف بن جریر بن فضل بن معضاد نورالدین ابوالحسن اللخمی الشطنوفی الشافعی الاستاذ المحقق البارع شیخ الدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء بالجامع الازھر وتکاثر علیہ الناس لاجل الفوائد والتحقیق وبلغنی انہ عمل علی الشاطبیۃ شرحًا فلو کان ظھر لکان من اجود شروحھا ولہ تعالیق مفیدۃ، قال الذھبی وکان ذا عزام بالشیخ عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ جمع اخبارہ ومناقبہ فی ثلاث مجلدات، قلت وھذا الکتاب موجود بالقاھرۃ بوقف الخانقاہ الصلاحیۃ واخبرنی بہ و اجازنی شیخنا الحافظ محی الدین عبدالقادر الحنفی وغیرہ توفی یوم السبت اوان الظھر ودفن یوم الاحد العشرین من ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشرۃ وسبعمائۃ رحمہ اللہ تعالٰی۔[1]

یعنی علی بن یوسف بن جریر بن فضل بن معضاد نورالدین ابوالحسن لخمی شطنوفی شافعی استاذ محقق بارع یعنی ایسے جلیل فضائل والے کہ انھیں دیکھ کر آدمی حیرت میں رہ جائے۔ تمام بلادِ مصریہ کے شیخ ۶۴۴ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں مسند درس پر جلوس فرمایا اور اُن کے فوائد و تحقیق کے باعث لوگوں کا اُن پر ہجوم ہوا اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ شاطبیہ مبارکہ پر اُن کی شرح ہے اگر یہ شرح ملتی تو اُس کی سب شرحوں سے بہترین شروح میں ہوتی۔ انکے حواشی فائدہ بخش ہیں۔ ذہبی نے کہا اُن کو سرکار غوثیت سے عشق تھا۔ حضور کے حالات و کمالات تین مجلد میں جمع کئے ہیں۔ میں شمس جزری کہتا ہوں کہ یہ کتاب قاہرہ میں خانقاہ حضرت صلاح الدین انار اللہ برہانہٗ کے وقف میں موجود ہے۔ ہمارے استاذ حافظ الحدیث محی الدین عبدالقادر حنفی وغیرہ استاذوں نے ہمیں اس کتاب کی روایات کی خبر و مضامین کی اجازت دی۔ حضرت مصنفِ کتاب ممدوح کا روزِ شنبہ وقتِ ظہر وصال ہوا اور روزِ یکشنبہ بستم ذی الحجہ ۷۱۳ھ کو دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

امام عمر بن عبدالوہاب عرضی حلبی نے اپنے نسخہ میں کتاب مبارک بہجۃ الاسرار شریف پر لکھا،

قد تتبعتھا فلم اجد فیھا نقلا الاولہ

یعنی بیشک میں نے اس کتاب بہجۃ الاسرار شریف کو

---

[1] نہایۃ الدرایات فی اسماء رجال القراءات

فیہ متابعون وغالب ما اوردہ فیھا نقلہ الیافعی فی اسنی المفاخر و فی نشر المحاسن و روض الریاحین وشمس الدین الزکی الحلبی ایضا فی کتاب الاشراف واعظم شیئ نقل عنہ انہ احیی الموتی کاحیائہ الدجاجۃ ولعمری ان ھذہ القصۃ نقلھا تاج الدین السبکی و نقل ایضا عن ابن الرفاعی وغیرہ وانّی لغبی جاھل حاسد ضیع عمرہ فی فھم ما فی السطور وقنع بذٰلک عن تزکیۃ النفس واقبالھا علی اللہ سبحٰنہ وتعالٰی وان یفھم ما یعطی اللہ سبحٰنہ و تعالٰی اولیاءہ من التصریف فی الدنیا و الاٰخرۃ ولھذا قال الجنید التصدیق بطریقتنا ولایۃ۔[1]

اوّل تا آخر جانچا تو اس میں کوئی روایت ایسی نہ پائی جسے اور متعدد اصحاب نے روایت نہ کیا ہو اور اسکی اکثر روایتیں امام یافعی نے اسنی المفاخر و نشر المحاسن و روض الریاحین میں نقل کیں۔ یوں ہی شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں۔ اور سب سے بڑی چیز جو بہجہ شریفہ میں نقل کی حضور کا مُردے جلانا ہے جیسے وہ مرغ زندہ فرما دیا، اور مجھے اپنی جان کی قسم یہ روایت امام تاج الدین سبکی نے بھی نقل کی، اور یہ کرامت ابن الرفاعی وغیرہ اولیاء سے بھی منقول ہوئی، اور کہاں یہ منصب کسی غبی جاہل حاسد کو جس نے اپنی عمر تحریر سطور کے سمجھنے میں کھوئی اور تزکیہ نفس و توجہ الی اللہ چھوڑ کر اسی پر بس کی کہ اُسے سمجھ سکے جو کچھ تصرفوں کی قدرت اللہ عزّوجل اپنے محبوبوں کو دُنیا و آخرت میں عطا فرماتا ہے، اسی لئے سیّدنا جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہمارے طریقے کا سچ ماننا بھی ولایت ہے۔

اقول بحمد اللہ تعالٰی یہ تصدیق ہے امام مصنّف قدس سرہ کے اُس ارشاد کی کہ خطبۂ بہجہ کریمہ میں فرمایا کہ:

لخصتہ کتابا مفردا مرفوع الاسانید معتمدا فیھا علی الصحۃ دون

یعنی میں نے اُسے کتاب یکتا کرکے مہذب و منقح فرمایا اور اس کی سندیں منتہٰی تک پہنچائیں جن میں خاص اس صحت پر اعتماد کیا کہ شذوذ

عہ یرید تکملتہ ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] حاشیۃ امام عمر بن عبدالوہاب علی بہجۃ الاسرار

الشذوذ[1] سے منزہ ہو یعنی خالص صحیح و مشہور روایات لیں جن میں نہ ضعیف ہے نہ غریب شاذ۔ والحمد للہ رب العالمین۔

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد نور الدین ابو الحسن شیخ القراء بالدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع اربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء بالجامع الازھر وتکاثر علیہ الطلبۃ مات فی ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشر وسبعمائۃ[2]

علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا نور الدین ابو الحسن دیار مصر میں شیخ القراء قاہرہ میں ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے، اور جامع ازہر میں مسندِ تدریس پر جلوس فرمایا طلبہ کا اُن پر ہجوم ہوا، ذی الحجہ ۷۱۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ زبدۃ الآثار میں فرماتے ہیں:

بہجۃ الاسرار من تصنیف الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری الاوحد البارع نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمی وبینہ وبین الشیخ واسطتان[3]

بہجۃ الاسرار تصنیف شیخ امام اجل فقیہ عالم مقری یکتا بارع نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف شافعی لخمی اُن میں اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں دو واسطے ہیں۔

نیز اپنے رسالہ صلاۃ الاسرار میں فرماتے ہیں:

کتاب عزیز بہجۃ الاسرار و معدن الانوار معتبر و مقرر ومشہور و مذکور ست ومصنف آں کتاب از مشاہیر مشائخ وعلمائست میان وے وحضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ دو واسطہ است ومقدم است بر امام عبد اللہ یافعی

کتاب عزیز "بہجۃ الاسرار و معدن الانوار" قابلِ اعتبار، پختہ اور مشہور و معروف ہے۔ اس کتاب کے مصنف علیہ الرحمہ مشہور علماء و مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کے اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں، آپ امام عبد اللہ

---

[1] بہجۃ الاسرار خطبۃ الکتاب مصطفٰی البابی مصر ص ۲

[2] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرۃ

[3] زبدۃ الآثار مقدمۃ الکتاب بکسنگ کمپنی واقع جزیرہ ص ۵

رحمۃ اللہ علیہ کہ ایشاں نیز از منتسبان سلسلہ و محبان جناب غوث الاعظم اند[1]

یافعی علیہ الرحمہ پر مقدم ہیں۔ امام یافعی علیہ الرحمہ بھی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سلسلہ عالیہ سے نسبت رکھنے والوں اور آپ سے محبت رکھنے والوں میں سے ہیں (ت)

اُسی میں ہے:

ایں فقیر در مکہ معظمہ بود در خدمت شیخ اجل اکرم اعدل شیخ عبدالوہاب متقی کہ مرید امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہما بودند فرمودند بہجۃ الاسرار کتاب معتبرست، ما نزدیک ایں زمان مقابلہ کردہ ایم و عادت شریف چناں بود کہ اگر کتابے مفید و نافع باشد مقابلہ می کردند و تصحیح می نمودند دریں وقت کہ فقیر رسید بمقابلہ بہجۃ الاسرار مشغول بودند[2]

یہ فقیر مکہ مکرمہ میں انتہائی جلالت، کرم اور عدل کے مالک شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت اقدس میں حاضر تھا جو امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہٗ کے مرید ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بہجۃ الاسرار" ہمارے نزدیک معتبر کتاب ہے جس کا ہم نے حال ہی میں مقابلہ کیا ہے۔ آپ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ اگر کوئی کتاب فائدہ مند اور نفع بخش ہوتی تو اسکا مقابلہ کرتے اور تصحیح فرماتے تھے، جس وقت یہ فقیر وہاں پہنچا تو آپ بہجۃ الاسرار کے مقابلہ میں مصروف تھے۔ (ت)

الحمدللہ ان عباراتِ ائمہ واکابر سے واضح ہوا کہ امام ابوالحسن علی نورالدین مصنف کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار امامِ اجل امامِ یکتا محقق بارع فقیہ شیخ القراء منجملہ مشاہیر مشائخ وعلما ہیں، اور یہ کتاب مستطاب معتبر ومعتمد کہ اکابر ائمہ نے اس سے استناد کیا اور کتبِ حدیث کی طرح اس کی اجازتیں دیں۔ کتبِ مناقب سرکارِ غوثیت میں باعتبارِ علوِ اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتبِ حدیث میں موطائے امام مالک کا۔ اور کتبِ مناقبِ اولیاء میں باعتبارِ صحتِ اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتبِ حدیث میں صحیح بخاری کا بلکہ صحاح میں بعض شاذ بھی ہوتی ہیں اور اس میں کوئی حدیث شاذ بھی نہیں، امام بخاری نے صرف صحت کا التزام کیا اور اس امام جلیل نے صحت و عدمِ شذوذ دونوں کا، اور بشہادت علامہ عمر حلبی وہ التزام تام ہوا کہ اس کی ہر حدیث

---

[1] رسالہ صلوٰۃ الاسرار

[2] " " "

کے لئے متعدد متابع موجود ہیں والحمدللہ رب العالمین ایسے امام اجل اوحد نے ایسی کتاب جلیل معتمد میں جو احادیث صحیحہ اس باب میں روایت فرمائی ہیں یہاں عدد مبارک قادریت سے تبرک کے لئے ان سے گیارہ حدیثیں ذکر کرکے باذنہٖ تعالٰی برکاتِ دارین لیں وباللہ التوفیق۔

حدیث اوّل : قال رضی اللہ تعالٰی عنہ اخبرنا ابومحمد سالم بن علی الدمیاطی قال اخبرنا الاشیاخ الصلحاء قدوۃ العراق الشیخ ابوطاھر بن احمد الصرصری والشیخ ابوالحسن الخفاف البغدادی والشیخ ابوحفص عمر البریدی والشیخ ابوالقاسم عمر الدردانی والشیخ ابوالولید زید بن سعید والشیخ ابوعمرو عثمٰن بن سلیمٰن قالوا اخبرنا (الشیخان) ابوالفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی ابنا اخت الشیخ القدوۃ احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ قالا کنا عند شیخنا الشیخ احمد بن الرفاعی بزاویتہ بام عبیدۃ فمد عنقہ وقال علٰی رقبتی فسألناہ عن ذٰلک فقال قد قال الشیخ عبدالقادر الاٰن ببغداد قدمی ھذہ علٰی رقبۃ کل ولی للہ[1]۔

مصنف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ ہم سے ابومحمد سالم بن علی دمیاطی نے حدیث بیان کی کہا ہم کو مشائخ کرام پیشوایانِ عراق حضرت ابوطاہر صرصری وابوالحسن خفاف وابوحفص بریدی وابوالقاسم عمر و ابوالولید زید و ابوعمرو عثمان بن سلیمان نے خبر دی ان سب نے فرمایا کہ ہم کو حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دونوں بھانجوں حضرت ابوالفرج عبدالرحیم و ابوالحسن علی نے خبر دی کہ ہم اپنے شیخ حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس اُن کی خانقاہ مبارک میں کہ ام عبیدہ میں ہے حاضر تھے حضرت رفاعی نے اپنی گردن مبارک بڑھائی اور فرمایا : علٰی رقبتی میری گردن پر۔ ہم نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا : اسی وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر۔

حدیث دوم : (قال قدس سرہ) اخبرنا الشریف الجلیل ابوعبداللہ محمد بن الخضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد الحسینی الموصلی قال، اخبرنا ابوالفرج عبدالمحسن ویسمّی حسنا بن محمد بن احمد بن

مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے شریف جلیل ابوعبداللہ محمد بن خضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد حسینی موصلی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ ابوالفرج عبدالمحسن حسن بن محمد بن احمد بن دویرہ مقری حنبلی نے خبر دی کہ شیخ ابوبکر عتیق بن ابوالفضل محمد بن عثمٰن بن

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر من حنا رأسہ من المشائخ عند ماقال ذٰلک الشیخ الخ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۲

الدویرۃ المقری الحنبلی البصری قال: قال الشیخ ابوبکر عتیق بن ابی الفضل محمد بن عثمٰن بن ابی الفضل البند لجی الاصل البغدادی المولد والدار والازجی المعروف بمعتوق زرت الشیخ سیدی احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ عنہ بام عبیدۃ فسمعت اکابر اصحابہ وقدماء مریدیہ یقولون: کان الشیخ یوماً جالساً فی ھذا الموضع، فحنا رأسہ وقال: علی رقبتی، فسألوہ عن ذٰلک فقال: قد قال الشیخ عبد القادر الاٰن ببغداد: قدمی ھذہ علٰی رقبۃ کل ولی للہ، فارخنا ذٰلک الوقت فکان کما قال فی ذٰلک الوقت بعینہ۔[1]

ابوالفضل بندلجی الاصل بغدادی المولد ازجی المعروف بمعتوق نے کہا کہ میں نے شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی رضی اللہ عنہ کی ام عبیدہ میں زیارت کی تو میں نے آپ کے اکابر اصحاب اور قدیم مریدوں کو کہتے ہوئے سُنا کہ آج شیخ اس جگہ (برآمدے کی طرف انھوں نے اشارہ کیا) تشریف فرما تھے کہ اپنا سر جھکا دیا اور فرمایا کہ میری گردن پر۔ جب آپ سے لوگوں نے اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ابھی ابھی بغداد میں شیخ سید عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے، میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ ہم نے اس تاریخ کو محفوظ رکھا تو جیسا آپ نے کہا بعینہٖ وہ اسی وقت میں رونما ہوا تھا۔ (ت)

حدیث سوم: اخبرنا الشیخ الصالح ابوحفص عمر بن ابی المعالی نصر بن محمد بن احمد القرشی الہاشمی الطفسونجی المولد والدار الشافعی قال: اخبرنا الشیخ الاصیل الصالح ابوعبداللہ محمد بن ابی الشیخ الصالح ابی حفص عمر بن الشیخ القدوۃ ابی محمد عبدالرحمٰن الطفسونجی قال: اخبرنا ابوعمر قال: حنا ابی یوماً عنقہ بین اصحابہ بطفسونج وقال: علی رأسی، فسألناہ فقال: قد قال الشیخ عبدالقادر الاٰن

ہمیں شیخ صالح ابوحفص عمر بن ابوالمعالی نصر بن محمد بن احمد قرشی ہاشمی طفسونجی شافعی نے خبر دی کہ ہم سے شیخ اصیل صالح ابوعبداللہ محمد بن ابوالشیخ صالح ابوحفص عمر بن شیخ القدوہ ابومحمد عبدالرحمٰن طفسونجی نے حدیث بیان کی کہ ہم سے ابوعمر نے حدیث بیان کی کہ ایک دن طفسونج میں میرے والد نے اپنے مریدوں کے درمیان گردن جھکائی اور کہا کہ میرے سر پر۔ ہمارے پوچھنے پر فرمایا کہ ابھی شیخ سید عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر من حنا رأسہ من المشائخ عندما قال ذٰلک الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳

ببغداد: قدمی ھذہ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ، فأرخناہ عندنا، ثم جاء الخبر من بغداد انہ قال ذٰلک فی الیوم الذی أرخناہ [1]

پر ہے۔ ہم نے اپنے پاس تاریخ نوٹ کرلی پھر بغداد سے خبر موصول ہوئی کہ شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے بالکل اسی دن یہ اعلان فرمایا تھا جو تاریخ ہم نے نوٹ کر رکھی تھی۔ (ت)

حدیث چہارم: اخبرنا الفقیہ ابوعلی اسحٰق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح الھمدانی الصوفی الشافعی المحدث قال، اخبرنا الشیخ الجلیل الاصل ابومحمد عبداللطیف ابن الشیخ ابی النجیب عبدالقاھر بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ السھروردی ثم البغدادی الفقیہ الشافعی الصوفی قال، حضر ابی ابوالنجیب ببغداد بمجلس الشیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہما، فقال الشیخ عبدالقادر قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، فطأطأ ابی رأسہ حتی کادت تبلغ الارض، وقال علٰی رأسی علٰی رأسی علٰی رأسی یقولھا ثلاثا [2]

ہم سے فقیہ ابوعلی اسحاق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح ہمدانی صوفی شافعی محدث نے حدیث بیان کی کہ ہم سے شیخ جلیل الاصل ابومحمد عبداللطیف بن شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ سہروردی ثم بغدادی فقیہ شافعی صوفی نے حدیث بیان کی کہ میرے والد ماجد ابوالنجیب بغداد میں شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مجلس میں حاضر تھے شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس مجلس میں فرمایا، میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ تو میرے والد نے اس حد تک سر جھکایا کہ وہ زمین کے قریب جا پہنچا اور تین بار کہا میرے سر پر، میرے سر پر، میرے سر پر۔ (ت)

ع نوٹ: اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ یہاں ہم بہجۃ الاسرار سے گیارہ حدیثیں ذکر کرینگے مگر حدیث دوم، سوم اور چہارم تین حدیثیں اصل (فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ۱۲) میں موجود نہیں ہیں بلکہ ان کی جگہ بیاض چھوڑا ہوا ہے۔ حدیث دوم کی سند کا ابتدائی حصہ اصل میں مذکور ہونے کی وجہ سے اس کی نشان دہی ہوگئی مگر حدیث سوم و چہارم کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کون سی تھیں، تاہم احادیث مذکورہ کے مضمون کو دیکھتے ہوئے حدیث دوم کے متصل بعد والی دو حدیثیں ہم نے بہجۃ الاسرار سے نقل کردی ہیں جن کا مضمون کافی حد تک احادیث مذکورہ سے یگانگت رکھتا ہے۔ اس طرح گیارہ احادیث پوری ہوگئیں۔ واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال۔ (مترجم)

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر من حنا رأسہ من المشائخ عندما قال ذالک الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۱۳ و ۱۴

حدیث پنجم: اخبرنا الفقیہ الجلیل ابو غالب رزق اللہ ابن ابی عبد اللہ محمد بن یوسف الرقی قال اخبرنا الشیخ الصالح ابو اسحٰق ابراھیم الرقی قال اخبرنا منصور قال اخبرنا القدوۃ الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن ماجد الرقی ح واخبرنا عالیا ابو الفتوح نصر اللہ بن یوسف بن خلیل البغدادی المحدث قال اخبرنا الشیخ ابو العباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزۃ الازجی قال اخبرنا الشیخان ابو المظفر منصور بن المبارک والامام ابو محمد عبد اللہ بن ابی الحسن الاصبھانی قالوا سمعنا السید الشریف الشیخ القدوۃ ابا سعید القیلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لما قال الشیخ عبد القادر قدمی ھذہ علٰی رقبۃ کل ولی للہ تجلی الحق عزوجل علٰی قلبہ وجاءتہ خلعۃ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی ید طائفۃ من الملٰئکۃ المقربین والبسھا بمحضر من جمیع الاولیاء من تقدم منھم وما تاخر الاحیاء باجسادھم والاموات بارواحھم وکانت الملٰئکۃ ورجال الغیب حافین بمجلسہ واقفین فی الھواء صفوفا حتی استد الافق بھم ولم یبق ولی فی الارض الاحنا عنقہ[1]۔

مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے فقیہ جلیل القدر رزق اللہ بن ابو عبد اللہ محمد بن یوسف رقی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ صالح ابو اسحٰق ابراہیم رقی نے خبر دی کہ ہم کو منصور نے خبر دی کہ ہم کو شیخ امام ابو عبد اللہ محمد بن ماجد رقی نے خبر دی۔ نیز ہمیں سند عالی سے ابو الفتح نصر اللہ بن یوسف بن خلیل بغدادی محدث نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابو العباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزہ ازجی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابو المظفر منصور بن مبارک وامام ابو محمد عبد اللہ بن ابی الحسن اصبہانی نے خبر دی ان سب حضرات نے فرمایا کہ ہم نے سید شریف شیخ امام ابو سعید قیلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا کہ جب حضرت شیخ عبد القادر نے فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اُس وقت اللہ عزوجل نے اُن کے قلب مبارک پر تجلی فرمائی اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک گروہ ملائکہ مقربین کے ہاتھ اُن کے لئے خلعت بھیجی اور تمام اولیائے اوّلین وآخرین کا مجمع ہوا جو زندہ تھے وہ بدن کے ساتھ حاضر ہوئے اور جو انتقال فرماگئے تھے اُن کی ارواح طیبہ آئیں، ان سب کے سامنے وہ خلعت حضرت غوثیت کو پہنایا گیا، ملائکہ اور رجال الغیب کا اُس وقت ہجوم تھا ہوا میں پرے باندھے کھڑے تھے، تمام اُفق اُن سے بھر گیا تھا اور روئے زمین پر کوئی ولی ایسا نہ تھا جس نے گردن نہ جھکادی ہو۔ (ت) والحمد للہ رب العالمین ۵

[1] بہجۃ الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن ہذہ الحال حین قال ذٰلک مصطفی البابی مصر ص ۸ و ۹

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اُونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا[1]

تاجِ فرقِ عُرفا کس کے قدم کو کہئے
سر جسے باج دیں وہ پاؤں ہے کس کا تیرا

گردنیں جھک گئیں سر بچھ گئے دل ٹوٹ گئے
کشفِ ساق آج کہاں یہ تو قدم تھا تیرا[2]

حدیث ششم: (قال اعلی اللہ تعالٰی مقامات) اخبرنا ابو محمد الحسن بن احمد بن محمد و خلف بن احمد بن محمد الحریمی قال اخبرنا جدی محمد بن دنف قال اخبرنا الشیخ ابوالقاسم بن ابی بکر بن احمد قال سمعت الشیخ خلیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وکان کثیرا الرؤیا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلت لہ یا رسول اللہ لقد قال الشیخ عبد القادر قدمی ھذہ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ، فقال صدق الشیخ عبد القادر وکیف لا وھو القطب وانا ارعاہ[3]

مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی اس کے مرتبے بلند فرمائے) کہ ہم کو ابو محمد حسن بن احمد بن محمد اور خلف بن احمد بن محمد حریمی نے خبر دی کہ ہم کو میرے جد محمد بن دنف نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابوالقاسم بن ابی بکر احمد نے خبر دی کہ میں نے شیخ خلیفہ اکبر ملکی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیدارِ مبارک سے بکثرت مشرف ہُوا کرتے تھے فرمایا خدا کی قسم بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا عرض کی یا رسول اللہ! شیخ عبد القادر نے فرمایا کہ میرا پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "عبد القادر نے سچ کہا اور کیوں نہ ہو کہ وہی قطب ہیں اور میں اُن کا نگہبان۔"

کلبِ بابِ عالی عرض کرتا ہے الحمدُ للہ! اللہ نے ہمارے آقا کو اس کہنے کا حکم دیا، کہتے وقت ان کے قلبِ مبارک پر تجلی فرمائی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خلعت بھیجا، تمام اولیاء اوّلین و آخرین جمع کئے گئے، سب کے مواجہہ میں پہنایا گیا۔ ملائکہ کا جمگھٹ ہوا، رجال الغیب نے سلامی دی۔ تمام جہان کے اولیاء نے گردنیں جھکا دیں۔ اب جو چاہے راضی ہو جو چاہے ناراض۔ جو راضی ہو اس کے لئے رضا، جو ناراض ہو اس کیلئے ناراضی۔ جس کا جی چلے اس سے کہو موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات

[1] حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۲۴
[2] حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۳۰
[3] بہجۃ الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن ہیئۃ الحال حین قال ذلک مصطفی البابی مصر ص ۱۰

الصدور[1] ○ مرجاؤ اپنی جلن میں بے شک اللہ دلوں کی جانتا ہے ۔ وللہ الحجۃ البالغہ۔

حدیث ہفتم: (قال بیض اللہ تعالیٰ وجہہ) اخبرنا الحسن بن نجیم الحورانی قال اخبرنا الشیخ العارف علی بن ادریس الیعقوبی قال سمعت الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول الانس لھم مشائخ والملئکۃ لھم مشائخ وانا شیخ الکل قال وسمعتہ فی مرض موتہ یقول لِاَولادہٖ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد مابین السماء والارض لا تقیسونی باحد ولا تقیسوا علیّ اَحَدًا[2]

مصنف نے کہا (اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو روشن کرے) کہ ہم سے حسن بن نجیم حورانی نے حدیث بیان کی، کہا ہم کو ولی جلیل حضرت علی بن ادریس یعقوبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی، کہا میں نے حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنا کہ فرماتے تھے: آدمیوں کے لئے پیر ہیں، قوم جن کے لئے پیر ہیں، فرشتوں کے لئے پیر ہیں، اور میں سب کا پیر ہوں۔ اور میں نے حضور کو اس مرض مبارک میں جس میں وصالِ اقدس ہوا سنا کہ اپنے شاہزادگان کرام سے فرماتے تھے: مجھ میں اور تم میں اور تمام مخلوقاتِ زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان و زمین میں۔ مجھے کسی کو نسبت نہ دو اور مجھے کسی پر قیاس کرو۔

صدقت یاسیدنا وانت واللہ الصادق المصدوق۔

اے ہمارے آقا! آپ نے سچ کہا، خدا کی قسم! آپ صادق مصدوق ہیں (ت)

حدیث ہشتم: (قال طیب اللہ تعالیٰ ثراہ) اخبرنا ابوالمعالی صالح بن احمد المالکی قال اخبرنا الشیخ ابوالحسن البغدادی المعروف بالخفاف والشیخ ابومحمد عبداللطیف البغدادی المعروف بالمطرز قال ابوالحسن اخبرنا شیخنا الشیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر الحریمی سنۃ ثمانین وخمسمائۃ وقال ابومحمد

مصنف (اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو خوشبودار بنائے) نے کہا کہ ہم کو ابوالمعالی صالح بن احمد مالکی نے خبر دی کہ ہم کو دو مشائخ کرام نے خبر دی، ایک شیخ ابوالحسن بغدادی معروف بہ خفاف، دوسرے شیخ ابومحمد عبداللطیف بغدادی معروف بہ مطرز۔ اول نے کہا ہمارے پیرومرشد حضرت شیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر حریمی قدس سرہٗ نے ہمارے سامنے ۵۸۰ھ میں فرمایا، اور دوم نے کہا ہم کو ہمارے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۹

[2] بہجۃ الاسرار ذکر کلمات اخبر بہا عن نفسہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۲ و ۲۳

اخبرنا شیخنا عبد الغنی بن نقطة قال اخبرنا شیخنا ابو عمرو عثمٰن الصریفینی قالا واللہ ما اظهر اللہ تعالٰی ولا یظهر الی الوجود مثل الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]

مرشد حضرت عبد الغنی بن نقطہ نے خبر دی کہ اُن کے سامنے ان کے مرشد حضرت شیخ ابو عمرو عثمان صریفینی قدس سرہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ عزوجل نے اولیاء میں حضرت شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مثل نہ پیدا کیا نہ کبھی پیدا کرے۔

بقسم کہتے ہیں شاہانِ صریفین و حریم
کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا[2]

حدیث نہم: (قال رفع اللہ تعالٰی کتابہ فی علیین) اخبرنا الشیخ ابو المحاسن یوسف بن احمد البصری قال سمعت الشیخ العالم اباطالب عبد الرحمٰن بن محمد الهاشمی الواسطی قال سمعت الشیخ القدوۃ جمال الدین ابا محمد بن عبد البصری بها یقول وقد سئل عن الخضر علیہ الصلٰوۃ والسلام أحی هو ام میت قال اجتمعت بابی العباس الخضر علیہ الصلٰوۃ والسلام وقلت اخبرنی عن حال الشیخ عبد القادر قال هو فرد الاحباب وقطب الاولیاء فی هذا الوقت وما ولی اللہ تعالٰی ولیا الی مقام الا وکان الشیخ عبد القادر اعلاہ ولا سقی اللہ حبیبا کاسا من حبہ الا وکان للشیخ عبد القادر

مصنف (اللہ تعالٰی اس کے نامۂ اعمال کو علیین میں بلند کرے) نے کہا کہ ہم کو شیخ ابو المحاسن یوسف بن احمد بصری نے خبر دی کہ میں نے شیخ ابو طالب عبد الرحمٰن بن محمد ہاشمی واسطی سے سُنا کہتے تھے میں نے شیخ امام جمال الملۃ والدین حضرت ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بصرہ میں سنا، اُن سے سوال ہوا تھا کہ حضرت خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام زندہ ہیں یا انتقال ہوا؟ فرمایا: میں حضرت خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ملا اور عرض کی، مجھے حضرت شیخ عبد القادر کے حال سے خبر دیجئے۔ حضرت خضر نے فرمایا: وہ آج تمام محبوبوں میں یکتا اور تمام اولیائے کے قطب ہیں اللہ تعالٰی نے کسی ولی کو کسی مقام تک نہ پہنچایا جس سے اعلٰی مقام شیخ عبد القادر کو نہ دیا ہو نہ کسی حبیب کو اپنا جام محبت پلایا جس سے خوشگوار تر شیخ عبد القادر

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ مختصراً مصطفی البابی مصر ص ۲۵
[2] حدائق بخشش فصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶

اھناہ، ولا وھب اللہ لمقرب حالا الاوکان الشیخ عبد القادر اجلہ، وقد اودعہ اللہ تعالٰی سرا من اسرارہ سبق بہ جمھور الاولیاء وما اتخذ اللہ ولیا کان او یکون الاوھو متأدب معہ الی یوم القیٰمۃ[1]

لے نہ پایا ہو، نہ کسی مقرب کو کوئی حال بخشا کہ شیخ عبدالقادر اس سے بزرگ تر نہ ہوں۔ اللہ نے ان میں اپنا وہ راز ودیعت رکھا ہے جس سے وہ جمہور اولیاء پر سبقت لے گئے، اللہ نے جتنوں کو ولایت دی اور جتنوں کو قیامت تک دے سب شیخ عبدالقادر کے حضور ادب کئے ہوئے ہیں۔

؎ جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا[2]

حدیث دہم: قال رفع اللہ تعالٰی درجاتہ فی الفردوس اخبرنا الشریف ابوعبد اللہ محمد بن الخضر الحسینی الموصلی قال سمعت ابی یقول کنت یوما جالسا بین یدی سیدی الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ فخطر فی قلبی زیارۃ الشیخ احمد رفاعی رضی اللہ عنہ فقال لی الشیخ احمد؟ قلت نعم فاطرق یسیرا، ثم قال لی یا خضرھا الشیخ احمد فاذا انا بجانبہ فرأیت شیخا مھابا فقمت الیہ وسلمت علیہ، فقال لی یا خضر و من یری مثل الشیخ عبد القادر سید الاولیاء یتمنی رؤیۃ مثلی وھل انا الامن رعیتہ ثم غاب وبعد وفاۃ الشیخ انحدرت

مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی جنت فردوس میں اسکے درجے بلند فرمائے) کہ ہم کو سید حسینی ابوعبداللہ محمد بن خضر موصلی نے خبر دی کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سُنا کہ ایک روز میں حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور حاضر تھا میرے دل میں خطرہ آیا کہ شیخ احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زیارت کروں، حضور نے فرمایا، کیا شیخ احمد کو دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی، ہاں۔ حضور نے تھوڑی دیر سر مبارک جھکایا پھر مجھ سے فرمایا: اے خضر! لو یہ ہیں شیخ احمد۔ اب جو میں دیکھوں تو اپنے آپ کو حضرت احمد رفاعی کے پہلو میں پایا اور میں نے اُن کو دیکھا کہ رُعب دار شخص ہیں میں کھڑا ہوا اور اُنھیں سلام کیا۔ اس پر حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا: اے خضر! وہ جو شیخ عبدالقادر

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر الشیخ ابومحمد القاسم بن عبدالبصری مصطفٰی البابی مصر ص ۱۴۲

[2] حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶

من بغداد الی ام عبیدة لازوره فلما قدمت علیه اذا ھو الشیخ الذی رأیته فی جانب الشیخ عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنه فی ذلك الوقت لم تجد رؤیته عندی من یادة معرفة به فقال لی یا خضر الم تکفك الاولٰی[1]

کو دیکھے جو تمام اولیاء کے سردار ہیں وہ میرے دیکھنے کی تمنا میں تو آخیں کی رعیت میں سے ہوں۔ یہ فرماکر میری نظر سے غائب ہوگئے۔ پھر حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد بغداد شریف سے حضرت سیدی احمد رفاعی کی زیارت کو ام عبیدہ گیا انھیں دیکھا تو وہی شیخ تھے جن کو میں نے اس دن حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پہلو میں دیکھا تھا۔ اس وقت کے دیکھنے نے کوئی اور زیادہ ان کی شناخت مجھے نہ دی۔ حضرت رفاعی نے فرمایا: اے خضر! کیا پہلی تمھیں کافی نہ تھی!

حدیث یازدہم: (قال جمعنا اللہ تعالٰی وایاہ یوم الحشر تحت لواء الحضرة الغوثیة) اخبرنا ابو القاسم محمد بن عبادة الانصاری الحلبی قال سمعت الشیخ العارف ابا اسحٰق ابراھیم بن محمود البعلبکی المقری قال سمعت شیخنا الامام ابا عبد اللہ محمد البطائحی قال انحدرت فی حیاة سیدی الشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنه الی ام عبیدة واقمت برواق الشیخ احمد رضی اللہ تعالٰی عنه ایاما فقال لی الشیخ احمد یوما اذکرلی شیئا من مناقب الشیخ عبد القادر وصفاته فذکرت له شیئا منها فجاء رجل فی اثناء حدیثی فقال لی مه لاتذکر عندنا مناقب غیر مناقب ھذا واشار الی الشیخ احمد فنظر

مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی ہمیں اور اسے یوم محشر کو غوث اعظم کے جھنڈے کے نیچے جمع فرمائے) کہ ہم کو ابو القاسم محمد بن عبادہ انصاری حلبی نے خبر دی کہ میں نے شیخ عارف باللہ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمود بعلبکی مقری کو فرماتے سنا، کہا میں نے اپنے مرشد امام ابو عبد اللہ بطائحی کو سنا کہ فرماتے تھے: میں حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ام عبیدہ گیا اور حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خانقاہ میں چند روز مقیم رہا ایک روز حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا ہمیں حضرت شیخ عبد القادر کے کچھ مناقب و اوصاف سناؤ، میں نے کچھ مناقب شریفہ ان کے سامنے بیان کئے میرے اثنائے بیان میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے کہا کیا ہے اور حضرت سید رفاعی کی طرف اشارہ کرکے کہا ہمارے سامنے ان کے سوا کسی کے

---

[1] بہجة الاسرار ذکر احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفٰی البابی مصر ص ۲۳۷، ۲۳۸

الیہ الشیخ احمد مغضباً فرفع الرجل من بین یدیہ میتاً ثم قال ومن یستطیع وصف مناقب الشیخ عبدالقادر ومن یبلغ مبلغ الشیخ عبدالقادر ذلک رجل بحر الشرعۃ عن یمینہ و بحر الحقیقۃ عن یسارہ من ایہما شاء اغترف الشیخ عبدالقادر لاثانی لہ فی عصرنا ھذا، قال وسمعتہ یوما یوصی اولاد اختہ واکابر اصحابہ وقد جاء رجل یودعہ مسافراً الی بغداد قال لہ اذا دخلت الی بغداد فلا تقدم علی زیارۃ الشیخ عبدالقادر شیئاً ان کان حیا ولا علی زیارۃ قبرہ ان کان میتاً فقد اخذ لہ العھد ایما رجل من اصحاب الاحوال دخل بغداد ولم یزرہ سلب حالہ ولو قبیل الموت، ثم قال والشیخ محی الدین عبدالقادر حسرۃ علی من لم یرہ[1] رضی اللہ عنہ۔

مناقب نہ ذکر کرو، یہ سُنتے ہی حضرت سیدرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُس شخص کو ایک غضب کی نگاہ سے دیکھا کہ فوراً اس کا دم نکل گیا لوگ اس کی لاش اُٹھا کر لے گئے، پھر حضرت سیدرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر کے مناقب کون بیان کرسکتا ہے، شیخ عبدالقادر کے مرتبہ کو کون پہنچ سکتا ہے، شریعت کا دریا اُن کے دہنے ہاتھ پر ہے اور حقیقت کا دریا اُن کے بائیں ہاتھ پر، جس میں سے چاہیں پانی پی لیں، ہمارے اس وقت میں شیخ عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں ایک دن میں نے حضرت رفاعی کو سنا کہ اپنے بھانجوں اور اکابر مریدین کو وصیت فرماتے تھے ایک شخص بغداد مقدس کے ارادے سے اُن سے رخصت ہونے آیا تھا فرمایا جب بغداد پہنچو تو حضرت شیخ عبدالقادر اگر دنیا میں تشریف فرما ہوں تو اُن کی زیارت اور پردہ فرما جائیں تو اُن کے مزار مبارک کی زیارت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا کہ اللہ عزوجل نے اُن سے عہد فرما رکھا ہے کہ جو کوئی صاحبِ حال بغداد آئے اور اُن کی زیارت کو نہ حاضر ہو اُس کا حال سلب ہوجائے اگرچہ اُس کے مرتے وقت۔ پھر حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر حسرت ہیں اس پر جسے اُن کا دیدار نہ ملا۔

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر الشیخ احمد ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۸

یہ کمینہ بندہ بارگاہ عرض کرتا ہے : ؎

اے حسرت آنانکہ ندیدند جمالت ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ محروم مدار ایں سگ خود را ز نوالت[1]

(جنھوں نے آپ کا جمال نہ دیکھا ان پر حسرت ہے، اپنے اس کتے کو اپنی عطا سے محروم نہ رکھیں۔ ت)

بحرمة جدك الكريم عليه ثم عليك الصلوٰة والتسليم (اپنے کریم نانا کے صدقے میں۔ ان پر پھر آپ پر درود وسلام ہو۔ ت)

مسلمان ان احادیثِ صحیحہ جلیلہ کو دیکھے اور اُس شخص کے مثل اپنا حال ہونے سے ڈرے جس کا خاتمہ حضرت غوثیت کی شان میں گستاخی اور حضرت سید رفاعی کے غضب پر ہوا، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ اے شخص! ظاہر شریعت میں حضرت سرکار غوثیت کی محبت بایں معنیٰ رکنِ ایمان نہیں کہ جو اُن سے محبت نہ رکھے شرع اُسے فی الحال کافر کہے یہ تو صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے لئے ہے مگر واللہ کہ اُن کے مخالف سے اللہ عزوجل نے لڑائی کا اعلان فرمایا ہے خصوص کا انکار نصوص کے انکار کی طرف لیجاتا ہے، عبدالقادر کا انکار قادرِ مطلق عزجلالہٗ کے انکار کی طرف کیوں نہ لے جائے گا ؎

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا[2]

والعیاذ باللہ القادر رب الشیخ عبدالقادر، وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی جد الشیخ عبد القادر ثم علی الشیخ عبد القادر اٰمین! (شیخ عبدالقادر کے قدرت والے معبود کی پناہ، شیخ عبدالقادر کے نانا جان پھر خود شیخ عبدالقادر پر اللہ تعالٰی درود، برکت اور سلام نازل فرمائے، آمین!)

تذییل: آخر میں ہم دو جلیل القدر اجلّہ المشاہیر علمائے کبار مکّہ معظّمہ کے کلمات ذکر کریں جن کی وفات کو تین تین سو برس سے زائد ہوئے **اوّل** امام اجل ابنِ حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی، **دوم** علّامہ علی قاری مکی حنفی صاحبِ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا کتبِ جلیلہ۔ دو غرض سے:

ایک یہ کہ اگر دو مطرودوں، مخذولوں، گمناموں، مجہولوں واسطی و قرمانی کی طرح کسی کے دل میں

---

[1]

[2] حدائق بخشش ‏ ‏ وصل چہارم در مناقبت اعداد و استعانت از آئمہ قادریہ رضی اللہ عنہ ‏ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۹

کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف سے آگ ہو تو ان سے لاگ کی تو کوئی وجہ نہیں یہ بالاتفاق اجلۂ اکابر علماء ہیں۔

دوسرے یہ کہ دونوں صاحب اکابر مکہ معظمہ سے ہیں، تو اُس افتراء کا جواب ہوگا جو مخالف نے اہلِ عرب پر کیا حالانکہ غالبًا تاریخ الحرمین وغیرہ میں ہے' اور حاضری حرمین طیبین سے مشرف ہونے والا جانتا ہے کہ اہلِ حرمین طیبین بعد حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُٹھتے بیٹھتے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ذکر کرتے ہیں اور حضور کے برابر کسی کا نام نہیں لیتے۔ ان حضرات کی بھی گیارہ ہی عبارات نقل کریں،

(۱) علامہ علی قاری حنفی مکی متوفی ۱۰۱۴ھ کتاب نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبد القادر میں فرماتے ہیں،

لقد بلغنی عن بعض الاکابر ان الامام الحسن ابن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما لما ترک الخلافۃ لما فیہا من الفتنۃ والآفۃ عوضہ اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ القطبیۃ الکبریٰ فیہ وفی نسلہ وکان رضی اللہ تعالیٰ عنہ القطب الاکبر وسیدنا السید الشیخ عبد القادر ھو القطب الاوسط والمھدی خاتمۃ الاقطاب[1]

بیشک مجھے اکابر سے پہنچا کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بخیال فتنہ و بلا یہ خلافت ترک فرمائی اللہ عزوجل نے اس کے بدلے اُن میں اور انکی اولاد امجاد میں غوثیت عظمٰی کا مرتبہ رکھا۔ پہلے قطب اکبر خود حضور سیدنا امام حسن ہوئے اور اوسط میں صرف حضور سیدنا سید عبد القادر اور آخر میں حضرت امام مہدی ہوں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اس عبارت میں لفظ حصر ملحوظ رہے۔

(۲) اُسی میں ہے،

من مشائخہ حماد الدباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی ان یوما کان سیدنا عبد القادر عندہ فی رباطہ ولما غاب من حضرتہ قال ان ھذا الاعجمی الشریف قدمایکون علی رقاب اولیاء اللہ یصیر ماموراً من عند مولاہ

حضرت حماد دباس حضور سیدنا غوث اعظم کے مشائخ سے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایک روز انھوں نے سرکار غوثیت کی غیبت میں فرمایا، ان جوان سید کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا انھیں اللہ عزوجل حکم دے گا کہ فرمائیں میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ

---

[1] نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبد القادر (قلمی) ص ۶

بان یقول قدمی ھٰذہ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ ویتواضع لہ جمیع اولیاء اللہ فی زمانہ ویعظمونہ لظھور شانہ[1]

کی گردن پر، اور ان کے زمانے میں جمیع اولیاء اللہ انکے لئے سر جھکائیں گے، اور ان کے ظہور مرتبہ کے سبب ان کی تعظیم بجالائیں گے۔

ماموراً من اللہ ہونا ملحوظ رہے اور جمیع اولیاء زمانہ میں بے شک حضرت سیدی رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی داخل۔

(۳) اُسی میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا "قدمی ھٰذہ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ"[2] فرمانا اور اولیاء حاضرین وغائبین کا گردنیں جھکانا اور قدم مبارک اپنی گردنوں پر لینا اور ایک شخص کا انکار کرنا اور اس کی ولایت سلب ہوجانا بیان کرکے فرماتے ہیں:

وھٰذا تنبیہ بیّنۃ علٰی انہ قطب الاقطاب والغوث الاعظم[3]

یہ روشن دلیل قاطع ہے اس پر کہ حضور تمام قطبوں کے قطب اور غوث اعظم ہیں۔

(۴) اُسی میں ہے:

ومن کلامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تحدثا بنعم اللہ تعالٰی علیہ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد ما بین السماء والارض فلا تقیسونی باحد ولا تقیسوا علیّ احدا یعنی فلا یقاس الملوك بغیرھم وھٰذا کلہ من فتوح الغیب المبرء من کل عیب۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اللہ عزوجل کی اپنے اوپر نعمتیں ظاہر فرمانے کو جو کلام ارشاد فرمائے اُن میں سے یہ ہے کہ فرمایا مجھ میں اور تمام مخلوقات زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان و زمین میں، مجھے کسی سے نسبت نہ دو اور مجھ پر کسی کو قیاس نہ کرو۔ اس پر علامہ علی قاری فرماتے ہیں اس لئے کہ سلاطین کا رعیت پر قیاس نہیں ہوتا اور یہ سب غیب کے فتوحات سے ہے جو ہر عیب سے پاک وصاف ہے۔

---

[1] نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۸
[2] " " " " " " " " " " " ص ۹
[3] " " " " " " " " " " " ص ۱۰

(۵) اُسی میں ہے:

وعن عبد اللہ بن علی بن عصرون التمیمی الشافعی قال دخلت وانا شاب الی بغداد فی طلب العلم وکان ابن السقا یومئذ رفیقی فی الاشتغال بالنظامیۃ وکنا نتعبد ونزور الصالحین وکان رجل ببغداد یقال لہ الغوث وکان یقال عنہ انہ یظہر اذا شاء ویخفی اذا شاء فقصدت انا وابن السقا والشیخ عبد القادر الجیلانی وھو شاب یومئذ الی زیارتہ فقال ابن السقا ونحن فی الطریق الیوم اسألہ عن مسئلۃ لا یدری لہا جوابا فقلت وانا اسألہ عن مسئلۃ فانظر ماذا یقول فیہا وقال سیدی الشیخ عبد القادر قدس سرہ الباھر معاذ اللہ ان اسألہ شیئا وانا بین یدیہ انظر برکات رؤیتہ، فلما دخلنا علیہ لم نرہ فی مکانہ فمکثنا ساعۃ فاذا ھو جالس فنظر الی ابن السقا مغضبا وقال لہ ویلک یا ابن السقا تسألنی عن مسئلۃ لم ادر لہا جوابا، ھی کذا وجوابہا کذا، انی لاری نار الکفر تلھب فیک۔ ثم نظر الیّ وقال

امام عبد اللہ بن علی بن عصرون تمیمی شافعی سے روایت ہے میں جوانی میں طلبِ علم کے لئے بغداد گیا اس زمانے میں ابن السقا مدرسہ نظامیہ میں میرے ساتھ پڑھا کرتا تھا، ہم عبادت اور صالحین کی زیارت کرتے تھے، بغداد میں ایک صاحب کو غوث کہتے، اور ان کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب چاہیں ظاہر ہوں جب چاہیں نظروں سے چھپ جائیں، ایک دن میں اور ابن السقا اور اپنی نوعمری کی حالت میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اُن غوث کی زیارت کو گئے، راستے میں ابن السقا نے کہا آج اُن سے وہ مسئلہ پوچھوں گا جس کا جواب اُنھیں نہ آئے گا۔ میں نے کہا میں بھی ایک مسئلہ پوچھوں گا دیکھوں کیا جواب دیتے ہیں۔ حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہ الاعلیٰ نے فرمایا معاذ اللہ کہ میں اُن کے سامنے ان سے کچھ پوچھوں میں تو اُن کے دیدار کی برکتوں کا نظارہ کروں گا۔ جب ہم اُن غوث کے یہاں حاضر ہوئے اُن کو اپنی جگہ نہ دیکھا تھوڑی دیر میں دیکھا تشریف فرما ہیں ابن السقا کی طرف نگاہِ غضب کی اور فرمایا: تیری خرابی اے ابن السقا! تو مجھ سے وہ مسئلہ پوچھے گا جس کا مجھے جواب نہ آئے تیرا مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ، بے شک میں کفر کی آگ تجھ میں بھڑکتی دیکھ رہا ہوں۔ پھر میری طرف نظر کی اور فرمایا:

---

[1] نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سید الشریف عبد القادر (قلمی نسخہ) ص ۴۰

یا عبد اللہ تسألنی عن مسألۃ لتنظر ما اقول فیہا ھی کذا وجوابہا کذا لتخرن علیک الدنیا الی شحمتی اذنیک باساءۃ ادبک۔ ثم نظر الی سیدی عبد القادر وادناہ منہ واکرمہ و قال لہ یا عبد القادر لقد ارضیت اللہ ورسولہ بادبک کانی اراک ببغداد وقد صعدت علی الکرسی متکلما علی الملأ وقلت قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ، وکانی اری الاولیاء فی وقتک وقد حنوا رقابہم اجلالا لک، ثم غاب عنا لم وقتہ فلم نرہ بعد ذٰلک، قال واما سیدی الشیخ عبد القادر فانہ ظہرت امارۃ قربہ من اللہ عزّ وجلّ واجتمع علیہ الخاص والعام، وقال قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ واقرت الاولیاء بفضلہ فی وقتہ و امّا ابن السقا فرأی بنتا للملک حسینۃ ففتن بہا وسأل ان یزوجہا بہ فابٰی الا ان یتنصر فاجابہ الٰی ذٰلک۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ وامّا انا فجئت الٰی دمشق واحضرنی السلطان نور الدین الشہید وولانی علی الاوقاف فولیتہا واقبلت علیّ الدنیا اقبالا کثیرا قد صدق

اے عبد اللہ! تم مجھ سے مسئلہ پوچھو گے کہ میں کیا جواب دیتا ہوں تمہارا مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ، ضرور تم پر دُنیا اتنا گوبر کرے گی کہ کان کی لَو تک اُس میں غرق ہو گے، بدلہ تمہاری بے ادبی کا۔ پھر حضرت شیخ عبد القادر کی طرف نظر کی اور حضور کو اپنے نزدیک کیا اور حضور کا اعزاز کیا اور فرمایا: اے عبد القادر! بے شک آپ نے اپنے حسنِ ادب سے اللہ و رسول کو راضی کیا گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ مجمعِ بغداد میں کرسیِ وعظ پر تشریف لے گئے اور فرما رہے ہیں کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، اور تمام اولیائے وقت نے آپ کی تعظیم کیلئے گردنیں جُھکائی ہیں۔ وہ غوث یہ فرما کر ہماری نگاہوں سے غائب ہو گئے پھر ہم نے انھیں نہ دیکھا۔ حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تو نشانِ قُرب ظاہر ہُوئے کہ وہ اللہ عزّ وجل کے قرب میں ہیں خاص و عام اُن پر جمع ہوئے اور انھوں نے فرمایا: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اور اولیاءِ وقت نے اس کا اُن کے لئے اقرار کیا، اور ابن السقا ایک نصرانی بادشاہ کی خوبصورت بیٹی پر عاشق ہوا اس سے نکاح کی درخواست کی اس نے نہ مانا مگر یہ کہ نصرانی ہو جائے، اس نے یہ نصرانی ہونا قبول کر لیا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ رہا میں، میرا دمشق جانا ہوا وہاں سلطان نور الدین شہید نے مجھے افسرِ اوقاف کیا اور دنیا بکثرت میری طرف آئی۔ غوث کا ارشاد ہم سب کے بارے میں

كلام الغوث فينا كلنا۔ جو کچھ تھا صادق آیا۔[1]

اولیاءِ وقت میں حضرت رفاعی بھی ہیں۔ یہ مبارک روایت بہجۃ الاسرار شریف میں دو سندوں سے ہے، اور ایک یہی کیا۔ علامہ علی قاری نے اس کتاب میں چالیس روایات اور بہت کلمات کہ ذکر کئے سب بہجۃ الاسرار شریف سے ماخوذ ہیں یونہی اکابر ہمیشہ اس کتاب مبارک کی احادیث سے استناد کرتے آئے مگر محروم محروم ہے۔

(۶) اُسی میں ہے:

قال رضی اللہ تعالٰی عنہ وعزۃ ربی ان السعداء والاشقیاء یعرضون علی و ان بؤبؤ عینی فی اللوح المحفوظ انا حجۃ اللہ علیکم جمیعکم انا نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووارثہ فی الارض ویقول الانس لھم مشائخ والجن لھم مشائخ والملئکۃ لھم مشائخ وانا شیخ الکل، رضی اللہ تعالٰی عنہ، ونفعنا بہ۔[2]

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "مجھے عزت پروردگار کی قسم! بے شک سعید وشقی مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، بیشک میری آنکھ کی پتلی لوحِ محفوظ میں ہے، میں تم سب پر اللہ کی حجت ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب اور تمام زمین میں اُن کا وارث ہوں۔ اور فرمایا کرتے، آدمیوں کے پیر ہیں، قومِ جن کے پیر ہیں، فرشتوں کے پیر ہیں اور میں ان سب کا پیر ہوں۔" علی قاری اسے نقل کرکے عرض کرتے ہیں، اللہ عزوجل کی رضوان حضور پر ہو اور حضور کے برکات سے ہم کو نفع دے۔

(۷) اُسی میں ہے:

روی عن السید الکبیر القطب الشھیر سیدی احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال الشیخ عبدالقادر بحر الشریعۃ عن یمینہ و بحر الحقیقۃ عن یسارہ من ایھما شاء اغترف السید

سید کبیر قطب شہیر سیدی احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا، شیخ عبدالقادر وہ ہیں کہ شریعت کا سمندر اُن کے دہنے ہاتھ ہے اور حقیقت کا سمندر اُن کے بائیں ہاتھ، جس میں سے چاہیں پانی پی لیں۔ اس ہمارے

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر اخبار المشایخ عنہ بذلک مصطفی البابی مصر ص ۶

[2] نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۲

عبدالقادر لاثانی لہ فی عصرنا ھذا رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]

وقت میں سیّد عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸) امام ابن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

انھم قد یؤمرون تعریفا لجاھل اوشکرا وتحدثا بنعمۃ اللہ تعالٰی کما وقع للشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ بینما ھو بمجلس وعظہ واذا ھو یقول قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی للہ تعالٰی فاجابہ فی تلک الساعۃ اولیاء الدنیا قال جماعۃ بل واولیاء الجن جمیعھم وطأطؤا رءوسھم وخضعوا لہ واعترفوا بما قالہ الا رجل باصبھان فابٰی فسلب حالہ[2]

کبھی اولیاء کو کلمات بلند کہنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جو اُن کے مقاماتِ عالیہ سے ناواقف ہے اسے اطلاع ہو یا شکرِ الٰہی اور اس کی نعمت کا اظہار کرنے کے لئے جیسا کہ حضور سیّدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ہوا کہ انھوں نے اپنی مجلسِ وعظ میں دفعۃً فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، فوراً تمام دُنیا کے اولیاء نے قبول کیا (اور ایک جماعت کی روایت ہے کہ جملہ اولیاء جن نے بھی) اور سب نے اپنے سر جُھکا دئے اور سرکار غوثیت کے حضور جُھک گئے اور اُن کے اس ارشاد کا اقرار کیا مگر اصفہان میں ایک شخص منکر ہوا فوراً اُس کا حال سلب ہوگیا۔

(۹) پھر فرمایا:

وممن طأطأ رأسہ ابوالنجیب السھروردی وقال علٰی رأسی علٰی رأسی واحمد الرفاعی قال علٰی رقبتی وحمید منھم وسئل فقال الشیخ عبدالقادر یقول کذا وکذا ابومدین فی المغرب وانا منھم اللھم انی اشھدک واشھد ملٰئکتک

حضور کے ارشاد پر جنھوں نے اپنے سر جھکائے اُن میں سے (سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کے پیرانِ پیر) حضرت سیّدی عبدالقاہر ابوالنجیب سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انھوں نے اپنا سرِ مبارک جُھکادیا اور کہا (گردن کیسی) میرے سر پر میرے سر پر۔ اور اُن میں سے حضرت سیّدی احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انھوں نے کہا میری گردن پر ۱۲ اور کہا

---

[1] نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۴

[2] الفتاوی الحدیثیہ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

انّی سمعت و اطعت وکذا الشیخ عبدالرحیم القناوی مدّ عنقه و قال صدق الصادق المصدوق[1]

یہ چھوٹا سا احمد بھی انھیں میں ہے جن کی گردن پر حضور کا پاؤں ہے، اس کہنے اور گردن جھکانے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد مقدس میں ارشاد فرمایا ہے کہ "میرا یہ پاؤں ہر ولی کی گردن پر"۔ لہٰذا میں نے بھی سر جھکایا اور عرض کی کہ یہ چھوٹا سا احمد بھی اُنھیں میں ہے، اور انھیں میں سے حضرت سیدی ابومدین شعیب مغربی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انھوں نے سر مبارک جھکایا اور کہا میں بھی انھیں میں ہوں الٰہی میں تجھے اور تیرے فرشتوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے قدمی کا ارشاد سُنا اور حکم مانا۔ اسی طرح حضرت سیدی شیخ عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی گردن مبارک جھکائی اور کہا سچ فرمایا سچے مانے ہوئے سچے نے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(۱۰) پھر فرمایا:

ذکر کثیرون من العارفین الذین ذکرناھم وغیرھم انه لم یقل الاباھر اعلامًا بقطبیته فلم یسع احدًا التخلف بل جاء باسانید متعددة عن کثیرین انھم اخبروا قبل مولدہ بنحو مائة سنة انه سیولد بارض العجم مولود له مظھر عظیم یقول ذٰلك فتندرج الاولیاء فی وقته تحت قدمه[2]

اولیائے کرام کہ ہم نے ذکر کئے یعنی حضرت نجیب الدین سہروردی و حضرت سید احمد رفاعی و حضرت شعیب مغربی و حضرت عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالٰی عنہم انھوں نے اور اُن کے سوا اور بہت عارفین کرام نے تصریح فرمائی کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی طرف سے ایسا نہ فرمایا بلکہ اللہ عزوجل نے اُن کی قطبیت کبرٰی ظاہر فرمانے کے لئے انھیں اس فرمانے کا حکم دیا و لہٰذا کسی ولی کو گنجائش نہ ہوئی کہ گردن نہ جھکاتا اور قدم مبارک اپنی گردن پر نہ لیتا بلکہ متعدد سندوں سے بہت اولیائے کرام متقدمین سے مروی ہوا کہ انھوں نے سرکار غوثیت کی ولادتِ مبارکہ سے تقریباً سو برس پہلے خبر دی تھی کہ عنقریب عجم میں ایک صاحب عظیم مظہر والے پیدا ہونگے اور یہ فرمائیں گے کہ "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اس فرمانے پر اُس وقت کے تمام اولیاء ان کے قدم کے نیچے سر رکھیں گے اور اُس

---

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذا علی رقبۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] " " " " " " " " " " " " " " "

قدم کے سایہ میں داخل ہوں گے ـــــ اللھم لک الحمد صل علی محمد و ابنہ و ذریتہ

(۱۱) پھر فرمایا:

وحکی امام الشافعیۃ فی زمنہ ابو سعید عبد اللہ بن ابی عصرون قال دخلت بغداد فی طلب العلم فوافقت ابن السقا ورافقتہ فی طلب العلم بالنظامیۃ وکنا نزور الصالحین وکان ببغداد رجل یقال لہ الغوث[1] الی اخر الحدیث المذکور)

"امام ابو سعید عبد اللہ بن ابی عصرون نے کہ اپنے زمانہ میں شافعیہ کے امام تھے ذکر فرمایا کہ میں بغدادِ مقدس میں طلبِ علم کے لئے گیا ابن السقا اور میں مدرسہ نظامیہ میں شریکِ درس تھے اور اُس وقت بغداد میں ایک شخص کو غوث کہتے تھے (وہی پوری حدیث کہ نمبر ۵ میں گزری، ان غوث کا ہمارے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بشارت دینا کہ آپ برسرِ منبر مجمع میں فرمائیں گے "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اور تمام اولیائے عصر آپ کے قدمِ پاک کی تعظیم کے لئے اپنی گردنیں خم کریں گے، اور پھر ایسا ہی واقع ہونا، حضور کا یہ ارشاد فرمانا اور تمام اولیائے عالم کا اقرار کرنا کہ بے شک حضور کا قدم ہم سب کی گردن پر ہے)

آخر میں ابن حجر نے فرمایا:

وھذہ الحکایۃ التی کادت ان تتواتر فی المعنی لکثرۃ ناقلیھا وعدالتھم[2]

یعنی یہ حکایت قریب تواتر ہے کہ اس کے ناقلین بکثرت ثقہ عادل ہیں۔

فتاوٰی حدیثیہ نے ابن السقا کی بد انجامی میں یہ اور زائد کیا کہ جب وہ بدبخت کہ بہت بڑا عالم جید اور علوم شرعیہ میں اپنے اکثر اہلِ زمانہ پر فائق اور حافظِ قرآن اور علمِ مناظرہ میں کمال سر برآوردہ تھا جس سے جس علم میں مناظرہ کرتا اُسے بند کر دیتا، ایسا شخص جب شانِ غوث میں گستاخی کی شامت سے معاذ اللہ معاذ اللہ نصرانی ہوگیا بادشاہ نصارٰی نے اُسے بیٹی تو دے دی مگر جب بیمار پڑا اُسے بازار میں پھنکوا دیا بھیک مانگتا اور کوئی نہ دیتا، ایک شخص کہ اُسے پہچانتا تھا گزرا اُس سے پوچھا تو تو حافظ تھا اب بھی قرآن کریم میں سے کچھ یاد ہے۔ کہا سب محو ہوگیا صرف ایک آیت یاد رہ گئی ہے:

ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین[3]

کتنی تمنائیں کریں گے وہ جنھوں نے کفر اختیار کیا کہ کسی طرح مسلمان ہوتے۔

---

[1] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبد القادر قدمی ہذہ علی رقبۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] " " " " " " " " " " " " " ۴۱۵

[3] القرآن الکریم ۱۵ /۲

امام ابن ابی عصرون فرماتے ہیں پھر ایک دن میں اُسے دیکھنے گیا اُسے پایا کہ گویا اس کا سارا بدن آگ سے جلا ہوا ہے، وہ نزع میں تھا، میں نے اُسے قبلہ کی طرف کیا وہ پورب کو پھر گیا، میں نے پھر قبلہ کو کیا وہ پھر پھر گیا۔ اسی طرح میں جتنی بار اُسے قبلہ رُخ کرتا وہ پورب کو پھر جاتا یہاں تک کہ پورب ہی کی طرف مُنہ کئے اُس کا دم نکل گیا، وہ اُن غوث کا ارشاد یاد کیا کرتا اور جانتا تھا کہ اُسی گستاخی نے اس بلا میں ڈالا[1] والعیاذ باللہ تعالٰی انتہٰی۔"

اگر کہے پھر اسلام کیوں نہیں لاتا تھا، کلمہ پڑھ لینا کیا مشکل تھا **اقول** اس کا جواب قرآن عظیم دے گا:

وما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ رب العٰلمین[2]

تم کیا چاہو جب تک اللہ نہ چاہے جو مالک سارے جہان کا ہے۔

اور فرماتا ہے:

کلا بل ران علٰی قلوبھم ما کانوا یکسبون[3]

کوئی نہیں بلکہ اُن کی بداعمالیوں نے اُن کے دلوں پر زنگ چڑھا دی ہے۔

اور فرماتا ہے:

ذٰلك بانھم اٰمنوا ثم کفروا فطبع علٰی قلوبھم فھم لا یفقھون[4]

یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر کفر کیا تو اُن کے دلوں پر مُہر لگادی گئی کہ اب اُنھیں کچھ سمجھ نہ رہی۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

وفی ھٰذہ ابلغ زجر واکد ردع عن الانکار علٰی اولیاء اللّٰہ تعالٰی خوفا من ان یقع المنکر فیما وقع فیہ ابن السقا من تلك الفتنۃ المھلکۃ الابدیۃ التی لا قبیح منھا نعوذ باللّٰہ

اس واقعہ میں اولیاء کرام پر انکار سے کمال جھڑکنا اور سخت منع ہے اس خوف سے کہ منکر اس مہلک فتنے میں پڑ جائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ کا ہلاک ہے اور جس سے بدتر کوئی خباثت نہیں جس میں ابن السقا پڑ گیا، اللہ عزوجل کی پناہ۔ ہم اللہ عزوجل سے

---

[1] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبد القادر قدمی ہٰذہ علٰی رقبۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] القرآن الکریم ۸۱/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۸۳/ ۱۴

[4] " " " ۶۳/ ۳

من ذٰلک، ونسألہ بوجہہ الکریم وحبیبہ الرؤف الرحیم ان یؤمننا من ذٰلک ومن کل فتنۃ ومحنۃ وبمنہ وکرمہ وفیہا ایضا التمحث علی اعتقادھم والادب معھم وحسن الظن بھم ما امکن[1]

26

اس کے وجہ کریم اور اس کے حبیب رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگتے ہیں کہ ہم کو اپنے احسان وکرم کے ساتھ اس سے اور ہر فتنہ ومحنت سے امان بخشے۔ نیز اس واقعہ میں کمال ترغیب ہے اس کی کہ اولیاء کرام کے ساتھ عقیدت وادب رکھیں اور جہاں تک ہو اُن پر نیک گمان کریں۔

فقیر کُوئے قادری اُمید کرتا ہے کہ اتنے بیان میں اہلِ انصاف وسعادت کے لئے کفایت ہو۔ اللہ عزّوجل مسلمان بھائیوں کو اتباعِ حق وادبِ اولیاء کی توفیق دے اور ابن السقا بجنم اُس شخص کے حال سے پناہ دے جس نے بزعمِ خود حضرت سیّد احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارگاہ میں حقِ نیازمندی ادا کیا اور نتیجہ معاذ اللہ وہ ہوا کہ سیّد کبیر کے غضب اور حضور غوثیت کی سرکار میں اسائتِ ادب پر خاتمہ ہوا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اے برادر! مقضائے محبت اتباع وتصدیق ہے نہ کہ نزاع وتکذیب۔ سچا محب حضرت احمد کبیر کے ارشادات کو بالائے سر لے گا اور جس بارگاہِ ارفع کو اُنھوں نے سب سے ارفع بتایا اور اُن کا قدمِ اقدس اپنے سرِ مبارک پر لیا اُنھیں کو ارفع واعظم مانے گا۔ عبدالرزاق محدث شیعی تھا مگر حضرات عالیہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حضرت امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے افضل کہتا، اُس سے پُوچھا جاتا تو جواب دیتا کفٰی بی ازراء ان احب علیا ثم اخالفہ[2] یعنی امیر المومنین نے خود حضرات شیخین کو اپنے نفسِ کریم سے افضل بتایا ہے مجھے یہ گناہ بہت ہے کہ علی سے محبت رکھوں پھر اُن کا خلاف کروں۔ واقعی تکذیب مخالفت اگرچہ بزعمِ عقیدت ومحبت ہو اعلٰی درجہ کی عداوت ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، اللہ عزّوجل اپنے محبوبوں کا حُسنِ ادب روزی کرے اور اُنھیں کی محبت پر خاتمہ فرمائے اور انھیں کے گروہ پاک میں اُٹھائے، آمین! آمین!

اٰمین بجاھھم عندک یاارحم الراحمین | اے بہترین رحم فرمانے والے ان محبوبوں کا تیرے

---

[1] الفتاوی الحدیثیہ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذا علٰی رقبۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۰۴۴ عبدالرزاق بن ہمام دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۶۱۲

جلد ۲۸

وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین الٰی یوم الدین عدد کل ذرۃ ذرۃ الف الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین الٰی ابد الاٰبدین، اٰمین، والحمد للہ رب العٰلمین۔ واللہ تعالٰی اعلم

نزدیک جو مرتبہ ہے اس کے صدقے ہماری دعا قبول فرما۔ اللہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت کے روز تک ہر گھڑی ہر لمحے ہمارے آقا و مولٰی، انکی آل، صحابہ، بیٹے اور ان کے گروہ سب پر کروڑوں درود بھیجے، آمین۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

رسالہ

طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی

ختم ہوا

رسالہ

فتاوٰی کراماتِ غوثیہ

مسئلہ اُولٰی

از اوجین ریاست گوالیار مرسلہ جناب محمد یعقوب علی خاں صاحب

۱۷ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے حق الیقین اور مفتیان پابند شرع متین اس مسئلہ میں کہ عبارتِ نظم "شامِ ازل اور صبحِ ابد" سے بیٹھ جانا براق کا وقتِ سواری آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ثابت ہے۔

"مقولہ جبرئیل علیہ السلام"

نظم

مسند نشین عرشِ معلّٰی یہی تو ہے ۔۔۔ مفتاحِ قفلِ گنجِ فاوحٰی یہی تو ہے

مہتاب منزلِ شبِ اسرٰی یہی تو ہے ۔۔۔ خورشیدِ مشرقِ فتدلّٰی یہی تو ہے

ہمرازِ قرب ہمدم اوقاتِ خاص ہے ۔۔۔ ہژدہ ہزار عالمِ رب کا خلاصہ ہے

سُن کر یہ بات بیٹھ گیا وہ زمیں پر ۔۔۔ تھامی رکاب طائرِ سدرہ نے دوڑ کر

رونق افزائے دیں ہوئے سلطانِ بحر وبر ۔۔۔ کی عرض پھر براق نے یا سیّد البشر

محشر کو جب قدم سے گہر پوش کیجئے ۔۔۔ اپنے غلام کو نہ فراموش کیجئے

خیرالوریٰ نے دی اسے تسکیں کہا کہ ہاں
خوش خوش وہ سُوئے مسجدِ اقصیٰ ہُوا رواں

صاحبِ "تحفہ قادریہ" لکھتے ہیں کہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑا اور اونچا ہوگیا کہ صاحبِ معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔ اربابِ معرفت کے نزدیک اس معاملہ میں عمدہ تر حکمت یہ ہے کہ جس طرح آج کی رات محبوب اپنا دولتِ وصال سے فرح (خوشحال) ہوتا ہے اسی طرح محبوب کا محبوب بھی نعمتِ قربِ خاص اور دولتِ اختصاص اور ولایتِ مطلق اور غوثیتِ برحق اور قطبیتِ اصطفٰی اور محبوبیت مجدِ علا سے آج مالامال ہی کردیا جائے۔

چنانچہ صاحبِ "منازل اثنا عشریہ" "تحفہ قادریہ" سے لکھتا ہے کہ اس وقت سیدی و مولائی، مرشدی وملجائی، قطب الاکرم، غوث الاعظم، غیاث الدارین وغوث الثقلین، قرۃ العین مصطفوی نور دیدۂ مرتضوی، حسنی حسینی سروِ حدیقۂ مدنی، نور الحقیقت والیقین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رُوحِ پاک نے حاضر ہوکر گردنِ نیاز صاحبِ لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور اس طرح عرض کیا: ؎ (بیت)

بر سر و دیدہ ام بنہ اے مرنازنین قدم بود بسر نوشت من فیض قدم ازیں قدم

(اے نازنین میرے سر اور آنکھوں پر قدم رکھئے تاکہ اس کی برکت سے میری تقدیر پہ فیضانِ قدم ہو۔ ت)

خواجۂ عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم گردنِ غوث الاعظم پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس رُوحِ پاک سے استفسار فرمایا کہ تُو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندان ذریاتِ طیبات سے ہوں اگر آج نعمت سے کچھ منزل بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا: تُو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے کل تیرا قدم کُل اولیاء کی گردن پر ہوگا۔

بیت قصیدۂ غوثیہ:

وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال[1]

(ہر ولی میرے قدم بقدم ہے اور میں حضور سید الانبیاء صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر ہوں جو آسمانِ کمال کے بدرِ کامل ہیں۔ ت)

---

[1] فتوح الغیب علی حاشیہ بہجۃ الاسرار القصیدۃ الغوثیۃ مصطفٰے البابی مصر ص ۲۳۱

پس ان دونوں عبارتِ کُتب سے کون سی عبارت متحقق ہے؟ کس پر عمل کیا جائے؟ یا دونوں از رُوئے تحقیق کے درست ہیں؟ بیان فرمائیے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب

حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسے تنبیہ فرمانا کہ،

"اے براق! کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ! واللہ! تجھ پر کوئی ایسا سوار نہ ہُوا جو اللہ عزوجل کے حضور ان سے زیادہ رتبہ رکھتا ہو"

اس پر بُراق کا شرمانا، پسینہ پسینہ ہو کر شوخی سے باز رہنا، پھر حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کا سوار ہونا، یہ مضمون تو ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن حبان و طبرانی و بیہقی وغیرہم اکابر محدثین کی متعدد احادیث صحاح وحسان وصوالح سے ثابت۔

کما بسط اکثرھا المولی الجلال السیوطی قدس سرہ فی خصائصہ الکبرٰی[1] وغیرہ من العلماء الکرام فی تصانیفھم الحسنٰی۔

جیسا کہ اس میں سے اکثر کی تفصیل امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "الخصائص الکبرٰی" میں اور دیگر علمائے کرام نے اپنی شاندار تصانیف میں فرمائی ہے۔ (ت)

اور اس کا حیا کے سبب براہِ تذلل و انقیاد پست ہو کر لپٹ جانا بھی حدیث میں وارد ہے۔

ففی روایۃ عند ابن اسحٰق رفعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فارتعشت حتی لصقت بالارض فاستویت علیھا[2]۔

اور ایک روایت میں ابن اسحٰق سے مرفوعًا مروی ہے کہ حضور پُرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں، جب جبریل نے اس سے کہا تو براق تھرا گیا اور کانپ کر زمین سے چپیاں ہوگیا پس میں اس پر سوار ہوگیا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ (ت)

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء حدیث ام سلمہ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۱۷۹
المواہب اللدنیۃ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۱
السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر الاسراء والمعراج دار ابن کثیر بیروت الجزآن الاول والثانی ص ۳۹۸

[2] المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابن اسحٰق المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۹

اور یہ روایت کہ سوال میں تحفۂ قادریہ سے ماثور، اس کی اصل بھی حضرات مشائخ کرام قدست اسرارہم میں مذکور ــــ فاضل عبدالقادر قادری[ع] بن شیخ محی الدین اربلی تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لکھتے ہیں کہ جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب حرز العاشقین میں فرماتے ہیں:

ان لیلۃ المعراج جاء جبرئیل علیہ السلام ببراق الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسرع من البرق الخاطف الظاھر، ونعل رجلہ کانھلال الباھر،

یعنی شبِ معراج جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام خدمتِ اقدس حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں براق حاضر لائے کہ چمکتی اُچک لے جانیوالی بجلی سے زیادہ شتاب رو تھا، اور اس کے پاؤں کا نعل آنکھوں میں چکاچوند ڈالنے والا ہلال

ع حضرت علامہ عبدالقادر قادری بن محی الدین الصدیقی الاربلی جامع علوم شریعت وحقیقت تھے۔ علماء کرام اور صوفیہ عظام میں عمدہ مقام پایا۔ آپ کے اساتذہ میں الشیخ عبدالرحمٰن الطالبانی جیسے اجلہ فضلاء شامل ہیں۔ اور فہ میں ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں وصال پایا۔ آپ کی تصانیف میں سے مشہور کتابیں یہ ہیں:

(۱) آداب المریدین ونجاۃ المسترشدین
(۲) تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر
(۳) النفس الرحمانیۃ فی معرفۃ الحقیقۃ الانسانیہ
(۴) الدر المکنون فی معرفۃ السر المصون
(۵) حدیقۃ الازھار فی الحکمۃ والاسرار
(۶) شرح الصلاۃ المختصرۃ للشیخ الاکبر
(۷) الدرر المعتبرۃ فی شرح الابیات الثمانیۃ عشرہ
(۸) شرح اللمعات لفخر الدین العراقی
(۹) القواعد الجمعیۃ فی الطرائق الرفاعیۃ
(۱۰) مجموعۃ الاشعار فی الرقائق والاثار
(۱۱) مرآۃ الشہود فی وحدۃ الوجود
(۱۲) مسک الختام فی معرفۃ الامام، مختصر فی کراسۃ
(۱۳) الالہامات الرحمانیۃ فی مراتب الحقیقۃ الانسانیۃ
(۱۴) حجۃ الذاکرین ورد المنکرین
(۱۵) الطریقۃ الرحمانیۃ فی الرجوع والوصول الی الحضرۃ العلیۃ

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

ا۔ معجم المولفین، عمر رضا کحالہ، الجزء الخامس ص ۳۵۴
ب۔ ہدیۃ العارفین، اسمٰعیل باشا البغدادی جلد اول ص ۶۰۵

وسماره كالانجم الظواهر، ولم يأخذه السكون والتمكين ليركب عليه النبي الامين، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم لِمَ لَمْ تسكن يا براق حتى اركب على ظهرك، فقال روحي فداء لتراب نعلك يا رسول الله اتمنى ان تعاهدني ان لا تركب يوم القيٰمة على غيري حين دخولك الجنة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم يكون لك ما تمنيت، فقال البراق التمس ان تضرب يدك المباركة على رقبتي ليكون علامة لي يوم القيٰمة، فضرب النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم يده على رقبة البراق، ففرح البراق فرحا حتى لم يسع جسده روحه ونمى اربعين ذراعا من فرحه وتوقف في ركوبه لحظة لحكمة خفية ازلية فظهرت روح الغوث الاعظم رضي الله تعالٰى عنه وقال يا سيدي ضع قدمك على رقبتي واركب، فوضع النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم قدمه على رقبته وركب فقال قدمي على رقبتك وقدمك على رقبة كل اولياء الله تعالٰى[1] انتهى۔

اور اس کی کیلیں جیسے روشن تارے۔ حضور پُرنور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سواری کے لئے اسے قرار وسکون نہ ہوا، سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس سے سبب پوچھا۔ بولا: میری جان حضور کی خاکِ نعل پر قربان، میری آرزو یہ ہے کہ حضور مجھ سے وعدہ فرمالیں کہ روزِ قیامت مجھی پر سوار ہوکر جنت میں تشریف لے جائیں۔ حضور معلّٰی صلوات اللہ تعالےٰ وسلامہ علیہ نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا۔ براق نے عرض کی: میں چاہتا ہوں حضور میری گردن پر دستِ مبارک لگادیں کہ وہ روزِ قیامت میرے لئے علامت ہو۔ حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے قبول فرمالیا۔ دستِ اقدس لگتے ہی براق کو وہ فرحت وشادمانی ہوئی کہ روح اس مقدار جسم میں نہ سمائی اور طرب سے پھول کر چالیس ہاتھ اونچا ہوگیا۔ حضور پُرنور صلّے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ایک حکمت نہانی ازلی کے باعث ایک لحظہ سواری میں توقف ہوا کہ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی رُوحِ مطہر نے حاضر ہوکر عرض کی: اے میرے آقا! حضور اپنا قدمِ پاک میری گردن پر رکھ کر سوار ہوں۔ سیدِ عالم صلّے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی گردنِ مبارک پر قدمِ اقدس رکھ کر سوار ہوئے اور ارشاد فرمایا: "میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر۔"

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر المنقبۃ الاولٰی سُنّی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۴، ۲۵

نوٹ: زیرِ نظر نسخہ حضرت مولانا ابوالمنصور محمد صادق قادری فاضل جامعہ رضویہ فیصل آباد کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

اس کے بعد فاضل عبدالقادر اربلی فرماتے ہیں:

فایاك یا اخی ان تکون من المنکرین المتعجبین من حضور روحه لیلة المعراج لانه وقع من غیرہ فی تلك اللیلة کما ھو ثابت بالاحادیث الصحیحة کرؤیته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ارواح الانبیاء فی السمٰوٰت و بلالا فی الجنة و اویسا القرنی فی مقعد الصدق و

یعنی اے برادر! بچ اور ڈر اس سے کہ کہیں تُو انکار کر بیٹھے اور شبِ معراج حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری پر تعجب کرے کہ یہ امر تو صحیح حدیثوں میں اوروں کے لئے وارد ہوا ہے، مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواحِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملاحظہ فرمایا[۱]، اور جنت میں بلال[۲] رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا اور مقعد صدق میں اویس قرنی اور

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:
الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تفضیلہ صلی اللہ علیہ وسلم المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/۱۴۵

[۲] حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لبلال صلٰوۃ الغداۃ یا بلال حدثنی بارجی عمل عملته عندك فی الاسلام منفعة فانی سمعت اللیلة خشف نعلیك بین یدی فی الجنة[۱] الحدیث۔

ایک اور حدیث میں یوں ہے:

عن ابن عباس قال لیلة اسری برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دخل الجنة فسمع فی جانبها خشفا فقال یا جبریل من ھذا فقال ھذا بلال المؤذن فقال قد افلح بلال رأیت له کذا کذا[۲]۔

حضرت ابوامامہ کی روایت میں مرفوعاً ہے: فقیل ھذا بلال یمشی امامك[۳]۔

مذکورہ روایات اور احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ شبِ معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جنت میں ملاحظہ فرمایا۔

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم، ام انس بن مالک و بلال ۲/۲۹۲

[۲] منتخب کنزالعمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۴/۲۶۹

[۳] الکامل لابن عدی ترجمہ یحیٰی بن ابی حیۃ ابو جناب الکلبی دار الفکر بیروت ۷/۲۶۷۰

امرأة ابی طلحة فی الجنة [عہ] وسماعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خشخشة الغمیصاء	بہشت میں زوجۂ ابوطلحہ [عہ] کو اور جنت میں غمیصاء بنت ملحان کی پہچل سنی، جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کرچکے ہیں

عہ[۱] حدیث میں ہے:

عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اریت الجنة فرایت امرأة ابی طلحة الحدیث۔[۱]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے جنت میں ابوطلحہ کی زوجہ کو دیکھا۔

عہ[۲] حدیث شریف میں ہے:

عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال دخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت من ھذا قالوا ھٰذہ الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالک۔[۲]

ایک اور روایت میں یوں بیان ہوا:

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دخلت الجنة فسمعت خشخشة بین یدی فاذا ھی الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالک۔[۳]

مسند احمد کی دوسری روایت یوں ہے:

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دخلت فسمعت بین یدی خشفة فاذا انا بالغمیصاء بنت ملحان۔[۴]

ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کی والدہ حضرت غمیصاء بنت ملحان رضی اللہ تعالٰی عنہما کی جنت میں پہچل سنی۔

نوٹ: یاد رہے کہ غمیصاء بنت ملحان یہی زوجۂ ابوطلحہ ہیں۔ فاعلم ذٰلک۔

(حاشیہ من جانب امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ)

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم، ام انس بن مالک وبلال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۲

[۲] " " " " " " " " " " " " "

[۳] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۹

[۴] " " " " " " ۳/ ۱۰۶

بنت ملحان فی الجنۃ کما ذکرنا قبل ھذا و ذکر فی حرز العاشقین وغیرہ من الکتب ان نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لقی لیلۃ المعراج سیدنا موسٰی علیہ السلام فقال موسٰی مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح انت قلت علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، ارید ان یحضر احد من علماء امتک لیتکلم معی فاحضر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روح الغزالی رحمہ اللہ تعالٰی الٰی موسٰی علیہ السلام (وساق القصۃ ثم قال) وفی کتاب رفیق الطلاب لاجل العارفین الشیخ محمد الجشتی نقلا عن شیخ الشیوخ قال قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی رأیت رجالا من امتی فی لیلۃ المعراج ارانیھم اللہ تعالٰی (الٰی ان قال) وقال الشیخ نظام الدین الکنجوی کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راکبا علی البراق و

اور حرز العاشقین وغیرہ کتابوں میں ہے کہ حضرت سیدنا موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی درخواست سے حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے روحِ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو حکمِ حاضری دیا۔ روحِ امام نے حاضر ہوکر موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام سے کلام کیا[عہ۱] ـــــ اور عارف اجل شیخ محمد چشتی نے کتاب رفیق الطلاب میں حضرت شیخ الشیوخ قدست اسرارہم سے نقل کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شبِ معراج کچھ لوگ اپنی امت کے ملاحظہ فرمائے[عہ۲] ـــــ اور شیخ نظام الدین گنجوی رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے تھے: جب حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ رونق افروز پشتِ براق پر تھے اور براق کا زین پوش میرے کندھے پر تھا ـــــ اور عمدۃ المحدثین امام نجم الدین غیطی کتاب المعراج میں فرماتے ہیں: جب حضور معلی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی تک تشریف لے گئے اس پر ایک ابر چھایا[عہ۳] جس میں ہر قسم کا رنگ تھا، جبریل امین

عہ۱ (ا) نبراس شرح شرح عقائد، علامہ عبدالعزیز پرہاروی، ص ۲۸۸

(ب) مقابیس المجالس اردو ترجمہ از واحد بخش سیال ص ۲۵۵

(ج) معراج النبی از علامہ سید احمد سعید کاظمی ص ۲۸ اور مابعد

(د) عرفانِ شریعت (مجموعہ فتاوٰی امام احمد رضا) مرتبہ مولانا محمد عرفان علی حصہ سوم ص ۴۸ تا ۹۱

عہ۲ رفیق الطلاب مجتبائی دہلی ص ۲۸

عہ۳ عمدۃ الفضلاء المحققین امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں: واما الرفرف فیحتمل ان المراد بہ السحابۃ التی غشیتہ وفیھا من کل لون التی رواھا ابن ابی حاتم عن انس وعند ما غشیتہ تاخر عنہ جبریل۔ (کتاب المعراج (مؤلفہ رجب ۹۹۹ ھ) مطبوعہ مصر، ص ۸۹)

غاشیتہ علی کتفہ انتہی و قال عمدۃ المحدثین الامام نجم الدین الغیطی فی کتاب المعراج ثم رفع الی سدرۃ المنتہٰی فغشیہ سحابۃ فیہا من کل لون فتأخر جبریل علیہ السلام ثم عرج لمستوٰی سمع فیہ صریف الاقلام ورأی رجلا مغیبا فی نور العرش فقال من ھذا أملک؟ قیل: لا۔ قال، أنبی؟ قیل: لا، ھذا رجل کان فی الدنیا لسانہ رطب من ذکر اللہ تعالٰی وقلبہ معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیہ قط[1] الخ ما فی التفریح ملخصاً۔

علیہ الصلوۃ والسلام پیچھے رہ گئے۔ سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم مستوٰی پر[عہ] جلوہ فرما ہوئے وہاں قلموں کے لکھنے کی آواز گوشِ اقدس میں آئی اور ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ نورِ عرش میں چھپا ہوا ہے، حضور نے دریافت فرمایا، کیا یہ فرشتہ ہے؟ جواب ہوا، نہیں۔ پوچھا، کیا یہ نبی ہے؟ کہا نہیں بلکہ یہ ایک مرد ہے کہ دنیا میں اس کی زبان یادِ خدا میں تر رہتی اور دل مسجدوں میں لگا رہتا۔ کبھی کسی کے ماں باپ کو بُرا کہہ کر اپنے والدین کو بُرا نہ کہلوایا[عہ۲] انتہی۔

یعنی جب معراج میں اتنے لوگوں کی ارواح کا حاضر ہونا احادیث و اقوالِ علماء و اولیاء سے ثابت ہے تو روحِ اقدس حضور پرنور سید الاولیاء، غوث الاصفیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری کیا جائے تعجب و انکار ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں حاضر نہ ہونا ہی محلِ استعجاب ہے۔ اک ذرا انصاف و اندازہ قدرِ قادریت درکار ہے۔

اقول و باللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ ت) فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ "ھدی الحیران فی نفی الفیئ عن سید الاکوان" میں بعونہ تعالٰی ایک فائدہ جلیلہ لکھا کہ مطالب چند قسم ہیں، ہر قسم کا مرتبہ جدا اور ہر مرتبہ کا پایہ ثبوت علیحدہ۔ اس قسم مطالب احادیث میں ظہور نہ ہونا مضر نہیں، بلکہ کلماتِ علماء و مشائخ میں ان کا ذکر کافی۔

[عہ] امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں، ثم عرج بہ حتی ظھر لمستوی سمع فیہ صریف الاقلام۔
(کتاب المعراج، مطبوعہ مصر، ص ۸۷، ۸۹)

[عہ۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، کتاب المعراج ص ۹۰۔

---

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادر المنقبۃ الاولٰی سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۵ تا ۲۸

امام خاتمۃ المحدثین جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ الشریف نے "مناھل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء" میں اس روایت کی نسبت کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کے وصال اقدس کے بعد کلام طویل میں حضور کو ہر جملہ پر بکلمہ "بابی انت وامی یا رسول اللہ" (یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ت) ندا کرکے حضور کے فضائل جلیلہ وخصائص جمیلہ بیان کئے، تحریر فرمایا:

لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفی بذلك سند المثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام۔

یعنی میں نے یہ روایت کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی مگر صاحبِ اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے ایک حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انھیں کچھ باب احکام سے تعلق نہیں انتہی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔[1]

بالجملہ روح مقدس کا شبِ معراج کو حاضر ہونا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت غوثیت کی گردن مبارک پر قدمِ اکرم رکھ کر براق یا عرش پر جلوہ فرمانا، اور سرکار ابد قرار سے فرزند ارجمند کو اس خدمت کے صلہ میں یہ انعام عظیم عطا ہونا ــــ ان میں کوئی امر نہ عقلاً اور نہ شرعاً مہجور اور کلماتِ مشائخ میں مسطور و ماثور، کتبِ حدیث میں ذکر معدوم، نہ کہ عدم مذکور، نہ روایات مشائخ اس طریقہ سندِ ظاہری میں محصور، اور قدرتِ قادر وسیع وموفور، اور قدرِ قادری کی بلندی مشہور۔ پھر ردّ وانکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔

اب یہ رہا کہ اس حدیث میں کہ براق برق رفتار زمین سے لپٹ گیا ــــ اور اس روایت میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردنِ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر قدم رکھ کر زیبِ پشتِ براق ہوئے، بظاہر تنافی ہے۔

اقول اصلاً منافات نہیں، بلکہ جب اسی روایت میں مذکور کہ براق فرطِ فرحت سے

---

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا۔ الفصل سابع برکات رضا گجرات ہند ۱/۲۴۸

چالیس ہاتھ اُونچا ہوگیا۔ اور پُرظاہر کہ جو مَرْکَب[1] اس قدر بلند ہو وہ کیسا ہی زمین سے ملصق[2] ہوجائے تاہم قامتِ انسان سے بہت بلند رہے گا اور اس پر سواری کے لئے ضرور حاجتِ نردبان[3] ہوگی۔

اب ایک چھوٹے سے جانور فیل[4] ہی کو دیکھئے کہ جب ذرا بلند و بالا ہوتا ہے اسے بٹھا کر بھی بے زینہ سواری قدرے دقت رکھتی ہے۔ تو اگر براق بوجہ حیاء و تذلل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے لئے زمین سے لپٹ گیا ہو اور پھر بھی بوجہ طول ارتفاع حاجتِ زینہ ہو جس کے لئے رُوحِ سرکار غوثیت مدار رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حاضر ہو کر اپنے مہربان باپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زیر قدم اکرم اپنا شانہ مبارک رکھا ہو، کیا جائے استعجاب[5] ہے۔

وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب الاکرم و اٰلہ وصحبہ اھل الکرم وابنہ الکریم الغوث الاعظم وعلینا بجاھھم وبارك وسلم۔

اللہ تعالٰی اپنے حبیب اکرم، آپ کے کرم والے آل واصحاب، آپ کے کریم بیٹے غوثِ اعظم اور ان کے صدقے میں ہم پر رحمت، برکت اور سلام نازل فرمائے۔ (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ دوم

از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن پرب

مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۳ تا ۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان اقوال کے باب میں:

اوّل: ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ شبِ معراج میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ نے عرشِ معلی پر اپنے اوپر سوار کرکے پہنچایا یا کاندھا دے کر اوپر سوار کرکے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر جانے کی معاونت کی، یعنی یہ کام اوپر جانے کا براق اور حضرت جبریل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انجام کو نہ پہنچا حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ مہم سر انجام کو پہنچائی۔

---

[1] مَرْکَب یعنی سواری [2] ملصق ہونا: چمٹ جانا، مل جانا۔
[3] سیڑھی [4] ہاتھی [5] تعجب

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے۔

تیسرے یہ کہ زنبیل ارواح کی عزرائیل علیہ السلام سے حضرت پیران پیر نے ناراض اور غصہ میں ہو کر چھین لی تھی۔

چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روح کو دُودھ پلایا۔

پانچویں اکثر عوام کے عقیدہ میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالٰی حضرت ابوبکر صدیق سے زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔

ان اقوال کا کیا حال ہے؟ مفصل بیان فرما کر اجرِ عظیم اور ثواب کریم پائیں اور رفع نزاع بین الفریقین فرمائیں۔

المستفتی
عبدالحق عفا عنہ، کٹھور، ضلع سورت، گجرات (بھارت)
مؤرخہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

الجواب

اللّٰھم لک الحمد فقیر غفراللہ تعالٰی لہٗ کلمات چند مجمل ومعقول[۱] گزارش کرے اگرچہ فریقین میں سے کسی کو پسند نہ آئیں مگر بعونہ تعالٰی حق وانصاف ان سے متجاوز نہیں والحق احق ان یتبع واللہ الہادی الٰی صراط مستقیم (اور حق ہی اتباع کے زیادہ لائق ہے، اور اللہ تعالٰی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ ت)

جواب سوال ۲:

یہ قول کہ "اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی ہوتے اگرچہ اپنے مفہوم شرطی پر صحیح وجائز الاطلاق ہے کہ بے شک مرتبہ علیہ رفیعہ حضور پُرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مرتبہ نبوت سے[۲] متصل ہے

---

[۱] مفید
[۲] مرتبۂ غوثیت، مرتبۂ نبوت کے پیچھے اور اس سے نیچے ہے۔

ہے۔ خود حضور معلّٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں :

"جو قدم میرے جدِّ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھایا میں نے وہیں قدم رکھا سوا اقدام نبوت کے، کہ ان میں غیر نبی کا حصہ نہیں ؎

از نبی برداشتن گام از تو بنہادن قدم
غیر اقدام النبوۃ سدّ ممشاھا الختام [1]

(نبی کا کام قدم اٹھانا اور آپ کا کام قدم رکھنا ہے علاوہ اقدامِ نبوت کے، کہ وہاں ختمِ نبوت نے راستہ بند کر دیا ہے)

اور جوازِ اطلاق یُوں کہ خود حدیث میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے وارد :

لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب رواہ احمد [2] والترمذی والحاکم عن عقبۃ بن عامر والطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا (اس کو امام احمد، ترمذی اور حاکم نے عقبہ بن عامر سے جبکہ طبرانی نے معجم کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے وارد :

لوعاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا۔ رواہ ابن عساکر [3] عن جابر بن عبد اللہ وعن ابن عباس وعن ابن ابی اوفی والباوردی

اگر ابراہیم جیتے تو صدیق و پیغمبر ہوتے۔ (اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبد اللہ اور ابن عباس اور ابن ابی اوفٰی سے جبکہ الباوردی نے حضرت

---

[1]

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۰۹
المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ لوکان بعدی نبی لکان عمر دار الفکر بیروت ۳/۸۵
المعجم الکبیر حدیث ۴۷۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/۱۸۰
مسند امام احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر المکتب الاسلامی " ۴/۱۵۴

[3] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر بنیہ وبناتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وازواجہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۷۵تا۲۷۹
کنز العمال بحوالہ الباوردی عن انس وابن عساکر عن جابر بن عبد اللہ ابن عباس وابن ابی اوفی حدیث ۳۲۲۰۴ ۱۱/۴۶۹

عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنهم۔ (انس بن مالک سے روایت کیا، اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہوا۔ ت)

علماء نے امام ابو محمد جوینی قدس سرہ کی نسبت کہا ہے کہ "اگر اب کوئی نبی ہوسکتا تو وہ ہوتے۔"

امام ابن حجر مکی اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

قال فی "شرح المہذب" نقلا عن الشیخ الامام المجمع علٰی جلالتہ وصلاحہ وامامتہ ابی محمد الجوینی الذی قیل فی ترجمتہ لوجاز ان یبعث الله فی هذه الامة نبیا لکان ابا محمد الجوینی[1]

(شرح مہذب میں کہا نقل کرتے ہوئے اس شیخ وامام سے جن کی جلالت وصلاحیت وامامت پر اجماع ہے یعنی ابو محمد جوینی علیہ الرحمہ جن کے تعارف میں کہا گیا ہے کہ اگر اب اللہ تعالٰی کی طرف سے اس امت میں کسی نبی کو بھیجنا جائز ہوتا تو وہ ابو محمد جوینی ہوتے۔ ت)

مگر ہر حدیث حق ہے، ہر حق حدیث نہیں۔ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہئے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں، اور قول مذکور ثابت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

جواب سوال ۴:

حضرت ام المومنین محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہا وسلم کا روحِ اقدس سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دودھ پلانا، بعض مداحین حضور اسے واقعہ خواب بیان کرتے ہیں کما رأیت فی بعض کتبھم التصریح بذٰلك (جیسا کہ میں نے ان کی بعض کتابوں میں اس پر تصریح دیکھی۔ ت)

اس تقدیر پر تو اصلاً استبعاد[عہ۱] نہیں اور اب اس پر جو کچھ ایراد کیا گیا سب بے جا و بے محل ہے۔ اور اگر بیداری ہی میں مانا جاتا ہو، تاہم بلاشبہہ عقلاً اور شرعاً جائز اور اس میں درایۃً کوئی استحالہ[عہ۲] درکنار استبعاد بھی نہیں۔ ان الله علٰی کل شیئ قدیر[2] (بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ت)

عہ۱ دُور از قیاس

عہ۲ محال ہونا

[1] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب قیل لوجاز ان یبعث اللہ فی ھذہ الامۃ نبیا الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۳۲۴، ۳۲۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰

نظاہر میں ام المومنین کے پاس شیر نہ ہونا کچھ اس کے منافی کہ امور خارقہ للعادۃ[عہ۱] اسباب ظاہر پر موقوف نہیں، نہ روح عام متکلمین کے نزدیک مجردات سے ہے اور فی نفسہا مادیہ نہ سہی تاہم مادہ سے اس کا تعلق بدیہی۔ نہ جسم جسم شہادت میں منحصر۔ جسم مثالی بھی کوئی چیز ہے کہ ہزاروں احادیث برزخ وغیرہ اس پر گواہ[عہ۲]، کیفما کان[عہ۳]۔ شک نہیں کہ روح مفارق[عہ۴] کی طرف نصوص متواترہ میں نزول وصعود و وضع وتمکن وغیرہ اعراض جسم وجسمانیات قطعاً منسوب اور وہ نسبتیں اہل حق کے نزدیک ظاہر پر محمول[عہ۵]۔

یالیت شعری جب ارواحِ شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت۔

الترمذی عن کعب بن مالك قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ان ارواح الشهداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنة[۱]

(امام ترمذی کعب ابن مالک سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:) بے شک شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں میوہ ہائے جنت سے لُطف اندوز ہوتی ہیں۔

بلکہ دوسری روایت میں ارواحِ عام مومنین کے لئے یہی ارشاد،

الامام احمد عن الامام الشافعی عن الامام مالك عن الزهری عن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالك عن ابیه رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم نسمة المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه اللّٰه تعالٰی فی جسده یوم یبعثه[۲]

امام احمد امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک سے وہ اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ) مومن کی رُوح پرندہ کی صورت میں جنت کے درختوں میں رہتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالٰی اسے اپنے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔

عہ۱ عادت کے خلاف، کرامت وغیرہ۔

عہ۲ وہ احادیث جو احوالِ برزخ پر مشتمل ہیں ان میں جسم مثالی بکثرت ذکر آیا ہے لہذا وہ احادیث جسم مثالی کے وجود پر گواہ ہیں۔ عہ۳ کوئی بھی صورت ہو۔ عہ۴ جسم سے جدا رُوح۔

عہ۵ اہل سنّت کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر ہیں ان میں کوئی تاویل نہیں کی گئی۔

---

[۱] جامع الترمذی ابواب فضائل الجہاد باب ماجاء فی ثواب شہید امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۷

[۲] مسند احمد بن حنبل حدیث کعب بن مالک انصاری المکتب اسلامی بیروت ۳/ ۴۵۵

تو دُودھ پلانے میں کیا استحالہ ہے۔ حالِ روح بعد فراق وپیش از تعلق میں فارق کیا ہے؟[1] آخر حضرت ابراہیم علٰی ابیہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے صحیح حدیث میں ہے:
"جنت میں دو دایہ ان کی مدتِ رضاعت پوری کرتی ہیں۔"

رواہ احمد ومسلم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابراھیم ابنی وانہ مات فی الثدی وان لہ ظئرین یکملان رضاعہ فی الجنۃ۔[1]

اس کو امام احمد ومسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم میرا بیٹا جو شیر خوارگی کی عمر میں وصال فرما گیا ہے بیشک جنت میں اس کیلئے دو دایہ ہیں جو اس کی مدتِ رضاعت پوری کریں گی۔(ت)

بایں ہمہ یہ باتیں نافی استحالہ ہیں نہ مثبت وقوع۔[2] قول بالوقوع تاوقتیکہ نقل ثابت نہ ہو جزاف[3] وبے اصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

جواب سوال ۳:

زنبیلِ ارواح[4] چھین لینا خرافات مخترعہ جہّال سے ہے۔ سیّدنا عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام رسل ملائکہ سے ہیں اور رسل ملائکہ اولیاء بشر سے بالاجماع افضل۔ تو مسلمانوں کو ایسے اباطیل واہیہ

---

[1] روح کے جسم سے جُدا ہونے کے بعد کی حالت اور جسم سے متعلق ہونے سے پہلے کی حالت میں کوئی فرق نہیں۔
[2] ان دلائل سے استحالہ کی نفی ہوتی ہے لیکن اس کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔
[3] من گھڑت، جھوٹ، بیہودہ۔
[4] روحوں کا تھیلا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ صلے اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال الخ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۵۴
مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۱۲

سے احتراز لازم۔ واللہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد۔

جواب سوال ۵ :

یُونہی جس کا عقیدہ ہو کہ حضور پرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جناب افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں یا ان کے ہمسر ہیں ؏

؏ تنبیہ : بنائے انکار یہ طرز ادا ہے ورنہ ممکن کہ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ روحیں بامرِ الٰہی قبض فرمائی ہوں اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دُعا سے باذنِ الٰہی پھر اپنے اجسام کی طرف پلٹ آئی ہوں کہ احیاء مردہ حضور پُرنور و دیگر محبوبانِ خدا سے ایسا ثابت ہے کہ جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

یُوں ہی ممکن کہ حضرت ملک الموت نے بنظرِ صحائف محو و اثبات قبض بعض ارواح شروع کیا اور علمِ الٰہی میں قضائے ابرام نہ پایا تھا برکت دُعائے محبوب قبض سے باز رکھے گئے ہوں۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب لواقح الانوار میں حالات حضرت سیدی شیخ محمد شربینی قدس سرہٗ میں لکھتے ہیں :

لما ضعف ولدہ احمد واشرف علی الموت وحضر عزرائیل لقبض روحہ قال لہ الشیخ ارجع الی ربک فراجعہ فان الامر نسخ فرجع عزرائیل وشفی احمد من تلک الضعفۃ وعاش بعدھا ثلاثین عاما[1]

یعنی جب اُن کے صاحبزادے احمد ناتوان ہو کر قریبِ مرگ ہوئے اور حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی رُوح قبض کرنے آئے حضرت شیخ نے ان سے گزارش کی کہ اپنے رب کی طرف واپس جائیے اس سے پوچھ لیجئے کہ حکمِ موت منسوخ ہو چکا ہے۔ عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پلٹ گئے، صاحبزادے نے شفا پائی اور اس کے بعد تیس برس زندہ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ (لواقح الانوار) خاتمۃ الکتاب ترجمہ ۲۰ شیخ محمد الشربینی دار الفکر بیروت ۲/ ۱۸۵

گمراہ بدمذہب ہے۔ سبحان اللہ، اہلِ سنّت کا اجماع ہے کہ حضور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت امام اولیاء، مرجع العرفاء، امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اکرم و افضل واتم واکمل ہیں جو اس کا خلاف کرے اسے بدعتی، شیعی، رافضی مانتے ہیں، نہ کہ حضور غوثیت مآب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل دینی کہ معاذ اللہ انکار آیات قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ وخرق اجماع امت مرحومہ ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ مسکین اپنے زعم میں سمجھا کہ میں نے حق محبت حضور پُرنور سلطان غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ادا کیا کہ حضور کو ملک مقرب پر غالب یا افضل بتایا، حالانکہ ان بیہودہ کلمات سے پہلے بیزار ہونے والے سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، وباللہ التوفیق۔

جواب سوال ۱:

رہا شبِ معراج میں روح پُرفتوح حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حاضر ہو کر پائے اقدس حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نیچے گردن رکھنا، اور وقتِ رکوبِ براق یا صعودِ عرش زینہ بننا، شرعاً وعقلاً اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں۔

سدرۃ المنتہٰی اگر منتہائے عروج ہے تو باعتبارِ اجسام نہ بنظرِ ارواح۔ عروج روحانی ہزاروں اکابر اولیاء کو عرش بلکہ مافوق العرش تک ثابت وواقع، جس کا انکار نہ کرے گا مگر علومِ اولیاء کا منکر ــــ بلکہ باوضو سونے والے کے لئے حدیث میں وارد کہ،

"اس کی روح عرش تک بلند کی جاتی ہے۔"

نہ اس قصہ میں معاذ اللہ بوئے تفضیل یا ہمسری حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے نکلتی ہے، نہ اس کی عبارت یا اشارت سے کوئی ذہنِ سلیم اس طرف جا سکتا ہے۔ کیا عجب سواریِ براق سے بھی یہی معنی تراشے جائیں کہ اوپر جانے کا کام حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے انجام کو نہ پہنچا براق نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی ــــ درپردہ اس میں براق کو فضیلت دینا لازم آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنفسِ نفیس تو نہ پہنچ سکے اور براق پہنچ گیا اس کے ذریعے سے حضور کی رسائی ہوئی۔

ع فضیلت دینا

یا ھذا خدمت کے افعال جو بنظرِ تعظیم و اجلال سلاطین بجا لاتے ہیں کیا ان کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ بادشاہ ان امور میں عاجز اور ہمارا محتاج ہے! ــــ علاوہ بریں کسی بلندی پر جانے کے لئے زینہ بننے سے یہ کیونکر مفہوم کہ زینہ بننے والا خود بے زینہ وصول پر قادر ــــ نردبان[1] ہی کو دیکھیں کہ زینہ صعود ہے اور خود اصلاً صعود پر قادر نہیں۔

فرض کیجئے کہ ہنگام بُت شکنی حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی عرض قبول فرمائی جاتی اور حضور پُر نور افضل صلوات اللہ واکمل تسلیماتہ علیہ وعلیٰ آلہٖ ان کے دوش مبارک پر قدم رکھ کر بُت گراتے تو کیا اس کا یہ مفاد ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو معاذ اللہ اس کام میں عاجز اور حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ قادر تھے۔ غرض ایسے معنے محال، نہ ہرگز عبارت قصہ سے مستفاد، نہ ان کے قائلین بے چاروں کو مراد، واللہ الھادی الی سبیل الرشاد (اور اللہ تعالیٰ ہی درست راستے کی طرف ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ ت)

یہ بیان ابطال استحالہ واثبات صحت بمعنی امکان کے متعلق تھا۔ رہا اس روایت کے متعلق بقیہ کلام، وہ فقیر غفر اللہ تعالیٰ کے مجلد دوم[2] العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی کتاب مسائل شتی میں مذکور کہ یہ سوال پہلے بھی اجین سے آیا اور اس کا جواب قدرے مفصل دیا گیا تھا۔

خلاصہ مقصد اس کا مع زیاداتِ جدیدہ یہ کہ اس کی اصل کلمات بعض مشائخ میں مسطور، اس میں عقلی و شرعی کوئی استحالہ نہیں، بلکہ احادیث واقوال اولیاء وعلماء میں متعدد بندگانِ خدا کے لئے ایسا حضور روحانی وارد۔

(۱ و ۲) مسلم اپنی صحیح اور ابوداؤد طیالسی مسند میں جابر بن عبداللہ انصاری اور عبد بن حمید بسند حسن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ماھذہ قالوا ھذا بلال ثم دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ماھذہ	میں جب جنت میں داخل ہوا تو ایک پہچل سنی، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ملائکہ نے عرض کی: یہ بلال ہیں۔ پھر تشریف لے گیا، پہچل سنی، میں نے پوچھا

---

[1] سیڑھی

[2] یاد رہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں یہ مسائل شاملِ اشاعت نہیں ہو سکے تھے اب ان کو اشاعتِ جدید میں کتاب الشتی کی پیشِ نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔

قالوا ھذہ الغمیصاء بنت ملحان[1]

یہ کیا ہے؟ عرض کیا: غمیصا بنت ملحان، یعنی ام سلیم مادرِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

ان کا انتقال خلافتِ امیرالمومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوا کما ذکرہ الحافظ فی التقریب[2] (جیسا کہ حافظ نے تقریب میں اس کو ذکر کیا۔ ت)

(۳) امام احمد و ابویعلٰی بسندِ صحیح حضرت عبداللہ بن عباس اور

(۴) طبرانی کبیر اور ابن عدی کامل بسندِ حسن ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت فی جانبھا وجسا فقلت یاجبرئیل ما ھذا قال ھذا بلال المؤذن[3]

میں شبِ معراج جنت میں تشریف لے گیا اسکے گوشہ میں ایک آواز نرم سنی، پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی: یہ بلال مؤذن ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۵) امام احمد و مسلم و نسائی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور والاصلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ بین یدی، فقلت ماھذہ الخشفۃ، فقیل الغمیصاء بنت ملحان[4]

میں بہشت میں رونق افروز ہوا، اپنے آگے ایک کھٹکا سُنا، پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی گئی: غمیصاء بنت ملحان۔

---

[1] کنزالعمال بحوالہ عبدبن حمید عن انس والطیالسی عن جابر حدیث ۳۳۱۶۱ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/۶۵۳
مسند ابی داؤد الطیالسی عن جابر حدیث ۱۷۱۹ دارالمعرفۃ بیروت الجزء السابع ص ۲۳۸
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۹۲

[2] تقریب التھذیب ترجمہ ۸۷۸۰ ام سلیم بنت ملحان دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۶۶۸

[3] کنزالعمال حدیث ۳۳۱۶۲ و ۳۳۱۶۳ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/۶۵۳
الکامل لابن عدی ترجمہ یحیٰی بن ابی حیۃ ابن جناب الکلبی دارالفکر بیروت ۷/۲۶۴۰

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۹۲
مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۹۹

(۶) امام احمد ونسائی وحاکم باسنادِ صحیح اُم المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

دخلت الجنة فسمعت فیها قراءة، فقلت من هذا؟ قالوا حارثة بن نعمان کذلکم البر کذلکم البر[1]۔

میں بہشت میں جلوہ فرما ہوا، وہاں قرآن کریم پڑھنے کی آواز آئی، پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کی گئی: حارثہ بن نعمان۔ نیکی ایسی ہوتی ہے نیکی ایسی ہوتی ہے۔

یہ حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ خلافتِ امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں راہی جنان ہوئے قالہ ابن سعد فی الطبقات وذکرہ الحافظ فی الاصابة[2] (ابن سعد نے طبقات میں اور حافظ نے اصابہ میں اس کو ذکر کیا۔ ت)

(۷) ابن سعد طبقات میں ابوبکر عدوی سے مرسلاً راوی حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

دخلت الجنة فسمعت نحمة من نعیم[3]۔ میں جنت میں تشریف فرما ہوا تو نعیم کی کھنکار سنی۔

یہ نعیم بن عبداللہ عدوی معروف بہ نحّام (کہ اسی حدیث کی وجہ سے ان کا یہ عرف قرار پایا) خلافت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں جنگِ اجنادین میں شہید ہوئے۔

کما ذکرہ موسٰی بن عقبة فی المغازی عن الزهری وکذا قاله ابن اسحٰق ومصعب الزبیری واٰخرون کما فی الاصابة[4]۔

جیسا کہ موسٰی بن عقبہ نے مغازی میں زہری کے حوالے سے اس کو ذکر کیا یوں ہی کہا ابن اسحٰق اور مصعب زبیری اور دیگر علماء نے جیسا کہ اصابہ میں ہے۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۶
المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ مناقب حارثہ بن نعمان دار الفکر بیروت ۳/ ۲۰۸
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان دار صادر " ۱/ ۲۹۸

[2] " " " " " " " " " " " ۱/ ۲۹۹
الطبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ حارثہ بن نعمان " " " ۳/ ۴۸۸

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد الطبقۃ الثانیۃ من المہاجرین والانصار ترجمہ نعیم بن عبداللہ المعروف النحام دار صادر بیروت ۴/ ۱۳۸

[4] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ نعیم بن عبداللہ ۸۷۷۶ دار صادر بیروت ۳/ ۵۶۸

سبحان اللہ! جب احادیثِ صحیحہ سے احیائے عالمِ شہادت کا حضور ثابت تو عالمِ ارواح سے بعض ارواحِ قدسیہ کا حضور کیا دُور۔

(۸) امام ابوبکر بن ابی الدنیا ابوالمخارق سے مرسلاً راوی، حضور پُرنور صلوات اللہ سلامہ علیہ فرماتے ہیں:

مررت لیلۃ اسری بی برجل مغیب نور العرش، قلت: من ھذا، املك؟ قیل، لا۔ قلت: نبی؟ قیل: لا۔ قلت: من ھذا؟ قال: ھذا رجل کان فی الدنیا لسانہ رطب من ذکر اللہ تعالٰی وقلبہ معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیہ قط[1]

یعنی شبِ اسرٰی میرا گزر ایک مرد پر ہوا کہ عرش کے نور میں غائب تھا، میں نے فرمایا: یہ کون ہے، کوئی فرشتہ ہے؟ عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا: نبی ہے؟ عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا: کون ہے؟ عرض کرنے والے نے عرض کی، یہ ایک مرد ہے دُنیا میں اس کی زبان یادِ الٰہی سے تر تھی اور دل مسجدوں سے لگا ہوا اور (اس نے کسی کے ماں باپ کو بُرا کہہ کر) کبھی اپنے ماں باپ کو بُرا نہ کہلوایا۔

ثم **اقول** وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت) کیوں راہ دور سے مقصد قرب نشان دیجئے، فیضِ قادریت جوش پر ہے، بحرِ حدیث سے خاص گوہرِ مراد حاصل کیجئے۔ حدیث مرفوع مروی کتب مشہورہ ائمہ محدثین سے ثابت کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مع اپنے تمام مریدین واصحاب وغلامان بارگاہ آسمان قباب کے شبِ اسرٰی اپنے مہربان باپ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضورِ اقدس کے ہمراہ بیت المعمور میں گئے وہاں حضور پُرنور کے پیچھے نماز پڑھی، حضور کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ والحمد للہ رب العلمین (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

اب ناظرِ غیر وسیع النظر متعجبانہ پُوچھے گا کہ یہ کیونکر؟ ـــــ ہاں ہم سے سُنئے۔ واللہ الموفق۔

ابن جریر وابن ابی حاتم وابویعلٰی وابن مردویہ وبیہقی وابن عساکر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی الدنیا تحت الآیۃ ۱۷/۱ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۴/۱۴۹
الترغیب والترھیب بحوالہ " " کتاب الذکر والدعاء الترغیب فی الاکثار من ذکراللہ مصطفی البابی مصر ۲/۳۹۵

تعالٰی عنہ سے حدیث طویل معراج میں راوی، حضور اقدس سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

ثم صعدت الی السماء السابعۃ فاذا انا بابراھیم الخلیل مسند ظہرہ الی البیت المعمور (فذکر الحدیث الی ان قال) واذا بامتی شطرین شطر علیھم ثیاب بیض کانہا القراطیس و شطر علیھم ثیاب رمد فدخلت البیت المعمور ودخل معی الذین علیھم الثیاب البیض وحجب الاخرون الذین علیھم ثیاب رمد وھم علی خیر فصلیت انا و من معی من المومنین فی البیت المعمور ثم خرجت انا و من معی[1] (الحدیث)۔

پھر میں ساتویں آسمان پر تشریف لے گیا، ناگاہ وہاں ابراہیم خلیل اللہ ملے کہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے تشریف فرما ہیں اور ناگاہ اپنی امت دو قسم پائی، ایک قسم کے سپید کپڑے ہیں کاغذ کی طرح، اور دوسری قسم کا خاکستری لباس۔ میں بیت المعمور کے اندر تشریف لے گیا اور میرے ساتھ سپید پوش بھی گئے، میلے کپڑوں والے روکے گئے مگر ہیں وُہ بھی خیر و خوبی پر۔ پھر میں نے اور میرے ساتھ کے مسلمانوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔ پھر مَیں اور میرے ساتھ والے باہر آئے۔

ظاہر ہے کہ جب ساری امت مرحومہ بفضلہ عزوجل شرف باریاب سے مشرف ہوئی یہاں تک کہ میلے لباس والے بھی۔ تو حضور غوث الورٰی اور حضور کے منتسبان باصفا تو بلاشبہہ ان اجلی پوشاک والوں میں ہیں، جنھوں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ بیت المعمور میں جاکر نماز پڑھی، والحمد للہ رب العٰلمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ ت)۔

اب کہاں گئے وہ جاہلانہ استبعاد کہ آج کل کے کم علم مفتیوں کے سدِّ راہ ہوئے، اور جب یہاں تک بحمداللہ ثابت تو معاملۂ قدم میں کیا وجہِ انکار ہے کہ قولِ مشائخ کو خواہی نخواہی رَد کیا جائے۔ ہاں سند محدثانہ نہیں — پھر نہ ہو — اس جگہ اسی قدر بس ہے — سند معنعن[ع] کی حاجت نہیں،

ع: ایسی روایت جس میں ایک راوی دوسرے راوی سے "عن فلان" کے لفظ سے روایت کرے۔

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجہ الی السماء الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۴
دلائل النبوۃ للبیہقی باب الدلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرج بہ الی السماء دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۹۲-۳۹۳
الدر المنثور بحوالہ ابن جریر و ابن حاتم وغیرہ الخ تحت الآیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۶۲

کمابیّناہ فی رسالتنا ھدی الحیران فی نفی الفیئ عن سید الاکوان " (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ " ہدی الحیران فی نفی الفیئ عن سید الاکوان " میں اسے بیان کیا ہے۔ت)

امام جلال الدین سیوطی نے مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء " میں مرثیہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ " بابی انت وامی یارسول اللہ الخ " (یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ت) کی نسبت فرماتے ہیں،

لم اجدہ فی شیئ من کتب الحدیث الاثر (الٰی قولہ) بالاحکام[2]

میں نے یہ روایت کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی مگر صاحبِ اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے حدیثِ طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انھیں کچھ بابِ احکام سے تعلق نہیں۔

اور یہ تو کسی سے کہا جائے کہ حضرات مشائخ کرام قدست اسرارہم کے علوم اسی طریقۂ سندِ ظاہری حدثنا فلان عن فلان میں منحصر نہیں، وہاں ہزارہا ابوابِ وسیعہ و اسبابِ رفیعہ ہیں کہ اس طریقۂ ظاہرہ کی وسعت ان میں سے کسی کے ہزارویں حصہ تک نہیں، تو اپنے طریقہ سے نہ پانے کو ان کی تکذیب کی حجت جاننا کیسی ناانصافی ہے۔

انسان کی سعادتِ کبرٰی ان مدارجِ عالیہ و معارکِ غالیہ تک وصول رہے ــــ اور اس کی بھی توفیق نہ ملے تو کیا درجۂ تسلیم، نہ کہ معاذ اللہ انکار و تکذیب کہ سخت مہلکہ ہائلہ ہے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) ــــ جیسے آج کل ایک تجرّبی بے بہرہ نے رسالہ " لباب المعانی " سیاہ کرکے مصر میں چھپوایا اور صرف اس پر کہ حضرت امام عارف باللہ، ثقہ، حجت، فقیہ، محدث، امام القراء، سیدی ابوالحسن علی نورالملۃ والدین شطنوفی قدس سرہ الصافی الصوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں باسنادِ صحیح حضرت امام اجل سیدی احمد رفاعی قدس سرہ الرفیع پر حضور پرنور سید الاولیا حضرت غوث الورٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل روایت فرمائی، نہ صرف اس امام جلیل و کتابِ جمیل بلکہ خاک بدہن گستاخ جنابِ اقدس میں

---

[1] نسیم الریاض بحوالہ المناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸

[2] " " " " " " " " " " " " " " " " " " "

کوئی دقیقہ بے ادبی اٹھا نہ رکھا۔ نعوذ باللہ من الخذلان ولاحول ولا قوۃ الا باللہ القادر المستعان (ہم ذلت ورسوائی سے اللہ تعالٰی کی پناہ چاہتے ہیں جو قدرت والا ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ ت)

یہ لباب عجاب اوّل تا آخر جہالاتِ فاضحہ وخرافاتِ واضحہ کا لب لباب ہے۔ کثرتِ مسائل سے نامِ فرصت عنقا نہ ہوتا تو فقیر اس کا رَد لکھ دیتا۔ مگر الحمدللہ نارِ باطل خود منطفی[1] ہے اور ہمارے بلاد میں اس کا شر بکثیر منتفی[2]۔ فلاحاجۃ الی اشاعۃ خرافاتہ ولو علٰی وجہ الرد (اس کی خرافات کو شائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ بطورِ رَد ہو۔ ت)

بالجملہ روایت نہ عقلاً مردود نہ شرعاً مہجور، اور کلماتِ مشائخ میں مسطور وماثور اور کتبِ احادیث میں ذکر معدوم نہ کہ عدم مذکور ـــــ نہ روایاتِ مشائخ اس طریقۂ سندِ ظاہری میں محصور، اور قدرتِ قادر وسیع وموفور، اور قدرِ قادری کی بلندی مشہور، پھر رَد وانکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔ والحمدللہ العزیز الغفور، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے، اور اللہ سبحانہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم خوب تام اور خوب مضبوط ہے۔ ت)

مسئلہ ثالثہ

مسئلہ مسئولہ مولوی نور محمد صاحب کانپوری، ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع دیوان، ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ۔

ما قولکم یا علماء الملۃ السمحۃ البیضاء ومفتی الشریعۃ الغراء فی ھٰذہ:
آپ کا کیا ارشاد ہے اے فراخ وروشن ملت کے عالمو اور اے چمکدار شریعت کے مفتیو! اس مسئلہ میں: (ت)

مولود غلام امام شہید، صفحہ ۵۹ سطر ۱۱ میں لکھا ہے کہ:
"شب معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روح پاک

---

[1] بجھی ہوئی۔
[2] ختم، نیست ونابود۔

نے حاضر ہو کر گردنِ نیاز صاحبِ لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجۂ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردنِ غوثِ اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں، اگر آج اس نعمت سے کچھ منزلت بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ: "تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا"۔

اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحبِ منازل اثنا عشریہ بھی تحفۃ القادریہ سے لکھتے ہیں اسی کتاب کے صفحہ ۵۰، سطرہ میں مرقوم ہے کہ:

"خواجۂ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہو کر سوار ہونے لگے براق نے شوخی شروع کی، جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا بےحرمتی ہے، تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے؟ خلاصہ ہژدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اٹھارہ ہزار جہانوں کے خلاصہ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ت) براق نے کہا کہ اے امینِ وحیِ الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں ایک التماس ہے۔ فرمایا: بیان کرو۔ عرض کیا، آج دولتِ زیارت سے مشرف ہوں کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپ کی سواری کے واسطے آئیں گے، امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں"۔

صاحبِ تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں کہ:

"وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اونچا ہوا کہ صاحبِ معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا"۔

پس استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستہ وغیرہ احادیث وشفائے قاضی عیاض وغیرہ کتب معتبرہ فن میں موجود ہے یا نہ۔ بیان کاف وشاف بالاسانید من المعتبرات المعتقدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیرا۔ بیّنوا توجروا (معتبر ومعتمد سندوں کے ساتھ کافی و شافی بیان پوری شرح وتفصیل کے ساتھ ارشاد فرمائیں۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بیان کرو اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب

کتبِ احادیث وسیر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر، بلکہ صریح اباطیل وموضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثنا عشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری نہ کہیں اس کا

تذکرہ دیکھا۔

تحفہ قادریہ شریف اعلیٰ درجہ کی مستند کتاب ہے میں اس کے مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا اور جو میری نظر سے گزرا اُن میں یہ روایات اصلاً نہیں[۱]

بایں ہمہ اس زمانہ کے مفتیانِ جہول مخطیانِ غفول[۲] نے جو اس کا بطلان یوں ثابت کرنا چاہا کہ سدرۃ المنتہیٰ سے بالا عروج کیا اور اس میں معاذ اللہ حضور اقدس و انور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم پر حضور پُرنور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تفضیل نکلتی ہے[۳] یہ محض تعصب وجہالت ہے جس کا رد فقیر نے ایک مفصل فتوٰی میں سترہ سال ہوئے، کیا، جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ کٹھور ضلع سورت سے ایک سوال آیا تھا[۴]

فاضل عبدالقادر قادری ابن شیخ محی الدین اربلی نے کتاب "تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر" رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ روایت لکھی ہے[۵] اور اسے جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمۃ اللہ

---

[۱] تحفہ قادریہ، حضرت شاہ ابوالمعالی قادری (۱۱۱۶ھ) کی فارسی تالیف ہے جس میں حضور غوث الورٰی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حالات اور کرامات کا تذکرہ ہے۔ آپ اپنے وقت کے سربرآوردہ مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کے ارشاد پر اشعۃ اللمعات اور شرح فتوح الغیب مکمل فرمائی۔ آپ کا مزار لاہور میں واقع ہے۔

تحفہ قادریہ کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں، اصل فارسی نسخہ تاحال طبع نہ ہوا، البتہ اس کا اُردو ترجمہ (۱) سیرت الغوث مولفہ محمد باقر نقشبندی (۱۳۲۳ھ) مطبع منشی نول کشور پریس لاہور اور (۲) تحفہ قادریہ (اردو ترجمہ) مولفہ مولانا عبدالکریم (۱۳۲۴ھ) ملک فضل الدین تاجر کتب لاہور کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔

[۲] جاہل، غافل اور خطا کار مفتی۔

[۳] دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرفعلی تھانوی، مدرسہ دیوبند کے اساطین مولوی خلیل احمد اور مولوی رشید احمد انبیٹھوی کے فتاوٰی کی تردید ہو رہی ہے، یہ فتاوٰی موجودہ رسالہ مبارکہ میں شامل کر دئے گئے ہیں۔

[۴] ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ رسالہ ہذا۔

[۵] "تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر" رضی اللہ تعالےٰ عنہ، المنقبۃ الاولےٰ، سُنّی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۲۴ و ۲۵۔

کی کتاب حرز العاشقین سے نقل کیا ہے۔ اور ایسے امور میں اتنی ہی سند بس ہے۔ اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتوے میں ہے جس کا سوال ۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کو اوجین سے آیا تھا[1]، و باللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم (اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)۔

رسالہ

فتاوٰی کرامات غوثیہ

ختم ہوا

---

[1] ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ، رسالہ ہذا۔

خلاصہ جواب تھانوی و دیوبند

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بلا دلیل شرعی کسی قول یا فعل کو منسوب کرنا جمہور کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک کفر ہے۔ پس روح مقدس حضرت غوث اعظم پر آپ کا سوار ہو کر عرش پر پہنچنے کی نسبت فعل اور آپ کا فرمانا کہ "میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے" قول کی نسبت بلا دلیل۔ پس سخت معصیت و حرام ہے۔

اور چونکہ منقولین اور ان امور کے اصرار کرتے اور اس کو مستحسن سمجھتے ہیں۔ پس اصرار علی المعصیۃ قریب کفر اور اس کا استحسان صریح کفر ہے۔ ایسے لوگوں کے ایمان میں کلام اور اشتباہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ درپردہ اس قصہ میں حضرت غوث اعظم کو فضیلت دینا لازم آتا ہے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ تو وہاں نہ پہنچ سکے اور حضرت غوث اعظم پہنچ گئے اور ان کے ذریعہ سے آپ کی رسائی ہوئی، نعوذ باللہ منہ۔

قطع نظر اس سے سدرۃ المنتہیٰ کو اس لئے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں کہ وہ منتہی عروج مخلوقات کا ہے۔ پس جس کا عروج اس سے اوپر بالدلیل ہو، مستثنیٰ ہے۔ دوسرے کے عروج کا دعویٰ رجم بالغیب جس کی مذمت قرآن مجید میں منصوص ہے۔ اسی طرح یہ اعتقاد کہ زنبیل چھین لی مخالف نص قرآنی منجر الی الکفر ہے۔ ایسے ہی حضرت عائشہ کا دودھ پلانا، اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔ اول تو حضرت عائشہ کے دودھ ہی نہ تھا، دوسرے روح منہ اور لب اور پیٹ سے پاک ہے۔ یہ چیزیں خواصِ اجسام سے ہیں۔ پھر دودھ پینے کے کیا معنی۔ اور حضرت ابوبکر سے کسی بھی صحابی کو افضل سمجھنا خلافِ اجماعِ امت ہے نہ کہ ایک ولی کو کہ سخت معصیت و بدعت و مخالف سننِ مشہورہ کے ہے۔ اور یہ قول کہ "قدمی علٰی رقاب اولیاء" خود حضرت غوث صاحب سے ثقات نے نقل فرمایا ہے آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف دروغ ہے۔

کتبہ محمد اشرف علی

مُہر

۲ - فی الواقع یہ اوہام خیالاتِ باطلہ اور جُہالاتِ فاسدہ ہیں جو جُہال معتقدین اپنے معتقد علیہ کی نسبت شائع کیا کرتے ہیں - نعوذ باللہ من تلک الکفریات والھفوات -

حررہٗ خلیل احمد (انبیٹھی) مدرسہ دیوبند

۳ - جواب صحیح ہے - رشید احمد گنگوہی

رشید احمد

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عہد الجاہلیہ

۱۳۱۲ھ

(زمانہ جاہلیت کے عیب سے مقامِ حیدری کی پاکی کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۹ از بنارس کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب
۹ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکت، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، جناب مولٰینا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدّ اللہ فیضانہ (اللہ تعالٰی آپ کا فیضان ہمیشہ جاری رکھے۔ ت) ازجانب خادم الطلبہ عبدالغفور سلام علیک قبول باد، اس مسئلہ میں یہاں درمیان علماء کے اختلاف ہے لہذا مسئلہ ارسالِ خدمت لازم البرکت ہے امید کہ جواب سے مطلع فرمائیں۔

زید کہتا ہے کہ جناب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ چونکہ قبل از بلوغ ایمان لائے اور نہ پہلے بُت پرستی شرک وکفر وغیرہ کے آپ مبتلا ہوئے نیز بلحاظِ حدیث شریف؛

کلّ مولودٍ یولدُ علی الفطرۃ۔[1] ہر بچّہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے (ت)

یہ کہنا کہ آپ پہلے کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے صحیح نہیں، اور جملہ مذکور بہ نسبت آپ کے سُوئے ادب میں داخل ہے۔

عمرو کہتا ہے چونکہ اطفال تابع والدین کے ہوتے ہیں اور والدین آپ کے حالتِ کفر پر تھے، لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے علی مرتضٰی کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے فقط۔ اس صورت میں زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان فرمائیے اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی کرم وجہ علی ن المرتضٰی ۞ فلم یزل محظوظا منہ بعین الرضٰی ۞ والصّلوٰۃ والسلام علی السید العلی الرضی الارضٰی ۞ شفیع المذنبین یوم فصل القضاء ۞ وعلٰی اٰلہ وصحبہ بعدد کل من یاتی ومضٰی ۞

اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان رحم والا۔ ساری تعریف اللہ کے لئے جس نے علی مرتضٰی کے چہرے کو عزّت وکرامت بخشی تو وہ ہمیشہ اس کی رضا وخوشنودی سے بہرہ ور رہے۔ اور درود وسلام ہو بلند، پسندیدہ، پسندیدہ تر سردار، فیصلہ قضا کے دن گنہگاروں کے شفیع پر اور اُن کی آل اور ان کے اصحاب پر تمام اگلے پچھلوں کی تعداد کے برابر۔ (ت)

قولِ زید حق وصحیح قولِ عمرو باطل وقبیح ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) یہ تو ظاہر ومعلوم وثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی وقتِ بعثتِ سراپا برکت حضور پُر نور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوراً مشرف بتصدیق وایمان ہوئے اس وقت عمر مبارک حضرت مرتضوی آٹھ دس سال تھی اور بالیقین جو عاقل بچّہ اسلام لائے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۵
سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۲
جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۶
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۳۳

حکمِ اسلام میں مستقل بالذات ہے پھر کسی کی تبعیت سے اس پر حکم دیگر حلال نہیں۔

فی المواھب، کان سن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اذ ذاک عشر سنین فیما حکاہ الطبری اھ[1]

مواہب لدنیہ میں ہے، اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عمر دس سال تھی، جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے اھ۔

قال الزرقانی، وھو قول ابن اسحٰق واقتصر المصنف علیہ لقول الحافظ انہ ارجح الاقوال[2]

زرقانی نے فرمایا، یہی ابن اسحٰق کا بھی قول ہے، مصنف نے صرف اسی قول کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ سب سے راجح قول یہی ہے۔ (ت)

وروی ابن سفیٰن باسناد صحیح عن عروۃ قال اسلم علی وھو ابن ثمان سنین وصدر بہ فی العیون[3] الخ۔

اور ابن سفیان نے بسندِ صحیح حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی آٹھ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ عیون الاثر (لابن سید الناس) میں اسی قول کو پہلے ذکر کیا۔ (ت)

وفی ردالمحتار، قولہ وسنہ سبع وقیل ثمان وھو الصحیح، واخرجہ البخاری فی تاریخہ عن عروۃ۔ وقیل عشر اخرجہ الحاکم فی المستدرک۔ وقیل خمسۃ عشر وھو مردود وتمام ذٰلک مبسوط فی الفتح[4] اھ۔

ردالمحتار میں ہے، قولہ ان کی عمر سات سال تھی۔ اور کہا گیا کہ آٹھ سال تھی۔ یہی صحیح ہے اسی کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عروہ سے روایت کیا۔ اور کہا گیا کہ دس سال تھی، اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ــــ اور کہا گیا کہ پندرہ سال تھی، یہ قول مردود و نامقبول ہے۔ پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے اھ۔ (ت)

وفی نکاحہ عن احکام الصغار

ردالمحتار کتاب النکاح میں احکام الصغار

---

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الاول من اُمن المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۶

[2] و [3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ " " " " دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۲

[4] ردالمحتار کتاب الجہاد باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۰

للاستروسنی انه قبل البلوغ تبع لابویه فی الدین مالم یصف الاسلام[1] قال، فافاد ان التبعیة لاتنقطع الا بالبلوغ او بالاسلام بنفسه و به صرح فی البحر[عہ] والمنح من باب الجنائز اھ[1]۔

للاستروشنی سے نقل ہے، بچہ قبل بلوغ دین میں اپنے والدین کا تابع ہے جب کہ خود مسلمان نہ ہوا ہو۔ شامی نے کہا، افادہ فرمایا کہ یہ تبعیت بالغ ہونے یا خود اسلام لانے ہی سے ختم ہوتی ہے اسی کی تصریح بحرالرائق[عہ] اور منح الغفار باب الجنائز میں بھی ہے اھ (ت)

توبعدِ بعثت تو اس خیال شنیع کی زنہار گنجائش نہیں بلکہ اس سے پیشتر بھی کہ جب قریش مبتلائے قحط ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوطالب پر تخفیفِ عیال کے لئے امیرالمومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو اپنی بارگاہِ ایمان پناہ میں لے آئے تھے کما ذکرہ ابن اسحٰق[2] فی سیرتہ (جیسا کہ اس کو ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ذکر کیا۔ ت)

حضرت مولٰی نے حضور مولی الکل سید الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا دیکھا، حضور ہی کی باتیں سُنیں، عادتیں سیکھیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہ وبارک وسلم۔ توجب سے اُس جنابِ عرفان مآب کو ہوش آیا قطعاً یقیناً رب عزوجل کو ایک ہی جانا، ایک ہی مانا۔ ہرگز ہرگز بُتوں کی نجاست سے اس کا دامنِ پاک کبھی آلودہ نہ ہوا۔ اسی لئے لقبِ کریم "کرّم اللہ تعالٰی وجہہ" ملا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

عہ ولفظہ: ولاتزول التبعیة الی البلوغ، نعم تزول التبعیة اذا اعتقد دینا غیردین ابویہ اذا عقل الادیان فحینئذ صار مستقلاً[3]۔

ولفظہ: تبعیت بلوغ تک ختم نہیں ہوتی، ہاں اس وقت تبعیت ختم ہوجاتی ہے جب ادیان کی سمجھ رکھ کر اپنے ماں باپ کے دین کے علاوہ کسی دین کا معتقد ہوجائے اب وہ (تابع نہ رہا) خود مستقل ہوگیا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۴

[2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اول ذکر اسلم الجزأین الاولین دار ابن کثیر بیروت ص ۲۴۶

[3] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

ذوالفضل المبین (یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے وہ نمایاں فضل والا ہے۔ ت)

اب رہ گئے صرف چند برس جو روزِ پیدائش سے بالکل ناسمجھی کے ہوتے ہیں جن میں بچہ نہ کچھ ادراک رکھتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمر میں حقیقۃً تو کوئی بچہ کافر نہیں کہا جاسکتا^ع کہ صدقِ مشتق قیامِ مبدء کو مستلزم۔ کفر تکذیب ہے، اور تکذیب بے ادراک وتمیز نامتصور بلکہ اس وقت تک ہر بچّے کا دینِ فطری اسلام ہے کما نطقت بہ صحاح الاحادیث (جیسا کہ صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں۔ ت)

ہاں جس کے والدین کافر ہوں اس پر ان کی تبعیت کا حکم کیا جاتا ہے جبکہ تبعیت متصور بھی ہو ورنہ نہیں، جیسے وہ بچہ جسے دارالاسلام میں اسیر کرلائیں اور اس کے کافر ماں باپ دارالحرب میں رہیں کہ بوجہ اختلافِ دار تبعیتِ اَبَوَین منقطع ہوگئی، اب یہ تبعیتِ دار اُسے مسلم کہا جائیگا۔

فی جنائز الدر صبی سُبِیَ مع احد ابویہ لا یصلی علیہ لانہ تبع لہ ولو سُبِیَ بدونہ فمسلم تبعا للدار اوللسابی[1] اھ ملخصًا۔

درمختار کتاب الجنائز میں ہے: کوئی بچہ اپنے حربی والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ (دارالحرب سے) گرفتار کرکے (دارالاسلام میں) لایا گیا (اور مرگیا) تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ وہ (کافر حربی کے) تابع ہے۔ ہاں اگر تنہا گرفتار ہو تو دارالاسلام یا گرفتار کرنے والے کے تابع ہونے کے باعث مسلم ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

---

^ع نتیجہ یہ نکلا کہ کفر بے ادراک وتمیز غیر متصور ہے۔ لہٰذا ناسمجھ بچہ کفر سے خالی ہوگا۔ جب کفر اس کے ساتھ قائم نہیں تو اس پر کافر کا اطلاق بھی درست نہیں کیونکہ کافر، کفر سے مشتق ہے اور کسی پر مشتق صادق ہونے کے لئے مصدر سے اس کا متصف ہونا لازم ہے جیسے لفظِ عالم کسی پر صادق آنے کے لئے علم سے اس کا متصف ہونا لازم ہے۔ لہٰذا بچہ جب مبدأ (کفر) سے خالی ٹھہرا تو اس پر مشتق (کافر) کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا ۱۲ محمد احمد مصباحی۔

[1] الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

وفی نکاحہ: الولد یتبع خیر الابوین دیناً ان اتحدت الدار[1] الخ۔

درمختار کتاب النکاح میں ہے: باعتبارِ دین ماں باپ میں سے جو بہتر ہو بچہ اُسی کا تابع ہوتا ہے اگر دار ایک ہو الخ (ت)

جب یہ امر منقح ہولیا اب یہاں اس نرے ناسمجھ کی عمر پر بھی یہ ناگوار و ناسزا خیال، دو امر کے ثبوتِ کافی کا محتاج:

امر اوّل حضرت فاطمہ[عہ۱] بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا اور ابوطالب دونوں کا اس وقت تک کافر ہونا کہ ان میں ایک بھی مُوَحِّد ہو تو بچّہ اس کی تبعیت سے موحد کہا جائے گا کافر کی تبعیت ہرگز نہ کرے گا لما نصوا علیہ قاطبۃ من ان الولد یتبع خیر الابوین دیناً[2] (کیونکہ تمام علماء نے نص فرمایا کہ ماں باپ میں سے باعتبارِ دین جو بہتر ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ ت)

امر دوم اس وقت حکمِ تبعیت صادق و ثابت ہونا۔

ان دو امر سے اگر ایک بھی پایۂ ثبوت سے ساقط رہے گا تو یہ بیہودہ خیال، خیال کرنیوالے کے مُنہ پر مارا جائے گا، مگر مولٰی علی کے رب جلّ وعلا کو حمد و ثنا ہے کہ بفضلہٖ تعالٰی ان دو میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔

اوّلاً اہلِ فترت جنھیں انبیاء اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت نہ پہنچی تین قسم ہیں:

اوّل مُوَحِّد جنھیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہِ توحید دکھائی جیسے قس بن ساعدہ[عہ۲] و زید بن عمرو بن نفیل و عامر بن الظرب عدوانی و قیس بن عاصم تمیمی و صفوان

عہ۱ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی والدہ ماجدہ جو صحابیہ ہُوئیں ۱۲ محمد احمد

عہ۲ یہ دونوں مقبول بندے زمانۂ جاہلیت میں نہ صرف موحّد تھے بلکہ پیش از بعثتِ محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعثتِ شریفہ پر بھی ایمان رکھتے۔ قس نے بازار عکاظ کے خطبے میں اپنی قوم سے فرمایا: عنقریب ادھر سے ایک حق ظاہر ہونے والا ہے۔ اور مکہ کی طرف اشارہ کیا، لوگوں نے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] و [2] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

بن ابی امیہ کنانی و زہیر بن ابی سلمٰی شاعر وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم۔[1]

دوم مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے، جیسے کہ اکثر عرب۔

سوم غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انخفس اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی، بہائم کے مثل زندگی کی۔ اعتقادیات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر وفکر کی مہلت نہ پائی۔ بہت زنان (عورتوں) وچوپایوں واہلِ بوادی (صحرا جنگل والوں) کی نسبت یہی مظنون (گمان) ہے۔

قال العلامۃ الزرقانی، ومن جاھلیۃ عم الجھل فیھا شرقا وغربا علامہ زرقانی نے کہا، ایسا عہد جاہلیت جس میں مشرق ومغرب ہر طرف جہالت عام ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہا وہ حق کیا ہے؟ کہا: لوی بن غالب کی اولاد سے ایک مرد کہ تمہیں کلمۂ اخلاص اور ہمیشہ کے چین اور دائمی نعمت کی طرف دعوت فرمائیگا تم اس کی بات ماننا، اگر میں جانتا کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو سب سے پہلے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا۔ رواہ ابونعیم فی دلائل النبوۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما[2] (اس کو ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں، مجھ سے زید بن عمرو نے کہا میں اپنی قوم کا مخالف اور دین ابراہیم واسمٰعیل کا تابع ہوا، وہ دونوں بتوں کو نہ پوجتے اور اس قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، میں اولادِ اسمٰعیل سے ایک نبی کے انتظار میں ہوں مگر میرے خیال میں اس کا زمانہ نہ پاؤں گا میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہے، اے عامر! اگر تمہاری عمر وفا کرے تو انہیں میرا اسلام پہنچانا۔ عامر فرماتے ہیں، جب میں نے حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زید کا یہ قصہ بیان کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا: میں نے اسے دیکھا کہ جنت میں دامن کشاں سیر کر رہا ہے۔ رواہ ابن سعد والفاکھی عنہ،[3] رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ غفر لہ (اس کو ابن سعد اور فاکہی نے عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

~~[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امہ وما یتعلق بابویہ صلی اللہ علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳~~

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابی نعیم فی دلائل النبوۃ المقصد الاول دار المعرفت بیروت ۱/ ۱۸۲

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 بحوالہ ابن سعد والفاکہی 〃 〃 〃 ۱/ ۱۸۳

وفقد فیھا من یعرف الشرائع ویبلغ الدعوۃ علٰی وجھہا الا النفرا یسیرا من احبار اھل الکتاب مفرقین فی اقطار الارض کالشام وغیرھا واذا کان النساء الیوم مع فشو الاسلام شرقا وغربا لایدرین غالب احکام الشریعۃ لعدم مخالطتھن الفقھاء، فما ظنك بزمان الجاھلیۃ والفترۃ الذی رجالہ لایعرفون ذٰلك فضلا عن نسائہ، ولذا لما بعث صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعجب اھل مکۃ وقالوا ابعث اللہ بشرا رسولا، وقالوا لوشاء ربنا لانزل ملٰئکۃ، وربما کانوا یظنون ان ابراھیم علیہ السلام بعث بما ھم علیہ فانھم لم یجدوا من یبلغھم شریعتہ علٰی وجھھا لدثورھا وفقد من یعرفھا اذکان بینھم وبینہ ازید من ثلٰثۃ الاف سنۃ، قالہ فی مسالك الحنفاء والدرج المنیفۃ[1] اھ باختصار۔

احکامِ شریعت جاننے والے اور صحیح طور سے دعوت کی تبلیغ کرنے والے ناپید ہیں، صرف چند علماء اہلِ کتاب ہیں جو اطرافِ زمین شام وغیرہ میں منتشر ہیں ــــ اور آج جبکہ اسلام شرق وغرب میں پھیل چکا ہے عورتوں کا یہ حال ہے کہ اکثر احکامِ شرع سے بے خبر رہتی ہیں کیونکہ علماء سے ان کا ربط اور وابستگی نہیں۔ پھر عہدِ جاہلیت اور زمانۂ فترت کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جبکہ عورتیں درکنار مرد بھی ان سب سے نا آشنا ہوتے تھے، اسی لئے تو جب رسولِ خدا صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اہل مکہ کو تعجب ہوا، بولے: کیا اللہ نے کسی انسان کو رسول بناکر مبعوث کیا ہے؟ اور بولے: اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا۔ وہ تو یہاں تک سمجھا کرتے تھے کہ جو کچھ وہ کررہے ہیں ان ہی باتوں کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، اس غلط خیالی کی یہی وجہ تھی کہ شریعتِ ابراہیمی کو صحیح طور سے کوئی پہنچانے والا ہی ان کو نہ ملا، کیونکہ اس کے نشانات مٹ گئے تھے اور اس کے جاننے والے بھی ناپید ہوچکے تھے، اس لئے کہ ان اہل مکہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔ یہ مسالک الحنفاء اور الدرج المنیفہ میں فرمایا گیا ہے[1] اھ باختصار (ت)

[1] شرح الزرقانی علی مواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امہ وما یتعلق بابویہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۸۴

جماہیر ائمہ اشاعرہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک جب تک بعثتِ اقدس حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوکر دعوتِ الٰہیہ انھیں نہ پہنچی یہ سب فرقے ناجی وغیر معذب تھے

لقولہ تعالٰی وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا[1]

اللہ تعالٰی کے اس قول کے مطابق: ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک کہ بھیج لیں رسول۔

(والجواب بتعمیم الرسول العقل اوتخصیص العذاب بعذاب الدنیا خلاف الظاھر فلا یصار الیہ الا بموجب و لاموجب اقول بلٰی احادیث صحیحۃ صریحۃ کثیرۃ بشیرۃ ناطقۃ بعذاب بعض اھل الفترۃ کعمرو بن لحی وصاحب المحجن وغیرھما وبہ علوات ردھا یجعلہا معارضۃ للقطعی کما صدر عن العلامۃ الابی والامام السیوطی وکثیر من الاشعریۃ لاسبیل الیہ فان قطعیۃ الدلالۃ غیر مسلم فلا یھجم بمثل ذٰلک علٰی رد الصحاح والکلام

(اشاعرہ کے جواب میں یہ کہنا کہ رسول سے مراد عام ہے خواہ انسان ہو یا عقل یا یہ کہ عذاب سے مراد صرف عذابِ دنیا ہے (یعنی جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں دنیا میں عذاب نہیں دیتے اور عذابِ آخرت دعوتِ رسول پہنچے بغیر بھی ہوسکتا ہے) یہ (تاویل) خلافِ ظاہر ہے جس کی طرف رجوع کا کوئی موجب نہیں۔ اقول کیوں نہیں بہت ساری صحیح صریح حدیثیں بعض اہلِ فترت کے عذاب (دنیاوی) پر ناطق ہیں جیسے عمرو بن لحی اور ٹیڑھے ڈنڈے والا آدمی (جو اپنے ڈنڈے سے لوگوں کی چیزیں اُچک کر چُرالیتا تھا) اور اُن دونوں کے علاوہ ــــــ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صحیح حدیثوں کو رَد کرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ کہتے ہوئے کہ یہ احادیث نص قطعی کے خلاف ہیں جیسا کہ علامہ اُبی، امام سیوطی اور بہت سے اشعریہ نے یہی کہہ کر رَد کردیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس معنٰی پر آیت کی دلالت

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۵

ھٰھنا طویل لیس ھذا موضعہ ولا نحن بصدد ہ۔)

قطعی ہونا مسلّم نہیں تو پھر غیر قطعی الدلالۃ نص سے احادیث صحیحہ کے رَد کا ارتکاب نہیں کیا جا سکتا۔ کلام یہاں پر طویل ہے جس کا یہ محل نہیں اور نہ ہی یہاں پر ہمارا مقصود ہے ۱۲ مترجم)

خصوصاً جہّالِ عرب جنھیں قرآن عظیم جا بجا اُمّی و جاہل و بے خبر و غافل بتا رہا ہے، صاف ارشاد ہوتا ہے:

تنزیل العزیز الرحیم ○ لتنذر قومًا ما انذر اٰباؤھم فھم غٰفلون○[1]

اتارا ہُوا زبردست مہر والے کا کہ تُو ڈرائے ان لوگوں کو کہ نہ ڈرائے گئے ان کے باپ دادا تو وہ غفلت میں ہیں۔

اور خود ہی ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلك ان لم یکن ربك مھلك القرٰی بظلم و اھلھا غٰفلون○[2]

یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ظلم سے جب کہ ان کے رہنے والے غفلت میں ہوں۔

قلت ای وھذا وان کان ظاھرًا فی عذاب الدنیا وعذاب الاٰخرۃ منتف بالفحوٰی فان الملك الکریم الذی لم یرض للغافل بعذاب منقطع لایرضٰی بعذاب دائم من باب اَولٰی **اقول** لکن الغفلۃ انما ھی علٰی امر الرسالۃ والنبوت والسمعیات کبعث وغیرہ، وقد قلنا بموجبھا فی ذٰلك۔ امّا التوحید فلا غفلۃ عنہ مع وضوح الدلائل وکفایۃ العقل

قلت یہ آیت اگرچہ غفلت والے سے عذابِ دنیا کی نفی میں ظاہر ہے اور عذابِ آخرت کی نفی مفہوم سے ہوجاتی ہے کیونکہ جس بادشاہِ کریم نے غافل کے لئے دنیا کا فانی عذاب پسند نہ کیا وہ آخرت کا دائمی عذاب بدرجۂ اَولیٰ پسند نہ فرمائیگا **اقول** لیکن یہ وہ غفلت ہے جو رسالت، نبوت اور سمعی عقائد بعث وغیرہ کے باب میں ہو اور اس باب میں مُوجبِ غفلت پائے جانے کے ہم قائل ہیں لیکن توحید سے غفلت کا کوئی موجب نہیں جب کہ اس کے دلائل واضح ہیں اور عقل اسکی

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۵ و ۶
[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۳۱

وقد قال اللہ تعالٰی، قل لمن الارض ومن فیہا ان کنتم تعلمون ۝ سیقولون للہ ط قل افلا تذکرون ۝ قل من رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم ۝ سیقولون للہ ط قل افلا تتقون ۝ قل من بیدہ ملکوت کل شیئ وھو یجیر ولایجار علیہ ان کنتم تعلمون ۝ سیقولون للہ ط قل فانی تسحرون ۝[1] وقال تعالٰی، ولئن سالتھم من خلق السمٰوٰت والارض وسخر الشمس والقمر لیقولن اللہ ج فانی یؤفکون ۝[2] ۔ الٰی غیر ذٰلک من الاٰیات ۔ کل ذٰلک مع قولہ عز من قائل ۔ ان تقولوا انما انزل الکتٰب علٰی طائفتین من قبلنا وان کنا عن دراستھم لغفلین ۝[3] فافھم ۔

رہنمائی کے لئے کافی ہے ۔ باری تعالٰی کا ارشاد ہے، تم فرماؤ کس کی ہے زمین اور جو اس میں ہیں اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے اللہ کی ۔ تم فرماؤ پھر تم کیوں دھیان نہیں دیتے؟ تم فرماؤ کون ہے ساتوں آسمانوں کا مالک اور بڑے عرش کا مالک؟ بولیں گے، یہ اللہ ہی کی شان ہے ۔ فرماؤ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ تم فرماؤ کون ہے جس کے ہاتھ ہر چیز کا اقتدار ہے اور وہ پناہ دینے والا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جاسکتی اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے ۔ فرماؤ پھر تم کس جادو کے فریب میں پڑے ہو ۔ اور ارشاد باری ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند، تو ضرور کہیں گے اللہ نے ۔ پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں؟ ۔ اور ان کے علاوہ آیات ۔ ساتھ ہی یہ ارشاد بھی ہے، کبھی تم کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر نازل کی گئی تھی اور ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے، غور کیجئے ۔ (ت)

ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ائمہ بخارا وغیرہم بھی اسی کے قائل ہوئے ۔ امام محقق

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/ ۸۴ تا ۸۹
[2] " " ۲۹/ ۶۱
[3] " " ۶/ ۱۵۶

کمال الدین ابن الہمام قدس سرہٗ نے اسی کو مختار رکھا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے :

قال ائمۃ بخاری عندنا لا یجب الایمان ولا یحرم کفر قبل البعثۃ کقول الاشاعرۃ۔[1]

ائمہ بخارا نے اشاعرہ کی طرح فرمایا، ہمارے نزدیک قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں۔ (ت)

فواتح الرحموت میں ہے :

عند الاشعریۃ والشیخ ابن الہمام لایؤاخذون ولو اتوا بالشرك والعیاذ باللہ تعالٰی۔[2]

اشعریہ اور شیخ ابن الہمام کے نزدیک ان سے مواخذہ نہیں اگرچہ مرتکب شرک ہوں، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ علی الدر المختار میں ہے :

اھل الفترۃ ناجون ولو غیروا وبدلوا علٰی ماعلیہ الاشاعرۃ و بعض المحققین من الماتریدیۃ ونقل الکمال فی التحریر عن ابن عبدالدولۃ انہ المختار لقولہ تعالٰی، وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا ــــ وما فی الفقہ الاکبر من ان والدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام[3] الخ۔

اہل فترت ناجی ہیں اگرچہ تغییر و تبدیل کے مرتکب ہوں۔ اس پر اشاعرہ اور بعض محققین ماتریدیہ ہیں۔ کمال ابن ہمام تحریر میں ابن عبدالدولہ سے ناقل ہیں کہ یہی مختار ہے کیونکہ ارشاد باری تعالٰی ہے، ہم عذاب فرمانے والے نہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں ــــ اور فقہ اکبر میں جو ہے کہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین نے حالت کفر میں انتقال کیا تو یہ مصنف فقہ اکبر امام اعظم پر دسیسہ کاری ہے۔ (ت)

اس قول پر تو ظاہر کہ اہل فترت کو تا زمان فترت کافر نہ کہا جائے گا کہ وہ ناجی ہیں، اور کافر ناجی نہیں۔ تو شکل ثانی نے صاف نتیجہ دیا کہ وہ کافر نہیں۔

وعلٰی ھذا استدل بہ السید العلامۃ

اسی بنیاد پر اس سے سید علامہ طحطاوی نے

---

[1] منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر معنی قرب الباری الخ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ص ۳۰۷

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیہ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۲۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۲/ ۸۰

علیٰ نزھۃ الابوین الشریفین عن الکفر۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما و عن کل من احب اجلالہما اجلالا لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

والدین کریمین کے کفر سے منزّہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہوا اور ہر اس شخص سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکرام کی خاطر ان کا اکرام پسند کرے۔ (ت)

ولہذا ائمہ اشاعرہ میں کوئی انھیں مسلم کہتا ہے کوئی معنیٰ مسلم میں۔

قال الزرقانی "ثم اختلفت عبارۃ الاصحاب فیمن لم تبلغہ الدعوۃ فاحسنہا من قال انہ ناج، و ایاھا اختار السبکی، و منہم من قال علی الفترۃ[عہ]، و منہم من قال مسلم قال الغزالی والتحقیق ان یقال فی معنیٰ مسلم[1]"

زرقانی نے فرمایا: پھر اصحاب (ائمہ رحمہم اللہ) کی عبارتیں اس کے بارے میں مختلف ہوگئیں جسے دعوت نہ پہنچی سب سے عمدہ عبارت اس کی ہے جس نے کہا کہ وہ ناجی ہے۔ اسی کو امام سبکی نے اختیار کیا، کسی نے کہا وہ فترۃ پہ ہے، کسی نے کہا مسلم ہے۔ امام غزالی نے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ اسے معنیٰ مسلم میں کہا جائے۔ (ت)

اس طور تو خود ابوطالب پر حکمِ کفر اس وقت سے ہوا جب بعد بعثتِ اقدس تسلیم و اسلام سے انکار کیا، اور یہ وقت وُہ تھا کہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ خود اسلام لاکر حکمِ تبعیت سے قطعاً منزّہ ہوچکے تھے وللہ الحمد۔

بعض علماء قائلِ تفصیل ہُوئے کہ اہلِ فترت کے مشرک معاقَب اور مُوحّد و غافل مطلقاً ناجی۔

یہ قول اشاعرہ سے امامین جلیلین نووی و رازی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے۔

وتعقبہ الامام الجلال السیوطی فی رسائلہ فی الابوین الکریمین

اس قول کا امام جلال الدین سیوطی نے اسلام والدین کریمین رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے متعلق اپنے

عہ ھکذا ھو فی نسختی بالتاء و تراءٰی لی انہ "الفطرۃ" بالطاء ۱۲ منہ۔

(اعلیحضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میرے نسخہ میں اسی طرح تا سے ہے میرا خیال ہے کہ یہ طا کے ساتھ "فطرۃ" ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امہ الخ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۶۲

رضی اللہ تعالٰی عنہما بما یرجع الی القول
بالامتحان ۔ والعلامۃ ابو عبداللہ محمد
بن خلف الابی فی اکمال الاکمال شرح
صحیح مسلم کما نقل کلامہ فی
المواھب ۔ اقول لکنہ عاد، اٰخر
الٰی تسلیمہ حیث قال اوّلًا "لمّا دلّت
القواطع علٰی انہ لا تعذیب حتی
تقوم الحجۃ علینا انھم غیر معذبین[1]"
ثم استشعر ورود الاحادیث
وقسمھم اٰخر الکلام الٰی
موحّد و مبدّل و غافل،
ثم قال فیحمل من صح
تعذیبہ علٰی اھل القسم الثانی
لکفرھم بما تعدوا بہ من
الخبائث واللہ سبحنہ وتعالٰی قد سمّی
جمیع ھٰذا القسم کفارًا و مشرکین۔
فانا نجد القراٰن
کلما حکٰی حال احد
سجل علیھم بالکفر
والشرک، کقولہ تعالٰی
"ما جعل اللہ من بحیرۃ
ولا سائبۃ" ثم قال اللہ تعالٰی
ولکن الذین کفروا

رسائل میں تعاقب کیا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ
پہلے اہلِ فترت کا امتحان (پھر فیصلہ)۔ علامہ
ابو عبداللہ محمد بن خلف اُبی مالکی نے بھی اکمال الاکمال
شرح صحیح مسلم میں قول مذکور کا تعاقب کیا ہے
جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ان کا کلام منقول ہے،
اقول مگر آخر میں چل کر انھوں نے اس قول کو
تسلیم کرلیا ہے اس طرح کہ پہلے فرمایا کہ جب قطعی
نصوص نے بتایا کہ حجت قائم ہوئے بغیر عذاب
نہ دیا جائے گا تو ہم نے جانا کہ ان پر عذاب نہ ہوگا۔
پھر انھیں خیال پیدا ہوا کہ تعذیب کے بارے
میں تو حدیثیں بھی وارد ہیں تو آخر کلام میں اہلِ فترت
کو انھوں نے تین قسموں موحّد، مبدّل اور
غافل میں تقسیم کیا۔ پھر فرمایا کہ جن کی تعذیب کی
صحت ثابت ہے انھیں قسم ثانی والوں پر محمول
کیا جائیگا اس لئے کہ وہ اپنے بُرے افکار و
اعمال کے ذریعہ حد سے تجاوز کرنے کے باعث
کافر ہوئے اور اللہ تعالٰی نے اس قسم کے
سارے لوگوں کو کفار و مشرکین کے نام سے
موسوم کیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ان میں سے
جب کسی کا حال بیان فرماتا ہے تو صاف صاف
ان کے کافر و مشرک ہونے کا حکم ثبت فرمادیتا ہے
جیسے یہ ارشادِ باری ہے: اللہ نے مقرر نہ کیا
بحیرہ (کان چرا) اور سائبہ۔ پھر یہ ارشاد ہے:

---

[1] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول قضیۃ نجاۃ والدیہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۷۹

یفترون علی اللّٰہ الکذب ط و اکثرھم لا یعقلون[1] الخ فھذا کما تری راجع الی ما قالہ ھذان الامامان من تعذیب من اشرک منھم۔ **اقول** وفی استدلالہ بالاٰیۃ خفاء ظاھر اذ لیست نصًّا فی ان المراد بھم من اخترع ذٰلك من اھل الفترۃ بل الکفار لمّا تدیّنوا بتلك الاباطیل سجل علیھم بانھم یفترون علی اللّٰہ الکذب ۔ و بالجملۃ فمفاد الاٰیۃ ان الکافرین یفترون لا ان المفترین کلھم کافرون ، حتّٰی یکون تسجیلا علٰی کفر اھل الفترۃ۔

لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں الخ۔ تو جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اسی کی طرف رجوع ہے جو امام نووی و امام رازی نے فرمایا کہ اہلِ فترت کے مشرکوں پر عذاب ہوگا ۔ اقول (میں کہتا ہوں) ہاں علامہ اُبی نے آیتِ مذکورہ سے جو استدلال کیا ہے اس میں کھلا ہُوا خفا ہے کیونکہ آیت اس بارے میں نص نہیں ان سے اہلِ فترت ہی کے (بحیرہ وغیرہ کا) اختراع کرنیوالے مراد ہیں ، بلکہ کفار نے جب ان باطل چیزوں کو اپنے دین و اعتقاد میں داخل کرلیا تو ان کے بارے میں یہ حکم ثبت فرمایا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ۔ حاصل کلام یہ کہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ کافرین افترا کرتے ہیں ، نہ یہ کہ سارے افترا کرنے والے کافر ہیں کہ اہلِ فترت کے کفر کی تصریح ہو ۔ (ت)

ردالمحتار میں یہی قول ائمہ بخارا کی طرف نسبت کیا :

علی خلاف ما قدمنا عن القاری والطحطاوی و بحرالعلوم رحمھم اللّٰہ تعالٰی ، حیث قال" نعم البخاریون من الماتریدیۃ وافقوا الاشاعرۃ ، وحملوا قول الامام، لا عذر لاحد فی الجھل بخالقہ ، علی ما بعد

اس کے برخلاف جو پہلے ہم نے مولانا علی قاری ، طحطاوی اور بحرالعلوم رحمہم اللہ تعالٰی سے نقل کیا ، علامہ شامی نے اس طرح فرمایا کہ ہاں ماتریدیہ میں سے ائمہ بخارا اشاعرہ کے موافق ہوئے انھوں نے امام اعظم کے قول " اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کسی کے لئے کوئی عذر نہیں " کو

---

[1] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول قضیۃ نجاۃ والدہ صلی اللہ علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۸۱

البعثة ، واختارہ المحقق ابن الہمام فی التحریر - لکن ھذا فی غیر من مات معتقد الکفر - فقد صرح النووی والفخر الرازی بان من مات قبل البعثة مشرکا فھو فی النار ، وعلیہ حمل بعض المالکیة ما صح من الاحادیث فی تعذیب اھل الفترة الخ۔[1]

مابعدِ بعثت پر محمول کیا۔ اسی کو محقق ابن الہمام نے تحریر میں اختیار کیا۔ لیکن یہ قول جو لوگ کفر کا عقیدہ رکھتے ہوئے مرگئے ان کے علاوہ کے بارے میں ہے۔ امام نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح فرمائی ہے کہ جو قبل بعثت حالتِ شرک میں مرگئے جہنم میں ہوں گے۔ اسی پر بعض مالکیہ نے تعذیب اہلِ فترت سے متعلق احادیث صحیحہ کو محمول کیا ہے۔ (ت)

جمہور ائمہ ماتریدیہ قدست اسرارہم کے نزدیک اہلِ فترت کے مشرک[1]، معاقب۔ موحد[2] ناجی۔ غافلوں میں جس نے مہلتِ فکر و تامل نہ پائی[3]، ناجی۔ پائی[4]، معاقب۔

وھو المؤید بما نقل عن امام المذھب رضی اللہ عنہ من قولہ لاعذر لاحد الخ۔ وحمل البخاریین لایجری فی قولہ الاخر فیما نقل عنہ وانہ لولم یبعث اللہ رسولا لوجب علی الخلق معرفتہ بعقولھم لکن اولہ المحقق بحمل الوجوب علی العرف - ای لکان ینبغی لھم ذلک - **اقول** ویرد علی ظواھر ھذہ الاقوال جمیعا احادیث الامتحان وھی صحیحۃ

یہی قول تائید یافتہ ہے اس سے جو امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ کسی کے لئے اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کوئی عذر نہیں الخ اور اہلِ بخارا کا بعدِ بعثت والوں پر اس قول کو محمول کرنا امام سے منقول اس دوسرے قول میں نہ چل سکے گا کہ اگر اللہ تعالٰی کوئی رسول نہ مبعوث فرماتا تو بھی مخلوق پر اپنی عقلوں کے ذریعہ خالق کی معرفت واجب ہوتی۔ لیکن محقق ابن الہمام نے اسے وجوب عرفی پر محمول کرکے تاویل کی ہے یعنی ان کے لئے یہی مناسب ہوتا۔ **اقول** ان تمام اقوال کے ظاہر پر احادیثِ امتحان سے اعتراض وارد

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۸۶
[2] ردالمحتار " " " " " " " " " "

كثيرة ولا ترد ولا ترام وقد عد السيوطي جملة منها قال والصحيح منها ثلثة۔

29

الاول حديث الاسود بن سريع و ابي هريرة معا مرفوعا اخرجه احمد وابن راهويه والبيهقي وصححه وفيه واما الذي مات في الفترة فيقول رب ما اتاني لك رسول، فيأخذ مواثيقهم ليطيعنه، فيرسل اليهم ان ادخلوا النار، فمن دخلها كانت عليه بردا وسلاما، ومن لم يدخلها سحب اليها[1]

والثاني حديث ابي هريرة موقوفا، وله حكم الرفع لان مثله لا يقال من قبل الرأي۔ اخرجه عبد الرزاق و ابن جرير و ابن ابي حاتم وابن المنذر في تفاسيرهم، اسناده صحيح على شرط الشيخين[2]

والثالث حديث ثوبان مرفوعا، اخرجه البزار والحاكم في المستدرك وقال صحيح على شرط الشيخين، واقره الذهبي الخ[3]

ہوگا۔ اور یہ حدیثیں صحیح بھی ہیں کثیر بھی۔ اس قابل نہیں کہ رَد کی جائیں یا انھیں رَد کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ امام سیوطی نے ان میں کچھ حدیثیں شمار کرائی ہیں، فرمایا کہ ان میں تصحیح یافتہ تین ہیں:

اوّل: اسود بن سریع اور ابوہریرہ دونوں حضرات کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج امام احمد اور ابن راہویہ اور بیہقی نے کی ہے۔ اور بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔ اس حدیث میں ہے: لیکن وہ جو فترت میں مرگیا تو عرض کرے گا خداوندا! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہ آیا۔ تو اُن سے عہد و پیمان لے گا کہ اب ضرور اس کا حکم مانیں گے۔ تو انھیں پیغام بھیجے گا کہ دوزخ میں داخل ہوجاؤ، جو داخل ہوگا اس پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوجائے گی۔ جو نہ داخل ہوگا اسے گھسیٹ کر لایا جائے گا۔

دوم: حضرت ابوہریرہ کی حدیث موقوف، یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔ اس کی تخریج عبدالرزاق نے کی ہے اور ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن المنذر نے اپنی تفاسیر میں کی ہے اسکی اسناد صحیح برشرط شیخین ہے۔

سوم: حضرت ثوبان کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج بزار نے کی ہے، اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کرکے فرمایا کہ صحیح برشرط شیخین ہے اور ذہبی نے اسے مقرر رکھا۔

[1] [2] [3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ السیوطی المقصد الاول باب وفاۃ امہ الخ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۶۳-۱۶۲

وذٰلك لان الامتحان یوجب الوقف والقول لشیئ یخالفہ بیداتّ تمام وروده انما ھو علی الاشاعرۃ الذین اطلقوا القول بالنجاۃ امّا المفصلون من اصحابنا فلھم ان یقولوا ینجو ھذا ویعاقب ذاك۔ ولٰکن یکون ذٰلك بعد الامتحان۔ ولی ھٰھنا کلام اٰخر فی تحقیق المرام لا اذکرہ لخوف الاطالۃ وغرابۃ المقام فلنرجع الٰی ماکنّا فیہ۔

وجہ اعتراض یہ ہے کہ جب فیصلہ بعد امتحان ہوگا تو ہم پر توقف لازم ہے، اور کوئی صریح حکم لگادینا اس کے خلاف ہے، لیکن یہ سارا اعتراض ان اشاعرہ پر ہے جو مطلقاً نجات کے قائل ہیں لیکن ہمارے اصحاب میں سے اہلِ تفصیل یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ ناجی ہوگا وہ معاقب۔ لیکن فیصلہ بعد امتحان ہوگا ــــ اور یہاں تحقیقِ مقصود میں میرا ایک دوسرا کلام ہے جسے خوفِ طوالت اور اجنبیتِ مقام کے باعث ترک کر رہا ہوں، اب ہم اصلی بحث کی طرف رجوع کریں۔ (ت)

ان دونوں قولوں پر بس حکم کفر کے لئے صراحۃً اختیارِ شرک، یا بر قول آخر با وصفِ مہلتِ تامل، ترکِ توحید کا ثبوت لازم۔ ہم پوچھتے ہیں مخالف کے پاس کیا حجت ہے کہ زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ نہ تھیں حالانکہ بہت عورتوں کی نسبت یہی مظنون کما قدمنا عن الزرقانی عن السیوطی (جیسا کہ ہم بحوالہ زرقانی امام سیوطی سے ماقبل میں ذکر کرچکے ہیں۔ ت) مخالف جو دلیل رکھتا ہو پیش کرے اور جب نہ پیش کر سکے تو رجماً بالغیب حکمِ تبعیت پر کیونکر منہ کھول دیا۔ کیا اطلاقِ کفر اور وہ بھی معاذ اللہ ایسی جگہ محض اپنے تراشیدہ اوہام پر ہوسکتا ہے؟ کیا محتمل نہیں کہ وہ اُس وقت بھی ان لوگوں میں ہوں جو بالاتفاق ناجی ہیں؟ تو وَلَد انھیں کا تابع ہوگا اور بالتبع بھی حکمِ کفر ہرگز صحیح نہ ہوسکے گا۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار میں مسلم و کافرہ سے مولود بالزنا کی نسبت فرماتے ہیں:

یظھرلی الحکم بالاسلام للحدیث الصحیح کل مولود یولد علی الفطرۃ حتی یکون ابواہ ھما اللذان یھودانہ او ینصرانہ، فانھم قالوا انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

مجھے اس کے مسلمان ہونے کا حکم کرنا ہی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ حدیث صحیح ہے کہ ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ دونوں ہی اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ علامہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ

وسلم جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة فاذا لم یتفقا بقی علی اصل الفطرة، وایضاً حیث نظروا للجزئیة فی تلك المسائل احتیاطا فلینظر الیها ھنا احتیاطا ایضا، فان الاحتیاط بالدین اولی ولان الکفر اقبح القبیح فلاینبغی الحکم به علی شخص بدون امر صریح[1] اھ ملخصا۔

تعالٰی علیہ وسلم نے ماں اور باپ دونوں کے اتفاق کو دینِ فطرت سے منتقل کرنے والا ٹھہرایا۔ تو اگر دونوں متفق نہ ہوں تو بچہ اصل فطرت پر رہے گا۔ دوسری وجہ یہ کہ علمائے جب ان مسائل میں احتیاطاً جزئیت کا لحاظ کیا تو یہاں بھی احتیاطاً لحاظِ جزئیت ہونا چاہیے کیونکہ دین کے معاملہ میں احتیاط ہی اولٰی ہے اور اس لئے بھی کہ کفر سب سے بدتر قبیح ہے تو کسی شخص پر کسی امرِ صریح کے بغیر حکمِ کفر لگانا مناسب نہیں اھ ملخصاً (ت)

سبحان اللہ! اس جرأت کی کوئی حد ہے کہ مدعا علیہ اسد اللہ الغالب اور دلیل و گواہ مفقود و غائب، انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ت)۔

ثانیاً باجماعِ ائمہ اشاعرہ قدست اسرارہم حُسن و قُبح مطلقاً شرعی ہیں۔ تو قبلِ شرع اصلاً کسی شئی کی نسبت ایجاب یا تحریم کچھ نہیں۔ بعض ائمہ ماتریدیہ تمت انوارہم بھی باآنکہ قائل عقلیت ہیں مگر تعرفِ عقل قبلِ سمع کو مستلزمِ حکم و شغلِ ذمہ مکلف[عہ] نہیں جانتے۔ یہی مذہب امام ابن الہمام نے اختیار فرمایا اور انھیں کی تبعیت فاضل محب اللہ بہاری نے کی۔ مسلم الثبوت و فواتح الرحموت میں ہے:

(عندنا و عند المعتزلۃ عقلی لکن عند نا من متاخری الماتریدیۃ لایستلزم ھذا الحسن والقبح حکما

اشیاء کا حُسن و قُبح ہمارے نزدیک اور معتزلہ کے نزدیک عقلی ہے لیکن ہم متاخرین ماتریدیہ کے نزدیک یہ حُسن و قُبح بندے کے بارے میں اللہ

عہ یعنی بعض ائمہ ماتریدیہ مانتے ہیں کہ کچھ اشیاء کے حُسن و قُبح کا ادراک عقل سے ہوتا ہے مگر وہ اس کے قائل نہیں کہ شریعت آنے سے پہلے ہی محض عقل کے ادراک پر مکلف بندہ ذمہ دار ہوجائے اور اس پر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا لازم ہوجائے ۱۲ محمد احمد

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۹۴

من اللہ سبحٰنہ فی العبد فما لم یحکم اللہ تعالٰی بارسال الرسل و انزال الخطاب لیس ھناك حکم اصلا ومن ھھنا اشترطنا بلوغ الدعوۃ فی تعلق التکلیف فالکافر الذی لم تبلغہ الدعوۃ غیر مکلف بالایمان ایضا و لا یؤاخذ بکفرہ[1] اھ ملخصًا۔

سبحٰنہ کی طرف سے کسی حکم کو مستلزم نہیں، تو جب تک اللہ نے رسولوں کو بھیج کر اور خطاب نازل فرما کر کوئی حکم نہ فرمایا یہاں بالکل کوئی حکم نہیں۔ یہیں سے ہم نے کہا کہ مکلّف ہونے کا تعلق اس شرط کے ساتھ ہے کہ دعوت پہنچی ہو۔ تو وہ کافر جسے دعوت نہ پہنچی وہ ایمان کا بھی مکلف نہیں اور اس کے کفر پر بھی اس سے مواخذہ نہ ہوگا اھ ملخصاً (ت)

نیز فواتح میں ہے:

حاصل البحث ان ھھنا ثلثۃ اقوال: **الاول** مذھب الاشعریۃ ان الحسن والقبح فی الافعال شرعی وکذٰلك الحکم۔ **الثانی** انھما عقلیان وھما مناطان لتعلق الحکم۔ فاذا ادرك فی بعض الافعال کالایمان والکفر والشرك و الکفران یتعلق الحکم منہ تعالٰی بذمۃ العبد وھو مذھب ھٰؤلاء الکرام و المعتزلۃ، الا انہ عندنا لا تجب العقوبۃ بحسب القبح العقلی کما لا تجب بعد ورود الشرع لاحتمال العفو بخلاف ھٰؤلاء[2]۔

حاصلِ بحث یہ ہے کہ یہاں تین اقوال ہیں: **اول** مذہب اشعریہ کہ افعال کا حسن و قبح شرعی ہے۔ اسی طرح حکمِ افعال بھی شرعی ہے۔ **دوم** حسن و قبح عقلی ہیں اور ان پر تعلقِ حکم کا مدار ہے۔ تو جب بعض افعال میں حکم کا ادراک ہوجائے جیسے ایمان کفر، شرک اور کفران میں تو اللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کے ذمہ حکم متعلق ہوجائے گا، یہی ان علمائے کرام اور معتزلہ کا مذہب ہے، مگر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبحِ عقلی کے اعتبار سے عقوبت واجب نہیں ہوجاتی جیسا کہ ورودِ شرع کے بعد واجب نہیں کیونکہ عفو کا احتمال ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ واجب مانتے ہیں۔

الثالث عقلیان ولیسا موجبین للحکم

سوم حسن و قبح عقلی ہیں۔ اور اتنے ہی سے

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیۃ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۲۵
[2] " " " " " " " ۱/ ۲۹

ولا کاشفین عن تعلقہ، وھو مختار الشیخ ابن الھمام وتبعہ المصنف ورأیت فی بعض الکتب وجدت مشائخنا الذین لاقیتھم قائلین مثل قول الاشعریۃ[1] اھ بتلخیص۔

وہ تعلقِ حکم کے موجِب یا مُظہِر نہیں۔ یہی شیخ ابن الہمام کا مختار ہے اور مصنّف نے اسی کا اتباع کیا ہے۔ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا کہ میں نے اپنے ان مشائخ کو جن سے میں نے ملاقات کی ہے اشعریہ کے قول کا قائل پایا اھ تلخیص۔ (ت)

ان دونوں قولوں پر قبلِ شرع حکم اصلاً نہیں، تو عصیان نہیں، کہ عصیان مخالفتِ حکم کا نام ہے۔

ولذا قال الامام ابن الھمام کیف تحقق طاعۃ او معصیۃ قبل ورود امر و نھی۔

اسی لئے ابن الہمام نے فرمایا کہ امر و نہی وارد ہونے سے پہلے کسی طاعت یا معصیت کا تحقق کیسے! (ت)

اور جب عصیان نہیں کفر بالاولیٰ نہیں کہ وہ اخبثِ معاصی ہے اور انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص۔ یُوں بھی خود ابوطالب پر تا زمانِ فترت حکمِ کفر نہ تھا، جب کفر کیا تبعیت کا اصلاً محل نہ تھا۔

جماہیر ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اگرچہ عقل کو معرِّف حکم مانتے ہیں، مگر نہ مطلقاً کہ یہ تو سفاہتِ سفہائے معتزلہ و روافض وکرامیہ و براہمہ خذلھم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی ان کو رُسوا کرے۔ت) ہے۔ بلکہ صرف امثالِ توحید و شکر و ترکِ کفران وکفر وغیرہا امورِ عقلیہ غیر محتاجِ سمع میں ۔ اس مذہب پر پھر وہی سوال ہوگا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا زمانِ فترت میں ارتکابِ شرک و اجتنابِ توحید ثابت کرو۔ اگر نہ ثابت کرسکو تو کیا مولی المسلمین ولی رب العلمین حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسے شنیع لفظ کا اطلاق بے دلیل کر دیا جائے گا؟

ثالثاً اس سب سے تنزل کیجئے اور تا ظہورِ بعثت ان دونوں زن و شو کا کفر مان ہی لیجئے تو اب ایک ذرا نظرِ انصاف درکار کہ امر دوم کا پتا مِد لگا رہا نہ رہے۔

ناسمجھ بچے کو بہ تبعیتِ والدین یا دار کافر کہنے کے ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہے کہ

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی المقالۃ الثالثۃ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۲۹

یہ تو بداہۃً باطل۔ وصفِ کفر یقیناً اُس سے قائم نہیں، بلکہ اسلام فطری سے متصف ہے کماقدمنا (جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) ــــ یہ اطلاق صرف از روئے حکم ہے یعنی شرعاً اس پر وہ احکام ہیں جو اس کے باپ یا اہلِ دار پر ہیں وہ بھی نہ مطلقاً بلکہ صرف دنیوی مثلاً وہ اپنے کافر مُورِث کا ترکہ پائے گا نہ مسلم کا، کافر وارث کو اس کا ترکہ ملے گا نہ مسلم کو، کافرہ سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے نہ مسلمہ سے، وہ مرجائے تو اُس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے، مسلمانوں کی طرح غسل وکفن نہ دیں گے، مقابرِ مسلمین میں دفن نہ کریں گے الی غیر ذٰلک من الاحکام الدنیویۃ (اس کے علاوہ دیگر دنیوی احکام۔ت)۔

فتح القدیر میں ہے:

تبعیۃ الابوین اواحدھما ای فی احکام الدنیا لا فی العقبٰی۔[1]

والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع ہونا یعنی دنیوی احکام میں نہ کہ اُخروی احکام میں(ت)۔

بحرالرائق میں ہے:

اعلم ان المراد بالتبعیۃ التبعیۃ فی احکام الدنیا لا فی العقبٰی۔[2]

تُو جان لے کہ تابع ہونے سے مراد دنیاوی احکام میں تابع ہونا ہے نہ کہ اُخروی احکام میں۔(ت)

شرنبلالیہ میں ہے:

التبعیۃ انما ھی فی احکام الدنیا لا فی العقبٰی۔[3]

تابع ہونا تو محض دنیاوی احکام میں ہے نہ کہ اُخروی احکام میں۔(ت)

درمختار میں ہے:

تبع لہ ای فی احکام الدنیا لا العقبٰی لما مر انھم خدم اھل

بچہ والدین میں سے کسی کے تابع ہے یعنی دنیاوی احکام میں نہ کہ اُخروی احکام میں، کیونکہ گزر چکا ہے کہ ان کے بچے جنتیوں کے خادم

---

[1] فتح القدیر باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۴

[2] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوٰتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر باب الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

الجنۃ۔[1]

ہوں گے۔(ت)

اور جب یہ تبعیت صرف احکامِ دنیوی میں ہے تو اس کا ثبوت احکامِ دنیا کے وجود پر موقوف۔ اگر دنیا میں کوئی حکم ہی نہ ہو تو تبعیت کس چیز میں ہوگی ! اور پُر ظاہر کہ قبلِ بعثت ان امور میں کوئی حکمِ شرعی اصلاً اجماعاً متحقق نہ تھا۔ تو اس وقت تک کسی ناسمجھ بچے کا بہ تبعیت والدین کا فر قرار پانا ہرگز وجہِ صحت نہیں رکھتا کہ نہ حکم نازل، نہ تبعیت حاصل۔ ھٰکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ سبحنہ وتعالیٰ توفیق کا مالک ہے۔ت)۔

اس تحقیق انیق سے بتوفیق اللہ تعالیٰ روشن ہو گیا کہ بحمدہٖ سبحنہٗ تبعاً حکماً اسماً وہماً کسی طرح کسی نوع یہ لفظ شنیع حضرت مولیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ پر صادق نہ ہوا۔ روزِ الست سے ابد الآباد تک ان کا دامنِ ایمان مامنِ اس لَوث (آلودگی) سے اصلاً جزماً قطعاً مطلقاً پاک وصاف ومنزّہ رہا۔ والحمد للہ ربّ العٰلمین (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

ھٰذا کلّہ ما فاض علی قلب الفقیر، من فیض اللطیف الخبیر، واسأل اللہ تعالٰی ان یجعلہ ذریعۃ مقبولۃ لحفظ ایمان ھٰذا الضعیف الحقیر لیوم لقاء الملک الجواد القدیر، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی الکبیر، وصلی اللہ تعالٰی وبارک وسلم علی الامان المؤمن المولی النصیر الشفیع الرفیع المبشر البشیر، وعلٰی اٰلہ وصحبہ واھلہ وحزبہ وعلیٍّ المرتضی الامام الامیر، وعلینا بھم ولھم وفیھم، اٰمین یا ربّنا السمیع البصیر۔

یہ سب وہ ہے جو قلبِ فقیر پر لطیف خبیر کے فیض سے فائض ہوا اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ اس کو بادشاہ جواد قدیر کی ملاقات کے دن تک اس ضعیف حقیر کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ مقبولہ بنا دے، اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر اللہ علی کبیر ہی سے، اور اللہ رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرمائے امن دینے والے امان، نصرت فرمانے والے مولیٰ، بلند شفیع، خوشخبری دینے والے مبشر پر اور ان کی آل، اصحاب، اہلِ جماعت اور علی مرتضیٰ امام امیر پر اور ہم پر ان حضرات کے وسیلہ اور ان کے سبب سے اور ان کے زمرہ میں، قبول فرما اے ہمارے سننے دیکھنے والے رب!

[1] الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

تکمیل بحمد اللہ تعالٰی یہی فضلِ اجل و اجمل، بلکہ اس سے بھی اعلٰی و اکمل، نصیبِ حضرت امیر المومنین، امام المشاہدین، افضل الاولیاء المحمدیین، سیدنا و مولانا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔ حکمِ تبعیت تو انھیں وجوہِ بالا سے باطل۔ چند برس کی عمر شریف ہوئی کہ پرتوِ شانِ خلیل اللّٰہی بُت خانہ میں بت شکنی فرمائی۔ ان کے والد ماجد سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (کہ وہ بھی صحابی ہوئے) اس زمانۂ جاہلیت میں انھیں بُت خانے لے گئے اور بُتوں کو دکھا کر کہا، ھٰذہٖ اٰلھتك الشم العلٰی فاسجد لھا یہ تمھارے بلند و بالا خدا ہیں انھیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر گئے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ قضائے مبرم کی طرح بُت کے سامنے تشریف لائے اور براہِ اظہارِ عجزِ صنم و جہلِ صنم پرست ارشاد فرمایا، انی جائع فاطعمنی میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا، انی عار فاکسنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا، میں تجھ پر پتھر ڈالتا ہوں فان کنت الٰھا فامنع نفسك اگر تُو خُدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرا بُت بنا رہا۔ آخر بقوتِ صدیقی پتھر پھینکا کہ وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گرا۔ والد ماجد واپس آتے تھے یہ ماجرا دیکھا، کہا: اے میرے بچے! یہ کیا کیا؟ فرمایا، وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہ انھیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس (کہ وہ صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا انھوں نے فرمایا، اس بچے سے کچھ نہ کہو، جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا میں نے سُنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے:

یا امۃ اللہ علی التحقیق ابشری بالولد العتیق اسمہ فی السماء الصدیق لمحمد صاحب و رفیق۔ رواہ القاضی ابو الحسین احمد بن محمد الزبیدی بسندہ فی "معالی الفرش الی عوالی العرش"[1] وقد ذکرنا الحدیث بطولہ فی کتابنا المبارك

اے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی، اس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یار و رفیق ہے۔ (اسے قاضی ابو الحسین احمد بن محمد زبیدی نے "معالی الفرش الی عوالی العرش" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ہم نے پوری حدیث طویل اپنی کتاب "مطلع القمرین فی

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری بحوالہ معالی الفرش الی عوالی العرش باب اسلام ابی بکر دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۸۷، ۱۸۸

ان شاء اللہ تعالٰی مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین۔

"مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین" میں بیان کیا ہے جو بابرکت (کتاب) ہے اگر اللہ نے چاہا۔ (ت)

سولہ[۱۶] برس کی عمر میں حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے، اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں، روزِ قیامت دست بدستِ حضور اٹھیں گے، سایہ کی طرح ساتھ ساتھ داخلِ خلدِ بریں ہوں گے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے فوراً بے تامل ایمان لائے، ولہٰذا سیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لم یزل ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ بعین الرضا منہ[۱]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیشہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوشنودی میں رہے۔ (ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

اختلف الناس فی مرادہ بھذا الکلام فقیل لم یزل مؤمنا قبل البعثۃ وبعدھا وھو الصحیح المرتضٰی[۲]

اس کلام سے امام اشعری کی مراد میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بیانِ مراد میں ایک قول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مومن رہے، قبلِ بعثت بھی، بعد بعثت بھی۔ یہی قول صحیح و پسندیدہ ہے (ت)

امام اجل سیدی ابوالحسن علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی قدس سرہ الملکی فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یثبت عنہ حالۃ کفر باللہ کما ثبتت عن غیرہ ممن اٰمن۔ وھو الذی سمعناہ من اشیاخنا ومن یقتدٰی بہ وھو الصواب ان شاء اللہ تعالٰی[۳]

صحیح یہ کہنا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے متعلق کوئی حالتِ کفر ثابت نہ ہوئی جیسا کہ دوسرے ایمان والوں سے متعلق ثابت ہوئی۔ یہی ہم نے اپنے شیوخ اور پیشواؤں سے سُنا ہے اور یہی حق ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)

---

[۱] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دارالکتاب العربی بیروت ۶/۱۸۶

[۲] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[۳] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

الحمدللہ یہ اجمالی جواب، موضحِ صواب، نہم جمادی الاخری روزِ شنبہ کو تمام اور بلحاظِ تاریخ "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وَصْمَۃ عہد الجاھلیۃ" نام ہوا۔

و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین، وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ وسراج افقہ سیدنا ومولانا محمد واٰلہ و صحبہ اجمعین، واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم، وعِلْمُہٗ جل مجدہ اتم وحُکْمُہٗ عزّشانہٗ احکم۔

اور ہماری دُعا کا اختتام یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے بہترین مخلوق، اس کے افق کے سراج ہمارے آقا ومولٰی محمد پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اس کا علم اتم اور اس کا حکم مضبوط ہے۔ (ت)

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ ۱۳۱۲ھ

ختم ہوا

مسئلہ ۲۰: از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب (رحمہ اللہ تعالٰی) ۶ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ابقاھم اللہ تعالٰی الٰی یوم الدین (اللہ تعالٰی انھیں روزِ جزا تک قائم رکھے۔ ت) اس میں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ہمیشہ کے مسلمان تھے یا کہ علٰی مافی تاریخ الخلفاء للسیوطی ورد المحتار لابن عابدین وجامع المناقب وغیرہ (جیسا کہ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء، علامہ ابن عابدین کی ردالمحتار اور جامع المناقب وغیرہ میں ہے۔ ت) تیرہ یا دس یا نو یا آٹھ برس کے سن میں ایمان لائے ہیں، اور اگر ہمیشہ مسلمان تھے تو پھر ایمان لانا چہ معنی دارد۔ بیّنوا بالتفصیل تُوجروا بالاجر الجزیل (تفصیل سے بیان کرو اجرِ عظیم دیا جائے گا۔ ت)

الجواب

حضرت امیر المومنین، مولی المسلمین، امام الواصلین، سیدنا علی المرتضٰی مشکل کشا

کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی اور حضرت امیر المومنین امام المشاہدین افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا ومولانا صدیق اکبر عتیق اطہر علیہ الرضوان الاجل الاظہر دونوں حضرات عالمِ ذریت سے روزِ ولادت، روزِ ولادت سے سنِ تمیز، سنِ تمیز سے ہنگامِ ظہور پُرنور آفتابِ بعثت، ظہورِ بعثت سے وقتِ وفات، وقتِ وفات سے ابد الآباد تک بحمد اللہ تعالٰی موحد مُوقن ومسلم ومومن وطیب وزکی وطاہر ونقی تھے، اور ہیں، اور رہیں گے، کبھی کسی وقت کسی حال میں ایک لحظہ ایک آن کو لوثِ کفر وشرک وانکار اُن کے پاک، مبارک، ستھرے دامنوں تک اصلاً نہ پہنچا نہ پہنچے، والحمد للہ رب العٰلمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ ت)

عالمِ ذریت سے روزِ ولادت تک اسلام میثاقی تھا کہ الست بربکم، قالوا بلٰی[1] (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انھوں نے کہا کیوں نہیں) روزِ ولادت سے سنِ تمیز تک اسلام فطری کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ۔[2] ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے(ت)

سنِ تمیز سے روزِ بعثت تک اسلام توحیدی کہ اُن حضراتِ والاصفات نے زمانۂ فترت میں بھی کبھی بُت کو سجدہ نہ کیا، کبھی غیرِ خدا کو خدا نہ قرار دیا ہمیشہ ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ایک ہی کہا ایک ہی سے کام رہا۔

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔[3] یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے(ت)

پھر ظہورِ بعثت سے ابد الآباد تک حال تو ظاہر وقطعی ومتواتر ہے والحمد للہ رب العٰلمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ ت) فقیر غفرلہ اللہ المولی القدیر نے یہ نفیس مطلب بقدرِ حاجت اپنے رسالہ موجزہ تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ میں واضح کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۲

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۵
سنن ابی داؤد کتاب السنۃ ۲/ ۲۹۲ و جامع الترمذی ابواب القدر ۲/ ۳۶
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۳۳

[3] القرآن الکریم ۶۲/ ۴

ثم **اقول** وباللہ التوفیق (میں پھر کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے) ظاہر ہے کہ تا اوانِ (وقت) فترت اس زمانِ جاہلیت ومکانِ اُمّیت وہیجانِ غفلت میں سمعیات پر اطلاع کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے، اسی طرح نبوت وکتاب کہ وہ لوگ ان امور سے واقف ہی نہ تھے، ولہذا براہِ عجب کہتے: ابعث اللہ بشرا رسولا[1] کیا خدا نے آدمی کو رسول بنایا۔ اور کہتے:

مال لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق[2]

یہ رسول کیسا ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

اور یہ ظاہر کہ حکم، بے تصورِ محکوم علیہ محال قطعی۔ تو جس چیز سے ذہن اصلاً خالی اس کی تصدیق وتکذیب دونوں ممتنع عقلی۔

وقد قال تعالٰی: ما انذر اٰباؤھم فھم غٰفلون[3]

بے شک اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔ (ت)

لہذا اُس زمانے میں صرف توحید مدارِ اسلام ومناطِ نجات ونافیِ کفر تھی۔ موحدانِ جاہلیت کا مسئلہ اجماعیہ کسے نہیں معلوم؟ بایں ہمہ وہ اسلام ضروری تھا کہ اُس وقت اُسی قدر ممکن تھا اصلِ دین ومرضیِ رب العٰلمین جسے ان الدین عند اللہ الاسلام[4] (بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ ت) فرمایا گیا تمام ایمانیات پر ایمان لانا ہے،

کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ[5]

سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔ (ت)

یہ بغیر بعثت وبلوغِ دعوت ناممکن ــــ اور اس کا بھی فردِ اکمل وہ ہے جس کی نسبت ابراہیم خلیل واسمٰعیل ذبیح صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم نے دعا کی:

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک[6]

اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۹۴
[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷
[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۶
[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۹
[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵
[6] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۸

جس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے ،

ھو سمّٰکم المسلمین من قبل[1] اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں ۔ (ت)

یعنی اس نبی کریم افضل المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کی اُمّتِ مرحومہ میں داخل ہونا ــــ یہ اسلام کا اطلاقِ اخص و اکمل و اجل و اجمل ہے ــــ ان دونوں معنٰی پر ان حضرات عالیات رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آٹھ یا دس برس کی عمر میں اسلام لائے ۔

یہ ارشادِ اقدس سُنتے ہی فوراً بلا تامل مسلمان ہوئے معہذا اس میں ایک سِر یہ ہے کہ بعد بعثت وبلوغِ دعوت صرف اُس اسلامِ ضروری پر قناعت کافی و وجہِ نجات نہیں ۔ اگر کوئی شخص فترت میں صدہا سال مُوَحِّد رہتا اور بعدِ دعوت تصدیق نہ کرتا وہ اسلامِ سابق یقیناً زائل ہوکر کافر مخلّد فی النار ہوجاتا ــــ تو جس نے فوراً تصدیق کی اس پر حکمِ اسلام اُس وقت سے تام و قائم و محکم ومستقر ہوا ۔

علاوہ بریں ربّ العزت عزّوجل اپنے خلیلِ جلیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کی نسبت فرماتا ہے :

اذقال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العٰلمین[2] جب اس سے فرمایا اس کے رب نے کہ اسلام لا ، بولا میں اسلام لایا رب العالمین کیلئے ۔

جب خلیلِ کبریا علیہ الصلٰوۃ والثناء کو اسلام لانے کا حکم ہونا اور اُن کا عرض کرنا کہ میں اسلام لایا ، معاذ اللہ اُن کے ایمانِ قدیم و اسلامِ مُستمر کا منافی نہ ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم التحیۃ والثناء کی طرف بعدِ نبوت و پیش از نبوت کبھی کسی وقت ایک آن کے لئے بھی غیر اسلام کو اصلاً راہ نہیں ، تو صدیق و مرتضٰے رضی اللہ تعالٰے عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے اُس روز اسلام لائے ، اُن کے اسلامِ سابق کے معاذ اللہ کیا مخالف ہوسکتے ہیں ۔

ھذا کلہ واضح مبین ۔ والحمد للہ رب العٰلمین ۔ یہ سب واضح نمایاں ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰے کے لئے ہیں جو پروردگار ہے کل جہانوں کا ۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[2] " " ۲/ ۱۳۱

بحمد اللہ تعالٰی فقیر کی اس تقریر سے جس طرح روافض کا نفیِ خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے براہِ عناد و مکابرہ آیہ کریمہ لاینال عھدی الظّٰلمین[1] (میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ ت) سے سفیہانہ استدلال، جس کا نہ صغرٰی صحیح نہ کبرٰی ٹھیک، ہباءً منثورا ہوگیا، یونہی تفضیلیہ کا وہ باطل خیال کہ "قدمِ اسلام خاصہ حضرتِ مرتضوی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ہے لہذا وہ خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل" مدفوع و مقہور ہوگیا۔

فاقول وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ ت) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لحاظ سے تو یہ تخصیص ہی غلط کہ وہ بھی اس فضل جلیل میں شریک حضرت اسد اللہ الغالب، بلکہ انصاف کیجئے تو شریک غالب ہیں اگرچہ دونوں حضرات قدیم الاسلام ہیں کہ ایک آن ایک لحظہ کو ہرگز ہرگز متصف بکفر نہ ہوئے، مگر اسلامِ میثاقی و اسلامِ فطری کے بعد اسلامِ توحیدی و اسلامِ اخص دونوں میں صدیق اکبر کا پایہ ارفع و اعلٰی ہے۔ توحیدی میں یوں کہ صدیق اکبر کی ایک عمر کثیر اُس زمانہ ظلمت و جہالت میں گزری۔ ابتداء میں مدتوں حضور پر نور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہِ اسلام پناہ سے دُوری رہی۔ اس پر بچپنے کی کچی سمجھ میں انکے والد ماجد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کہ اس وقت تک مبتلائے شرک تھا اپنے دینِ باطل کی تعلیم دینا، بُت خانے میں لے جا کر سجدہ بُت کی تفہیم کرنا، غرض رہنما مفقود، رہزنی موجود۔ بایں ہمہ ان کا توحیدِ خالص پر قائم رہنا، اللہ اکبر کیسا اجل و اعظم ہے۔ حضرت امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی نے آنکھ کھولی تو محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کا جمالِ جہاں آرا دیکھا، حضور ہی کی گود میں پرورش پائی، حضور ہی کی باتیں سنیں، حضور ہی کی عادتیں سیکھیں، شرک و بُت پرستی کی صورت ہی اللہ تعالٰی نے کبھی نہ دکھائی، آٹھ یا دس سال کے ہوئے کہ آفتاب جہانتاب رسالت اپنی عالمگیر تابشوں کے ساتھ چمک اُٹھا، والحمد للہ رب العٰلمین (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ ت) اسلامِ اخص میں یوں کہ صدیق اکبر نے فوراً اپنا اسلام سب پر ظاہر و آشکارا کردیا، ہدایتیں فرمائیں، کفار کے ہاتھوں سے اذیتیں پائیں، جن کی تفصیل ہماری کتاب مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین وغیرہ کتبِ حدیث میں ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۴

اور امیرالمومنین مولٰی علی کی نسبت آیا کہ کچھ دنوں اپنے باپ ابوطالب کے خوف سے کہ لازمہ صغرسن ہے اپنے اسلام کا اخفا فرمایا، امام حافظ الحدیث خیثمہ بن سلیمان قرشی و امام دارقطنی و محب الدین طبری وغیرہم حضرت امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضرت سیدنا علی مرتضٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ان ابابکر سبقنی الٰی اربع لم اوتھن، سبقنی الٰی افشاء السلام، وقدم الھجرۃ، ومصاحبتہ فی الغار، واقام الصلٰوۃ وانا یومئذ بالشعب، یظھر اسلامہ واخفیہ۔[1] الحدیث

بیشک ابوبکر چار باتوں کی طرف سبقت لے گئے کہ مجھے نہ ملیں: (۱) انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام آشکارا کیا، (۲) اور مجھ سے پہلے ہجرت کی، (۳) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے یارِ غار ہوئے، (۴) اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دنوں گھروں میں تھا۔ وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا۔

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

اول من اسلم علی ابن ابی طالب وھو صبی لم یبلغ الحلم وکان مستخفیا باسلامہ، واول رجل عربی بالغ اسلم و اظھر اسلامہ ابوبکر بن ابی قحافۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔[2]

سب سے پہلے ایمان لانے والے مذکر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جبکہ آپ بچے تھے اور سنِ بلوغ کو نہ پہنچے تھے وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے، اور سب سے پہلے ایمان لانے والے عربی مرد جنہوں نے اسلام ظاہر کیا وہ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں۔(ت)

امام ابوعمر ابن عبدالبر روایت فرماتے ہیں:

سئل محمد بن کعب القرظی عن اول من اسلم علی او ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنھما؟ قال

محمد بن کعب قرظی سے سوال کیا گیا کہ ابوبکر و علی میں سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟

---

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ خیثمہ بن سلیمٰن ذکر اول من اٰمن اسلام علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۸ و ۲۱۹

[2] " " " " " " " " " ۱/ ۲۱۸

سبحان الله علیٌّ اولھما اسلامًا واتما شُبّہ علی الناس لان علیًّا اخفی اسلامہ من ابی طالب واسلم ابوبکر فاظھر اسلامہ[1]۔

تو انھوں نے کہا سبحان اللہ ان دونوں میں سے حضرت علی پہلے اسلام لائے مگر انھوں نے اسلام کو اپنے والد سے پوشیدہ رکھا جس وجہ سے ان کا اسلام لوگوں پر مشتبہ رہا جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔ (ت)

ولہذا احادیثِ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و آثارِ صحابہ کرام و اہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کہ صدیق کا اسلام سب کے اسلام سے افضل، اور ان کا ایمان تمام امت کے ایمان سے ازید واکمل ہے کما بیّناہ فی کتابنا المذکور المبارک ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کردیا ہے کتاب مذکور میں جو ان شاء اللہ بابرکت ہوگی۔ ت)

رہے امیر المومنین فاروق و امیر المومنین غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما مذہب جمہور اہلسنت میں امیر المومنین حیدر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو وہ دونوں افضل اور امیر المومنین صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اگرچہ سب سے افضل مگر اس وجہ سے افضل نہیں کہ یہ قدیم الاسلام ہیں وہ جدید الاسلام، کہ یہ فضل جزئی ہے جو مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے۔ فضلِ کلی اور شَے ہے جس کی تحقیق انیق ہم نے کتاب مذکور میں ذکر کی۔ قدمِ اسلام اگر موجبِ افضلیت ہو تو لازم آئے کہ من و تو زید و عمرو کہ بعونہ تعالٰی باپ دادا پردادا پشت ہا پشت سے مسلمان چلے آتے ہیں۔ عمر و عثمان ابوذر و سلمان و حمزہ و عباس وغیرہم صحابہ کرام و اہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے معاذ اللہ افضل ٹھہریں، تو اس بنا پر دعوٰی افضلیت محض جہالت اور فضل جزئی و کلی کے تفرقہ سے غفلت ہے۔

واللہ الھادی و ولی الایادی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا اور نعمتوں کا مالک ہے اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور مستحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۱: از بنارس محلہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۱۴ رجب ۱۳۱۲ھ

ما قولکم ایھا العلماء ابقاکم اللہ تعالٰی

اے علماء کرام اللہ تعالٰی یوم جزا تک آپ کو باقی

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۸۷۵ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۹۹

الیٰ یوم الجزاء فی المسئلۃ السّق نرسل الیکم۔ (رکھے آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں جو ہم آپ کی طرف بھیج رہے ہیں۔ت)

30

زید کہتا ہے چونکہ علی مرتضٰی نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا اور اس سے پہلے کبھی دامن پاک آپ کا نجاستِ شرک وکفر سے آلودہ نہیں ہُوا اور حدیث شریف:

کل مولود یولد علی الفطرۃ۔[1] ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے(ت)

دلالت کرتی ہے کہ کُل بچّے کا دین اسلام ہے۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جناب علی مرتضٰے ہمیشہ سے مسلمان تھے۔ عمرو کہتا ہے کہ جب علی مرتضٰے کرم اللہ تعالٰے وجہہ نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا تو یہ کہنا کہ آپ ہمیشہ سے مسلمان تھے محض غلط ہے۔ بیّنوا توجروا (بیان کرو اجر دیے جاؤ گے۔ت)

الجواب

قولِ زید حق ومقبول و زعم عمرو باطل ومخذول ہے۔

کماحققنا بتوفیق اللہ تعالٰی فی "تنزیۃ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ"۔ (جیسا کہ ہم نے "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ" میں اللہ تعالٰے کی توفیق سے اس کی تحقیق کردی ہے۔ ت)

ہاں عبارتِ زید میں یہ لفظ قابلِ گرفت ہے کہ "ہم کہہ سکتے ہیں" اس سے بُوئے ضعف آتی ہے بلکہ یُوں کہنا چاہیے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں، ہم بالیقین کہتے ہیں:

الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔[2] (سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵
سُنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۹۲
جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملۃ امین کمپنی دہلی ۲/۳۶
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۳

[2] القرآن الکریم ۷/۴۳

بیشک حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی ہمیشہ سے مسلمان صحیح الایمان تھے اور بیشک انہوں نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، ان دونوں باتوں میں اصلاً تنافی نہیں - یہ اسلام متاخر وہ ہے جس کا ذکر (اللّٰھم صلّ علٰی علم الایمان اصل الایمان عین الایمان واٰلہ وسلم۔ اے اللہ درود وسلام نازل فرما علامتِ ایمان، اصلِ ایمان، عینِ ایمان پر اور آپ کی آل پر۔ ت)

آیۂ کریمہ:

ماکنت تدری ماالکتٰب ولا الایمان ولکن جعلنٰہ نورًا[1] الاٰیۃ۔

اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکامِ شرع کی تفصیل، ہاں ہم نے اسے نور کیا۔ (ت)

یعنی اسلام خاص زمانِ بعثت کہ کتاب ورسول پر ایمان اور عقائدِ سمعیّہ کے اذعان پر مشتمل ہو۔ یہ بے شک بعدِ بعثت حاصل ہُوا۔ اس کا حدوث قدمِ اسلامِ توحیدی کا منافی نہیں،

کما لایخفٰی علٰی من کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔

جیسا کہ یہ پوشیدہ نہیں اُس شخص پر جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔ (ت)

تفسیر کبیر میں زیرِ آیۂ کریمہ منجملہ وجوہِ تاویل مذکور:

الرابع الایمان عبارۃ عن الاقرار بجمیع ماکلف اللہ تعالٰی بہ وانہ قبل النبوۃ ماکان عارفا بجمیع تکالیف اللہ تعالٰی بل انہ کان عارفا باللہ تعالٰی وذٰلک لاینافی ماذکرناہ۔ الخامس صفات اللہ تعالٰی علٰی قسمین منھا مایمکن معرفتہ بمحض دلائل العقل، ومنھا مالایمکن معرفتہ الّا بالدلائل السمعیۃ، فھذا القسم الثانی لم تکن معرفتہ حاصلۃ قبل النبوۃ۔[2]

وجہ چہارم ایمان ان تمام چیزوں کے مان لینے کا نام ہے جن کا اللہ تعالٰی نے بندوں کو مکلف بنایا، اور حضور قبلِ نبوت اللہ تعالٰی کے عائد کردہ تمام احکام وتکالیف سے واقف نہ تھے بلکہ وُہ خداوند تعالٰی کے عارف تھے اور یہ اس کے منافی نہیں جو ہم نے ذکر کیا (کہ قبلِ وحی بھی انبیاء کا کُفر سے منزّہ ہونا اجماعی ہے)۔ وجہ پنجم، صفاتِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ جن کی معرفت عقلی دلیلوں سے ہوسکتی ہے (۲) وہ جن کی معرفت سمعی دلیلوں کے بغیر ممکن نہیں۔ تو اسی قسم دوم کی معرفت قبلِ نبوت نہ تھی۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۵۲

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۴۲/ ۵۲ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۷/ ۱۹۱

تفسیر ارشاد العقل السلیم میں ہے:

ای الایمان بتفاصیل ما فی تضاعیف الکتاب من الامور التی لا تھتدی الیھا العقول لا الایمان بما یستقبل بہ العقل والنظر، فان درایتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لہ مما لاریب فیہ قطعا۔[1]

اس آیت میں ایمان سے مراد اُن امور کی تفصیلات پر ایمان ہے جو کتاب کے وسیع صفحات میں مندرج ہیں جن تک از خود عقلوں کی رسائی نہیں، ان امور سے متعلق ایمان کی نفی مراد نہیں جن کو عقل و فکر خود جان لیتی ہے اور کتاب وغیرہ کی محتاج نہیں ہوتی، قبل نبوت بھی اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آشنا ہونے میں قطعاً کوئی شک وشبہہ نہیں (ت)

اسی کے قریب قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے شفا شریف میں نقل کرکے فرمایا: وھو احسن وجوھہ[2] (وجوہِ تاویل میں یہ سب سے عمدہ ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عہد الجاھلیہ

ختم ہوا

---

[1] ارشاد العقل السلیم تحت الآیۃ ۴۲/۵۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/۳۸

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل واما عصمتہم من ہذا الفن قبل النبوۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/۱۰۵

رسالہ

غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق

۱۳۱۳ھ

(تحقیق کی انتہا حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی امامت کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ ربُّ محمّد صلی علیہ وسلّما

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ ۲۲ اوّل رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وعترتہ وسلم نے وقتِ رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا؟

الجواب

جانشینی ونیابت دو۲ قسم ہے:

اوّل۱ جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لئے دوسرے کو اپنا نائب کرے جیسے بادشاہ کا لڑائی میں کسی کو سردار بنا کر بھیجنا یا کسی ضلع کی حکومت دینا یا تحصیل خراج پر مامور کرنا یا کہیں جاتے ہوئے انتظامِ شہر سپرد کر جانا، اس قسم کا استخلاف صریح حضور پُر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وعترتہ وازواجہ وصحابتہ اجمعین وبارک

وسلم سے بارہا واقع ہوا، جیسے بعض غزوات میں امیر المومنین صدیق اکبر بعض میں حضرت اسامہ بن زید۔ غزوۂ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تحصیلِ زکوٰۃ پر امیر المومنین فاروقِ اعظم وحضرت خالد بن ولید وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم کو مقرر فرمایا۔ یہ بھی یقیناً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت تھی کہ اخذ صدقات اصل کام حضور والاصلوات اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہ کا ہے۔ قال تعالٰی :

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلٰوتک سکن لھم۔[1] اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمھاری دُعا اُن کے دلوں کا چین ہے۔ (ت)

تعلیم قرآن ودین کے لئے قرائے کرام شہدائے عظام کو مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب بن اسید کو مکہ معظمہ، حضرت معاذ بن جبل کو ولایتِ جَنَد، حضرت ابوموسٰی اشعری کو زبید وعدن، حضرت ابوسفیان والدِ امیر معاویہ یا حضرت عمرو بن حزم کو شہر نجران، حضرت زیاد بن لبید کو حضرموت، حضرت خالد سعید اموی کو صنعا، حضرت عمرو بن العاص کو عمّان کا ناظم صوبہ کیا۔ باذان بن سیاسان کیانی مغل کو صوبہ داری یمن پر مقرر رکھا۔ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو ملک یمن کا عہدۂ قضا بخشا۔ ۸ھ میں حضرت عتاب، ۹ھ میں حضرت صدیق اکبر کو امیر الحاج بنایا۔ بعض وقائع میں امیر المومنین فاروقِ اعظم، بعض میں حضرت معقل بن یسار، بعض میں حضرت عقبہ کو حکم قضا دیا۔ غزوۂ تبوک کو تشریف لیجاتے وقت امیر المومنین علی مرتضٰی کو اہلبیت کرام، اور غزوۂ بدر میں حضرت ابولبابہ، اور تیرہ[13] غزوات واسفار کو نہضت فرماتے حضرت عمرو ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ کا امیر ووالی فرمایا۔ از انجملہ غزوۂ ابوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا وغزوۂ بواط وغزوۂ ذی العُشیرہ وغزوۂ طلب کرز بن جابر وغزوۂ سویق وغزوۂ غطفان وغزوۂ احد وغزوۂ حمراء الاسد وغزوہ نجران وغزوۂ ذات الرقاع وسفر حجۃ الوداع کہ حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پچھلا سفر تھا رضی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

لخصنا کل ذٰلک من صحیح البخاری یہ سب ہم نے تلخیص کی صحیح بخاری اور اس کی

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۳

وشروحه والمواهب اللدنية بالمنح المحمدية وشرحہا للزرقانی والاصابة فی تمییز الصحابة للامام الحافظ العسقلانی رحمة اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔	شرحوں، مواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ اور اسکی شرح زرقانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف الاصابہ فی تمییز الصحابہ سے۔ اللہ تعالٰی ان سب پر رحمت نازل فرمائے۔ (ت)

دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہوسکتی یعنی امام کا اپنے بعد کسی کیلئے امامتِ کبرٰی کی وصیت فرمانا اس کا نص صریح علی الاعلان بتصریح نام حضور اعلٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کے واسطے نہ فرمایا ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ضرور پیش کرتے اور قریش و انصار میں دربارۂ خلافت مباحثے مشاورے نہ ہوتے، امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے باسانید صحیحہ قویہ ثابت کہ جب اُن سے عرض کی گئی استخلف علینا ہم پر کسی کو خلیفہ کر دیجئے۔ فرمایا: لا ولکن اترککم کما ترککم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کسی کو خلیفہ نہ کروں گا بلکہ یونہی چھوڑوں گا جیسے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے۔[1] اخرجہ الامام احمد بسند حسن والبزار بسند قوی والدارقطنی وغیرھم (اس کو امام احمد نے بسندِ حسن اور بزار نے بسندِ قوی اور دارقطنی وغیرہم نے روایت کیا۔ ت)۔

بزار کی روایت میں بسندِ صحیح ہے حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے فرمایا:

مااستخلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاستخلف علیکم۔[2]	رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہ کیا کہ میں کروں۔

دارقطنی کی روایت میں ہے، ارشاد فرمایا:

دخلنا علٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلنا یا رسول اللہ	ہم نے خدمتِ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۳۰
الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۰
کشف الاستار عن زوائد البزار باب فی فضلہ حدیث ۲۵۴۷ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/ ۲۰۳
کنز العمال بحوالہ ک وابن السنی حدیث ۳۶۵۶۲ " " " ۱۳/ ۱۸۹

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ البزار الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۰

استخلف علینا قال لا ان یعلم اللہ فیکم خیرا یول علیکم خیرکم قال علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فعلم اللہ فینا خیرا فولی علینا ابابکر[1] (رضی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین)

ہم پر کسی کو خلیفہ فرما دیجئے۔ ارشاد ہوا: نہ، اگر اللہ تعالٰی تم میں بھلائی جانے گا تو جو تم سب میں بہتر ہے اُسے تم پر والی فرما دے گا۔ حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: رب العزۃ جل وعلا نے ہم میں بھلائی جانی پس ابوبکر کو ہمارا والی فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

امام اسحٰق بن راہویہ و دارقطنی و ابن عساکر وغیرہم بطرق عدیدہ واسانید کثیرہ راوی دو شخصوں نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اُن کے زمانۂ خلافت میں دربارۂ خلافت استفسار کیا اعھد عھدہ الیک النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ام رای رأیتہ کیا یہ کوئی عہد و قرارداد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا آپ کی رائے ہے۔ فرمایا: بل رای رأیتہ بلکہ ہماری رائے ہے اما ان یکون عندی عھد من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عھدہ الیّ فی ذٰلک فلا واللہ لئن کنت اوّل من صدّق بہ فلا اکون اوّل من کذب علیہ رہا یہ کہ اسباب میں میرے لئے حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی عہدہ قرارداد فرمادیا ہو سو خدا کی قسم ایسا نہیں اگر سب سے پہلے میں نے حضور کی تصدیق کی تو میں سب سے پہلے حضور پر افترا کرنے والا نہ ہوں گا ولوکان عندی منہ عھد فی ذٰلک ما ترکت اخا بنی تیم بن مرۃ وعمر بن الخطاب یثوبان علٰی منبرہ ولقاتلتھما بیدی ولو لم اجد الا بردتی ھذہ اور اگر اسباب میں حضور والا صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے میرے پاس کوئی عہد ہوتا تو میں ابوبکر و عمر کو منبر اطہر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جست نہ کرنے دیتا اور بیشک اپنے ہاتھ سے اُن سے قتال کرتا اگرچہ اپنی اس چادر کے سوا کوئی ساتھی نہ پاتا ولکن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقتل قتلا ولم یمت فجاۃ مکث فی مرضہ ایاما ولیالی یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس وھو یری مکانی ثم یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس

---

[1] الصواعق المحرقہ بحوالہ الدارقطنی الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۷۰

وھو یری مکانی بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معاذاللہ کچھ قتل نہ ہوئے نہ یکایک انتقال فرمایا بلکہ کئی دن رات حضور کو مرض میں گزرے، مؤذن آتا نماز کی اطلاع دیتا، حضور ابوبکر کو امامت کا حکم فرماتے حالانکہ میں حضور کے پیشِ نظر موجود تھا، پھر مؤذن آتا اطلاع دیتا حضور ابوبکر ہی کو حکمِ امامت دیتے حالانکہ میں کہیں غائب نہ تھا ولقد ارادت امرأۃ من نسائہ ان تصرفہ عن ابی بکر فابی وغضب وقال انتن صواحب یوسف مروا ابا بکر فلیصل بالناس اور خدا کی قسم ازواجِ مطہرات میں سے ایک بی بی نے اس معاملہ کو ابوبکر سے پھیرنا چاہا تھا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ مانا اور غضب کیا اور فرمایا تم وہی یوسف (علیہ السلام) والیاں ہو ابوبکر کو حکم دو کہ امامت کرے فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نظرنا فی امورنا فاخترنا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا فکانت الصلٰوۃ عظیم الاسلام وقوام الدین، فبایعنا ابا بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فکان لذلک اھلا لم یختلف علیہ منا اثنان پس جبکہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ہم نے اپنے کام میں نظر کی تو اپنی دُنیا یعنی خلافت کے لئے اسے پسند کرلیا جسے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمارے دین یعنی نماز کے لئے پسند فرمایا تھا کہ نماز تو اسلام کی بزرگی اور دین کی درستی تھی لہذا ہم نے ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیعت کی اور وہ اس کے لائق تھے ہم میں کسی نے اس بارہ میں خلاف نہ کیا۔ یہ سب کچھ ارشاد کرکے حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی نے فرمایا: فادیت الی ابی بکر حقہ وعرفت لہ طاعتہ وغزوت معہ فی جنودہ وکنت اٰخذ اذا اعطانی واغزو اذا غزانی واضرب بین یدیہ الحدود بسوطی[1] پس میں نے ابوبکر کو اُن کا حق دیا اور اُن کی اطاعت لازم جانی اور اُن کے ساتھ ہو کر اُن کے لشکروں میں جہاد کیا جب وہ مجھے بیت المال سے کچھ دیتے میں لے لیتا اور جب مجھے لڑائی پر بھیجتے میں جاتا اور ان کے سامنے اپنے تازیانہ سے حد لگاتا ____ پھر بعینہٖ یہی مضمون امیر المومنین فاروقِ اعظم و امیر المومنین عثمان غنی کی نسبت ارشاد فرمایا، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

ہاں البتہ اشاراتِ جلیلہ واضحہ بارہا فرمائے، مثلاً:

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۵۰۲۹ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۵/ ۳۳۷ تا ۳۳۹
الصواعق المحرقہ بحوالہ الدارقطنی وابن عساکر واسحٰق بن راہویہ الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیہ ص ۶۶ تا ۶۷

(۱) ایک بار ارشاد ہوا میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اس پر ایک ڈول ہے میں اس سے پانی بھرتا رہا جب اللہ نے چاہا پھر ابوبکر نے ڈول لیا دو ایک بار کھینچا پھر وہ ڈول ایک چل ہوگیا جسے چرسہ کہتے ہیں اسے عمر نے لیا تو میں نے کسی سردار زبردست کو اس کام میں ان کے مثل نہ دیکھا یہاں تک کہ تمام لوگوں کو سیراب کردیا کہ پانی پی پی کر اپنی فرودگاہ کو واپس ہوئے۔ رواہ الشیخان[1] عن ابی ھریرۃ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم (اس کو شیخین نے ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ت)

(۲) امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں میں نے بارہا بکثرت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ سوا میں اور ابوبکر و عمر کیا میں نے اور ابوبکر و عمر نے چلا میں اور ابوبکر۔ رواہ الشیخان[2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما (اس کو شیخین نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

(۳) ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا آج کی رات ایک مرد صالح (یعنی خود حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ ابوبکر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور عمر ابوبکر سے اور عثمان عمر سے۔ جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں جب ہم خدمتِ اقدس حضور والا صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اُٹھے آپس میں تذکرہ کیا کہ مرد صالح تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور بعض کا بعض سے تعلق وہ اس امر کا والی ہونا جس کے ساتھ حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔ رواہ عنہ ابوداؤد[3] والحاکم (اسکو جابر رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا۔ ت)

---

[1] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۱۷ و ۵۱۹ و ۵۲۰
〃 کتاب التعبیر 〃 〃 〃 ۲/ ۱۰۳۹ و ۱۰۴۰
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل عمر 〃 〃 〃 ۲/ ۲۷۵
الصواعق المحرقۃ بحوالہ الشیخین الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۹ و ۴۰
[2] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبیل مناقب عمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۹
مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ متفق علیہ باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما 〃 〃 ص ۵۵۹
[3] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی الخلفاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۱
المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۲ و ۱۰۲

(۴) انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی المصطلق نے خدمتِ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھیجا کہ حضور سے دریافت کروں حضور کے بعد ہم اپنے اموالِ زکوٰۃ کس کے پاس بھیجیں، فرمایا ابوبکر کے پاس۔ عرض کی اگر انھیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو کسے دیں۔ فرمایا عمر کو۔ عرض کی جب اُن کا بھی واقعہ ہو۔ فرمایا عثمان کو۔ رواہ عنہ فی المستدرک وقال ھٰذا حدیث صحیح الاسناد[1] (اسکو انس رضی اللہ عنہ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ ت)

(۵) ایک بی بی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور کچھ سوال کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پھر حاضر ہو۔ انھوں نے عرض کی آؤں اور حضور کو نہ پاؤں۔ فرمایا مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آنا۔ رواہ الشیخان[2] عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ (اس کو شیخین نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

(۶) یونہی ایک مرد سے ارشاد فرمانا مروی کہ میں نہ ہوں تو ابوبکر کے پاس آنا۔ عرض کی جب انھیں نہ پاؤں۔ فرمایا تو عمر کے پاس۔ عرض کی جب وہ بھی نہ ملیں۔ فرمایا تو عثمان کے پاس۔ اخرجہ ابونعیم[3] فی الحلیۃ والطبرانی عن سہل بن ابی حیثمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ابونعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حیثمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تخریج کی۔ ت)

(۷) ایک شخص سے کچھ اونٹ قرضوں خریدے یہ واپس جاتا تھا کہ مولٰی علی کرم اللہ وجہہ ملے حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہو اور عرض کر اگر حضور کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو میری قیمت کون ادا کرے گا۔ فرمایا ابوبکر۔ پھر دریافت کرایا اور جو ابوبکر کو کچھ حادثہ پیش آئے تو کون دے گا۔ فرمایا عمر۔ پھر دریافت کرایا انھیں بھی کچھ حادثہ درپیش ہو۔ فرمایا ویحک اذا مات عمر فان استطعت ان تموت فمت

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۳/ ۷۷

[2] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۶

" " کتاب الاحکام باب الاستخلاف " " " ۲/ ۱۰۷۲

صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل ابی بکر " " " ۲/ ۲۷۳

[3] ازالۃ الخفاء عن سہل بن ابی حثمۃ فصل پنجم مقصد اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۴

ہائے نادان جب عمر مرجائے تو اگر مرسکے تو مرجانا۔ رواہ الطبرانی[1] فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ وحسنہ الامام جلال الدین سیوطی (طبرانی نے کبیر میں اس کو عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کو حسن قرار دیا۔ت)

(۸) انھیں اشارات جلیلہ سے ہے حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایام مرض وفات اقدس میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی جگہ امامت مسلمین پر قائم کرنا اور دوسرے کی امامت پر راضی نہ ہونا غضب فرمانا جس سے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے استناد فرمایا کہ رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا[2] رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں چُن لیا ہمارے دین کی پیشوائی کو، کیا انھیں ہم پسند نہ کریں اپنی دُنیا کی امامت کو۔ت)

(۹) اور نہایت روشن وصریح قریب نص وتصریح وہ ارشاد اقدس ہے کہ امام احمد وترمذی نے بافادہ تحسین اور ابن ماجہ وابن حبان وحاکم نے بافادہ تصحیح اور ابو المحاسن رویانی نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ترمذی وحاکم نے حضرت عبداللہ[1] بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اور طبرانی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابن عدی نے کامل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور پُرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر[3]

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۴۷۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/۱۸۱

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن سعد الباب الاول الفصل الرابع دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۳،۷۱،۹۴

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان المکتب الاسلامی بیروت ۵/۳۸۵ و ۳۹۹ و ۴۰۲

جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر وعمار بن یاسر امین کمپنی دہلی ۲/۲۰۷ و ۲۲۱

سنن ابن ماجہ فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰

کنز العمال حدیث ۳۳۱۱۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۶۴۰

موارد الظمآن حدیث ۲۱۹۳ المطبعۃ السلفیۃ ص ۵۳۹

وفی لفظ اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر[1] میں نہیں جانتا میرا رہنا تم میں کب تک ہو لہذا تمھیں حکم فرماتا ہوں کہ میرے اُن دو صحابیوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

(۱۰) ایک بار آخر حیات اقدس میں نص صریح بھی فرمادینا چاہا تھا پھر خدا اور مسلمانوں پر چھوڑ کر حاجت نہ سمجھی، امام احمد وامام بخاری وامام مسلم اُم المومنین صدیقہ محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وعلیہا وسلم سے راوی کہ وہ ارشاد فرماتی ہیں: قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ادعی لی اباك واخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر[2] حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس مرض میں انتقال فرمانے کو ہیں اس میں مجھ سے فرمایا اپنے باپ اور بھائی کو بلالے کہ میں ایک نوشتہ تحریر فرمادوں کہ مجھے خوف ہے کوئی تمنا کرنیوالا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہہ اُٹھے کہ میں زیادہ مستحق ہوں اور اللہ نہ مانے گا اور مسلمان نہ مانیں گے مگر ابوبکر کو۔ امام احمد کے ایک لفظ یہ ہیں کہ فرمایا: ادعی لی عبدالرحمٰن بن ابی بکر اکتب لابی بکر کتابا لایختلف علیہ احد ثم قال دعہ معاذ اللہ ان یختلف المؤمنون فی ابی بکر[3] عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلالو کہ میں ابوبکر کے لئے نوشتہ لکھ دوں کہ اُن پر کوئی اختلاف

---

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ حماد بن دلیل دار الفکر بیروت ۲/ ۶۶۶
المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ " " " ۳/ ۷۵
کنز العمال حدیث ۳۲۶۵۵ و ۳۲۶۵۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۶۰ و ۵۶۲
المعجم الکبیر " ۸۴۲۶ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۹/ ۶۸
مسند احمد بن حنبل عن حذیفہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۸۲

[2] صحیح البخاری کتاب المرضی ۲/ ۸۴۶ وکتاب الاحکام باب الاستخلاف ۲/ ۱۰۷۲ قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب من فضائل ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۳
مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۴۴
الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ " ص ۳۷

[3] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۷

نہ کرے۔ پھر فرمایا: رہنے دو خدا کی پناہ کہ مسلمان اختلاف کریں ابوبکر کے بارے میں۔ صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ احکم۔

مسئلہ دوم خلفائے ثلٰثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے آیا حضرت علی علیہ السلام افضل تھے یا کم؟

الجواب

اہلسنت وجماعت نصرہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ ورسل وانبیائے بشر صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہم کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم تمام مخلوقِ الٰہی سے افضل ہیں۔ تمام اُمم عالم اولین وآخرین میں کوئی شخص ان کی بزرگی وعظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقرب وولایت کو نہیں پہنچتا۔

ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء ط واللہ ذوالفضل العظیم[1] فضل اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے (ت)

پھر ان میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولٰی علی صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدہم ومولاہم وآلہ وعلیہم وبارک وسلم۔ اس مذہب مہذب پر آیاتِ قرآنِ عظیم واحادیثِ کثیرہ حضور پرنور نبی کریم علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والتسلیم وارشاداتِ جلیلہ واضحہ امیر المومنین مولٰی علی مرتضٰی ودیگر ائمہ اہلبیت طہارت وارتضاء واجماع صحابہ کرام وتابعین عظام وتصریحاتِ اولیائے امت وعلمائے اُمت رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے وہ دلائل باہرہ وحجج قاہرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہوسکتا۔ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس مسئلہ میں ایک کتاب عظیم بسیط وضخیم دو مجلد پر منقسم نام تاریخی مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین (۱۲۹۷ھ) سے متسم تصنیف کی اور خاص تفسیر آیہ کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم اور اس سے افضلیت مطلقہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اثبات واحقاق اور اوہام خلاف کے ابطال وازہاق میں ایک جلیل رسالہ مسمّی بنام تاریخی الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (۱۳۰۰ھ) تالیف کیا اس مبحث کی تفصیل اُن کتب پر موکول، یہاں صرف چند ارشادات ائمہ اہلبیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم پر

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۹

پر اقتصار ہوتا ہے، اللہ عزوجل کی بیشمار رحمت و رضوان و برکت امیر المومنین اسد حیدر حق گو حق داں حق پرور کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی پر کہ اُس جناب نے مسئلہ تفضیل کو بغایت مفصل فرمایا اپنی کرسی خلافت وعرش زعامت پر بر سر منبر مسجد جامع ومشاہد و مجامع وجلوات عامہ وخلوات خاصہ میں بطرق عدیدہ تا مدد مدیدہ سپید و صاف ظاہر و واشگاف محکم و مفسر بے احتمال دگر حضرات شیخین کریمین وزیرین جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اپنی ذات پاک اور تمام امت مرحومہ سید لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضل و بہتر ہونا ایسے روشن و ابین طور پر ارشاد کیا جس میں کسی طرح شائبہ شک و تردد نہ رہا مخالف مسئلہ کو مفتری بتایا اسّی کوڑے کا مستحق ٹھہرایا حضرت سے ان اقوال کریمہ کے راوی اسّی سے زیادہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین صواعق امام ابن حجر مکی میں ہے:

قال الذھبی وقد تواتر ذٰلک عنہ فی خلافتہ وکرسی مملکتہ وبین الجم الغفیر من شیعتہ ثم بسط الاسانید الصحیحۃ فی ذٰلک قال ویقال رواہ عنہ نیف وثمانون نفسا وعدد منھم جماعۃ ثم قال فقبح اللہ الرافضۃ ما اجھلھم[1] انتھی۔

ذہبی نے کہا امیر المومنین حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان کے زمانہ خلافت میں جبکہ آپ کرسی اقتدار پر جلوہ گر تھے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کے جم غفیر میں افضلیت شیخین کو بیان فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ اسّی سے زائد افراد نے اس بارے میں آپ سے روایت کی ہے۔ ذہبی نے ان میں سے کچھ کے نام گنوائے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالٰی رافضیوں کا بُرا کرے وہ کس قدر جاہل ہیں انتہی (ت)

یہاں تک کہ بعض منصفان شیعہ مثل عبدالرزاق محدث صاحب مصنف نے باوصف تشیع تفضیل شیخین اختیار کی اور کہا جب خود حضرت مولٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی انھیں اپنے نفس کریم پر تفضیل دیتے تو مجھے اس کے اعتقاد سے کب مفر ہے مجھے یہ کیا گناہ تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھوں اور علی کا خلاف کروں۔ صواعق میں ہے:

ما احسن ما سلکہ بعض الشیعۃ المنصفین کعبد الرزاق فانہ قال افضل الشیخین

کیا ہی اچھی راہ چلے ہیں بعض منصف شیعہ جیسے عبدالرزاق کہ اس نے کہا میں اس لئے شیخین کو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر فضیلت

---

[1] الصواعق المحرقۃ الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۰ و ۹۱

بتفضیل علی ایاھما علی نفسہ و الا لما فضلتھما کفی بی وزرا ان احبہ ثم اخالفہ[1] — دیتا ہوں کہ حضرت علی نے انھیں فضیلت دی ہے، ورنہ میں انھیں آپ پر فضیلت نہ دیتا میرے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ میں آپ سے محبت کروں پھر آپ کی مخالفت کروں (ت)

اب چند احادیث مرتضوی سُنیئے:

حدیث اوّل: صحیح بخاری شریف میں سیدنا و ابن سیدنا امام محمد بن حنفیہ صاحبزادہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجوہہما سے مروی،

قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ابوبکر قال قلت ثم من قال عمر[2] — میں نے اپنے والد ماجد کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے عرض کی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں میں بہتر کون ہے؟ فرمایا ابوبکر۔ میں نے عرض کی پھر کون؟ فرمایا: عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

حدیث دوم: امام بخاری اپنی صحیح اور ابن ماجہ سنن میں بطریق عبداللہ بن سلمہ امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی کہ فرماتے تھے:

خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر وخیر الناس بعد ابی بکر عمر[3] رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ ھذا حدیث ابن ماجۃ۔ — بہترین مرد بعد سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر ہیں اور بہترین مرد بعد ابوبکر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے۔ (ت)

حدیث سوم: امام ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل طلحی کتاب السنۃ میں راوی:

اخبرنا ابوبکر بن مردویہ ثنا سلیمٰن بن احمد ثنا الحسن — (ہم کو خبر دی ابوبکر بن مردویہ نے، ہم کو حدیث بیان کی سلیمان بن احمد نے، ہم کو حدیث بیان

---

[1] الصواعق المحرقۃ الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۳

[2] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مناقب ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۸

[3] سنن ابن ماجہ فضل عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱

31

بن المنصور الرمانی ثنا داؤد بن معاذ ثنا ابو سلمۃ العتکی عبد اللہ بن عبد الرحمٰن عن سعید بن ابی عروبۃ عن منصور بن المعتمر عن ابراھیم عن علقمۃ قال بلغ علیا ان اقواما یفضلونہ علی ابی بکر وعمر فصعد المنبر فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال یا ایھا الناس انہ بلغنی ان قوما یفضلونی علی ابی بکر وعمر ولو کنت تقدمت فیہ لعاقبت فیہ فمن سمعتہ بعد ھذا الیوم یقول ھذا فھو مفتر علیہ حد المفتری ثم قال ان خیر ھٰذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر، ثم اللہ اعلم بالخیر بعد، قال وفی المجلس الحسن بن علی فقال واللہ لو سمی الثالث لسمی عثمٰن[1]

(ہم کو حسن بن منصور رمانی نے حدیث بیان کی، ہم کو داؤد بن معاذ نے، ہم کو ابوسلمہ عتکی عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے، انھوں نے سعید بن ابوعروبہ سے، انھوں نے منصور بن معتمر سے، انھوں نے ابراہیم سے اور انھوں نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔) حضرت علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انھیں حضرات صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل بتاتے ہیں، یہ سن کر منبر پر جلوہ فرما ہوئے، حمد وثنائے الٰہی بجالائے، پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتے ہیں اس بارہ میں اگر میں نے پہلے سے حکم سنا دیا ہوتا تو بیشک سزا دیتا آج سے جسے ایسا کہتے سنوں گا وہ مفتری ہے اس پر مفتری کی حد یعنی اسّی کوڑے لازم ہیں۔ پھر فرمایا: بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد افضل امت ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کون سب سے بہتر ہے۔ علقمہ فرماتے ہیں مجلس میں سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی تشریف فرما تھے انھوں نے فرمایا خدا کی قسم اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ (ت)

حدیث چہارم: امام دارقطنی سنن میں اور ابوعمر بن عبدالبر استیعاب میں حکم بن حجل سے

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بحوالہ ابی القاسم فی کتاب السنۃ مسند علی بن ابی طالب سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۶۸

راوی حضرت مولیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

لا اجد احدا فضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدتہ حد المفتری۔[1]

میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتا ہے اُسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پنجم۵: سنن دارقطنی میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ مقرب بارگاہ تھے جناب امیر انھیں وہب الخیر فرمایا کرتے تھے مروی:

انہ کان یری ان علیا افضل الامۃ فسمع اقواما یخالفونہ فحزن حزنا شدیدا فقال لہ علی بعد ان اخذبیدہ وادخلہ بیتہ ما احزنك یا ابا جحیفۃ فذکر لہ الخبر فقال الا اخبرك بخیر ھذہ الامۃ خیرھا ابوبکر ثم عمر قال ابوجحیفۃ فاعطیت اللہ عھدا ان لا اکتم ھذا الحدیث بعد ان شافھنی بہ علی ما بقیت۔[2]

یعنی ان کے خیال میں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تمام امت سے افضل تھے انھوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سُنا سخت رنج ہُوا حضرت مولیٰ ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانہ ولایت میں لے گئے غم کی وجہ پوچھی، گزارش کی، فرمایا: کیا میں تمھیں نہ بتادوں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے ابوبکر ہیں پھر عمر۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا بعد اس کے کہ خود حضرت مولیٰ نے بالمشافہ مجھے ایسا فرمایا۔

حدیث ششم۶: امام احمد مسند ذی الیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ابن ابی حازم سے راوی:

قال جاء رجل الی علی بن الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فقال ماکان منزلۃ ابی بکر وعمر

یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت انور میں حاضر ہوکر عرض کی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۱

[2] " " " " " " " " " ص ۹۲

من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال منزلتھما الساعۃ وھما ضجیعاہ[1]

کی بارگاہ میں ابوبکر وعمر کا مرتبہ کیا تھا فرمایا جو مرتبہ اُن کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔

حدیث ہفتم[7]: دارقطنی حضرت امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ ارشاد فرماتے ہیں:

اجمع بنو فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم علی ان یقولوا فی الشیخین احسن مایکون من القول[2]

یعنی اولادِ امجاد حضرت بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہا الکریم وعلیہا وعلیہم وبارک وسلم کا اجماع واتفاق ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو (ظاہر ہے کہ سب سے بہتر بات اُسی کے حق میں کہی جائے گی جو سب سے بہتر ہو)۔

حدیث ہشتم[8]: امام ابن عساکر وغیرہ سالم بن ابی الجعد سے راوی:

قلت لمحمد بن الحنفیۃ ھل کان ابوبکر اول القوم اسلامًا؟ قال لا، قلت فبم علا ابوبکر وسبق حتی لایذکر احد غیر ابی بکر قال لانہ کان افضلھم اسلامًا حین اسلم حتی لحق بربہ[3]

یعنی میں نے امام محمد بن حنفیہ سے عرض کی: کیا ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ فرمایا: نہ۔ میں نے کہا: پھر کیا بات ہے کہ ابوبکر سب سے بالا رہے اور پیشی لے گئے یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ فرمایا: یہ اس لئے کہ وہ اسلام میں سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔

حدیث نہم[9]: امام ابوالحسن دارقطنی جندب اسدی سے راوی کہ امام محمد بن عبداللہ محض بن حسن مثنٰی بن حسن مجتبٰی بن علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجوہہم کے پاس کچھ اہلِ کوفہ وجزیرہ نے حاضر ہو کر

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ذی الیدین رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۷

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عن محمد الباقر الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۸۷

[3] 〃 〃 〃 ابن عساکر عن سالم بن ابی الجعد 〃 〃 〃 〃 〃 ۸۰

ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں سوال کیا امام ممدوح نے میری طرف ملتفت ہوکر فرمایا:

انظروا الی اھل بلادك یسألونی عن ابی بکر و عمر لھما عندی افضل من علی۔[1]

اپنے شہر والوں کو دیکھو مجھ سے ابوبکر و عمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں وہ دونوں میرے نزدیک بلاشبہہ مولا علی سے افضل ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

یہ امام اجل حضرت امام حسن مجتبٰی کے پوتے اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے نواسے ہیں ان کا لقب مبارک نفس زکیہ ہے، ان کے والد حضرت عبداللہ محض کہ سب میں پہلے حسنی حسینی دونوں شرف کے جامع ہوئے لہذا محض کہلائے، اپنے زمانے میں سردار بنی ہاشم تھے، ان کے والد ماجد امام حسن مثنٰی اور والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ صغرٰی بنت امام حسین صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہم وعلیہم و بارک وسلم۔

حدیث دہم ۱۰: امام حافظ عمر بن شبہ حضرت امام اجل سید زید شہید ابن امام علی سجاد زین العابدین ابن امام حسین سعید شہید صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علٰی جدہم الکریم وعلیہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کوفیوں سے فرمایا:

انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر و عمر، ولم یستطیعوا ان یقولوا فیھما شیئًا وانطلقتم انتم فظفرتم ای وثبتم فوق ذٰلك فبرئتم منھما فمن بقی؟ فواللہ ما بقی احد الا برئتم منہ۔[2]

یعنی خارجیوں نے اُٹھ کر ان سے تبرّی کی جو ابوبکر و عمر سے کم تھے یعنی عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہم مگر ابوبکر و عمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہ پائی اور تم نے اے کوفیو! اُوپر جست کی کہ ابوبکر و عمر سے تبرّی کی تو اب کون رہ گیا خدا کی قسم اب کوئی نہ رہا جس پر تم نے تبرّا نہ کہا ہو۔

والعیاذ باللہ رب العٰلمین اللہ اکبر (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا، اللہ سب سے بڑا ہے۔ ت)

امام زید شہید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ ارشاد مجید ہم غلامانِ خاندانِ زید کو بحمد اللہ کافی و وافی ہے، سید سادات بلگرام حضرت مرجع الفریقین، مجمع الطریقین، حبر شریعت، بحر طریقت،

---

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عن جندب الاسدی الباب الثانی دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۸۳

[2] " " " الحافظ عمر بن شبہ " " " " " ص ۷۹

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف سیدنا و مولانا میر عبدالواحد حسینی زیدی واسطی بلگرامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی نے کتاب مستطاب سبع سنابل شریف تصنیف فرمائی کہ بارگاہِ عالم پناہ حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں موقع قبول عظیم پر واقع ہوئی، حضرت مستفتی دامت برکاتہم کے جدِ امجد جداور اس فقیر کے آقائے نعمت و مولائے اوحد حضرت اسد الواصلین محبوب العاشقین سیدنا و مولانا حضرت سید شاہ حمزہ حسینی زیدی مارہروی قدس سرہ القوی کتاب مستطاب کاشف الاستار شریف کی ابتدا میں فرماتے ہیں:

باید دانست کہ در خاندان ما حضرت سند المحققین سید عبدالواحد بلگرامی بسیار صاحب کمال برخاستہ اند قطب فلکِ ہدایت و مرکز دائرۂ ولایت بود در علم صوری و معنوی فائق و از مشارب اہل تحقیق ذائق صاحبِ تصنیف و تالیف ست و نسب ایں فقیر بچہار واسطہ بذات مبارکش می پیوندد[1]

جاننا چاہئے کہ ہمارے خاندان میں حضرت سند المحققین میر سید عبدالواحد بلگرامی بہت صاحبِ کمال شخصیت ہیں۔ وہ فلکِ ہدایت کے قطب، دائرۂ ولایت کے مرکز، ظاہری و باطنی علم میں فوقیت رکھنے والے اصل تحقیق کے گھاٹوں کو چکھنے والے صاحبِ تصنیف و تالیف ہیں۔ اس فقیر کا نسب چار واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے۔ (ت)

پھر بعد چند اجزاء کے فرماتے ہیں:

اشہر تصانیف او کتاب سنابل ست در سلوک و عقائد حاجی الحرمین سید غلام علی آزاد سلمہ اللہ در مآثر الکلام می نویسد وقتے در شہر رمضان المبارک سنۃ خمس و ثلثین و مائۃ و الف مؤلفِ اوراق در دار الخلافۃ شاہجہان آباد خدمت شاہ کلیم چشتی قدس سرہ را زیارت کرد ذکر میر عبدالواحد قدس سرہ درمیان آمد شیخ مناقب و مآثر میر تا دیر بیان کرد فرمود شبے در

سلوک و عقائد میں آپ کی مشہور تصنیف کتاب سنابل ہے۔ حاجی حرمین سید غلام علی آزاد، اللہ انھیں سلامت رکھے، مآثر الکلام میں لکھتے ہیں جس وقت ۱۱۳۵ھ میں رمضان المبارک میں مؤلفِ اوراق نے دار الخلافہ شاہجہان آباد میں شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کی۔ میر عبدالواحد کا ذکر درمیانِ کلام میں آگیا حضرت شیخ نے کافی دیر تک میر صاحب کے فضائل و مناقب

---

[1] کاشف الاستار
مآثر الکرام از میر غلام علی آزاد بلگرامی (لاہور ۱۹۷۱ء) ص ۲۵

مدینۂ منورہ پہلو بر بستر خواب گذاشتم در واقعہ می بینم کہ من و سید صبغۃ اللہ بروجی معاً در مجلس اقدس رسالت پناہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم باریاب شدیم جمعے از صحابۂ کرام و اولیائے امت حاضر اند در ینہا شخصے ست کہ حضرت باو لب بہ تبسم شیریں کردہ حرفہا میزند و التفات تمام دارند چوں مجلس آخر شد از سید صبغۃ اللہ استفسار کردم کہ ایں شخص کیست کہ حضرت باو التفات بایں مرتبہ دارند گفت میر عبدالواحد بلگرامی، و باعث مزید احترام او اینست کہ سنابل تصنیف او در جناب رسالت پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقبول افتادہ انتہی کلامہ انتہی مقالہ الشریف بلفظہ المنیف قدس اللہ تعالٰی سرہ اللطیف[1]

بیان کئے اور فرمایا کہ ایک رات میں مدینہ منورہ میں اپنے بستر پر لیٹا تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اور سید صبغت اللہ بروجی اکٹھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں، صحابہ کرام اور اولیاء امت کی ایک جماعت بھی حاضر ہے آپ کی مجلس اقدس میں ایک شخص موجود ہے اور آپ اسکی طرف نظر کرم کرتے ہوئے مسکرا رہے ہیں اور اس سے باتیں کر رہے ہیں اور اس کی طرف بھرپور توجہ فرما رہے ہیں۔ جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے سید صبغت اللہ سے پوچھا یہ شخص کون ہے جس کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر توجہ فرماتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں اور ان کے اس قدر احترام کی وجہ یہ ہے کہ کتاب سنابل نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں مقبول ہوئی ہے۔ ان کا کلام ختم ہوا۔ مقالہ شریف ان ہی کے بلند پایہ لفظوں میں ختم ہوا۔ اللہ تعالٰی ان کے سر لطیف کو مقدس بنائے۔ (ت)

حضرت میر قدس سرہ المنیر نے اس کتاب مقبول و مبارک میں مسئلۂ تفضیل بکمال تفصیل و تاکیدِ جمیل و تہدیدِ جلیل ارشاد فرمایا لفظ مبارک سے چند حروف کی نقل سے شرف حاصل کروں۔ اولیائے کرام و محدثین و فقہاء جملہ اہلِ حق کے اجماعی عقائد میں بیان فرماتے ہیں:

واجماع دارند کہ افضل از جملہ بشر بعد انبیاء — اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام

---

[1] کاشف الاستار ص ۴۱ ب
اصح التواریخ از مولانا محمد میاں قادری مارہروی (خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۴۷ھ) ۱/۱۶۸
ماثر الکلام از میر غلام علی آزاد بلگرامی (لاہور ۱۹۷۱ء) ص ۲۹

ابوبکر صدیق ست و بعد از وے عمر فاروق ست و بعد از وے عثمان ذی النورین ست و بعد از وے علی مرتضٰی ست رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین[1]

انسانوں میں افضل ابوبکر صدیق، ان کے بعد عمر فاروق، ان کے بعد عثمان ذوالنورین، اور ان کے بعد حضرت علی المرتضٰی ہیں۔ اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔(ت)

پھر فرمایا:

فضل ختنین از فضل شیخین کمتر ست بے نقصان و قصور[2]

ختنین (عثمان غنی و علی مرتضٰی) کی فضیلت شیخین (صدیق و فاروق) سے کم ہے مگر اس میں کوئی نقص اور خامی نہیں۔(ت)

پھر فرمایا:

اجماع اصحاب و تابعین و تبع تابعین و سائر علمائے امت ہمبرین عقیدہ واقع شدہ است[3]

صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور تمام علمائے اُمت کا اجماع اسی عقیدہ پر واقع ہُوا ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

مخدوم قاضی شہاب الدین در تیسیر الحکام نوشت کہ ہیچ ولی بدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسد زیرا کہ امیر المومنین ابوبکر بحکم حدیث بعد پیغمبران از ہمہ اولیا برتر ست و او بدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسید و بعد او امیر المؤمنین عمر بن خطاب ست و بعد او امیر المومنین عثمان بن عفان ست و بعد او امیر المومنین علی بن ابی طالب ست رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین

مخدوم قاضی شہاب الدین نے تیسیر الحکام میں لکھا کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ حدیث کی رُو سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ انبیاء کے بعد تمام اولیاء سے افضل ہیں اور وہ کسی نبی کے مقام تک نہیں پہنچے۔ ابوبکر صدیق کے بعد امیر المومنین عمر بن خطاب، ان کے بعد امیر المومنین عثمان بن عفان اور ان کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب کا مقام ہے اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔

---

[1] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد و مذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷
[2] " " " " " " " " " ص ۱۰
[3] " " " " " " " " "

کسیکہ امیر المومنین علی را خلیفہ نداند او از خوارج ست وکسیکہ اورا بر امیر المومنین ابوبکر وعمر تفضیل کند او از روافض ست۔[1]

جو شخص امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجیوں میں سے ہے اور جو آپ کو ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل جانے وہ رافضیوں میں سے ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

ازینجا باید دانست کہ درجہاں نہ ہمچو مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیرے پیدا شدونہ ہمچو ابوبکر مریدے ہویدا گشت، اے عزیز! اگرچہ کمالیت فضائل شیخین بر ختنین مفرط وفائق اعتقاد باید کرد امانہ بروجہی کہ در کمالیت فضائل ختنین قصورے ونقصانے بخاطر تو رسد بلکہ فضائل ایشاں وفضائل جملہ اصحاب از عقول البشریہ وافکار انسانیہ بسے بالاتر ست۔[2]

یہاں سے جاننا چاہئے کہ مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جیسا پیر اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ جیسا مرید کائنات میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اے عزیز! اگرچہ شیخین کی فضیلت کاملہ ختنین پر بہت زیادہ سمجھنی چاہئے مگر اس طور پر نہیں کہ تیرے دل میں ختنین کی فضیلت کاملہ کے قاصر وناقص ہونے کا خیال گزرے، بلکہ اُن کے اور تمام صحابہ کے فضائل عقولِ البشریہ اور افکارِ انسانیہ سے بہت بلند ہیں۔

پھر فرمایا:

پس چوں اجماعِ صحابہ کہ انبیاء صفت اند بر تفضیل شیخین واقع شد ومرتضٰی نیز دریں اجماع متفق وشریک بود مفضلہ در اعتقاد خود غلط کردہ است اے خان ومان ما فدائے نام مرتضٰے باد واے دل وجان ما نثار اقدامِ مرتضٰے باد کدام بدبخت ازل کہ محبت مرتضٰے در دلش نباشد وکدام راندۂ درگاہ مولٰے کہ اہانت او روا دارد، مفضلہ گمان

جب انبیاء جیسی صفات کے حامل صحابہ کرام کا اجماع واقع ہوگیا کہ شیخین کریمین افضل ہیں۔ اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی اس اجماع میں شامل اور متفق تھے۔ تو فرقہ تفضیلیہ نے خود اپنے اعتقاد میں غلطی کھائی ہے۔ میرا گھربار حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام پر فدا اور میرا جان ودل آپ کے قدموں پر قربان ہوں، کون ازلی بدبخت ہے جس کے دل میں محبت مرتضٰے

---

[1] سبع سنابل سنبلۂ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

[2] " " " " " " " " " " " ص ۱۴ و ۱۵

بردہ است کہ نتیجۂ محبت با مرتضٰی تفضیل اوست بر شیخین، و نمیدانند کہ ثمرۂ محبت موافقت ست با او نہ مخالفت کہ چوں مرتضٰی فضل شیخین و ذی النورین را برخود روا داشت و اقتدار بایشاں کرد و حکمہاے عہدِ خلافت ایشاں را امتثال فرمود شرطِ محبت با او آں باشد کہ در راہ و روش با او موافق باشد نہ مخالف۔[1]

نہیں ہے اور کون ہے بارگاہِ خداوندی کا دھتکارا ہوا جو توہینِ مرتضٰی کو روا رکھتا ہے۔ مفضلہ (فرقہ تفضیلیہ) نے گمان کیا ہے کہ محبتِ مرتضٰی کا تقاضا آپ کو شیخین پر فضیلت دینا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ آپ کی محبت کا ثمرہ آپ کے ساتھ موافقت ہے نہ کہ مخالفت۔ جب حضرت مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شیخین اور ذوالنورین کو اپنے آپ سے افضل قرار دیا، ان کی اقتدار کی اور ان کے عہدِ خلافت کے احکام کو تسلیم کیا تو ان کی محبت کی شرط یہ ہے کہ ان کی راہ و روش کے ساتھ موافقت کی جائے نہ کہ مخالفت۔ (ت)

حضرت میر قدس سرہ المنیر نے یہ بحث پانچ ورق سے زائد میں افادہ فرمائی ہے من طلب الزیادۃ فلیرجع الیہ (جو زیادہ تفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔ ت) یہ عقیدہ ہے اہل سنت وجماعت اور ہم غلامان دودمان زید شہید کا۔ واللہ تعالٰی اعلم (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ
بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

رسالہ "غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق" ختم ہوا

---

[1] سبع سنابل سنبلۂ اول در عقائد و مذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۷

رسالہ

الزلال الانقٰی من بحر سبقۃ الاتقی

١٣ ھ

(سب (اُمتیوں) سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالٰی وابتغوا الیہ الوسیلۃ[1] احمد رضا نقی علی رضا علی طیب ذکی بان یفضل الشیخین والضجیعین الجلیلین والامیرین الوزیرین فی درجات

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اور اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ پاک برتر نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم) کی رضائے احمد (سب سے زیادہ سراہی ہوئی رضامندی) پسندیدہ برتر پاک ستھرے کے لئے ہے جو شیخین گرامی مرتبت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

علیۃ علیہ فباح بہ وافصح وبینہ واوضح، ولوح بہ وصرح نادیا الیہ لسانہ وطیبا بہ جنانہ۔

علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلو میں لیٹنے والے دونوں امیروں اور وزیروں کی درجاتِ بلند و بالا میں فضیلت مانتا ہے تو اس کو خوب واضح اور ظاہر کیا ہے اور اس کو مبین اور روشن کیا ہے اور اس کی تلویح و تصریح کی اس طرح کہ اس کی زبان اس عقیدہ کی طرف بلاتی اور اس کا دل اس پر خوش ہے۔

اذلم تکن بحمد اللہ من الکبر وحب الجاہ ذرۃ لدیہ اصغہ وصفا اجد بہ رشفا من بحر نعت مصطفی کانت لہ الجلائل وزانت بہ الفضائل وازدانت لہ المفواضل فیہ کان بدؤھا والیہ کان فیئھا فلا تنتمی الا الیہ ولا تنتھی الا الیہ انعتہ بمحامد تکون لی مصاعد الی ذروۃ حمد واحد لہ الحمد کلہ دقہ وجلہ وکثرہ وقلہ واولہ واٰخرہ وباطنہ وظاھرہ یرفع من یشاء ویضع اذ میزان الفضل بیدیہ قولی ھذا اقول وفی میدان الحمد اجول۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قال تعالٰی ولہ الحمد فی الاولٰی والاٰخرۃ[1]، والحمد للہ

اس لئے کہ بحمد اللہ تکبر و محبت جاہ سے کوئی ذرہ اس کے پاس نہیں، میں اس کی ایسی تعریف کروں جس سے اس مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے بحرِ نعت کے قطرے لُوں جس کے لئے بزرگیاں ہیں اور فضیلتیں اس سے مزین ہیں اور عظیم نعمتیں اس کی مطیع، تو اسی سے ان کا آغاز اور انتہی کی طرف ان کی رجوع تو اسی کی طرف منسوب ہوں اور اسی کی طرف منتہی ہوں میں اوصافِ حمیدہ سے اس کی تعریف بیان کرتا ہوں جو حمدِ یکتا کی بلندی تک پہنچنے کے لئے میرا زینہ بنیں۔ سب تعریفیں اسی کو سزاوار تھوڑی اور بہت اول و آخر ظاہر و باطن جس کو چاہے بلند فرمائے اور جس کو چاہے پست کرے اس لئے کہ فضل کی ترازو اس کے دستِ قدرت میں ہے، میں اپنی یہ بات کہہ کر میدانِ حمد میں جولان کروں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اللہ ہی کے لئے حمد ہے دنیا و آخرت میں سب تعریفیں اللہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۰

رب العٰلمین حمدا منیعا علی ان
فضل نبینا علی العٰلمین جمیعا،
واقامه یوم القیٰمة للمذنبین
شفیعا، وحبا کل من
راٰه ولو لحظة من بعید
فضلا وسیعا، ووعد من
وقع فی واحد من الصحابة
حمیما وضریعا، واختار منهم
الاربعة الکرام عناصر الاسلام و
ائمة الانام اختیارا بدیعا، وبنی ترتیب
الخلافة علی ترتیب الفضیلة وغلط
من عکس غلطا شنیعا، فصلی الله
وسلم وبارك وترحم علی حبیب
القلوب وطبیب الذنوب واٰله
الاطهار وصحبه الاخیار انه کان بصیرا
سمیعا، صلوٰة اعظام یتلوها سلام و
سلام اکرام تعقبه صلوٰة وتشیع کلا
برکة وزکوٰة الی الابد تشیعا، واشهد
ان الاله سیده ومولاه ما اعظمه
واعلاه واکبره واجله وحده
لا شریك له الٰها رفیعا، وان
محمدا عبده ورسوله
ورحمته ورفده،
احمله واکمله، وبدین
الحق ارسله لیمحو

کے لئے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا،
اللہ کے لئے حمد بلند ہے اس پر کہ اس نے ہمارے
نبی (صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کو سب جہانوں
پر فضیلت دی اور انھیں قیامت کے دن گنہگاروں
کا شفیع مقرر کیا۔ اور ہر مسلمان کو جس نے انھیں
ایک لحظہ دُور سے بھی دیکھا وسیع فضل دیا اور
ان کے صحابیوں کے بدگویوں کو جہنم کے گرم پانی
اور آگ کے کانٹوں کی غذا کی وعید سنائی اور ان صحابہ
سے چار بزرگوں کا کہ اسلام کے عناصر اور مخلوق کے امام
ہیں بے مثال انتخاب کیا اور خلافت کی ترتیب
فضیلت کی ترتیب پر رکھی اور جس نے ترتیب
اُلٹی اس نے بری غلطی کی، تو اللہ صلوٰۃ وسلام
بھیجے اور رحمت وبرکت اتارے دلوں کے پیارے
اور گناہوں کے چارہ ساز اور اُن کی آل پاک
اور نیک صحابہ پر، بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے
عظمت کا درود جس کے پیچھے سلام چلے اور تکریم
کا سلام جس کے پیچھے درود آئے، اور دونوں کو
برکت وافزائش ہمیشہ کے لئے قوت دے،
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک ان کا خدا
ان کا آقا و مولٰی کس قدر بلند وبرتر اور بالا و
اعلٰی ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں،
عظمت والا معبود ہے، اور بیشک محمد صلی اللہ
تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) اس کے خاص بندے
اور اللہ کے رسول ہیں اور اس کی رحمت اور
اس کی عطا ہیں۔ اللہ نے انھیں سچے دین کے

کل علۃ ویعلو الدین کلہ علوا سریعًا۔

وبعد فھٰذہ ان شاء اللہ منحۃ عالیۃ و سلعۃ غالیۃ و رحمۃ ربانیۃ لا نزغۃ شیطانیۃ، واوراق ان رأیت قلیلۃ، وان وعیت جلیلۃ، اذا قرأت ھانت، واذا فھمت لانت، وان انصفت زانت، وان تعسفت بانت، وجنات عالیۃ قطوفھا دانیۃ، فیھا سرر مرفوعۃ و اکواب موضوعۃ، ونمارق مصفوفۃ، و زرابی مبثوثۃ۔ قبولھا القبول من قبل الفحول، و زینتھا الرد من اھل الحسد فیھا من کل الثمرات، وجنا الجنات عنب التحقیق و رطب التدقیق، وجوز الحقائق و لوز الدقائق توتی الفریقین اکلھا مرتین مرۃ عسلا لارباب السنن، و اخری ثمالا لاصحٰب الفتن فیھا عیون حکمۃ تسمی سلسبیلا، فان شئت ریا فقم سل سبیلا، ماءھا صاف و شاف و کاف

ساتھ بھیجا تاکہ وہ ہر خرابی مٹائیں اور سب دینوں پر جلد غالب آئیں۔

بعد حمد وصلوٰۃ ان شاء اللہ یہ گراں قدر عطا اور بیش بہا متاع اور ربانی رحمت ہے نہ کہ شیطانی وسوسہ، اور یہ اوراق دیکھو تو تھوڑے ہیں اور انھیں یاد کرلو تو گرانقدر ہیں اور پڑھو تو آسان اور سمجھو تو سہل، اور انصاف کرو تو سنواریں اور تعصب برتو تو جدا رہیں، اور یہ جنات عالیہ ہیں جن کے خوشے جھکے ہوئے ہیں، ان میں اونچے تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور قالین بچھے ہوئے اور چاندنیاں ہیں پھیلی ہوئی، اس کی ضیا فضلا کو مقبول و منظور اور اس کی زینت یہ ہے کہ اہلِ حسد اسے قبول نہ کریں۔ اس میں سب باغوں کے ہر قسم کے پھل ہیں۔ تحقیق کے انگور اور تدقیق کی تر و تازہ کھجور اور حقائق کے ناریل اور دقائق کے بادام، یہ اپنے پھل دو بار دیتی ہے ایک بار سُنیوں کے لئے ایسا پھل جو شہد کی طرح میٹھا ہو، اور دوسری بار گمراہوں کے لئے ایسا پھل جو ان کے لئے مہلک زہر ہو۔ اس میں حکمت کے چشمے ہیں جن کا سلسبیل نام، اگر تو سیرابی چاہتا ہے تو اٹھ راستہ تلاش کر، اس کا پانی صاف اور شافی اور کافی پینے والے

عہ بضم الثاء السم المنقع کذا فی المعجم الوسیط۔

لہ القرآن الکریم ۹۹/۲۲ و ۲۳

۲ہ " " ۸۸/۱۳ تا ۱۶

هُلاَهِلُ[عـه] مـــرٍّ لمن يستقيـــه
وهلاهل[عـه] مر لمن يتقيه، فيالها من
جنة في ظلها جنة للانس والجنة من
شمس الافتتان وحريق المراء اصلها
ثابت وفرعها في السماء[۱]
تولى سقي اشجارها
وفتق ازهارها واجتناء
ثمارها عبده الكل عليه
والمفتاق في كل امر اليه
عبد المصطفى الشهير باحمد رضا
المحمدي دينًا، والسني يقينًا، والحنفي
مذهبًا، والقادري منتسبًا، والبركاتي
مشربًا، والبريلوي مسكنًا، والمدني
البقيعي ان شاء الله مدفنًا، فالعدني
الفردوسي برحمة الله موطنًا، كان الله
له وحقق امله واصلح عمله و
جعل اُخراه خيرا من اولاه ابن الامام
الهمام، والفاضل الطمطام
والبحر الطام والبدر التام، حامي السنن
وماحي الفتن، ذي تصانيف رائقة وتواليف

کے لئے بہت کثیر اور ستھرا جس سے وہ سیراب
ہوجائیں اور جو اس سے بچے اس کیلئے زہر قاتل
ہے کہ اس کو ہلاک کردے، تو یہ کیسی جنت ہے
جس کے سایہ میں انسانوں اور جنوں کیلئے گمراہی
کی دُھوپ اور آتشِ جدل (ہٹ دھرمی) سے
امان ہے، اس کی جڑ جمی ہوئی اور اسکی شاخیں
آسمان میں اس کے درختوں کی آبیاری اور اسکے
پھول کھلانے اور پھل چننے کا کام اللہ کے محتاج بندے سرانجام
دیتے ہیں اور ہر کام میں اس کے فقیر بندے عبد المصطفیٰ
عرف احمد رضا، جو دین کے اعتبار سے محمدی ہے
اور عقیدہ کے اعتبار سے سُنّی اور مذہبًا حنفی ہے
اور قادری انتساب ہے اور ارادۃً برکاتی اور مسکنًا
بریلوی اور مدفن کے لحاظ سے ان شاء اللہ مدینہ والا
بقیع پاک والا اور اللہ کی رحمت سے مقام ابدی
کے لحاظ سے بہشتی فردوسی نے خود انجام دیا اللہ
اس کا ہو اور اُس کی اُمید بر لائے اور اس کے
عمل نیک کرے اور اس کی عاقبت اس کی دُنیا
سے بہتر فرمائے (احمد رضا) ابن امام ہمام فاضل
عظیم، دریائے موجزن و ماہِ تمام، حامیِ سنت،
ماحیِ بدعت، صاحبِ تصانیف پسندیدہ و توالیف

عـه بضم الهاء الماء الكثير الصافي المعجم الوسيط۔
عـه الهلهل، السم القتال، المعجم الوسيط۔

---

[۱] القرآن الكريم ۱۴/۲۴

فایقة شریفة منیفة لطیفة نظیفة بقیة السلف، حجة الخلف، ناصح الامة، کاشف الغمة، حامی حمی الرسالة عن کید اھل الضلالة، ومما قلت فی بابه معتذرًا الی جنابه ؎

فواللہ لم یبلغ ثنائی کمالہ
ولکن عجزی خیر مدح لمالہ
فذا البحر لولا ان للبحر ساحلا
وذا البدر لولا البدر یخشی مالہ[1]

سیدی ومولائی وسندی ومأوای العالم العلم علامة العالم "مولانا المولوی محمد نقی علی خان" القادری البرکاتی الاحمدی الرسولی رضی اللہ تعالٰی عنه وارضاه بالنضرة والسرور لقاه ابن العارف العریف السید الغطریف، شمس التقی بدر النقی نجم الھدٰی علامة الورٰی ذی البرکات المتکاثرة والکرامات المتواترة والترقیات الرفیعة والتنزلات البدیعة و قلت فی شانه راجیا لاحسانه ؎

اذا لم یکن فضل فما النفع بالنسب
وھل یصطفی خبث وان کان من ذھب
ولکننی ارجوا الرضا منك یا رضا
وانت علی فازولی عالی الرتب

فاضلہ و بلند رتبہ و لطیفہ صافیہ، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، ناصح اُمت، دافع کربت، نگہبان حدودِ رسالت از مکر اہلِ ضلالت، اور میں نے ان کے باب میں ان کی جناب میں معذرت کے طور پر عرض کیا ہے ؎

اس کے کمال تک نہ پہنچا مرا بیاں
پر بہترین مدحت ہے عجز کی زباں
ساحل اگر نہ ہو تو وہ بحرِ بیکراں
کھٹکا نہ ہو غروب کا تو بدر ہر زماں

سیدی و مولائی و سندی و ملجائی، کوہِ علم، علامۂ عالم، مولانا مولوی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی احمدی رسولی، اللہ ان سے راضی ہو اور انھیں راضی کرے اور انھیں تازگی و فرحت دے۔ ابن عارف مدبر سید و سردار کریم شمس تقوی ماہ تمام تقدس نجم ہدایت علامۂ خلقت صاحبِ برکاتِ کثیرہ و کراماتِ مستمرہ و درجاتِ عالیہ و منازل بدیعہ میں نے ان کی شان میں اُن کے انعام کا اُمیدوار ہو کر کہا ؎

معدوم ہو کرم تو کس کام کا نسب
زر کا بھی میل ہو تو مقبول ہو وہ کب
لیکن امیدوار رضا تجھ سے ہوں رضا
اور تو علی ہے مجھ کو دے عالی قدر رتب

32

حصنی وحرزی وذخری وکنزی ذی القدر السنی والفخر السمی مولانا المولوی محمد رضا علی خان النقشبندی قدس اللہ سرہ وافاض علینا برہ اٰمین یا رب العلمین، حملنی علی تصنیفہا واحسان تالیفہا باحسان ترصیفہا ما رأیت ان قد زاغت اقدام وزلت اقوام وضلت افہام عما رفعت لہ الرایات الی ارفع الغایات، واشمخ النہایات من توافر الاٰیات وتظافر الاخبار وتواتر الاثار من العترۃ الاطہار والصحابۃ الکبار والاولیاء الاخیار والعلماء الابرار من تفضیل الشیخین علی ابی الحسنین رضی اللہ تعالٰی عنہم، وجعلنا لہم ومنہم حتی بلغنی ان بعض من قادۃ التخمین والظن غیر امین الی اقتداء العمین فی ازدراء الثمین[1] واجتباء المہین تعلق بشکوک سخیفۃ لا لطیفۃ ولا نظیفۃ وانما ہی کطعام من ضریع لا یسمن ولا یغنی من جوع[1]، فیما توافق علیہ سادۃ النقی وقادۃ التقی

میری حرزِ جان اور میری امان اور میرے کنز و ذخیرہ صاحب قدر علی و فخر گرامی مولانا مولوی محمد رضا علی خان نقشبندی اللہ ان کا باطن منزہ فرمائے اور ہم پر اُن کا فیض جاری فرمائے، آمین یا رب العلمین! مجھے اس کتاب کی تصنیف اور اس کی تالیف خوب اور اس کی ترتیب کو محکم کرنے پر اس امر نے اکسایا جو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منحرف ہوئے اور کچھ قدم پھسلے اور کچھ ذہن اس سے گمراہ ہوئے جس کے لئے نہایت بلندی تک علم بلند کئے گئے آیات، اخبار اور آثار کی کثرت سے اور اس پر صحابہ کبار، اہلبیت اطہار، پیشوایان اخیار اور علماء ابرار کا اجماع ہوچکا یعنی شیخین ابوبکر وعمر کی فضیلت ابوالحسنین علی پر، اللہ ہمیں ان کے لئے کرے اور انھیں میں ہمیں رکھے یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ جن لوگوں کو ظن نے کھینچا اور ظن امین نہیں اندھوں کی اقتداء اور قیمتی چیز[1] کی تحقیر اور ذلیل چیز[2] کے انتخاب کی طرف وہی شبہات کہ نہ لطیف ہیں نہ نظیف ستھرے، بلکہ آگ کے کانٹوں کی غذا کی طرح ہیں کہ نہ فربہ کریں نہ بھوک سے بے نیاز کریں، کا سہارا اس میں لیتا ہے جس پر سرداران تقدس وتقوٰی کا اتفاق ہے یعنی

---

[1] یعنی عقیدہ صحیحہ موافق اہلسنت وجماعت [2] یعنی گمراہی

---

[1] القرآن الکریم ۸۸/ ۶ و ۷

من الاحتجاج بکریمة "وسیجنبها الاتقی"[1] وقام بعرضها کلها او بعضها احد المتدخلین فی عداد الاذکیاء علی بعض العصریین من النبلاء، ولم اعلم الام دارت رحی التقریر، وعلی ای شق برك البعیر، فاشتد ذلك علی وعظم امرہ لدی فاستخرت اللہ تعالٰی فی عمل کتاب یبین الجواب عن کل ارتیاب و یکشف النقاب عن وجه الصواب، مع اطلاعی علٰی قصور باعی وقصر ذراعی وعدم الظفر من اسفار التفاسیر الابشیئ نزر یسیر ولولا ما اقاسیه من هجوم هموم وعموم غموم وتباعد اغراض وتوارد اعراض وما لامحیص عنه لمسلم من ایذاء موذ وایلام مولم کما اخبر النبی الاکرم صلی اللہ علیه وسلم بید أن الفقیر العانی عاین عین اعیان المعانی تفیض علی فیضا مدرارا وتثج الی ثجا کبارا فقوی ظنی ان صاحب التوفیق سیقوی الضعیف علی ما یطیق فاختلست الفرصة

کریمہ "وسیجنبہا الاتقی" سے فضیلتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر حجت قائم کرنا اور ان شبہات کو ایک شخص نے جواذکیاء کے شمار میں دخیل ہونا چاہتا ہے، فضلاء میں سے ایک ہمعصر پر پیش کیا اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ تقریرمدعی کی ہوچکی کب تک چلی اور اونٹ کس کروٹ بیٹھا تو یہ مجھے دشوار گزرا اور اس کا معاملہ میرے نزدیک بڑا ہوگیا تو میں نے اللہ سے استخارہ کیا ایک کتاب کی تصنیف میں جو ہر شبہہ کا روشن جواب دے اور صواب کے چہرے سے نقاب اُٹھادے باوجود یہ کہ میں اپنے قصور طاقت اور بساط کی قلت اور کتبِ تفاسیر سے بہت تھوڑا میسر ہونے سے واقف ہوں اور اگر سوائے اندوہ وغم کے ہجوم اور اغراض کی دوری اور امراض کے ورود پیہم کے اور موذی کی ایذا جس سے کسی مسلم کو چھٹکارا نہیں جیسا کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی، کچھ نہ ہو تو اس کام سے یہی مانع ہوتا مگر اس فقیر ذلیل نے دیکھا کہ معانی نفیسہ کا چشمہ اس کے قلب پر سراٹے سے اُبل رہا ہے اور وہ بڑی مقدار میں اس کی طرف بہہ کر آرہے ہیں تو میرا گمان غالب ہُوا کہ مالکِ توفیق (خدا) اس ضعیف کو اس کی قوت دے گا جس کی اسے قدرت نہیں

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

خمسة ایام من آخر الشهر المبارك
ذی الحجة الحرام حتی جاءت بحمد
الله کما تری تروق الناظر و تجلو
البصائر کاشفة عن وجوه
غوانی من حسان معانی لم تقرع
الآذان، ونفائس تحقیق و عرائس
تدقیق لم یطمثهن قبلی انس ولا جان
فان صدق ظنی فکل ما فیه غیر
ما انمیه مما سمح به فکری الفاتر،
وادی الیه نظری القاصر،
والانسان کما تعلم مساوق
الخطاء والنسیان، فما کان صوابا
فمن الله الرحمان، وانا ارجوا
لله سبحنه فیه، وما کان خطأ
فمنی ومن الشیطان وانا ابرئ
الی الله عن مساویه، ویابی الله
العصمة فی کل معنی
وکلمة الا لکتابه الاعظم
وکلام رسوله الاکرم
صلی الله تعالٰی علیه وسلم، ولما کان
فض ختامها وطلوع بدر
تمامها للیلة بقیت
من المائة الثالثة
عشر من سنی هجرة
سید البشر علیه من الصلوات

تو میں نے ماہِ مبارک ذوالحجۃ الحرام کے آخری پانچ دن
کی فرصت لی یہاں تک کہ یہ کتاب بحمداللہ ایسی
ظاہر ہوئی جیسی کہ تم دیکھتے ہو جو دیکھنے والے کو خوش
کرتی، بصیرتوں کو جلا بخشتی ہے، اور ایسے خوشتر معانی
(جو کانوں سے نہ ٹکرائے) سے پردے ہٹاتی ہے جو
خوبانِ بے نیاز آرائش کے چہرے ہیں اور تحقیق
کی نفیس صورتیں اور تدقیق کی دُلہنیں ہیں جنھیں مجھ
سے پہلے کسی آدمی نے چھوا نہ کسی جن نے، تو
اگر میرا گمان سچا ہو تو سوائے اس کے جس کی میں
کسی کی طرف نسبت کروں اس میں جو کچھ ہے وہ
میری فکرِ قاصر کی دین ہے اور اس تک میری
کوتاہ نظر پہنچی ہے اور انسان جیسا کہ تم جانتے
ہو خطاء و نسیان کے ساتھ چلتا ہے، تو جو
درست ہو وہ خدائے رحمان کی طرف سے ہے،
اور میں اس کے سبب اللہ سے امیدوارِ ثواب
ہوں، اور جو خطا ہو تو وہ میری اور شیطان کی
جانب سے ہے اور میں اللہ کی طرف اس کی
بدلیوں سے برأت کرتا ہوں، اور اللہ ہر معنیٰ اور
ہر کلمہ میں عصمت (خطا سے محفوظ ہونا) اپنی
کتاب معظم اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم کے کلام کے سوا کسی کے لئے نہیں چاہتا،
اور جب اس رسالہ کی مہر اختتام کی شکست اور
اس کے تمام کا ماہِ تمام اس ایک رات میں
طلوع ہوا جو سید البشر کی ہجرت کے سالوں میں
سے تیرھویں صدی میں باقی تھی ان پر درودوں

انماھاو من التحیات ان کاھا ناسب ان اسمیہا "الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی" لیکون العلم علما علی العام واللہ تعالٰی ولی الانعام، وھو الخامس عشر من تصانیفی فی علوم الدین نفعنی اللہ تعالٰی بھا و سائر المسلمین وجعلھا نورًا بین یدی و حجۃ لی لا علی، انہ علٰی ما یشاء قدیر و بالاجابۃ جدیر و حسبنا اللہ و نعم الوکیل، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

میں سب درودوں سے بڑھتا درود اور تحیات میں سب سے فزوں تحیت ہو مناسب ہے کہ اس کا نام الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی رکھوں تاکہ نام سالِ تصنیف کی نشانی ہو جائے اور اللہ تعالٰی ہی ولیِ نعمت ہے اور یہ میری تصانیف سے پندرہویں تصنیف ہے علومِ دین میں اللہ تعالٰی مجھے اور باقی مسلمانوں کو اس سے نفع بخشے، اور اللہ تعالٰی اسے میرے مابعد کیلئے نور بنائے اور میرے حق میں حجت نہ میرے خلاف، وہ جو چاہے کرسکتا ہے، اور قبولِ دعا اُسی کو سزاوار ہے، اور اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے، اور بدی سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ علو وعظمت والے ہی سے ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۝

قال ربنا تبارك و تعالٰی "یایہا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثٰی وجعلنکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر[1]"۔ اراد اللہ سبحنہ وتعالٰی رد ما کانت علیہ الجاھلیۃ من التفاخر بالاٰباء و الطعن فی الانساب و تعلی النسب علٰی

ہمارا رب تبارک و تعالٰی فرماتا ہے "اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے" (ترجمہ رضویہ) اللہ تعالٰی کی مراد اس طور کا رد ہے جس پر اہلِ جاہلیت چلتے تھے کہ باپ دادا پر فخر کرتے اور دوسروں کے نسب پر طعنہ زن ہوتے

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

غیرہ من الناس حتی کانہ عبد لہ
او اذل، وکان بدء ھذہ النزعۃ
اللئیمۃ من الذلیل الخسیس عدو اللہ ابلیس اذ
قال "انا خیر منہ خلقتنی من نار
وخلقتہ من طین[1]" فرد اللہ
سبحنہ وتعالٰی علیھم بان اباکم
واحد و امکم واحدۃ فانہ
تعالٰی "خلقکم من نفس واحدۃ و
خلق منھا زوجھا و بث منھما
رجالا کثیرا ونساء[2]" فما
منکم من احد الا وھو یدلی
بمثل ما یدلی بہ الاٰخر سواءً
بسواءٍ، فلا مساغ للتفاضل
فی النسب والتفاخر بالام
والاب، واما ما رتبناکم علی
اجیال تحتھا شعوب تحتھا
قبائل فانما ذٰلک لتعارفوا
فتصلوا ارحامکم ولاینتمی
احد الٰی غیر ابیہ، لا لان
تتفاخروا ویزدری بعضکم لبعضا
نعم ان اردتم التفاضل
فالفضل عندنا بالتقوی فکلما زاد

اور نسب کی وجہ سے آدمی دوسرے آدمی پر ایسی
تعلی کرتا گویا کہ وُہ اُس کا غلام ہے بلکہ اس سے
بھی زیادہ خوار ہے، اور اس ذلیل طریقہ کی ابتداء
ذلیل خسیس ابلیس سے ہوئی جس نے کہا تھا
کہ اے رب! میں آدم سے بہتر ہوں تُو نے مجھے
آگ سے بنایا اور آدم (علٰی نبینا وعلیہ السلام)
کو مٹی سے بنایا، تو اللہ نے ان کا یُوں رَد فرمایا
کہ تمھارا باپ ایک ہے اور تمھاری ماں ایک ہے،
اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے تمھیں ایک جان سے
پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور ان
دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے
تو تم میں ہر ایک اپنی اصل سے وہی اتصال رکھتا
ہے جو دوسرا رکھتا ہے تو نسب میں ایک کو دوسرے
پر فضیلت کی راہ نہیں اور ماں باپ سے ایکدوسرے
پر فخر کی مجال نہیں، رہا یہ کہ ہم نے تمھیں اصول پر مرتب
کیا جن کے نیچے ان کی شاخیں ہیں اور ان کے نیچے
قبیلے ہیں تو یہ محض اس لئے کہ آپس میں پہچان رکھو تو
اپنے قریبی عزیزوں سے ملو اور کوئی باپ کے سوا
اور کی طرف منسوب نہ ہو، اس لئے کہ تم نسب پر
گھمنڈ کرو، اور ایک دوسرے کو حقیر جانے، ہاں
اگر فضیلت چاہو تو فضیلت ہمارے یہاں تقوٰی
(پرہیزگاری) سے ہے تو جب انسان پرہیزگاری

---

[1] القرآن الکریم ۷/۱۲ و ۳۸/۷۶
[2] " " ۴/۱

الانسان تقوی زادکرامة عند ربه تبارك و تعالیٰ، فاکرمکم عندنا من کان اتقی لا من کان انسب۔ ان الله علیم بکرم النفوس وتقواها خبیربهم النفوس فی هواها۔

قال البغوی قال ابن عباس نزلت فی ثابت بن قیس وقوله للرجل الذی لم یفسح له: "ابن فلانة یعیّره بامه قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "من الذاکر فلانة؟" فقال ثابت انا یا رسول الله، فقال انظر فی وجوه القوم، فنظر، فقال ما رأیت یا ثابت؟ قال رأیت احمر وابیض واسود، قال فانك لا تفضله الا فی الدین والتقوی" فنزلت فی ثابت هٰذه الآیة و فی الذی لم یتفسح له "یایها الذین اٰمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا۔"

وقال مقاتل لما کان یوم فتح مکة

میں بڑھے اپنے رب کے یہاں عزت میں بڑھے۔ تو ہمارے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے نہ کہ وہ جو بڑے نسب والا ہے بیشک اللہ تعالیٰ نفوس کی عزت اور ان کی پرہیزگاری کو جانتا ہے اور نفوس کی اپنی خواہش میں کوشش سے خبردار ہے۔

امام بغوی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں اور اُن کے اُس شخص سے جس نے اُن کے لئے مجلس میں جگہ کشادہ نہ کی فلانی کا بیٹا کہنے کے باب میں اُتری تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جس نے فلانی کو یاد کیا؟ حضرت ثابت نے عرض کیا، وہ میں ہوں یارسول اللہ! تو حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا: لوگوں کے چہروں میں بغور دیکھو۔ تو اُنھوں نے دیکھا۔ پھر فرمایا: اے ثابت! تم نے کیا دیکھا؟ عرض کی: میں نے لال، سفید اور کالے چہرے دیکھے۔ سرکار (علیہ السلام والتحیۃ المدرار) نے فرمایا: تو بے شک تمھیں ان پر فضیلت نہیں مگر دین اور تقویٰ میں۔ تو حضرت ثابت کے لئے یہ آیت اُتری، اور جنھوں نے مجلس میں کشادگی نہ کی تھی ان کے حق میں ارشاد نازل ہوا: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو۔

اور مقاتل کا قول ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا رسول اللہ

امر رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم بلالا حتی علا علٰی ظھر الکعبۃ واذن، فقال عتاب بن اُسَید بن ابی العیص، الحمد لله الذی قبض ابی حتی لم یرھذا الیوم۔ وقال الحارث بن ھشام اما وجد محمد غیرھذا الغراب الاسود مؤذنا۔ وقال سھل بن عمرو ان یرد الله شیئا یغیرہ۔ وقال ابوسفیان انی لا اقول شیئا اخاف ان یخبربہ رب السماء، فاتی جبریل فاخبر رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم بما قالوا فدعاھم وسألھم عما قالوا فاقروا فانزل الله تعالٰی ھٰذہ الآیۃ وزجرھم عن التفاخر بالانساب والتکاثر بالاموال والازراء بالفقراء[1]۔

صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا (کہ اذان دیں) تو وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور انھوں نے اذان کہی، تو عتاب بن اُسید بن ابی العیص نے کہا: اللہ کے لئے حمد ہے جس نے میرے باپ کو اٹھالیا اور انھوں نے یہ دن نہ دیکھا۔ اور حارث بن ہشام نے کہا: کیا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوّے کے سوا کوئی اذان دینے والا نہ ملا۔ اور سہل بن عمرو نے کہا: اللہ کو اگر کوئی چیز ناپسند ہوگی وہ اسے بدل دے گا۔ اور ابوسفیان بولے: میں کچھ نہیں کہتا مجھے خوف ہے کہ آسمان کا رب انھیں خبردار کردے گا۔ تو جبریل (علٰی نبینا وعلیہ السلام) نازل ہوئے پھر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان لوگوں کی باتیں بتادیں تو حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان سے ان کے اقوال کی بابت پوچھا تو انھوں نے اقرار کیا، تو اللہ نے یہ آیت اتاری اور انھیں نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ اور فقراء کی تحقیر سے منع فرمایا۔

قال العلامۃ النسفی فی المدارک تبعاللزمخشری فی الکشاف عن یزید بن شجرۃ مررسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم فی سوق المدینۃ فرأی غلاما اسود یقول من اشترانی فعلٰی شرط ان لا یمنعنی

علامہ نسفی نے زمخشری کی اتباع کرتے ہوئے مدارک میں فرمایا یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ کے بازار میں گزرے تو ایک سیاہ فام غلام دیکھا جو کہتا تھا مجھے جو خریدے تو اس شرط پر خریدے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۱۹۵

من الصلوات الخمس خلف رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، فاشتراه بعضهم فمرض فعاده رسول الله صلی الله تعالٰی علیه واٰله وسلم ثم توفی فحضر دفنه فقالوا فی ذلك شیئا فنزلت[1]

وبالجملة فمحصل الاٰیة نفی التفاخر بالانساب وان الکرم عند الله تعالٰی انما ینال بالتقوٰی فمن لم یکن تقیا لم یکن له حظ من الکرامة وسلبه کلیا لا یصح الا عن کافر اذ کل مؤمن یتقی اکبر الکبائر الکفر و الشرك، ومن کان تقیا کان کریما ومن کان اتقی کان اکرم عند الله تعالٰی، ولعلك تظن ان سردنا تلك الروایات فی شان النزول مما لا یغنینا فیما نحن بصدده، ولیس کذلك بل هو ینفعنا فی نفس الاحتجاج ونکسر به سورة بعض الاوهام ان شاء الله

وآلہٖ وسلم کے پیچھے پنجگانہ نماز سے نہ رہ جائے گا۔ تو اُسے کسی نے خرید لیا۔ پھر وہ بیمار پڑا تو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لائے، پھر اس کی وفات ہوگئی تو سرکار اس کے دفن میں رونق افروز ہوئے تو لوگوں نے اس بارے میں کچھ کہا تو یہ آیت اتری۔

مختصر یہ کہ آیتِ کریمہ کا حاصل نسب پر فخر کی نفی ہے اور یہ کہ اللہ کے یہاں عزت تقوٰی ہی سے ملتی ہے، تو جو متقی نہیں اس کے لئے عزت سے کچھ حصہ نہیں، اور تقوٰی کا سلب کُلی طور پر کافر کے سوا کسی سے نہیں، اس لئے کہ ہر مومن اکبر الکبائر کفر و شرک سے بچتا ہے اور جو متقی ہوگا وہ باعزت ہوگا اور جو زیادہ تقوٰی والا ہوگا وہ زیادہ عزت دار اپنے رب کے یہاں ہوگا۔ اور شاید تمہیں گمان ہو کہ ہمارا ان روایتوں کو ذکر کرنا اس مدعٰی میں جس کے ثابت کرنے کے ہم درپے ہیں ہمیں نفع بخش نہیں حالانکہ بات یُوں نہیں بلکہ وہ ہمیں نفس استدلال میں فائدہ دے گا اور ہم اس سے کچھ وہمیوں کا زور توڑیں گے ان شاء اللہ۔

---

[1] مدارک التنزیل تفسیر النسفی تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۷۳

تعالٰی، کماستطلع علیہ، فانتظر، ھذہٖ مقدمۃ

تعالٰی، جیساکہ تم عنقریب اس پر مطلع ہوگے تو انتظار کرو یہ ایک مقدمہ ہے

والمقدمۃ الاُخرٰی

اور دوسرا مقدمہ یہ ہے

قال اللہ سبحٰنہ و تعالٰی: "وسیجنّبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی و مالاحد عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلی ولسوف یرضی"۔[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بہت اس سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا،

اجمع المفسرون من اھل السنۃ والجماعۃ علی ان الاٰیۃ نزلت فی الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ وانہ ھو المراد بالاتقی۔

اہلِ سنّت وجماعت کے مفسرین کا اجماع ہے اس پر کہ یہ آیت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اُتری اور الاتقی سے وہی مراد ہیں۔

اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی ان ابابکر اعتق سبعۃ کلھم یعذب فی اللہ فانزل اللہ تعالٰی قولہ وسیجنبھا الاتقی الٰی اٰخر السورۃ[2]، قال البغوی قال ابن الزبیر وکان

ابن ابی حاتم وطبرانی نے حدیث روایت کی کہ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ان سات کو آزاد کیا جو سب کے سب اللہ کی راہ میں ستائے جاتے تھے تو اللہ تعالٰی نے اپنا فرمان (وسیجنبھا الاتقی تا آخر سورۃ) نازل فرمایا۔ بغوی نے فرمایا کہ ابن الزبیر کا قول ہے کہ ابوبکر

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن حاتم والطبرانی الباب الثالث الفصل الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۹۸
الدرالمنثور " " " تحت الاٰیۃ ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱ داراحیاء التراث العربی " ۸/ ۴۹۳
الحاوی للفتاوی الفتاوی القرآنیۃ سورۃ اللیل الفصل الاول دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۲۷

ابوبکر یبتاع الضعفة فیعتقهم، فقال ابوہ: ای بنی لو کنت تبتاع من یمنع ظهرك؟ قال منع ظهری ارید، فنزل "وسیجنبها الاتقی" الی اٰخر السورة، وذکر محمد بن اسحٰق قال کان بلال لبعض بنی جمح وھو بلال بن رباح واسم امّه حمامة وکان صادق الاسلام وطاھر القلب، وکان امیة بن خلف یخرجه اذا حمیت الظهیرة فیطرحه علٰی ظهره ببطحاء مکّة، ثمّ یامر بالصخرة العظیمة فتوضع علٰی صدرہ، ثم یقول له لا تزال ھٰکذا حتی تموت او تکفر بمحمد (صلی اللہ علیه وسلم) ویقول وھو فی ذٰلك البلاء، احد احد، وقال محمد بن اسحٰق عن ھشام بن عروة عن ابیه قال مربه ابوبکر یوما وھم یصنعون به ذٰلك و کانت دار ابی بکر فی بنی جمح فقال لامیة الا تتقی فی ھذا المسکین؟ قال، ـــــ انت افسدته فانقذہ مما

رضی اللہ تعالٰی عنہ کمزوروں کو خریدتے پھر انھیں آزاد کر دیتے۔ تو ان سے ان کے والدین نے کہا، اے بیٹے! ایسے غلاموں کو خریدتے ہوتے جو تمھاری حفاظت کرتے۔ ابوبکر نے فرمایا: میں اپنی حفاظت ہی چاہتا ہوں۔ تو یہ آیت تا آخر سورت نازل ہوئی۔ اور محمد بن اسحٰق نے ذکر کیا بلال (رضی اللہ عنہ) قبیلہ بنی جمح کے غلام تھے اور ان کا نام بلال بن رباح ہے اور ان کی ماں کا نام حمامہ ہے اور بلال (رضی اللہ عنہ) اسلام میں سچے تھے اور پاک دل تھے، اور امیہ بن خلف انھیں باہر لاتا جب گرم دوپہر ہوتی تو انھیں پیٹھ کے بل مکہ کے ریتلے میدان میں ڈال دیتا پھر بڑی چٹان لانے کا حکم دیتا تو ان کے سینہ پر رکھدی جاتی پھر کہتا، تم ایسے ہی پڑے رہو گے یہاں تک کہ مرجاؤ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کافر ہو۔ اور حضرت بلال احد احد فرماتے حالانکہ وہ اس بلا میں ہوتے۔ اور محمد بن اسحٰق نے ہشام بن عروہ سے روایت کی انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی انھوں نے فرمایا، ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا گزر ایک دن بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے پاس سے ہوا اور وہ لوگ بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ یہی برتاؤ کر رہے تھے اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا گھر بنو جمح میں تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو (امیہ بن خلف) اس بیچارے کے معاملہ میں

ترى، قال ابوبكر افعل عندي
غلام اسود اجلد منه واقوى
على دينك اعطيكه؟ قال قد
فعلت فاعطاه ابوبكر غلامه
واخذه فاعتقه، ثم اعتق
معه على الاسلام قبل
ان يهاجر ست رقاب بلال
سابعهم، عامر بن فهيرة
(رضي الله تعالى عنه) شهد
بدرا واحدا وقتل
يوم بئر معونة
شهيدا، وام عميس و
زهرة فاصيب بصرها
و اعتقها فقالت
قريش ما اذهب بصرها
الا اللات والعزى
فقالت كذبوا وبيت
الله ما تضر اللات و
العزى وما تنفعان،
فرد الله تعالى اليها بصرها
واعتق النهدية وابنتها وكانتا
لامرأة من بني عبد الدار
فمر بهما وقد بعثتهما سيدتهما
تطحنان لها وهي تقول
والله لا اعتقكما ابدا،

اللہ سے نہیں ڈرتا، تو امیہ نے کہا آپ نے اسے
بگاڑا ہے تو آپ اس گت سے اسے بچا لیں جو آپ
دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے
فرمایا: میں بچائے لیتا ہوں میرے پاس ایک
غلام ہے سیاہ فام جو بلال (رضی اللہ عنہ) سے
زیادہ قوی اور طاقتور ہے اور تیرے دین پر ہے
وہ تجھے دے دوں۔ امیہ بولا، مجھے منظور ہے۔
تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے امیہ کو اپنا غلام دے دیا
اور بلال (رضی اللہ عنہ) کو لے لیا تو انھیں
آزاد کر دیا پھر ان کے ساتھ اسلام کی شرط پر
ہجرت سے پہلے چھ غلاموں کو آزاد کیا انکے ساتویں بلال ہیں۔
عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جو جنگِ بدر و احد
میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کی جنگ میں قتل
ہو کر شہید ہوئے، اور ام عمیس و زہرہ
کی آنکھ جاتی رہی، جب انھیں ابوبکر
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آزاد فرمایا تو قریش بولے
کہ انھیں لات وعزیٰ نے اندھا کیا ہے، تو آپ
بولیں، قریش، کعبہ کی قسم جھوٹے ہیں لات وعزیٰ
نہ ضرر دے سکیں نہ فائدہ پہنچا سکیں۔ تو اللہ نے
انھیں ان کی بینائی پھیر دی۔ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی
کو آزاد کیا اور یہ دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت
کی لونڈیاں تھیں تو صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
ان کے پاس سے گزرے اور ان کی آقا عورت
نے انھیں بھیجا تھا کہ اس کا آٹا پیسیں اور وہ عورت
کہتی تھی کہ خدا کی قسم! تمھیں کبھی آزاد نہ کروں گی۔

فقال ابوبکر کلا یا ام فلان، فقالت
کلا انت أفسدتهما فاعتقهما،
قال فبکم؟ قالت بکذا وکذا،
قال قد أخذتهما وهما حرتان،
ومر بجاریة بنی المؤمل
وهی تعذب فابتاعها
فاعتقها۔ وقال سعید
بن المسیب بلغنی ان
امیة بن خلف قال لابی بکر
فی بلال حین قال اتبیعه؟
قال نعم ابیعه بنسطاس
وکان نسطاس عبد لابی بکر
صاحب عشرة الاف
دینار، وغلمان وجوار و
مواش وکان مشرکا حمله
ابوبکر علی الاسلام ان یکون
ماله له، فأبی فابغضه
ابوبکر، فلما قال له
امیة ابیعه بغلامك
نسطاس، اغتنمه ابوبکر
وباعه منه فقال
المشرکون ما فعل
ذلك ابوبکر
الا لید، کانت لبلال عنده
فانزل الله تعالیٰ

تو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا: اے ام فلان!
ہرگز نہیں۔ وہ بولی، ہرگز نہیں، آپ نے ان دونوں
کو بگاڑا ہے تو آپ آزاد کریں۔ صدیق نے فرمایا:
تو کتنے دام پر بیچتی ہے؟ وہ بولی: اتنے اور اتنے
دام پر۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا:
میں نے ان دونوں کو لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں۔
اور آپ کا گزر بنو مؤمل کی ایک لونڈی کے پاس سے
ہوا جب اس پر ظلم ہو رہا تھا تو اُسے خرید کر اُسے
آزاد کر دیا، اور سعید بن المسیب (رضی اللہ تعالیٰ
عنہ) نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی کہ اُمیہ بن خلف نے
ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بلال کے معاملہ
میں اُس وقت جب اُنھوں نے اس سے پوچھا
کہ کیا بلال کو فروخت کرے گا؟ کہا: ہاں میں اسے
نسطاس سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام جو
دس ہزار دینار اور بہت سے لونڈی اور غلام
اور چوپایوں کا مالک تھا کے بدلے بیچتا ہوں، اور
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا تھا کہ نسطاس اسلام لے آئے
اور اس کا مال اُسی کا رہے، تو وہ نہ مانا تو حضرت
ابوبکر نے اس کو مبغوض جانا۔ پھر جب امیہ نے
کہا: بلال کو میں آپ کے غلام کے بدلے دیتا
ہوں۔ ابوبکر نے اس بات کو غنیمت جانا اور نسطاس
کو اُمیہ کے ہاتھ بیچ دیا، تو مشرکین بولے: ابوبکر
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے
کہ بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ان پر کوئی
احسان ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی[1]

اتاری وما لاحد عندہ الخ یعنی اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ــــــ

وذکر العلامۃ ابو السعود فی تفسیرہ قد روی عطاء والضحاک عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما (وذکر قصۃ شراء بلال واعتاقہ قال) فقال المشرکون ما اعتقہ ابوبکر الا لید کانت عندہ فنزلت[2] اھ ملخصًا۔

اور علامہ ابو السعود نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ عطا اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا (اس روایت میں خریداری بلال اور ان کے آزاد ہونے کا قصہ ذکر کیا پھر کہا) تو مشرکین بولے، ابوبکر نے بلال کو ان کے کسی احسان ہی کی وجہ سے آزاد کیا ہے تو یہ آیت (مندرجہ بالا) اتری اھ ملخصًا۔

وفی الازالۃ عن عروۃ ان ابابکر الصدیق اعتق سبعۃ کلہم یعذب فی اللہ بلالًا وعامر بن فہیرۃ والنہدیۃ وابنتہا وزنیرۃ وام عیسٰی وامۃ بنی المؤمل، وفیہ نزلت وسیجنبہا الاتقی[3] الٰی اٰخر السورۃ۔

اور ازالہ میں عروہ سے ہے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے سات کو آزاد کیا، ان سب پر اللہ کی راہ میں ظلم توڑا جاتا تھا وہ بلال و عامر بن فہیرہ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی اور زنیرہ اور ام عیسٰی اور بنی مؤمل کی کنیز ہیں اور انھیں کیلئے آیت اتری وسیجنبہا الاتقی اور اس سے (دوزخ) بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے ــــــ تا آخر سورت۔

وعن عامر بن عبد اللہ بن الزبیر عن ابیہ قال قال ابو قحافۃ لابی بکر اراک تعتق رقابًا ضعافًا فلو انک اذا فعلت ما فعلت اعتقت رجالًا جلدًا یمنعونک

اور عامر بن عبد اللہ بن الزبیر سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابو قحافہ نے ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا: میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو تو کاش! تم تندرست و

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۶۲-۴۶۳

[2] ارشاد العقل السلیم " " ۹۲/ ۱۹ دار احیاء التراث العربی " ۹/ ۱۶۸

[3] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

ویقومون دونك فقال یا ابت انما ارید وجه الله، فنزلت هذه الاٰیة فاما من اعطی واتقی الی قولہ وما لاحد عندہ من نعمة تجزی الا ابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی[1]

تو ایسا غلام آزاد کرتے جو تمھاری حفاظت کرتے اور جنگ میں تمھاری سپر ہوتے۔ تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: اے میرے باپ! میں تو صرف اللہ کی رضا چاہتا ہُوں تو یہ آیت نازل ہوئی فاما من اعطی واتقی یعنی جس نے دیا اور پرہیزگاری کی ـــــ اللہ تعالٰی کے قول وما لاحد عندہ من نعمة تجزی تک یعنی ان پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے، اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

وعن سعید بن المسیب قال نزلت "وما لاحد عندہ من نعمة تجزی" فی ابی بکر عتق ناسا لم یلتمس منھم جزاء ولا شکورا ستة او سبعة منھم بلال وعامر بن فھیرة[2]۔

اور سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ آیت کریمہ وما لاحد عندہ من نعمة تجزی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں اُتری کہ انھوں نے کچھ لوگوں کو آزاد کیا اُن سے نہ بدلہ چاہا نہ شکرگزاری، وہ آزاد شدہ چھ یا سات تھے، اُنھیں میں بلال وعامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما تھے۔

وعن ابن عباس فی قولہ تعالٰی "وسیجنبھا الاتقی" قال ھو ابوبکر الصدیق[3]۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے "وسیجنبھا الاتقی" کی تفسیر میں ہے فرمایا وُہ ابوبکر صدیق ہیں (آیت میں جن کا ذکر ہے)

قلت وقد اخرج ابن ابی حاتم ابن مسعود (رضی اللہ تعالٰی عنہ) ان ابابکر اشتری بلالا من امیة بن خلف

میں کہتا ہُوں اور ابن ابی حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسندِ خود روایت کی کہ امیہ بن خلف اور اُبی بن خلف سے حضرت ابوبکر

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۳۰۱

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

ببردۃ و عشرۃ اواق فاعتقہ للہ تعالٰی، فانزل اللہ تعالٰی ھٰذہ الاٰیۃ : ای ان سعی ابی بکر و امیۃ و ابی لمفترق فرقانا عظیما فشتان ما بینھما[1] وقد قال السید ابن السید عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنھما فی اشتراء الصدیق بلالًا و اعتاقہ شعرًا ؎

جزی اللہ خیرًا عن بلال وصحبہ
عتیقا و اخزی فاکہا وابا جہل
عشیۃ ھما فی بلال بسوءۃ
ولم یحذرا ما یحذر المرء ذو العقل
بتوحید رب الانام و قولہ
شھدت بان اللہ ربی علی مھل
فان تقتلونی فاقتلونی فلم اکن
لاشرك بالرحمٰن من خیفۃ القتل
فیا رب ابراھیم و العبد یونس
وموسٰی وعیسٰی نجنی ثم تملی
لمن ظل یھوی الغی من اٰل غالب
علی غیر برکات منہ ولا عدل[2]

نے حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا پھر انھیں خاص اللہ کے لئے آزاد کردیا تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری جس کا مطلب یہ ہے "بے شک تمھاری کوشش مختلف ہے" یعنی ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اور امیہ اور اُبی بن خلف کی کوششوں میں عظیم فرق ہے تو ان میں بون بعید ہے" اور سردار بن سردار عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ابوبکر صدیق کے بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے : اللہ جزائے خیر دے بلال اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے عتیق (ابوبکر) کو اور امیہ اور ابوجہل کو رُسوا کرے، وہ شام یاد کرو جب اُن دونوں نے بلال کا بُرا چاہا اور اس سے نہ ڈرے جس سے ذی عقل آدمی ڈرتا ہے، انھوں نے بلال کا بُرا اس لئے چاہا کہ بلال نے خلق کے خدا کو ایک جانا اور اس نے یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، میں اس پر مطمئن ہوں تو اگر تم مجھے قتل کرو تو اس حال میں قتل کروگے کہ میں رحمان کا شریک نہیں ٹھہراتا قتل کے ڈر سے، تو اے ابراہیم اور اپنے بندے یونس اور موسٰی وعیسٰی کے رب! مجھے نجات دے پھر اسے مہلت نہ دے جو ناحق ظالمانہ آلِ غالب کی گمراہی کی آرزو کئے جاتا ہے۔

---

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن ابی حاتم الباب الثالث الفصل الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۹۹
[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ " " " " ۴/ ۴۳۶

ھذا وقد قال البغوی فی الاتقی یعنی ابا بکر الصدیق فی قول الجمیع[1]۔

اسے یاد رکھو اور امام بغوی نے الاتقی کی تفسیر میں کہا اس لفظ سے خدا کی مراد سب مفسرین کے قول کے بموجب ابوبکر صدیق ہیں۔

وقال الرازی فی مفاتیح الغیب "اجمع المفسرون منا علی ان المراد منہ ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ"[2]۔

امام رازی نے مفاتیح الغیب میں فرمایا "ہم سُنّیوں کے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اتقی سے مراد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں"۔

ونقل ابن حجر فی الصواعق عن العلامۃ ابن الجوزی اجمعوا انھا نزلت فی ابی بکر[3]۔

صواعق میں ابن حجر نے علامہ ابن الجوزی سے نقل کیا، علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی۔

حتی بلغنی ان الطبرسی مع رفضہ لم یسغ لہ انکارہ فی تفسیرہ مجمع البیان، والفضل ماشھدت بہ الاعداء، والحمد للہ رب العلمین۔

یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ طبرسی کو باوجود رفض اپنی تفسیر مجمع البیان میں اس کا انکار نہ بن پڑا اور فضل وہی ہے جس کی شہادت دشمن دیں، والحمدللہ رب العالمین۔

ثم ان الامام الفاضل فخر الدین الرازی حاول فی تفسیرہ اثبات ان الأیۃ لاتصلح الا للصدیق بطریق النظر والاستدلال علی ماھو دابہ رحمہ اللہ تعالٰی فقال "اعلم ان الشیعۃ باسرھم ینکرون ھذہ الروایۃ ویقولون انھا نزلت فی حق علی ابن ابی طالب علیہ السلام والدلیل علیہ قولہ تعالٰی "ویؤتون الزکوۃ وھم

پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق اپنی تفسیر میں عقلی استدلال و نظر کی راہ سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ آیت کا مفہوم صدیق اکبر کے سوا کسی کے لئے نہیں بنتا، تو انہوں نے فرمایا تمہیں معلوم ہو کہ تمام شیعہ اس روایت کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آیت علی بن ابی طالب کے حق میں اتری ہے اور اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون یعنی وہ رکوع کی

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۴۶۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) " المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۵

[3] الصواعق المحرقۃ الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۸

راكعون"، فقوله "الاتقى الذى يؤتى ماله يتزكى" اشارة الى ما فى تلك الأية من قوله "يؤتون الزكوة وهم راكعون" ولما ذكر ذلك بعضهم فى محضرى قلت اقيم الدلالة العقلية على ان المراد من هذه الأية ابوبكر، وتقريرها ان المراد من هذا الاتقى هو افضل الخلق، فاذا كان كذلك وجب ان يكون المراد هو ابوبكر، فهاتان المقدمتان متى صحتا صح المقصود، انما قلنا ان المراد من هذا الاتقى افضل الخلق لقوله تعالٰى "ان اكرمكم عند الله اتقاكم" والاكرم هو الافضل، فدل على ان كل من كان اتقى وجب ان يكون الافضل، فثبت ان الاتقى المذكور ههنا لابد وان يكون افضل الخلق عند الله تعالٰى، فنقول لابد و ان يكون المراد به ابابكر لان الامة مجمعة على ان افضل الخلق بعد رسول الله صلى الله

حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں تو اللہ تعالٰی کا قول الاتقى الذى يؤتى ماله يتزكى یعنی وہ سب سے بڑا پرہیزگار جو ستھرا ہونے کو اپنا مال دیتا ہے، اسی وصف کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہوا یعنی اللہ کا یہ فرمانا "یؤتون الزکوٰۃ" الآیۃ اور جب ایک رافضی نے یہ بات میری مجلس میں کہی میں نے کہا میں اس پر دلیل عقلی قائم کروں گا کہ اس آیت سے مراد صرف ابوبکر ہیں، اور تقریر دلیل یوں ہے کہ مراد اس بڑے پرہیزگار سے وہی ہے جو سب سے افضل ہے، تو جب معاملہ ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس سے مراد بس ابوبکر ہوں، تو جب یہ دونوں مقدمے صحیح ہونگے دعوٰی درست ہوگا۔ اور ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ اس بڑے پرہیزگار سے مراد سب سے افضل ہے کہ اللہ تعالٰی کا قول ہے "اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔" اور اکرم ہی افضل ہے۔ تو آیت نے بتایا کہ ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا ضروری ہے کہ وہ سب سے زیادہ مرتبے والا ہو، تو ثابت ہوگیا کہ سب سے بڑا پرہیزگار جس کا یہاں (آیت میں) ذکر ہوا ضروری ہے کہ اللہ کے یہاں سب سے افضل ہو۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ساری امت اس پر متفق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد خلق سے افضل ابوبکر ہیں یا علی۔

33

تعالیٰ علیہ وسلم اما ابوبکر او علیؓ ولا یمکن حمل
ھٰذہ الاٰیۃ علیٰ علی بن ابی طالب فتعین
حملہا علیٰ ابی بکر، و انما قلنا انہ لا یمکن
حملہا علیٰ علی بن ابی طالب لانہ تعالیٰ
قال فی صفۃ ھذا الاتقی "وما لاحد
عندہ من نعمۃ تجزی" و ھذا
الوصف لا یصدق علیٰ علی ابن ابی طالب
لانہ کان فی تربیۃ النبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم لانہ اخذہ من
ابیہ وکان یطعمہ و یسقیہ و
یکسوہ و یربیہ ، وکان الرسول
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
منعما علیہ نعمۃ یجب جزاءھا
اما ابوبکر فلم یکن للنبی علیہ
الصلوٰۃ والسلام نعمۃ دنیویۃ
بل ابوبکر کان ینفق علی الرسول
علیہ الصلوٰۃ والسلام بلیٰ کان
للرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہ
نعمۃ الھدایۃ و الارشاد الی
الدین ، الا ان ھذا لا یجزی
لقولہ تعالیٰ "ما اسئلکم علیہ
من اجر" والمذکور ھٰھنا
لیس مطلق النعمۃ
بل نعمۃ تجزی، فعلمنا
ان ھذہ الاٰیۃ لا تصلح

اور یہ ممکن نہیں کہ یہ آیت علی پر محمول کی جائے تو
ابوبکر کے لئے اس کا مصداق ہونا متعین ہوگیا، اور
ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ آیت کو علی پر محمول کرنا
ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سب سے
بڑے پرہیزگار کی صفت میں فرمایا ہے وما لاحد
عندہ من نعمۃ تجزی یعنی اس پر کسی کا
احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ، اور یہ وصف
علی بن ابی طالب پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ
وہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت میں تھے
بایں سبب کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علی
کو ان کے باپ سے لے لیا تھا اور حضور انھیں
کھلاتے، پلاتے، پہناتے اور پالتے تھے۔ اور
حضور (رسول) صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
علی کے ایسے محسن ہیں کہ ان کے احسان کا بدلہ
واجب ہوا۔ رہے ابوبکر، تو حضور (نبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم) کا ان پر دنیوی احسان نہیں
بلکہ ابوبکر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خرچ
اٹھاتے تھے۔ ہاں کیوں نہیں ابوبکر پر رسول
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین کی طرف ہدایت و
ارشاد کا احسان ہے۔ مگر یہ ایسا نہیں جس کا
بدلہ دیا جائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی
حکایت کرتے ہوئے) میں تبلیغ پر تم سے کچھ
اجر نہیں مانگتا۔ اور یہاں مطلق احسان کا ذکر
نہیں بلکہ بات اس احسان کی ہے جس کا بدلہ

لعلی بن ابی طالب، واذا ثبت ان المراد بھذہ الآیۃ من کان افضل الخلق، و ثبت ان ذٰلک الافضل من الامۃ اما ابوبکر اوعلی، و ثبت ان الآیۃ غیر صالحۃ لعلی تعین حملھا علی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وثبت دلالۃ الاٰیۃ ایضا علی ان ابابکر افضل الامۃ[1] اھ ملخصًا۔

دیا جائے تو ہم نے جان لیا کہ آیت کا یہ معنٰی علی بن ابی طالب کے لئے نہیں بنتا، اور جب یہ ثابت ہے کہ مراد اس آیت کی وہی ہے جو افضل خلق ہے اور یہ ثابت ہے امت میں سب سے افضل یا ابوبکر ہیں یا علی، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مفہوم آیت علی کے شایاں نہیں اس کا مصداق ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین ہوگیا اور آیت کی دلالت اس پر بھی ثابت ہوگئی کہ ابوبکر ساری اُمت سے افضل ہیں اھ ملخصًا۔

قلت اما ما ذکر الفاضل الامام ان علیًا رضی اللہ تعالٰی عنہ کان فی تربیۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وأنہ اخذہ من ابیہ فقد ذکرہ محمد بن اسحٰق وابن ھشام وھذا لفظ ابن اسحٰق "حدثنی عبد اللہ بن ابی نجیح عن مجاھد بن جبیر ابی الحجاج قال کان من نعمۃ اللہ تعالٰی علی علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ مما صنع اللہ تعالٰی لہ واراد بہ من الخیر ان قریشا اصابتھم ازمۃ شدیدۃ وکان ابوطالب ذا عیال کثیر فقال

میں کہتا ہوں کہ رہی یہ بات جو فاضل امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمہ) نے فرمائی کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُنھیں ان کے والد سے لے لیا تھا تو اس کا ذکر محمد ابن اسحٰق وابن ہشام نے کیا ہے اور محمد بن اسحٰق کے الفاظ یوں ہیں: مجھ سے عبد اللہ بن ابی نجیح نے حدیث بیان کی اُنھوں نے روایت کی مجاہد بن جبیر ابی الحجاج سے اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اللہ تعالٰی کے احسان کے قبیل سے وہ ہے جو اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ کیا اور ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا وہ یہ کہ قریش پر سخت تنگی پڑی اور ابوطالب کی اولاد بہت تھی اس لئے رسول اللہ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۲ /۱۷ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱ /۲۰۵ و ۲۰۶

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للعباس عمہ، وکان من الیسر بنی ہاشم یا عباس ان اخاک اباطالب کثیر العیال، وقد اصاب الناس ماتری من ھذہ الازمۃ فانطلق بنا الیہ، فلنخفف عنہ من عیالہ آخذ من بنیہ رجلا وتاخذ انت رجلاً، فنکلھما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا الی ابی طالب، فقالا لہ انا نرید ان نخفف عنک من عیالک حتی ینکشف عن الناس ماھم فیہ، فقال لھما ابوطالب اذا ترکتما لی عقیلاً فاصنعا ماشئتما، فاخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیا فضمہ الیہ واخذ العباس جعفرا فضمہ الیہ فلم یزل علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی بعثہ اللہ تبارک وتعالٰی نبیا فاتبعہ علی وامن بہ علی وصدقہ ولم یزل جعفر عند العباس حتی اسلم واستغنی عنہ[1] انتھی۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا اور وہ بنی ہاشم کے بڑے مالداروں میں سے تھے، اے عباس! آپ کے بھائی ابوطالب کی اولاد بہت ہے اور لوگوں پر جو یہ سختی پڑی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ ابوطالب کے یہاں چلئے کہ ہم ان کی اولاد کا بوجھ کم کریں ان کے بیٹوں سے ایک آدمی میں لے لوں اور ایک آدمی آپ لے لیں تو ہم دونوں ان کی کفالت کریں۔ حضرت عباس نے عرض کی: جی ہاں۔ تو دونوں حضرات چل کر ابوطالب کے پاس تشریف لائے تو ان سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ جب تک لوگوں کی مصیبت (جس میں وہ مبتلا ہیں) دور ہو آپ سے آپ کی اولاد کا بوجھ کم کر دیں۔ تو ابوطالب ان سے بولے: اگر تم میرے لئے عقیل کو چھوڑ دو تو تم جو چاہو کرو۔ تو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے علی کو لے کر اپنے سینے سے لگایا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جعفر کو لیا اور چمٹا لیا۔ تو علی رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے سرکار کو نبی مبعوث فرمایا تو حضرت علی ان پر ایمان لائے اور ان کو سچا مانا اور جعفر عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ اسلام لاکر ان سے بے نیاز ہوگئے اھ۔

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص ۲۴۶

قلت وتمام النعمة الکبرٰی بتزویج البتول الزهراء صلوات اللہ علی ابیها الکریم وعلیها واما ما ذکر من ان ابا بکر کان ینفق علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فھذا اوضح و اظهر عند من له خبرة بالاحادیث والسیر۔ اخرج الامام احمد والبخاری عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال، انه لیس من الناس احدٌ اَمَنَّ علیّ فی نفسه و ماله من ابی بکر بن ابی قحافة ولو کنت متخذا من الناس خلیلاً لا اتخذت ابا بکر خلیلاً ولکن خُلّة الاسلام افضل، سُدّوا عنی کل خوخة فی ھذا المسجد غیر خوخة ابی بکر۔[1] واخرج الترمذی عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما لاحد عندنا ید الا وقد کافیناه ما خلا ابا بکر فان له عندنا یدا یکافیه اللہ بها یوم القیٰمة وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی

میں کہتا ہوں اور نعمت کبرٰی کی تکمیل بتول زہرا (فاطمہ) صلوات اللہ علٰی ابیها الکریم و علیها سے شادی ہو کر ہوئی۔ اور یہ جو ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خرچ اٹھاتے تھے۔ تو یہ اس کے نزدیک جس کو احادیث وکتب سیرت سے واقفیت ہے بہت واضح اور خوب ظاہر ہے۔ امام احمد و بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: "لوگوں میں سے کوئی شخص نہیں جس کا اپنے جان و مال میں مجھ پر زیادہ احسان ہو سوا ابوبکر بن ابی قحافہ کے، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلامی خلت اور محبت افضل ہے، اس مسجد میں ابوبکر کے دروازہ کے سوا سب دروازے بند کردو" اور ترمذی نے (اپنی سند سے) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے حدیث ذکر کی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں (کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا): "ہر شخص کے احسان کا بدلہ ہم نے اُسے دے دیا سوائے ابوبکر کے کہ ان کا ہم پر وہ احسان ہے جس کا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب الخوخۃ والممر فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۷
مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۷۰

مال ابی بکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا الا و ان صاحبکم (ای محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) خلیل اللہ[1]" واخرج ایضاً عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: رحم اللہ تعالٰی ابابکر زوجنی ابنتہ وحملنی الی دار الھجرۃ و اعتق بلالا من مالہ[2]"

بدلہ انھیں اللہ تعالٰی قیامت کے دن دے گا، اور مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو فائدہ مجھے ابوبکر کے مال نے دیا، اور اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ضرور ابوبکر کو دوست بناتا اور خبردار تمھارے صاحب (محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اللہ تعالٰی کے دوست ہیں۔" اور ترمذی نے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی حدیث ذکر کی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی: "اللہ ابوبکر پر رحمت کرے مجھ سے اپنی بیٹی کا عقد کیا اور مجھے دار الہجرۃ (مدینہ) میں لائے اور اپنے مال سے بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو خرید کر آزاد کیا۔"

واخرج الامام احمد و ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: مانفعنی مال قط مانفعنی مال ابی بکر، فبکی ابوبکر وقال ھل انا ومالی الا لک یارسول اللہ[3]۔

اور امام احمد و ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی: "مجھے کبھی کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے مجھے دیا، تو ابوبکر رو دیئے اور عرض کی، یارسول اللہ! میں اور میرا مال آپ ہی کا تو ہے۔"

واخرج الطبرانی عن ابن عباس

اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷
[2] " " " " " علی رضی اللہ عنہ " ۲/ ۲۱۳
[3] سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۵۳

رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما احد اعظم عندی یدًا من ابی بکر واسانی بنفسہ ومالہ وانکحنی ابنتہ[1]

واخرج ابو یعلٰی من حدیث ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا مرفوعًا مثل حدیث ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ، قال ابن حجر قال ابن کثیر وروی ایضًا من حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبد اللہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہم واخرجہ الخطیب عن ابن المسیب مرسلًا وزاد وکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقضی فی مال ابی بکر کما یقضی فی مال نفسہ۔ واخرج ابن عساکر من طرق عن عائشۃ وعروۃ ان ابابکر اسلم یوم اسلم لہ اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درھم فانفقھا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] اھ۔

قلت ومروی ایضا من حدیث سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ

عنہما سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یُوں حدیث روایت کی: "مجھ پر ابوبکر سے بڑھ کر کسی کا احسان نہیں اس نے اپنی جان و مال سے میرا ساتھ دیا اور مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔"

اور ابو یعلٰی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث مرفوع حدیث ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ کے مثل (یعنی انھیں الفاظ سے) روایت کی۔ ابن حجر نے فرمایا کہ ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبداللہ وابوسعید خدری سے بھی مروی ہے اور خطیب نے اسے ابن المسیب سے مرسل روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا،" اور آنحضرت صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر کے مال سے اپنا قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے ادا فرماتے۔" اور ابن عساکر نے متعدد سندوں سے حضرات عائشہ وعروہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر جس دن اسلام لائے ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے، اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار درہم تھے، تو ابوبکر نے انھیں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اٹھا دیا اھ۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث سیدنا انس بن مالک سے بھی مروی ہے جیسا کہ امام عدی نے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۱۹۱
[2] الصواعق المحرقۃ الباب الثانی الفصل الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۱۲

کما اخرجه الامام ابن عدی فی الکامل انبأنا المولی الثقة الحجة مفتی الحنفیة بمکة المحمیة امام الفقهاء و المحدثین سیدی واستاذی مولانا عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن السراج عن جمال العلماء السلف الخیر فی منصب الافتاء مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر المکی عن خاتمة الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن الشیخ احمد علی السندی ثم الزبیدی ثم المدنی عن المولی محمد صالح الفلانی العمری عن الشیخ محمد بن السنة الفلانی الفاروقی عن مولای السید الشریف محمد بن عبداللہ عن الفاضل المحدث سیدی علی الاجھوری عن الامام شمس الدین الرملی عن شیخ الاسلام زین الدین زکریا الانصاری عن علامة الوری جبل الحفظ شہاب الدین ابی الفضل احمد بن حجر العسقلانی عن ابی علی محمد بن احمد المهدوی عن یونس بن ابی اسحٰق عن ابی الحسن علی بن المقیر انا ابوالکریم الشہرزوری انا اسمٰعیل بن مسعدة الجرجانی انا ابوالقاسم حمزة بن یوسف السهمی الجرجانی وابوعمرو عبدالرحمٰن بن محمد الفارسی انا ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی

کامل میں اپنی سند سے روایت کیا ہے (سند حدیث مذکور) ہمیں خبر دی مولٰی ثقہ حجۃ مفتی حنفیہ بمکہ محمیہ پیشوائے فقہاء و محدثین سیدی واستاذی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن سراج نے انھوں نے جمال علماء سلف خیر فی منصب الافتاء (یعنی منصبِ افتاء میں مفتیوں کے لئے اچھے پیشرو) مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی سے روایت کی انھوں نے خاتمۃ الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن شیخ احمد علی سندی ثم زبیدی ثم مدنی سے روایت کی انھوں نے مولٰی محمد صالح فلانی عمری سے اُنھوں نے شیخ محمد بن السنۃ فلانی فاروقی سے انھوں نے مولائی سید شریف محمد بن عبداللہ سے انھوں نے فاضل محدث سیدی علی اجھوری سے انھوں نے امام شمس الدین رملی انھوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے انھوں نے علامۂ عالم کوہِ حفظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی سے انھوں نے ابوعلی محمد بن احمد مہدوی سے انھوں نے یونس بن اسحاق سے انھوں نے ابوالحسن علی بن مقیر سے انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ابوکریم شہر زوری نے ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعدہ بن جرجانی نے ہمیں خبر دی ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی اور ابوعمرو عبدالرحمٰن بن محمد الفارسی نے ہمیں خبر دی ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی

نا الحسین بن عبد الغفار الازدی نا سعید ابن کثیر بن عفیر نا الفضل بن مختار عن ابان عن انس قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لأبی بکر ما اطیب مالک منہ بلال مؤذنی و ناقتی التی ھاجرت علیہا و زوجتنی ابنتک و واسیتنی بنفسک و مالک کانی انظر الیک علٰی باب الجنۃ تشفع لامتی۔[1]

ہم سے حدیث بیان کی حسین بن عبد الغفار ازدی نے ہم سے حدیث بیان کی سعید بن کثیر بن عفیر نے ہم سے حدیث بیان کی فضل بن مختار نے ابان سے انھوں نے روایت کی انس سے انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: تمھارا مال کتنا ستھرا ہے اسی سے میرا مؤذن بلال ہے اور میری اونٹنی ہے جس پر میں نے ہجرت کی اور تم نے اپنی دختر میرے نکاح میں دی اور اپنی جان و مال سے میری مدد کی گویا میں تمھیں دیکھ رہا ہوں جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو میری امت کیلئے شفاعت کر رہے ہو۔

ھٰذا وقد استقصینا الکلام علٰی ھٰذین الفصلین الذین اشار الیہما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک الاحادیث اعنی مواساۃ الصدیق للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنفسہ ومالہ فصلین من الباب الثانی من کتابنا الکبیر فی التفضیل علٰی غایۃ التحقیق والتفصیل فارجع الیہ ان احببت، ھٰذا تقریر ما ذکر الفاضل الرازی وقد اوردہ الامام ابن حجر ایضًا فی الصواعق

یہ تو ہوا اور ہم نے ان دونوں فصلوں پر (یعنی صدیق کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدد جان و مال سے کرنا) جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ فرمایا۔ کامل گفتگو اپنی کتاب کبیر جو باب تفضیل میں ہے کے باب دوم کی دو فصلوں میں نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ کی ہے اس کا مطالعہ کرلو اگر چاہو، یہ کلام اس کلام کی تائید ہے جو فاضل رازی نے ذکر کیا اور امام رازی کا یہ کلام امام ابن حجر میں صواعق محرقہ میں بھی لائے

---

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ ابان بن ابی عیاش دار الفکر بیروت ۱/ ۳۷۵
الکامل لابن عدی ترجمہ الفضل بن مختار البصری " " " ۶/ ۲۰۴۱

وارتضاه۔

قلت ولمناقش ان يناقش فيه بأربعة وجوه ينتظمها وجهان الاوّل انا لانسلم أن ابابكر لم يكن عليه لأحد نعمة تجزى فان من اعظم المنعمين على الانسان والديه قال تعالٰى "ان اشكرلى ولوالديك[1]" ومعلوم ان لاشكر الا بمقابلة النعمة و نعم الوالدين من النعم الدنيوية التى تجرى فيها المجازاة دون الدينية التى قال الله تعالٰى فيها "قل ما اسئلكم عليه من اجر[2]" "ان اجرى الا على رب العلمين[3]" على انا نعتقد أن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم قد تمت له خلافة الله العظمٰى ونيابته الكبرٰى فيده الكريمة عليا وأيدى العلمين سفلى جعل سبحنه و تعالٰى خزائن رحمته و نعمه وموائد جوده وكرمه طوع يديه، و مفوضة اليه صلى الله تعالٰى عليه وسلم ينفق

اور اسے پسند فرمایا۔

میں کہتا ہوں کسی کو مجال ہے کہ اس میں چار وجہ سے بحث کرے جن کو دو وجہیں گھیرے ہیں پہلی وجہ یہ کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ ابوبکر پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس کا بدلہ دیا جائے اس لئے کہ انسان پر بڑے محسنوں میں اسکے ماں باپ ہیں۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: "حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا" اور یہ معلوم ہے کہ شکر نعمت کے مقابل ہی ہوتا ہے اور والدین کے احسانات ان دنیوی احسانات سے ہیں جن میں بدلہ دینا جاری ہے اور یہ دینی احسانات نہیں ہیں جن کی بابت اللہ کا فرمان ہے (حضور اکرم نے فرمایا) "میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو جہانوں کے پروردگار پر ہے۔" اس کے علاوہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالٰی کی خلافت عظمٰی اور نیابت کبرٰی کامل ہو چکی تو ان کا دست کرم بالا اور سب جہانوں کے ہاتھ پست، اللہ تعالٰی نے اپنی رحمت اور کل نعمت کے خزانے اور اپنے فیض وکرم کے خوان ان کے ہاتھوں کے مطیع کر دیئے، اور یہ سب انھیں سونپ دیا جیسے چاہیں خرچ کریں

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/۱۴ [2] القرآن الکریم ۲۵/۵۷ و ۳۸/۸۶

[3] " " ۲۶/۱۰۹ و ۱۲۷ و ۱۴۵ و ۱۶۴ و ۱۸۰۔

کیف یشاء وھو خزانۃ السر وموضع نفوذ الامر فلا تنال برکۃ الا منہ ولا ینقل خیر الا عنہ کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ المعطی[1] فھو الذی یقسم الخیرات والبرکات وسائر النعماء والاٰلاء فی الارض والسماء والملك والملکوت والاول والاٰخر والباطن والظاھر أیقنت بھا جماھیر الفضلاء العظام ومشاھیر الاولیاء الکرام کما حققتہ فی رسالتی الملقبۃ بسلطنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفیھا من المباحث الفائقۃ والمدارك الشائقۃ ما تقربہ الاعین وتلذ بہ الاٰذان وتنشرح بہ الصدور والحمد للہ رب العٰلمین فاذن ماکان لابی بکر او غیرہ من مال وبلوغ اٰمال الا بعطاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم تنحصر النعم النبویۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ فی النعم الدینیۃ التی لا تجزی فکما أن علیا لم یصلح موردا للاٰیۃ فکذٰلك ابوبکر سواء بسواء۔

اقول والجواب عنہ اما اٰولاً فلانہ

اور وہ راز الٰہی کا خزانہ اور اس کے حکم کی جائے نفاذ ہیں تو برکت انھیں سے ملتی ہے اور خیر انھیں سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "میں تو بانٹتا ہوں اور اللہ دیتا ہے"۔ تو وہی خیرات و برکات اور ساری نعمتیں آسمان و زمین و ملک و ملکوت اول و آخر باطن و ظاہر میں بانٹتے ہیں اس پر فضلاء عظام اور مشہور اولیائے کرام کے جمہور کا یقین ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ "سلطنۃ المصطفٰی" میں تحقیق کی اس میں کچھ ایسے مباحث فاضلہ اور پسندیدہ دلائل ہیں کہ ان سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور کان لطف اندوز ہوتے ہیں اور سینے کھلتے ہیں، تو جب یہ بات ہے (کہ ساری برکت و نعمت مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء کے سبب ہے) تو ابوبکر کو جو کچھ مال و منال حاصل ہوا وہ نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی عطا سے ہی حاصل ہوا لہذا نبوی احسانات علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ان دینی احسانات میں منحصر نہیں جن کا بدلہ نہیں دیا جاتا تو جس طرح علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) آیت کے مصداق نہ ٹھہرے اسی طرح ابوبکر بھی یکساں طور پر آیت کے مصداق نہیں۔

میں کہتا ہوں اس اعتراض کا جواب اول

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ خیرا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶
" " کتاب الجہاد باب قول اللہ تعالٰی فان للہ خمسہ الخ " " " ۱/ ۴۳۹
" " کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ من امتی " ۲/ ۱۰۸۷

ان صح ما ذکرتم لتعطلت الأیة رأسا ولم یوجد لها مصداق ابدًا اذ لیس فی الصحابة من لم یلده ابواہ أو لم ینعم علیه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی دینه و دنیاہ۔

تو یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو جو آپ نے ذکر کیا تو آیت سرے سے معطل ہو جائے گی اور کبھی اس کا کوئی مصداق نہ پایا جائے گا اس لئے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے ماں باپ سے پیدا نہ ہو یا اس پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین و دنیا کا کوئی احسان نہ فرمایا ہو۔

واما ثانیا وهو الحل فلأن نعم الدنیا لیست کلها مما تجزی اذ المجازاۃ هو المکافأت وحاصل نعمة الوالدین أن اللہ سبحٰنه وتعالٰی جعلهما سببا لایجادہ وخروجه من ظلمة العدم الٰی نور التکون وبهما جعله بشرا حسینا بعد أن کان ماء مهینا وهذا مما لا یمکن أن یجازی اذ لیس فی وسع احد ان یحیی ابویه او یکونهما بعد ان لم یکونا ولذلك قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لایجزی ولد والدہ الا ان یجدہ مملوکا فیشتریه فیعتقه[1] اخرجه مسلم و ابوداؤد

اور جواب دوم اور وہی حل ہے یہ کہ دنیا کے سب احسان ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جاتا ہو اس لئے کہ احسان کا بدلہ یہ ہے کہ احسان کے مساوی اس کی جزا دے، اور والدین کے احسان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی نے انھیں بچّہ کی ایجاد اور عدم کی ظلمت سے نورِ ہستی میں آنے کا سبب بنایا ہے اور ان کے سبب سے اس کے بعد کہ وہ بے وقعت پانی تھا خوبصورت انسان بنایا، اور یہ احسان کا بدلہ نہیں ہو سکتا، یوں کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کردے، یا عدم کے بعد انھیں موجود کر دے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بچہ اپنے ماں باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتا مگر یہ کہ اسے غلام پائے تو اسے خرید کر آزاد کردے۔" یہ حدیث مسلم وابوداؤد

---

[1] صحیح مسلم کتاب العتق باب فضل عتق الوالد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۹۵
سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی برالوالدین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۴۳

والترمذی[1] ونسائی وابن ماجة فاشار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی بعض المجازاۃ علٰی حسب مایدخل تحت الامکان فان الرق موت حکما اذ بہ تتعطل الاھلیۃ ویلتحق الانسان العاقل البالغ بالبھائم فالعتق کانہ احیاء لہ و اخراج من ظلمۃ البھیمیۃ الٰی نور الانسانیۃ فعن ھذا عد اداء لبعض حقوقھما وکذٰلک النعم النبویۃ علٰی صاحبھا الصلٰوۃ والتحیۃ علٰی حسب ماقررنا علیک لیست مما تجزی و تجری فیہ ذاک بھذا لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی ذٰلک المقام الرفیع والمنصب البدیع انما یتصرف علٰی خلافۃ الملک المقتدر تبارک و تعالٰی ونعم الملک لاتجزی فان الاحسان لایجازی الا بالاحسان کما نطق بہ القراٰن العظیم ومایجازی بہ العبد لابد وان یکون ایضا من عطایاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکان مکافأت عطائہ

وترمذی ونسائی وابن ماجہ نے اپنی سندوں سے روایت کی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تھوڑے بدلہ کی طرف (جو موافق مقدور بشر ہو) اشارہ فرمایا اس لئے کہ غلامی موت کے حکم میں ہے اس وجہ سے کہ اس کے سبب آدمی کی اہلیت معطل ہوجاتی ہے اور عاقل بالغ انسان جانوروں سے مل جاتا ہے لہٰذا اسے آزاد کرنا گویا کہ اسکو زندہ کرنا اور بہیمیت کی تاریکی سے انسانیت کی روشنی میں لے آنا ہے اسی لئے ماں باپ کو آزاد کرنا ان کے بعض حقوق کی ادائیگی میں شمار ہوا، اسی طرح نبوی احسانات علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والتحیۃ جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے ثابت کیا ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جائے اور ان میں یہ مقولہ جاری ہو کہ یہ اس احسان کا بدلہ ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اس مقامِ رفیع اور اس منصبِ بے نظیر میں بادشاہ قادر تبارک وتعالٰی کی خلافت پر فائز ہوکر متصرف ہیں اور بادشاہ کی نعمتوں کا بدلہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ بدلہ بغیر احسان کے نہیں ہوتا، جیسا کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اور بندہ احسان کا جو بدلہ دے گا لامحالہ وہ بھی سرکار علیہ الصلٰوۃ و السلام کی عطا سے ہوگا تو سرکار کی عطا کی مکافات

---

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی حق الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳
سنن ابن ماجۃ ابواب الادب باب برالوالدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۸
مشکوٰۃ المصابیح کتاب العتق باب اعتاق العبد المشترک الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۹۴

بعطائه وھو غیر معقول، وعن ھذا نعتقد ان اداء شکر اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ بمعنی فراغ الذمۃ منہ محال عقلاً اذ الشکر نعمۃ اخری فلیشکرھا حتی یخرج عن عھدتہ ویتسلسل الی مالا یتناھی، فثبت ان الدلیل لاغبار علیہ من ھذا الوجہ۔

سرکاری عطا سے ہوگی، اور یہ معقول نہیں۔ یہیں سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ کا شکر بہ معنیٰ برارت ذمہ از شکر عقلاً محال ہے اس لئے کہ شکر نعمت دیگر ہے تو بندہ اس دوسری نعمت کا شکر کرے کہ عہدہ برآ ہو اور یہ سلسلہ شکر کا نہایت کو نہ پہنچے تو ثابت ہوا کہ دلیل اس وجہ سے بے غبار ہے۔

الثانی ان المقدمۃ القائلۃ ان الامۃ مجمعۃ علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اما ابوبکر او علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مقدمہ جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد افضل یا ابوبکر ہیں یا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس پر اجماع امت ہے۔

مدخول فیہا اذ ھناک فرقتان اخریان تدعی احدٰھما تفضیل سیدنا الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی جمیع الامۃ، ومستندھا ما یروی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انہ قال ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر[1] وعنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لوکان بعدی نبی لکان عمر بن خطاب[2]۔ وعنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ باھی باھل عرفۃ عامۃ وباھی لعمر خاصۃ[3]۔

اس پر اعتراض کو مجال ہے اس لئے کہ یہاں دو فرقے اور ہیں، ان میں کا ایک دعویٰ کرتا ہے کہ سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری امت سے افضل ہیں، اور اسکی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "حضرت عمر سے بہتر کسی آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا" اور آپ سے مروی ہے کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔" اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے عرفات میں جمع ہونے والوں پر عام طور سے فخر فرمایا اور عمر سے خاص طور

---

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۷۳۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۷
[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹
[3] کنز العمال حدیث ۳۲۷۲۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۵
〃 〃 ۳۵۸۵۸ 〃 〃 〃 ۱۲/ ۵۹۶

وان کان الاستدلال بہا و بامثالہا لا یقوم علی ساق اما روایۃ او درایۃ او معا کاستمساک المفضلۃ بحدیث علی خیر البشر وحدیث الطیر وحدیث الاستخلاف فی غزوۃ تبوک وما ضاھاھا فمنہا کذب مختلق و منہا منکر واہ و منہا ما لایفید ھم شیئا وکذلک مضت سنۃ اللہ فی کل مبتدع یحتج و لاحجۃ ویجنح حیث لامحجۃ۔

سے مباہات فرمائی۔" اگرچہ اس روایت سے اور اس کے مشابہ روایتوں سے دلیل پائے ثبات پر قائم نہیں ہوتی یا بلحاظ روایت یا بلحاظ درایت یا دونوں کے لحاظ سے، جیسے تفضیلیہ کا حدیث علیؓ خیر البشر علی سب انسانوں سے افضل ہیں اور حدیث طیر اور غزوۂ تبوک کے زمانہ میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو اپنا خلیفہ مقرر فرمانے کی روایت سے تمسک کا حال ہے کہ ان میں کچھ تو نری تراشیدہ جھوٹ ہیں اور کچھ منکر واہی (راویان ثقہ کے مقابل راویان غیر ثقہ کی روایات ضعیف ہیں) اور کچھ انھیں بالکل فائدہ مند نہیں اور یونہی اللہ تعالٰی کی سنت ہر بدمذہب کے حق میں ہوئی کہ وہ استدلال کرے حالانکہ دلیل نہیں اور وہاں کا قصد کرے جہاں راستہ نہیں۔

والفرقۃ الاخری تدعی تفضیل سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما وکان ملحظہم وان لم یعط ففضہم قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیہ ان عم الرجل صنو أبیہ، وھو حدیث حسن اخرجہ الترمذی[1] وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولا شک

اور دوسرا فرقہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما کو سب سے افضل کہتا ہے، گویا انکے مدنظر اگرچہ انکی مراد نہیں دیتا اس بارے میں حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بابت قول ہے کہ "آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہے"۔ اور یہ حدیث حسن ہے جسے ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم العباس امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۷

انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ شیخ المسلمین وسیدھم ومقدمھم وقائدھم وعز نفوسھم وتاج رؤسھم حتی الخلفاء الاربعۃ من ھذا الوجہ کما ان حضرۃ البتول الزھراء واخاھا السید الکریم ابراھیم علٰی ابیھما وعلیھما الصلوٰۃ والتسلیم افضل الامۃ مطلقًا من جھۃ النسب والجزائیۃ وکرامۃ الجوھر والطینۃ۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ شیخ المسلمین ہیں اور ان کے سردار ہیں اور ان کے صدر و قائد اور اُن کی آبرو اور ان کے سروں کا تاج ہیں۔ اس وجہ سے چاروں خلفاء پر بھی انھیں فضیلت ہے۔ جیسے حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے بھائی سیّد ابراہیم ان کے والد اور ان پر صلوٰۃ و سلام ہو، رُوئے نسب و جزئیت و کرامت جوہر و طینت تمام امت سے افضل ہیں۔

وبالجملہ فلا یتعین احد من الشقوق الاربعۃ الا بابطال الثلٰثۃ الباقیۃ جمیعا فکیف قلتم ان الاٰیۃ لما لم تلتئم علٰی علی تعین ابوبکر مصداقا لھا علٰی ان المسائل السمعیۃ لاتنال الامن قبل السمع۔

بالجملہ ان چار شقوں سے کوئی شق باقی تین وجوہ کو باطل کئے بغیر متعین نہیں ہوگی تو آپ نے کیونکر فرمایا کہ آیتِ کریمہ جب علی پر صادق نہ آئی تو ابوبکر اس کا مصداق متعین ہوگئے علاوہ اس کے مسائل سمعیہ دلیل سمعی ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

فالناظر المتفحص لامذھب لہ قبل ان ینظر فی دلیل فیظھر لہ سبیل فان کان تمام الدلیل موقوفا علی (التمذھب) بمذھب لزم الدور وھذا نظیر ما اجبنا بہ عن استدلال الائمۃ الشافعیۃ علی افتراض الترتیب فی الوضوء بدخول الفاء

توصاحبِ نظر و جستجو کا کوئی مذہب اس سے پہلے نہیں ہوتا کہ وہ دلیل میں غور کرے تو کوئی راہ اس کو روشن ہو جائے تو اگر دلیل کا تام ہونا کسی مذہب سازی پر موقوف ہو تو دور لازم آئے گا اور یہ اس جواب کی نظیر ہے جو ہم نے ائمہ شافعیہ کی اس دلیل کے جواب میں کہا جو انھوں نے وضو میں فرضیتِ ترتیب پر آیتِ کریمہ میں وجوہ

34

علی الوجوہ وعدم القائل بالفصل کما هو مذکور فی الخلافیات۔

اقول والجواب عنه ان مستندنا الاول الذی علیه المعول فی هذا الباب اجماع الصحابة و التابعین لهم باحسان رضی اللہ تعالٰی عنهم اجمعین کما نقله الامام الشافعی ثم البیهقی ثم اٰخرون ودلت علیه احادیث عند البخاری وغیرہ کما فصلته فی الکتاب واقمت الدلیل الجلیل علٰی ان الاجماع تام کامل لم یثبت شذوذ منه ولا ندور وان الخلاف الذی ذکرہ ابوعمر بن عبدالبر فلیس مما یعرج علیه او یلتفت الیه لا روایة ولا درایة وان سلمنا فالسواد الاعظم متبوع واتباع الشاذ ممنوع، وهذا القدر یکفینا للتمذهب فانتفی الدور نعم حدیث الفرقتین قوی صحیح لکن لا یخل بالمقصود فان عمر وعباسا رضی اللہ تعالٰی عنهما لم یکونا مسلما حین نزول الاٰیة کما یظهر بالرجوع الی التاریخ، فلم یقصدا بالاٰیة قطعا وبه بطل الشقان الباقیان وال الدلیل

پر دخولِ فاء اور قائل بالفصل کے معدوم ہونے سے قائم کی جیسا کہ خلافیات میں مذکور ہے۔

میں کہتا ہوں اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس باب میں ہماری اولین سند جس پر ہمارا اعتماد ہے جملہ صحابہ اور اچھے طریقے پر ان کے تمام پیروان کار تابعین کا اجماع ہے جیسا کہ امام شافعی پھر بیہقی پھر دیگر ائمہ نے اسے نقل کیا اور اس پر بخاری وغیرہ کی احادیث دلالت کرتی ہیں جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں مفصل بیان کیا ہے اور اس امر پر میں نے دلیل جلیل قائم کی کہ اجماع تام کامل ہے اور اس سے کسی کا خلاف ثابت نہیں اور یہ کہ جو خلاف علامہ ابوعمر بن عبدالبر نے ذکر کیا نہ روایت کے لحاظ سے نہ درایت کے لحاظ سے وہ اس قابل ہے کہ نظر اس پر گزرے یا اس کی طرف مڑ کے دیکھا جائے۔ اور اگر ہم مان لیں تو سوادِ اعظم ہی کی اتباع ہوگی اور شاذ و نادر کی اتباع ممنوع ہوگی اور اتنی بات ہمیں مذہب قرار دینے کو کافی ہے تو دور نہ رہا، ہاں ان دو فرقوں کی (جو حضرت عمر و عباس کی فضیلت پاتے ہیں) حدیث قوی و صحیح ہے، لیکن مقصود میں خلل انداز نہیں اس لئے کہ عمر و عباس آیت کے نزول کے وقت مسلمان نہ تھے، جیسا کہ مطالعۂ تاریخ سے ظاہر ہے، تو یہ دونوں قطعی آیت کے مقصود ہی نہ ہوئے، اور اسی وجہ سے باقی دو شقیں باطل ہوگئیں اور آخر کار دلیل

الی الاحصان والارصان والحمد لله ولی الاحسان غایۃ الأمران الفاضل المستدل لم یطلع علی ھٰذین القولین اولم یعتد بھما لتناھیھما فی السقوط والشذوذ علی أنا بحمد الله بعد ما ثبت الاجماع علی ان الصدیق ھو المراد فی غنی عن ھذہ التجشمات کما لا یخفٰی اذا ثبت ھذا فنقول وصف الله سبحٰنہ وتعالی الصدیق بأنہ اتقی و وصف الاتقی بأنہ اکرم انتجت المقدمتان أن الصدیق اکرم عند الله تعالٰی والأفضل والاکرم والارفع درجۃ والاعلی مکانۃ کلھا الفاظ معتورۃ علٰی معنی واحد فثبت الفضل المطلق الکلی للصدیق والله تعالٰی ولی التوفیق ھذا تقریر الدلیل بحیث لیشفی العلیل ویروی الغلیل والحمد للمولی الجلیل واعلم أن ھذا الاحتجاج اطبقت علیہ کلمات العلماء سلفا وخلفا وارتضوہ وتلقوہ بالقبول تلیدًا وطارفا ولا شك انہ لجدیر بذلك لکن المفضلۃ لھم کلام فیہ بثلٰثۃ وجوہ نذکرھا نردھا بحیث لا یبقی ولا یذر بتوفیق الله العلی الاکبر۔

فنقول الشبھۃ الاولٰی ان من المفسرین من فسر الاتقی بالتقی

مضبوط و مستحکم رہی، اس معاملہ کی نہایت کار یہ کہ فاضل مستدل کو تو ان دونوں مذہبوں کا علم نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ سقوط و ندرت میں حد کو پہنچے ہونے کی وجہ سے انھیں شمار ہی نہیں فرمایا، مزید برآں بحمداللہ اس پر اجماع کہ صدیق ہی مراد آیت ہیں کے ثابت ہونے کے بعد ہم ان تکلفات سے بے نیاز ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے جب یہ بات ثابت ہوچکی تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالٰی نے صدیق کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اتقی ہیں اور اتقی کا وصف بتایا کہ وہ اکرم ہے ان دو مقدموں نے نتیجہ دیا کہ صدیق اللہ تعالٰی کے نزدیک اکرم (سب سے افضل) ہیں اور افضل و اکرم اور ارفع درجۃ اور اعلٰی منزلۃ یہ سب الفاظ ایک ہی معنٰی پر صادق آتے ہیں، لہذا فضل مطلق کلی صدیق کیلئے ثابت ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے اور تم جان لو کہ اس استدلال پر جملہ علماء سلف و خلف کا اتفاق ہے اور سب نے اسے پسند کیا اور قبول کے ہاتھوں لیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ اس کے قابل ہے، لیکن تفضیلیہ کو اس میں تین وجوہ سے کلام ہے ہم ان وجہوں کو خدائے بزرگ و برتر کی توفیق کے سہارے ذکر کرتے ہیں اور ان کا ایسا رد کرتے جو کوئی شبہہ باقی نہ چھوڑے اور کوئی شک نہ رہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلا شُبہہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اتقی کی تفسیر تقی (صفت

كما فى المعالم والبيضاوى وغيرهما من التفاسير فسقط الاحتجاج عن اصله اقول و لاعلينا ان نمهد اولا مقدمات تعينك ان شاء الله تعالٰی فى الجواب عن هذا الارتياب ثم نرفع الحجاب عن وجه الصواب بتوفيق العليم الوهاب فاستمع لما يلقى عليك۔

المقدمة الاولٰى ماتظافرت الادلة من العقل و النقل و ناهيك بهما امامين علٰى أن الالفاظ لاتصرف عن ظواهرها مالم تمس حاجة شديدة لاتندفع الابه والا لم يكن هذا تاويلا بل تغييرا وتبديلا ولو فتح باب التصرفات من دون ضرورة تلجئ لارتفع الامان عن النصوص كما لايخفٰى وهذا لغاية ظهوره اغنانا عن تجشم اقامة الدليل عليه حتى ان بعض العلماء ادرجوه فى متون العقائد وانه لحقيق به فان قصارى همم المبتدعين عن اٰخرهم انما هو صرف النصوص عن الظواهر وارتكاب تاويلات

مشبہ جس میں فضیلت دوسرے پر ملحوظ نہیں کہ صرف تقوٰی سے اتصاف ہے) سے کی جیسا کہ معالم وبیضاوی وغیرہما تفاسیر میں ہے تو استدلال جس کی بنیاد اتقی کے اسم تفضیل ہونے پر تھی) جڑسے اکھڑ پڑا۔ میں کہتا ہوں ہمارا کوئی حرج نہیں اس میں کہ ہم پہلے کچھ ایسے مقدمات کی تمہید اٹھائیں جو جواب میں ان شاء اللہ تعالٰی تمہاری مدد کریں پھر ہم خدائے دانا وبخشندہ کی توفیق کے سہارے چہرۂ صواب سے حجاب اٹھائیں تو سنو جو تم سے کہا جائے۔

پہلا مقدمہ عقل ونقل کی بکثرت دلیلیں (اور یہ دونوں امام تمہیں کافی ہیں) اس پر متفق ہیں کہ الفاظ کو اپنے ظاہری معنٰی سے پھیرنا منع ہے جب تک کہ سخت حاجت نہ ہو جو لفظ کو ظاہری معنٰی سے پھیرے بغیر دفع نہ ہو ورنہ یہ بے ضرورت پھیرنا تاویل نہ ہوگا بلکہ تغییر وتبدیل ٹھہرے گا اور اگر بے ضرورت پھیرنے کا دروازہ کھل جائے تو نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور یہ مسئلہ چونکہ نہایت ظاہر ہے اس لئے اس نے ہمیں دلیل قائم کرنے کی زحمت سے بے نیاز کردیا۔ بعض علماء نے اسے عقائد کے متون میں رکھا اور یہ مسئلہ اس کا سزاوار ہے اس لئے کہ سب بدمذہبوں کی ساری کوشش یہی ہے کہ عبارات شرعیہ کو ان کے ظاہری معنٰی سے پھیردیں اور فاسد

فاسدة واحتمالات كاسدة واعذار
باردة فوجب علينا حسم مادتها
بايجاب حمل النصوص على
ما يعطيه ظاهرها الا بضرورة
ابدًا وهذا ظاهر جدًّا۔

المقدمة الثانية ليس كل
ما يذكر في اكثر التفاسير المتداولة
واجب القبول وان لم يساعده
معقول ويؤيده منقول، والوجه
في ذلك ان التفسير المرفوع
وهو الذي لا محيص عن قبوله
ابدًا نزر يسير جدا لا يبلغ
المجموع منه جزء أو جزئين۔

قال الامام الجويني علم
التفسير عسير يسير اما عسره فظاهر
من وجوه اظهرها انه كلام متكلم
لم يصل الناس الى مراده
بالسماع منه، ولا امكان للوصول
اليه بخلاف الامثال والاشعار
ونحوها فان الانسان يمكن
علمه منه اذا تكلم بأن يسمع منه
او ممن سمع منه، واما القرآن
فتفسيره على وجه القطع لا يعلم
الا بان يسمع من الرسول صلى الله
تعالى عليه وسلم وذلك متعذر الا في

تاویلوں اور کھوٹے احتمالوں اور نہ چلنے والے بہانوں
کے مرتکب ہوں تو ہم پر واجب ہے کہ نصوص شرعیہ
کو مقامِ ضرورت کے سوا ہمیشہ ان کے ظاہری
معنٰی پر رکھنا واجب بتا کر ان تاویلات کا مادہ
کاٹ دیں، اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔

دوسرا مقدمہ بہت سی متداول
تفسیروں میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا
نہیں جس کا قبول کرنا ضروری ہو اگرچہ نہ کوئی دلیل
عقلی اس کی معین ہو نہ کوئی دلیل شرعی اسکی
مؤید ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر مرفوع
(جو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمائی)
وہ بہت تھوڑی ہے جس کا مجموعہ دو جز بلکہ ایک
جز کو بھی نہیں پہنچتا۔

امام جوینی کا قول ہے علم تفسیر مشکل اور
کم ہے، اس کا مشکل ہونا تو کئی وجوہ سے ظاہر
ہے، ان میں روشن تر وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے متکلم
(عزّ جلالہ) کا کلام ہے جس کی مراد کو لوگ اس سے
سُن کر نہ پہنچے اور نہ اس کی طرف رسائی کا
امکان ہے بخلاف امثال واشعار اور ان
جیسی اور باتوں کے کہ انسان کو بولنے والے
کی مراد معلوم ہو سکتی ہے جب وہ بولے یا یوں طور
کہ وہ اس سے خود سُنے یا اس سے سُنے جس
نے اس سے سُنا ہو۔ رہی قرآن کی قطعی طور
پر تفسیر تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
سے سُنے بغیر معلوم نہ ہوگی اور وہ (جو سرکار

اٰیات متعددۃ قلائل، فالعلم بالمراد یستنبط بأمارات و دلائل، والحکمۃ فیہ ان اللہ تعالٰی اراد ان یتفکر عبادہ فی کتابہ، فلم یامر نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالتنصیص علی المراد فی جمیع اٰیاتہ[1] اھ۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا گیا) چند گنتی کی آیتوں کے ماسوا میں متعذر ہے تو مرادِ الٰہی کا علم اَمارات و دلائل سے مستخرج ہوتا ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے چاہا کہ اس کے بندے اس کی کتاب میں غور وفکر کریں لہذا اپنے نبی (صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو اپنی تمام آیات کی مراد واضح طور پر بتانے کا حکم نہ دیا اھ۔

وقال الامام الزرکشی فی البرھان للناظر فی القراٰن لطلب التفسیر ماٰخذ کثیرۃ أمھاتھا اربعۃ الاول النقل عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھذا ھو الطراز الاول لکن یجب الحذر من الضعیف فیہ والموضوع فانہ کثیر[2] الخ۔ قال الامام السیوطی الذی صح من ذٰلک قلیل جدا بل اصل الموضوع منہ فی غایۃ القلۃ، وکذٰلک الماثور عن الصحابۃ الکرام و التابعین لھم باحسان قلائل لطفۃ الطوامیر الکبر والاقاویل الذاھبۃ شذر مذر فیھا لاخبر ولا اثر وانما حدثت بعدھم لما کثرت الاٰراء و تجاذبت الاھواء قام کل لغوی و نحوی و بیانی و کل من لہ

اور امام زرکشی نے برہان میں فرمایا جو شخص قرآن میں تفسیر کے حصول کیلئے نظر کرتا ہے اس کے لئے بہت سے مراجع ہیں جن کے اصول چار ہیں، اول وہ تفسیر جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہو اور یہی پہلا نمایاں طریقہ ہے لیکن اس میں ضعیف وموضوع سے احتراز واجب ہے اس لئے کہ وہ (ضعیف وموضوع) زیادہ ہے الخ۔ اور اسی طرح وہ تفسیر جو صحابہ کرام اور ان کے تابعینِ نیکوکار سے منقول ہے وہ ان بڑے طوماروں اور ان اقوال کے مقابل کم ہیں جو مختلف راہوں میں چلے گئے اور ان کے لئے کوئی حدیث یا صحابی وتابعی کا قول نہیں، یہ اقوال تو صحابہ وتابعین کے بعد ظاہر ہوئے۔ جب خیالات بسیار ہوئے اور مذاہب میں

---

[1] الاتقان بحوالہ الجوینی فصل الحاجۃ الی التفسیر دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[2] البرہان فی علوم القرآن فصل فی امہات ماٰخذ التفسیر للناظر فی القرآن دارالفکر بیروت ۲/ ۱۵۶

ممارسة بشیٔ من انواع علوم القراٰن یفسر الکلام العزیز بما سمح بہ فکرہ وادی الیہ نظرہ ثم جاء الناس مھرعین وبجمع الاقوال مولعین فنقلوا ما وجدوا وقلیلا ما نقدوا فعن ھذا جاءت کثرۃ الاقاویل اختلاط الصواب بالأباطیل۔

وذکر ابن تیمیۃ کما نقلہ الامام السیوطی قائلا انہ نفیس جدا لذلک وجہین احدھما قوم اعتقدوا معانی، ثم ارادوا حمل الفاظ القراٰن علیھا۔ والثانی قوم فسروا القراٰن بمجرد ما یسوغ ان یریدہ من کان من الناطقین بلغۃ العرب من غیر نظر الی المتکلم بالقراٰن والمنزل علیہ والمخاطب بہ، فالاولون راعوا المعنی الذی راٰوہ من غیر نظر الی ما یستحقہ الفاظ القراٰن من الدلالۃ والبیان۔ والاٰخرون راعوا مجرد اللفظ وما یجوز ان یرید بہ العربی من غیر نظر الی ما یصلح للمتکلم وسیاق الکلام۔

کشاکش ہُوئی تو ہر لغوی ہر نحوی اور ہر عالمِ بلاغت اور ہر وہ شخص جسے علوم قرآن کی قسموں سے کسی قسم کے علم کی ممارست تھی اس کلام سے کلام عزیز کی تفسیر کرنے لگا جو اس کی سمجھ تک تھا اور جس کی طرف اس کی نظر پہنچی۔ پھر لوگ رواں دواں اقوال کو جمع کرنے کے شائق ہوئے تو جو انھوں نے پایا اُسے نقل کردیا اور تحقیق کم کی تو اسی سے اقوال کی کثرت اور حق کی ناحق سے آمیزش آئی۔

اور ابن تیمیہ نے جیسا کہ امام سیوطی نے اس کا کلام یہ کہہ کر نقل کیا کہ وہ بہت نفیس ہے اس کی دو وجہیں ذکر کیں، پہلی وجہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کچھ معانی کو عقیدہ ٹھہرالیا، پھر انھوں نے قرآن کے الفاظ کو ان پر رکھنا چاہا۔ اور دوسری وجہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے قرآن کی تفسیر محض ان الفاظ سے کی جو کسی عربی زبان بولنے والے کی مراد ہوسکتے ہیں اُنھوں نے قرآن کے متکلم (باری تعالٰی) اور جس پر اُترا اور جو اس کا مخاطب ہے کی طرف نظر نہ کی تو پہلی جماعت نے تو اس معنی کی رعایت کی جو ان کا عقیدہ تھا، انھوں نے قرآن کے الفاظ کی دلالت اور بیان جس کے وُہ الفاظ سزاوار ہیں کو نظرانداز کردیا۔ اور دوسروں نے صرف لفظ اور جو عربی کی مراد ہوسکتا ہے اس کا لحاظ کیا قطع نظر اس سے کہ متکلم کے شایان کیا ہے اور سیاق کلام کیا ہے۔

ثم ھٰؤلاء کثیرًا مایغلطون فی احتمال اللفظ لذلك المعنی فی اللغۃ کما یغلط فی ذٰلك الذین قبلھم کما ان الاولین کثیرا ما یغلطون فی صحۃ المعنی الذی فسروا بہ القراٰن کما یغلط فی ذٰلك الاٰخرون وان کان نظر الاولین الی المعنی اسبق ونظر الاٰخرین الی اللفظ اسبق، والاولون صنفان تارۃ یسلبون لفظ القراٰن ما دل علیہ واریدبہ وتارۃ یحملونہ علی مالم یدل علیہ ولم یرد بہ، وفی کلا الامرین قد یکون ما قصدوا نفیہ او اثباتہ من المعنی باطلا فیکون خطأھم فی الدلیل والمدلول وقد یکون حقا فیکون خطأھم فیہ فی الدلیل لا فی المدلول (الٰی ان قال) وفی الجملۃ من عدل عن مذاھب الصحابۃ والتابعین وتفسیرھم الٰی مایخالف ذٰلك کان مخطئا فی ذٰلك بل مبتدعا لانھم کانوا اعلم بتفسیرہ ومعانیہ کما انھم اعلم بالحق الذی بعث اللہ بہ رسولہ[1] اھ ملخصًا۔

پھر یہ لوگ بسا اوقات لغت کے اعتبار سے لفظ کے اس معنی کو (جو انھوں نے مراد لئے) محتمل ہونے میں خطا کرتے ہیں جیسا کہ ان کے پہلے والے بھی یہی غلطی کرتے ہیں جس طرح یہ اگلے اسی معنی کی صحت میں غلطی کرتے ہیں جس سے انھوں نے قرآن کی تفسیر کی جیسا کہ دوسرے لوگ یہی خطا کرتے ہیں اگرچہ پہلے والوں کی نظر معنی کی طرف پہلے پہنچتی ہے اور دوسروں کی نظر لفظ کی طرف سبقت کرتی ہے، اور پہلی جماعت دو صنف ہے کبھی تو لفظِ قرآن سے اس کا مدلول و مراد چھین لیتے ہیں اور کبھی لفظ کو اس پر رکھتے ہیں جو اس کا معنی و مطلب نہیں اور دونوں باتوں میں کبھی وہ معنی جس کی نفی اثبات ان کا مقصود ہوتی ہے باطل ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ و معنی دونوں میں ہوتی ہے اور کبھی حق ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ میں ہوتی ہے نہ کہ معنی میں۔ (ابن تیمیہ نے یہاں تک کہا) مختصر یہ کہ جو صحابہ و تابعین اور ان کی تفسیر سے پھر کر ان کا خلاف اختیار کرے گا وہ اس میں بر سرِ خطا ہوگا بلکہ بدمذہب ہوگا اس لئے کہ صحابہ و تابعین کو قرآن کی تفسیر اس کے مطالب کا علم سب سے زیادہ تھا، جس طرح انھیں اس حق کی جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا خبر سب سے زیادہ تھی اھ ملخصًا۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۱ و ۴۴۲

ولذا قال الامام ابو طالب طبری فی اوائل تفسیرہ فی القول فی آداب المفسر، ویجب ان یکون اعتمادہ علی النقل عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعن اصحابہ ومن عاصرھم ویتجنب المحدثات[1] الخ۔ وقال ابن تیمۃ ایضا کان النزاع بین الصحابۃ فی تفسیر القرآن قلیلاً جدا وھو (و)ان کان بین التابعین اکثر منہ بین الصحابۃ فھو قلیل بالنسبۃ الی مابعدھم[2] الخ۔ وقال السیوطی بعد ما ذکر تفاسیر القدماء " ثم الف فی التفسیر خلائق فاختصروا الاسانید ونقلوا الاقوال بترا فدخل من ھنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل، ثم صار کل من یسنح لہ قول یوردہ، ومن یخطر ببالہ شیئ یعتمدہ، ثم ینقل ذلک عنہ من یجیئ بعدہ ظانا ان لہ اصلاً غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح ومن یرجع الیھم فی التفسیر حتی رأیت

اور اسی لئے امام ابو طالب طبری نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں آداب مفسر کے بیان میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ مفسر کا اعتماد اس پر ہو جو نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے منقول ہے اور نئی باتوں سے بچے۔ نیز ابن تیمیہ کا قول ہے صحابہ کے درمیان قرآن کی تفسیر میں بہت کم اختلاف تھا اور تابعین میں اگرچہ اختلاف صحابہ سے زیادہ ہوا مگر ان کے بعد والوں کی بہ نسبت تھوڑا تھا، اور سیوطی علیہ الرحمہ نے قدماء کی تفسیروں کا ذکر فرما کے فرمایا: "پھر تفسیر میں بہت لوگوں نے کتابیں تصنیف کیں تو انھوں نے سندوں کو مختصر کر دیا اور ناتمام اقوال نقل کئے تو اس وجہ سے دخیل گھسا اور صحیح و غیر صحیح مخلوط ہو گئے پھر ہر شخص جس کے دل میں کوئی بات آئی اس کو ذکر کرنے لگا۔ اور جس کے فکر میں جو خطرہ گزرا وہ اس پر اعتماد کرنے لگا۔ پھر اس کے بعد جو آتا رہا وہ اس کے یہ خیالات نقل کرتا رہا اس گمان میں کہ اس کی کوئی اصل ہے، سلف صالحین اور ان لوگوں سے جو تفسیر میں مرجع ہیں اور جو وارد ہوا اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ کی یہاں تک کہ میں نے

ع سقطت ھذہ الواؤ من قلم الناسخ وزدناھا فی القوسین بعد ما رأینا الاتقان فوجدناھا فیہ۔ الازہری غفرلہ

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۳۵

[2] " " " " بحوالہ ابن تیمیہ " " " " ۲/۴۳۷

من حکی فی تفسیر قولہ تعالٰی "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" نحو عشرۃ اقوال، وتفسیرھا بالیھود والنصارٰی ھو الوارد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وجمیع الصحابۃ والتابعین واتباعھم حتی قال ابن ابی حاتم لا اعلم فی ذلک اختلافا بین المفسرین[1] (الٰی ان قال) فان قلت فای التفاسیر ترشد الیہ وتأمر الناظر ان یعول علیہ۔

ایسے شخص کو دیکھا جس نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر میں تقریباً دس قول نقل کئے حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے یہی منقول ہے کہ اس سے یہود ونصارٰی مراد ہیں یہاں تک کہ ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ مجھے مفسرین کے درمیان اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں (یہاں تک انھوں نے کہا) اب اگر تم کہو تو کون سی تفسیر کی طرف آپ رہنمائی فرماتے ہیں اور ناظر کو کس پر اعتماد کا حکم دیتے ہیں۔

قلت تفسیر الامام ابی جعفر بن جریر الطبری الذی اجمع العلماء المعتبرون علی انہ لم یؤلف فی التفسیر مثلہ[2] الخ

میں کہوں گا "تفسیر امام ابوجعفر بن جریر طبری کی تفسیر معتمد علماء نے جس کے لئے بالاتفاق فرمایا کہ تفسیر میں اس جیسی کوئی تالیف نہیں ہوئی الخ"

وفی المقاصد والبرھان والاتقان وغیرھا عن الامام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ثلثۃ لیس لھا اصل المغازی والملاحم والتفسیر[3] اھ۔

اور مقاصد، برہان اور اتقان وغیرہ میں امام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا: تین کتابوں کی کوئی اصل نہیں، کتب سیر وغزوات وتفسیر اھ۔

قلت وھذا ان لم یکن جاریا علٰی اطلاقہ لما یشھد بہ الواقع الا انہ

میں کہتا ہوں اگرچہ یہ بات اپنے اطلاق پر جاری نہیں جیسا کہ واقعہ اس کا گواہ ہے مگر یہ بات

عـہ لعلہ کما۔ الازہری غفرلہ

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۴ و ۴۷۵
[2] " " " " " " " " ۲/ ۴۷۶
[3] " " النوع الثامن والسبعون " " " ۲/ ۴۴۰

لم یقله مالم یر الخلط غالبا علیہا کما لایخفی وھذا فی زمانہ فکیف بما بعدہ وفی مجمع بحار الانوار عن رسالۃ ابن تیمیۃ "وفی التفسیر من ھذہ الموضوعات کثیرۃ کما یرویہ الثعلبی والواحدی والزمخشری فی فضل السور، والثعلبی فی نفسہ کان ذاخیر ودین لکن کان حاطب لیل ینقل ماوجد فی کتب التفسیر من صحیح وضعیف وموضوع والواحدی صاحبہ کان ابصر منہ بالعربیۃ لکن ھو ابعد عن اتباع السلف، والبغوی تفسیرہ مختصر من الثعلبی لکن صان تفسیرہ عن الموضوع والبدع اھ[1] وفیہ عن جامع البیان لمعین بن صیفی قد یذکر محی السنۃ البغوی فی تفسیرہ من المعانی والحکایات ما اتفقت کلمۃ المتاخرین علی ضعفہ بل علی وضعہ اھ[2] وفیہ عن الامام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ انہ قال فی تفسیر الکلبی

یقینی ہے کہ امام احمد نے یہ بات نہ کہی جب تک ان کتابوں میں صحیح وسقیم کے خلط کا غلبہ نہ دیکھ لیا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ ان کے زمانہ میں تھا توان کے بعد کیسی حالت ہوئی ہوگی ۔ اور مجمع بحار الانوار میں رسالہ ابن تیمیہ سے منقول ہے اور تفسیر میں ان موضوعات سے بہت ہے جیسے وہ حدیثیں جو ثعلبی اور واحدی اور زمخشری سورتوں کی فضیلت میں روایت کرتے ہیں اور ثعلبی اپنی صفات میں صاحبِ خیر و دیانت تھے، لیکن رات کے لکڑہارے کی طرح تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں صحیح، ضعیف، موضوع جو کچھ پاتے نقل کردیتے تھے، اور ان کے ساتھی واحدی کو عربیت میں ان سے زیادہ بصیرت تھی لیکن وہ سلف کی پیروی سے بہت دُور تھا، اور بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تلخیص ہے، لیکن اُنھوں نے اپنی تفسیر کو موضوعات اور بدعتوں سے بچایا ہے اور اسی میں جامع البیان مصنفہ معین بن صیفی سے ہے "کبھی محی السنۃ بغوی اپنی تفسیر میں وہ مطالب و حکایات ذکر کرتے ہیں جسے متاخرین نے یک زبان ضعیف بلکہ موضوع کہا ہے ۔ اور اسی میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے کہ انھوں نے فرمایا: تفسیر کلبی میں شروع سے

---

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین لبعض الوضاع وکتبھم مکتبہ دارالایمان مدینۃ المنورۃ ۵/ ۲۳۱

[2] " " " " " " " " " " " " " " " " "

من اوله الى اٰخره کذب لا یحل النظر فیها[1] اھ۔

آخر تک جھوٹ ہے اس کا مطالعہ حلال نہیں اھ۔

وقد عد الخلیلی فی الارشاد اجزاء قلائل من التفسیر صحت اسانیدها وغالبها بل کلها لا توجد الاٰن اللّٰهم الا نقول عنها فی اسفار المتاخرین" قال وهذه التفاسیر الطوال التی اسندوها الی ابن عباس غیر مرضیة ورواتها مجاهیل کتفسیر جویبر عن الضحاك عن ابن عباس[2] الخ وقال فاما ابن جریج فانه لم یقصد الصحة وانما روی ما ذکر فی کل اٰیة من الصحیح والسقیم، وتفسیر مقاتل بن سلیمان فمقاتل فی نفسه ضعفوه وقد ادرك الکبار من التابعین والشافعی اشار الی ان تفسیره صالح[3] اھ قال المولی السیوطی قدس اللّٰه سره واوهی طرقه (یعنی تفسیر ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما) طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس فان انضم الی ذلك روایة محمد بن مروان السدی

اور بیشک خلیلی نے ارشاد میں تھوڑے تفسیر کے جُز ایسے شمار کئے جن کی سندیں صحیح ہیں اور ان کا اکثر بلکہ وہ سب اب نہیں ملتا۔ الٰہی! تیری مدد ہو، مگر چند نقول ان کی متاخرین کی کتابوں میں ہیں، ابن تیمیہ نے کہا اور یہ لمبی تفسیریں جن کی نسبت لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کی ہے ناپسندیدہ ہیں اور اس کے راوی مجہول ہیں جیسے تفسیر جویبر بروایت ضحاک عن ابن عباس الخ۔ اور کہا رہے ابن جریج تو انھوں نے صحیح روایتوں کا قصد نہ کیا اُنھوں نے ہر آیت کی تفسیر میں جو کچھ صحیح وسقیم مذکور ہوا روایت کردیا۔ اور مقاتل بن سلیمان کو علماء نے فی نفسہٖ ضعیف بتایا حالانکہ اُنھوں نے اکابر تابعین سے اور امام شافعی سے ملاقات کی یہ اشارہ ہے کہ ان کی تفسیر لائق قبول ہے اھ امام سیوطی قدس سرہٗ نے فرمایا اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سب سے کمزور سند کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس ہے پھر اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان سدی صغیر کی روایت مل جائے

---

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبهم مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۵/ ۲۳۰

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ الخلیلی النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۰

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۴۷۱

الصغیر فھی سلسلة الکذب وکثیرا ما یخرج منہا الثعلبی والواحدی. ولکن قال ابن عدی فی الکامل للکلبی احادیث صالحة وخاصة عن ابی صالح وھو معروف بالتفسیر ولیس لاحد تفسیر اطول منہ ولا اشبع، وبعدہ مقاتل بن سلیمان الا ان الکلبی یفضل علیہ لما فی مقاتل من المذاھب الردیئة وطریق الضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان الضحاک لم یلقہ فان انضم الی ذلک روایة بشر بن عمارة عن ابی روق عنہ فضعیفة لضعف بشر، وقد اخرج من ھذہ النسخة کثیرا ابن جریر وابن ابی حاتم، وان کان من روایة جویبر عن الضحاک فاشد ضعفا لان جویبرا شدید الضعف متروک[1] الخ قال ورأیت عن فضائل الامام الشافعی لابی عبداللہ محمد بن احمد بن شاکر القطان انہ اخرج بسندہ من طریق بن عبدالحکم قال سمعت الشافعی یقول لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الاشبیہ

تو یہ جھوٹ کا سلسلہ ہے، اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ثعالبی اور واحدی اس سلسلہ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن ابن عدی نے کامل میں فرمایا کلبی کی احادیث قابل قبول ہیں اور خصوصاً ابوصالح کی روایت سے اور وُہ تفسیر کے سبب معروف ہیں اور کسی کی تفسیر ان سے زیادہ طویل اور بھرپور نہیں، اور ان کے بعد مقاتل بن سلیمان ہیں، مگر کلبی کو ان پر اس لئے فضیلت ہے کہ مقاتل کے یہاں ردّی خیالات ہیں؛ اور سند ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطع ہے اس لئے کہ ضحاک نے ابن عباس سے ملاقات نہ کی پھر اگر اس کے ساتھ روایت بشر بن عمارہ عن ابی روق مل جائے تو بوجہ ضعفِ بشر ضعیف ہے، اس نسخہ سے بہت حدیثیں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے تخریج کیں اور اگر جویبر کی کوئی روایت ضحاک سے ہو تو سخت ضعیف ہے اس لئے کہ جویبر شدید الضعف متروک ہے، انھوں نے کہا اور میں نے فضائل امام شافعی مصنفہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن شاکر قطان میں دیکھا کہ انھوں نے اپنی سند بطریق ابن عبدالحکم روایت کیا کہ ابن عبدالحکم نے فرمایا میں نے امام شافعی کو فرماتے سُنا کہ ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تفسیر میں تقریباً سو حدیثیں

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۱ و ۴۷۲

بمانۃ حدیث۔[1]

قلت وھذہ معالم التنزیل للامام البغوی مع سلامۃ حالہا بالنسبۃ الٰی کثیر من التفاسیر المتداولۃ ودنوھا الی المشرع الحدیثی یحتوی علی قناطیر مقنطرۃ من الضعاف والشواذ والواھیات المنکرۃ وکثیرا ماتدور اسانیدھا علٰی ھٰؤلاء المذکورین بالضعف والجرح کالثعلبی والواحدی والکلبی والسدی ومقاتل وغیرھم ممن قصصنا علیك اولم نقصص فما ظنك بالذین لااعتناء لھم بعلم الحدیث ولااقتدار علٰی نقد الطیب من الخبیث کالقاضی البیضاوی وغیرہ ممن یحذو حذوہ، فلا تسئل عما عندھم من اباطیل لازمام لہا ولاخطام دع عنك ھذا یالیتھم اقتصروا علٰی ذٰلك لکن بعضھم تعدوا ماھنالك وسلکوا مسالك تجر الٰی مہالك فادلجوا فی تفسیر القراٰن ما تقف لہ الشعر وتنکرہ القلوب وتمجہ الاذان اذ قرن واقتصر الانبیاء الکرام والملٰئکۃ العظام علیھم الصلوۃ والسلام

ثابت ہیں۔

میں کہوں گا اور یہ معالم التنزیل ہے جو امام بغوی کی تصنیف ہے، باوصف یہ کہ بہت سی رائج تفسیروں کے مقابل غلطیوں سے محفوظ ہے اور طرز حدیث سے قریب ہے، بہت ضعیف و شاذ اور واہی منکر روایتوں پر مشتمل ہے اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ اس کی روایت کی سندیں ان پر دورہ کرتی ہیں جن کا نام ضعف وجرح کے ساتھ لیا جاتا ہے جیسے ثعلبی، واحدی، کلبی، سدی اور مقاتل وغیرہم جن کا ہم نے تم سے بیان کیا اور جن کا بیان نہ کیا تو تمہارا گمان انکے ساتھ کیسا ہے جنھیں علم حدیث کا اہتمام نہیں اور ستھرے کو میلے سے الگ کرنے کی قدرت نہیں جیسے قاضی بیضاوی اور ان کے علاوہ جو بیضاوی کے طریقہ پر چلتے ہیں، تو ان کے پاس ان باطل اقوال کا حال نہ پوچھو جن کے لئے نہ لگام ہے نہ بندش کی رسّی، اس خیال کو اپنے سے دور رہنے دو، کاش یہ لوگ اسی پر بس کرتے، مگر ان میں سے کچھ لوگ اس سے آگے بڑھے اور ایسے رستے چلے جو ہلاکتوں کی طرف کھینچ کرلے جائیں تو انھوں نے قرآن کی تفسیر میں ایسی باتیں داخل کردیں جن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل انھیں ناپسند کرتے اور کان انھیں پھینکے ہیں اس لئے

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۷۲

بما ينقض عصمتهم وينقص او يزيل
عن قلوب الجهال عظمتهم كما
يظهر على ذلك من راجع قصة آدم
وحواء وداؤد واوريا وسليمان
والجسد الملقى والالقاء فى الامنية
والغرانقة العلى وهاروت و
ماروت وما ببابل جرى
فبالله التعوذ واليه المشتكى
فاصابهم فى ذلك ما
اصاب اهل السير والملاحم
فى نقل مشاجرات الصحابة، اذ جاء
كثير منها مناقضا للدين
وموهنا لليقين وازداد خنا
على وخن وهنات على
هنات ان اطلع على
كلامهم بعض من ليس
عنده آثارة من علم
ولا متانة من حلم فضل و
وأضل اما اغترارًا بكلماتهم
جهلا منه بما فيه من
الوبال البعيد والنكال الشديد
واما ظلمًا وعلوًّا لاجترائه بذلك
على ابانة ما فى قلبه المرض
من تنقيص الانبياء وتفسيق الاولياء
فمضى عليه الكبير ونشاء عليه الصغير

انبیاء کرام وملائکہ عظام کے قصوں میں ایسی باتوں
کو مقرر رکھا جن سے اس کی عصمت نہیں رہتی
اور جاہلوں کے دل میں ان کی عظمت کم ہوجاتی
ہے یا زائل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات آدم و
حوا و داؤد و اوریا اور سلیمان اور ان کی کرسی
پر پڑے ہوئے جسم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی تلاوت کے دوران شیطان کے القا اور
غرانیق علٰی کے واقعات اور ہاروت وماروت
اور بابل کا ماجرا کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر
ہے تو اللہ ہی کی پناہ اور اسی سے انکی شکایت
ہے تو ان کو ان باتوں سے وہ مرض لگا جو
مصنفین واقعات سیرت و مغازی کو صحابہ کے
اختلافات کو نقل کرنے سے لگا اس لئے کہ
بہت باتیں دین کے مخالف اور ایمان کو کمزور
کرنے والی ان لوگوں سے ظاہر ہوئیں اور فساد پر
فساد اور خطاؤں پر خطائیں یوں بڑھ گئیں کہ ان
لوگوں کے کلام کی اطلاع کچھ ان لوگوں کو ہوگئی جن
کے پاس نہ کچھ بچا کھچا علم تھا نہ عقل کی پختگی، تو
وہ خود گمراہ ہوئے اور اوروں کو گمراہ کیا یا تو ان
کے کلمات سے دھوکا کھا کر اس کے وبال شدید
وسخت عذاب سے بے خبری میں یا ظلم وسرکشی کی
وجہ سے اس لئے کہ ان باتوں سے انھیں اس
کے اظہار کی جرأت ہوئی جو انبیاء کی تنقیص اور
اولیاء کی تفسیق ان کے دل میں تھی تو اس پر
بڑے گزرے اور چھوٹے پروان چڑھے اور یہ

فاختل دين كثير من الناقصين وصاروا شرًا من العوام العامين اذ لم يقدروا على مطالعتها فنجوا عن فتنتها وقد بذل علماؤنا النصح للثقلين فشددوا النكير على كلا الفريقين اعني التفاسير الواهية والسير الداهية فاعلنوا انكارها وبينوا اعوارها كالقاضي في الشفاء والقاري في الشرح والخفاجي في النسيم والقسطلاني في المواهب والزرقاني في الشرح والشيخ في المدارج وغيرهم في غيرها رحمة الله عليهم اجمعين، والحمد لله رب العالمين، ولقد الان القول ابوحيان اذ قال كما نقل الامام السيوطي ان المفسرين ذكروا ما لا يصح من اسباب نزول واحاديث في الفضائل و حكايات لا تناسب وتواريخ اسرائيلية ولا ينبغي ذكر هذا في علم التفسير[1] انتهى، واعلم ان هناك اقواما يعتريهم نزغة فلسفية لما افنوا عمرهم فيها وظنوها شيئا شهيا فيولعون بابداء احتمالات

عامی لوگوں سے بدتر ہوگئے کہ عامیوں کو ان کتابوں کے مطالعہ کی قدرت نہ تھی تو وہ ان کے فتنہ سے بچے رہے اور بے شک ہمارے علماء نے دونوں فریقوں کو بھرپور نصیحت کی چنانچہ انھوں نے دونوں فریق کی سخت مذمت کی یعنی واہی تفاسیر اور سیرت کی ناپسندیدہ کتابوں کی تو انھوں نے ان کتابوں کا ناپسندیدہ ہونا ظاہر کیا اور ان کا عیب کھولا جیسے علامہ قاضی عیاض نے شفا میں اور علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب میں اور علامہ زرقانی نے اسکی شرح میں اور علامہ قاری نے شرح شفا میں اور شیخ (محقق عبدالحق محدث دہلوی) نے مدارج میں اور دوسروں نے دوسری تصانیف میں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین والحمد للہ رب العلمین، اور یقیناً ابوحیان نے بات کو سہل و نرم کیا کہ انھوں نے کہا جیسا کہ امام سیوطی نے نقل کیا کہ مفسرین نے ایسے اسباب نزول اور فضائل میں وہ حدیثیں ثابت نہیں اور نامناسب حکایات اور تواریخ اسرائیلی کو ذکر کیا ہے حالانکہ اس کا ذکر تفسیر میں مناسب نہیں، اور تم جان لو کہ اس جگہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں فلسفی وسوسے آتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے اپنی عمر اس میں فنا کی اور اسے مرغوب شے گمان کیا تو ان کو دور از کار

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

بعيدة ولو لم يكن فيها حلاوة ولا عليها طلاوة حتى ذكر بعضهم في قوله تعالٰى "وانشق القمر"[1] ماتعلقت به جهلة النصارٰى واٰخرون ممن يتلجلجون في الايمان فيلهجون بكلمة الاسلام وفي قلوبهم من بغض النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم وانكار معجزاته جبال عظام فانا لله وانا اليه راجعون هذا الذي أعيى السيوطي حتى تبرأ عنها كلها واقتصر على الارشاد الٰى تفسير ابن جرير كما مر نقله كما تضجر الذهبي عن خلاعة اكثر السير والتواريخ فعافها عن اٰخرها واطمأن الٰى دلائل البيهقي قائلا انه النور كله وقد دبّت هذه الفتنة الصمّاء والبلية العمياء الٰى كثير من متاخري المتكلمين الذين اشتد عنايتهم بالتفلسف الخبيث ولم يحصلوا بصيرة في صناعة الحديث حتى انهم يذكرون في بعض المسائل فضلا عن الدلائل ماليس من السنة في شيئ واما

احمالوں کو ظاہر کرنے کی لت ہے اگرچہ ان میں شیرینی ہو نہ ان پر رونق ہو، یہاں تک کہ کسی نے قول باری تعالٰی وانشق القمر (اور چاند شق ہوگیا) کی تفسیر میں وہ بات ذکر کی جس سے جاہل نصرانی اور دوسرے وہ لوگ جو ایمان میں ثابت نہیں اس لئے زبان سے کلمۂ اسلام پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عداوت اور ان کے معجزات کے انکار کے بڑے پہاڑ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے) یہی سبب تھا کہ سیوطی اس درجہ عاجز ہوئے کہ تمام تفسیروں سے بیزاری فرمائی اور صرف تفسیر ابن جریر کی طرف رہنمائی پر بس کیا جیسا کہ اس کی حکایت گزری جس طرح ذہبی سیرت اور تاریخ کی اکثر کتابوں کی بے شرمی سے پریشان ہوئے تو انھوں نے اول سے آخر تک سب کو چھوڑا اور دلائل بیہقی پر مطمئن ہوئے اور فرمایا وہ سراسر نور ہے، اور یہ شدید فتنہ اور ہمہ گیر بلا بہت سے متاخر متکلمین کی طرف سرایت کرگئی (جن کی زیادہ توجہ خبیث فلسفہ پر تھی) اور انھوں نے فنِ حدیث میں بصیرت حاصل نہ کی یہاں تک کہ یہ لوگ کچھ مسائل میں چہ جائیکہ دلائل میں وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جو باتیں سنت سے نہیں۔ رہ گیا

---

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

ما بینهم من قیل وقال وکثرۃ السؤال و الشبہ والجدال ع
فکن حذرًا ولا تسئل عن الخبر ودع الی اللہ الشکوٰی۔

فلقد بلغ الامرالی ان الناظر فی تلک الکتب لایکاد یعرف ان ھذا مما جاء بہ ارسطو وافلاطون او ما جاء بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد ثقل صنیعھم ھذا علی العلماء المحتمین للدین ان الامام العامل بعلمہ سیدی الشیخ المحقق لما رأی ذٰلک منھم فی مسئلۃ المعراج لم یتمالک نفسہ ان اغلظ القول فیھم الی سماھم ان سماھم ضالین مضلین ولم یکن بدعًا فی ذٰلک بل سبقہ فی اقامۃ الطامۃ الکبرٰی علیھم ائمہ تشار الیھم بالبنان وتقوم بھم ارکان الایمان کما فصلہ الملا علی القاری فی شرح الفقہ الاکبر ان شئت فطالعہ فانک اذا رأیت ثم رأیت عجبا کبیرًا ومن ھذا القبیل ما ذکرہ بعضھم فی مشاجرات الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم اذ نسب القول بتفسیق کثیر منھم حتی بعض العشرۃ المبشرۃ ایضًا

35

جو کچھ ان کے درمیان قیل وقال اور کثرتِ سوال و شبہات وجدال ہیں۔
ان سے بہت ڈرتے رہو اور ان کی حالت نہ پوچھو آہ اللہ ہی سے فریاد ہے۔

اس لئے کہ نوبت یہاں پہنچی کہ ان کتابوں کو دیکھنے والا یہ جانتا ہوا نہیں لگتا ہے کہ یہ بات ارسطو اور افلاطون لائے یا یہ وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم لائے اور ان کا یہ معاملہ دین کے لئے حمیت والے علماء پر شاق گزرا یہاں تک کہ امام عالم باعمل سیدی شیخ محقق (عبدالحق محدث دہلوی) نے مسئلہ معراج میں جب ان کی یہ روش دیکھی تو انھیں اپنے اوپر قابو نہ رہا انھوں نے ان لوگوں کے بابت سخت کلام فرمایا یہاں تک کہ انھیں گمراہ و گمراہ گر کا نام دیا اور اس میں وہ نت نئے نہیں بلکہ ان سے پہلے ان پر قیامت کبرٰی ان پیشواؤں نے قائم کی جن کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اور جن سے ایمان کے ستون قائم ہیں جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس کو مفصل بیان فرمایا ہے تم چاہو تو اس کا مطالعہ کرو اس لئے کہ جب تم اس مقام کو دیکھو گے تو بڑی عجیب بات دیکھو گے، اور اسی قبیل سے وہ ہے جو بعض لوگوں نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے بہت صحابہ کے یہاں تک کہ دس صحابہ فرّدہ یافتگان

الی کثیرمن اهل السنة والجماعة
وهم والله ما قالوا ولا اذنوا
فالحق ان الدین لایقوم الا
بالحدیث والحدیث مضلة الا
للفقیه والفقه لایحصل باتباع
الشبه وتحکیم العقل السفیه نجانا
الله والمسلمین عن شر الجهل و
شر العلم فان شر العلم
ادهٰی وأمرّ ولاحول ولا قوة الا
بالله العزیز الحکیم وانما اطبنا
الکلام فی هذا المقام حوطًا
علی السنن وکراهة للفتن
ان تروج علی المؤمنین اوترعرع الی الدین
فیفسد الیقین الا فعض علیه بالنواجذ
فالنصیح غیر مفتون و
ایاك ان تخالفه وان
افتاك المفتون۔

جنت میں سے کچھ کے فسق کا قول بہت سُنّی علماء
کی طرف منسوب کردیا حالانکہ انھوں نے قطعاً خدا کی قسم
یہ بات نہ کہی نہ کسی کے لئے روا رکھی تو حق یہ ہے
کہ دین کا نظام تو حدیث سے ہے اور حدیث
سے فقیہ کے سوا سب کو گمراہی کا اندیشہ ہے
اور فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو
حاکم بناکر حاصل نہیں ہوتا اللہ تعالٰی ہمیں
اور سب مسلمانوں کو جہل کی شر اور علم کی شر
سے بچائے اس لئے کہ علم کی شر بہت سخت
اور بہت تلخ ہے اور برائی سے پھرنا اور نیکی کی
قدرت اللہ ہی سے ہے جو غلبے والا حکمت
والا ہے اور ہم نے اس مقام میں کلام طویل
سنّت کی حفاظت کے لئے اور اس بات کی
کراہیت کے سبب کیا کہ فتنے مسلمانوں میں
رواج پائیں یا دین کی طرف چلے آئیں تو ایمان
بگڑ جائے، سُنتا ہے تو اس کو مضبوطی سے
پکڑ لو کہ نصیحت کرنے والا گمراہ نہیں ہوتا، اور
خبردار اس کی مخالفت نہ کرنا اگرچہ فتوٰی دینے
والے فتوٰی دیں۔

ایقاظمهم اعیذك بالله
ان یستفزك الوهم عن الذی
القینا علیك فتفتری
علینا غیره او یوسوسك
قلة الفهم انا لا نکترث
للتفسیر ولا نلقی له

ضروری تنبیہ: میں تمھیں اللہ
کی پناہ میں دیتا ہوں اس بات سے کہ تمھیں
وہم اس بات سے ڈگمگا دے جو ہم نے
تم پر القا کیا، تو تم ہم پر اس سے جدا
بات کا بہتان باندھو یا فہم کی کمی یہ وسوسہ
ڈالے کہ ہم تفسیر کی پرواہ نہیں کرتے اور

بالأولا نسلوله خيره وانما المعنى أن غالب الزبر المتداولة لا تسلم من الدخيل وتجمع من الاقوال كل صحيح و عليل فمجرد حكايتها لا يوجب التسليم ولا يصد الناقد عن نقد السقيم فما هي عندنا أسوء حالا من اكثر كتب الاحاديث اذ نعاملها مرة بالترك ومرة بالاحتجاج لما نعلم انها ترد كل مورد فتحمل تارة عذبا فراتا وتاتى مرة بملح اجاج، وبالجملة فالامر يدور على نظافة الحديث سندا ومتنا فاينما وجدنا الرطب اجتنيناه وان كان فى منابت الحنظل وحيثما رأينا الحنظل اجتنبناه وان نبت فى مسيل العسل۔

ولقد علمت أن اكثر هذا الداء العضال انما دخل التفاسير من باب الاعضال وفى امثال تلك المحال اذا لم يعرف السند يؤل الامر الى نقد المقال فما كان منها يناضل النصوص ويرد المنصوص اوفيه ازراء بالرسل والانبياء اوغير ذٰلك مما لا يحتمل علمنا انه قول مغسول

اس کا ہمیں کوئی خیال نہیں اور ہم اس کی اچھی بات بھی نہیں مانتے، مقصد صرف اتنا ہے کہ اکثر کتب متداولہ دخیل سے محفوظ نہیں اور وہ ہر صحیح وسقیم قول کو اکٹھا کرتی ہیں تو ان کتابوں میں کسی قول کی مجرد حکایت اس کو مان لینا واجب نہیں کرتی اور پرکھنے والوں کو کھوٹے کی پرکھ سے نہیں روکتی تو یہ ان کتابوں کا حال ہمارے نزدیک حدیث کی اکثر کتابوں سے زیادہ بُرا نہیں اس لئے کہ ہم ان کے ساتھ کبھی کسی قول کو چھوڑنے اور کبھی کسی کو حجت بنانے کا معاملہ کرتے ہیں یوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ہر گھاٹ پر اترتی ہیں تو کبھی میٹھا پانی اٹھا لیتی ہیں اور کبھی سخت کھاری پانی جس سے منہ جل جائے لاتی ہیں، بالجملہ مدار کار حدیث کی نظافت (پاکیزگی) سند و متن کے لحاظ سے ہے تو جہاں کہیں ہم میٹھا پھل پائیں گے اسے چُن لیں گے اگرچہ وہ کسی خراب جگہ اگا ہو اور جہاں کہیں کڑوا پھل دیکھیں گے تو اس کو چھوڑ دیں گے اگرچہ شہد کی نہر میں اگا ہو۔

اور یقیناً تمھیں معلوم ہے کہ اس لاعلاج مرض کا بیشتر حصہ تفاسیر میں جہالت سند کے دروازہ سے گھسا اور ایسے مقامات میں جب سند معروف نہ ہو مآل کار بات کو پرکھنا ہے تو جو بات نصوص سے ٹکراتی اور منصوص کو رَد کرتی ہو یا اس میں رُسل و انبیاء کی تنقیص ہو یا اور کوئی بات جو قابلِ قبول نہ ہو ہم جان لیں گے کہ یہ قول دھو دینے کے قابل ہے اور اگر

وان کان بریئا من الاٰفات نقیا من العاھات قبلناہ علی تفاوت عظیم بین قبول وقبول ولیس ھذا من باب ما نھینا عنہ من الاجتراء علی التفسیر بالاٰراء ومعاذ اللہ ان نجترئ علیہ فان علم التفسیر اشد عسیر و یحتاج فیہ الی ما لیس بحاصل ولا میسر کما قد فصل بعضہ العلامۃ السیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وکذٰلک اذا اتانا منھا ما فیہ العدول عن ظاھر المدلول وصح ذٰلک عمن لا یسعنا خلافہ اوکانت ھناك خلۃ لاتنسد الا بہ تعین القبول والا فدلالۃ کلام اللہ تبارك وتعالٰی احق بالتعویل من قال وقیل ھذا الذی قصد فلا تنقص ولا تزد۔

اور اگر خرابیوں سے بری، علتوں سے پاک ہو ہم اسے قبول کرلیں گے باوجودیکہ اسے قبول کرنے اور دوسرے قول کو قبول کرنے میں عظیم تفاوت ہے اور یہ تفسیر بالرائے کے باب سے نہیں ہے جس سے ہمیں روکا گیا، اور اللہ کی پناہ اس سے کہ ہم اس پر جرأت کریں اس لئے کہ علم تفسیر سخت دشوار ہے اور اس میں اس کی حاجت ہے جو ہمیں حاصل نہیں اور نہ اس کا حاصل ہونا آسان ہے جیسا کہ ان علوم ضروریہ میں سے بعض کی تفصیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمائی ہے اور یونہی جب ہمیں ان میں کوئی قول ایسا پہنچے جس میں ظاہر معنٰی سے عدول ہو اور وہ اس سے ثابت ہو جس کا خلاف ہمیں نہیں پہنچتا یا کوئی حاجت ہو جو ظاہر سے عدول کے بغیر پوری نہ ہو تو اسے قبول کرنا متعین ہے ورنہ کلام الٰہی کی دلالت قیل و قال سے اعتماد کی زیادہ حقدار ہے یہی ہمارا مقصود ہے تو اس سے نہ کم کرو نہ زیادہ۔

قال الامام السیوطی[1] قال بعضھم فی جواز تفسیر القراٰن بمقتضی اللغۃ روایتان عن احمد وقیل الکراھۃ تحمل علی صرف الاٰیۃ عن ظاھرھا الی معان خارجۃ محتملۃ یدل علیھا القلیل من کلام العرب ولا یوجد غالبا الا فی الشعر ونحوہ ویکون المتبادر خلافھا اھ۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا بعض علماء نے فرمایا کہ مقتضائے لغت کے مطابق قرآن کی تفسیر کے جواز میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں اور کچھ کا قول یہ ہے کہ کراہت اس پر محمول ہے کہ آیت کو اس کے ظاہری معنٰی سے پھیر کر ایسے معانی خارجہ محتملہ پر محمول کرے جن پر قلیل کلام عرب دلالت کرتا ہو اور وہ غالبًا اور اس کے مثل کلام کے سوا عام بول چال میں نہ پائے جائیں اور ذہن کا تبادر اس کے خلاف ہو اھ۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۴۴

وقال عن برهان الزرکشی "کل لفظ احتمل معنیین فصاعداً فھو الذی لایجوز لغیر العلماء الاجتھاد فیہ، وعلیھم اعتماد الشواھد والدلائل دون مجرد الرأی، فان کان احد المعنیین اظھر وجب الحمل علیہ الا ان یقوم دلیل علی ان المراد ھو الخفی[1] اھ۔

اور سیوطی نے برہان سے حکایت کیا، ہر وہ لفظ جو دو یا دو سے زائد معنی کا احتمال رکھے اس میں تو غیر علماء کو اجتہاد جائز نہیں اور علماء کو لازم ہے کہ وہ شواہد و دلائل پر بھروسہ کریں نہ کہ محض رائے پر، تو اگر دو معنی میں سے ایک ظاہر تر ہے تو اسی پر محمول کرنا واجب ہے مگر یہ کہ دلیل قائم ہو کہ مراد خفی ہی ہے اھ۔

وقال "قال العلماء یجب علی المفسر أن یتحری فی التفسیر مطابقۃ المفسر وأن یتحرز فی ذلک من نقص عما یحتاج الیہ فی ایضاح المعنی أو زیادۃ لاتلیق بالغرض ومن کون المفسر فیہ زیغ عن المعنی وعدول عن طریقہ وعلیہ بمراعاۃ المعنی الحقیقی والمجازی، ومراعاۃ التالیف والغرض الذی سیق لہ الکلام[2] الخ۔

اور فرمایا: علماء کا قول ہے کہ مفسر پر واجب ہے کہ وہ تفسیر میں یہ تجویز کرے کہ تفسیر لفظ مفسر کے مطابق ہو اور اس سے کم کرنے سے بچے جس کی حاجت توضیح مراد کے لئے ہو اور ایسے لفظ کو زیادہ کرنے سے احتراز کرے جو مقصد کے مناسب نہ ہو، اور اس بات کی احتیاط رکھے کہ تفسیر میں معنی سے انحراف اور اس کی راہ سے عدول نہ ہو، اور اس پر لازم ہے کہ معنی حقیقی و مجازی کی رعایت کرے اور ترکیب اور اس غرض کی جس کے لئے کلام ذکر کیا گیا رعایت رکھے۔

المقدمۃ الثالثۃ

کثیرا ما تری المفسرین یذکر بعضھم تحت الاٰیۃ وجھا من التاویل والبعض الاٰخرون وجھا اٰخر وربما جمعوا وجوھا کثیرۃ، وغالبہ لیس من باب الاختلاف

مقدمہ سوم

مفسرین کو تم بہت دیکھو گے کہ ان میں سے کوئی آیت کے تحت کوئی وجہ تاویل ذکر کرتا ہے اور بعض دوسرے دوسری وجہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی بہت سی وجوہ جمع کر دیتے ہیں اور بیشتر وجوہ اختلاف و تردد سے

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[2] " " " " " " " " " " ۲/ ۴۶۱

او التردد المانع عن التمسك بأحدها
لاسيما الاظهر الانور منها وانما هو
تفنن فى المرام أو بيان لبعض ما ينتظمه
الكلام وذلك ان القرآن ذو
وجوه وفنون ولكل حرف
منه غصون وشجون و
له عجائب لاتنقضى ومعان
تمد ولاتنتهى فجاز الاحتجاج
به على كل وجوهه و
هذا من اعظم نعم الله سبحنه
وتعالى علينا ومن ابلغ
وجوه اعجاز القرآن ولو
كان الأمر على خلاف ذلك لعادت
النعمة بلية والاعجاز عجزًا والعياذ
بالله تعالى وقد وصف الله سبحنه وتعالى
القرآن بالمبين فليس تنوع معانيه
كتذبذب المحتملات فى كلام مبهم
مختلط لايستبين المراد منه ولقد
قال الله تبارك وتعالى قل لو كان البحر مدادًا
لكلمات ربى لنفد البحر قبل ان تنفد كلمات
ربى ولو جئنا بمثله مددا[1] وقال
رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم على ما اخرج ابو نعيم وغيره

باب سے نہیں جس میں سے کسی کو اخذ کرنا دوسری سے
تمسک کا مانع ہو خصوصًا ان میں جو ظاہر تر اور
روشن تر ہو بلکہ یہ وجوہ بیان مقصد میں تفنن عبارت
ہے یا کلام جن وجوہ کو شامل ہے اس میں سے کچھ
کو بیان کردینا ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن
مختلف وجوہ رکھتا ہے اور اس کے ہر لفظ کے
متعدد معانی ہیں اور اس کے عجائب ختم نہیں
ہوتے اور معانی بڑھتے ہیں اور کسی حد پر نہیں تھمتے،
لہذا اس کی تمام وجوہ کو حجت بنانا جائز ہے اور
یہ ہمارے لئے اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک
ہے اور قرآن کے اعجاز کے اسباب بلیغہ سے
ایک سبب ہے، اور اگر معاملہ اس کے برخلاف
ہوتا تو نعمت مصیبت ہوجاتی اور اعجاز عجز
ہوجاتا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اللہ تعالٰی
نے قرآن کا وصف مبین فرمایا ہے تو اس کے معانی
کا قسم قسم ہونا کلام مبہم میں جس کی مراد ظاہر نہ ہو
محتملات کے تردد کی طرح نہیں اور یقینًا اللہ تبارک و
تعالٰی فرماتا ہے، اے محبوب! تم فرماؤ اگر سمندر
میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہوجائے
تو سمندر ختم ہوجائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم
نہ ہوں گی اگرچہ ہم اس جیسا اور اس کی مدد
کو لے آئیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ
وسلم نے فرمایا جیسا کہ ابونعیم وغیرہ نے حضرت

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۰۹

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما القراٰن ذلول ذووجوہ فاحملوہ علٰی احسن وجوھہ[1]۔ وقال سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کما اخرج ابن ابی حاتم عنہ ان القراٰن ذوشجون وفنون وظھور وبطون لاتنقضی عجائبہ ولا تبلغ غایتہ[2] الحدیث۔

قال السیوطی قال ابن سبع فی شفاء الصدور ورد عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال لا یفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقراٰن وجوھا، وقد قال بعض العلماء لکل اٰیۃ ستون الف فھم[3] انتھی ملخصا۔ وﷲ در الامام البوصیری حیث یقول ؎

لہا معان کموج البحر فی مدد
وفوق جوھرہ فی الحسن والقیم

فلا تعد و لا تحصٰی عجائبھا
ولا تسام علی الاکثار بالسأم[4]

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا قرآن نرم وآسان ہے مختلف وجوہ والا ہے تواسے اس کی سب سے اچھی وجہ پر محمول کرو۔ اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے روایت کی قرآن مختلف معانی ومطالب اور ظاہری وباطنی پہلو رکھتا ہے، اس کے عجائب بے انتہا ہیں اسکی بلندی تک رسائی نہیں (الحدیث)۔

سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابن سبع نے شفاء الصدور میں فرمایا کہ ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے مختلف وجوہ نہ جان لے' اور بعض علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور امام بوصیری کی خوبی اللہ ہی کےلئے ہے کہ وہ فرماتے ہیں قرآنی آیات کے وہ معانی کثیر ہیں جیسے سمندر کی موج افزائش میں۔ اور وہ حسن وقیمت میں سمندر کے گہر سے بڑھ کر ہیں تو آیتوں کے عجائب کی نہ گنتی ہو سکے نہ شمار میں آئیں، اور اس کثرت کے باوجود ان سے اکتانے کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۶ و ۴۴۴
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۰
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۴۶۰
[4] الکوکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات، ہند ص ۴۰

فثبت بحمد الله ان بعض معانيه لاينافي بعضا ولا يوجب وجه لوجه رفضا من جراء هذا ترى العلماء لم يزالوا محتجين على احد التاويلات ولم يمنعهم عن ذلك علمهم بان هناك وجوها أُخر لا تعلق لها بالمقام وعلام كان يصدهم وقد علموا أن القرآن حجة بوجوهه جميعا وليس هذا الا تفننا وتنويعًا هذا هو الاصل العظيم الذي يجب المحافظة عليه انبأنا المولى السراج عن المفتي الجمال عن السند السندي عن الشيخ صالح عن محمد بن السنة وسليمان الدرعي عن الشريف محمد بن عبد الله عن السراج بن الالجائي عن البدر الكرخي والشمس العلقمي كلهم عن الامام جلال الملة و الدين السيوطي قال في الاتقان ناقلا عن ابن تيمية الخلاف بين السلف في التفسير قليل وغالب ما يصح عنهم من الخلاف يرجع الى اختلاف تنوع لا اختلاف تضاد۔ و ذلك صنفان:

احدهما ان يعبر و احد منهم عن المراد بعبارة غير عبارة صاحبه تدل على معنى في المسمى غير المعنى الاخر مع اتحاد المسمى

اب بحمد اللہ ثابت ہوا کہ اس قرآن کا کوئی معنی دوسرے کے منافی نہیں اور کوئی وجہ دوسری وجہ کو چھوڑ دینا واجب نہیں کرتی اسی وجہ سے تم دیکھو گے کہ علماء ایک تاویل پر بنائے دلیل رکھتے ہیں اور اس بات سے باز نہیں رکھتا انھیں ان کا یہ علم کہ اس جگہ دوسری وجوہ بھی جن کو ان کے مقصد سے تعلق نہیں، اور کاہے کو باز رکھے حالانکہ انھیں خبر ہے کہ قرآن اپنی تمام وجوہ پر حجت ہے اور یہ اختلافِ وجوہ تو محض تفننِ کلام و تلونِ عبارت ہے۔ ہمیں خبر دی مولٰی سراج نے مفتی جمال سے انھوں نے سند سندی سے انھوں نے شیخ صالح سے انھوں نے محمد بن السنۃ اور سلیمان درعی سے انھوں نے شریف محمد بن عبداللہ سے انھوں نے سراج بن الالجائی سے انھوں نے بدر کرخی و شمس علقمی سے، ان سب نے جلال الملۃ والدین سیوطی سے روایت کی کہ انھوں نے اتقان میں ابن تیمیہ سے نقل فرمایا کہ تفسیر میں سلف کے درمیان اختلاف کم ہے اور اکثر اختلاف جو سلف سے ثابت ہے اختلاف طرز تعبیر کی طرف لوٹتا ہے متضاد باتوں کا اختلاف نہیں اور یہ (تعبیروں کا اختلاف) دو صنف ہے:

ان میں سے ایک صنف یہ کہ ان لوگوں میں سے کوئی اپنی مراد کی تعبیر ایک عبارت سے کرے جو اس کے ساتھی کی عبارت سے جداگانہ ہو اور معنی ایک ہو جیسے علماء نے

كتفسيرهم "الصراط المستقيم" بعض بالقرآن أي اتباعه وبعض بالاسلام فالقولان متفقان لأن دين الاسلام هو اتباع القرآن، ولكن كل منهما نبه على وصف غير الوصف الآخر كما أن لفظ الصراط يشعر بوصف ثالث، وكذلك قول من قال هو السنة والجماعة وقول من قال هو طريق العبودية وقول من قال هو طاعة الله ورسوله وأمثال ذلك فهؤلاء كلهم اشاروا الى ذات واحدة ولكن وصفها كل منهم بصفة من صفاتها؛

الصراط المستقیم کی تفسیر کسی نے قرآن کہا یعنی قرآن کی پیروی اور کسی نے اسلام تو یہ دونوں قول ایک دوسرے کے موافق ہیں اس لئے کہ دین اسلام تو قرآن کی پیروی ہے۔ لیکن ان دونوں نے ایک دوسرے کے وصف سے جدا ایک وصف پر متنبہ کیا جیسے کہ لفظ صراط تیسرے وصف کی خبر دیتا ہے اسی طرح اس کی بات جس نے یہ کہا تھا کہ صراط مستقیم مسلک اہلسنت و جماعت ہے اور اس کی بات جس نے کہا کہ وہ طریق بندگی ہے اور اس کا قول جو بولا کہ وہ اللہ و رسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی اطاعت ہے اور جیسے اس طرح کے دوسرے اقوال اس لئے کہ ان سب نے ایک ذات کی طرف رہنمائی کی لیکن ہر ایک نے اس کی ایک صفت اس کی صفات سے بیان کر دی۔

الثاني ان يذكر كل منهم من الاسم العام بعض انواعه على سبيل التمثيل وتنبيه المستمع على النوع، لا على سبيل الحد المطابق للمحدود في عمومه و خصوصه مثاله ما نقل في قوله تعالٰى "ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا الآية فمعلوم أن الظالم لنفسه يتناول المضيع للواجبات والمنتهك للحرمات والمقتصد يتناول فاعل

دوسری صنف یہ ہے کہ ہر عالم لفظ عام کی کوئی قسم مثال کے اوپر ذکر کرے اور مخاطب کو اس نوع پر متنبہ کرے اور اس نوع کو ذکر کرنا ذات اس کے عموم و خصوص میں ذات کی حد تام و تعریف تمام کے طور پر نہ ہو اس کی مثال وہ جو اللہ تعالٰی کے قول ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الآیۃ کی تفسیر میں منقول ہوا اس لئے کہ معلوم ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس کو شامل ہے جو واجبات کو ضائع کرے اور حرمتوں کو توڑے اور مقتصد

الواجبات وتارك المحرمات، و السابق یدخل فیہ من سبق فتقرب بالحسنات مع الواجبات فالمقتصدون اصحاب الیمین والسابقون السابقون اولٰئك المقربون، ثم ان کلا منھم یذکر ھذا فی نوع من انواع الطاعات کقول القائل السابق الذی یصلی فی اول الوقت، و المقتصد الذی یصلی فی اثنائہ. والظالم لنفسہ الذی یؤخر العصر الی الاصفرار او یقول السابق المحسن بالصدقۃ مع الزکوٰۃ، والمقتصد الذی یؤدی الزکوٰۃ المفروضۃ فقط، والظالم مانع الزکوٰۃ اھ[1]۔

واجبات کی تعمیل اور محرمات کو ترک کرنے والے کو شامل ہے اور سابق میں وہ داخل ہے جو سبقت کرے تو واجبات کے ساتھ حسنات سے اللہ کی قربت حاصل کرے تو مقتصد لوگ دہنے ہاتھ والے ہیں اور سابق سابق ہیں وہی اللہ کے مقرب ہیں پھر ان میں سے ہر عالم اس مثال کو انواع عبادات میں سے کسی قسم میں ذکر کرتا ہے جیسے کسی نے کہا، سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز پڑھے اور مقتصد وہ ہے جو درمیان وقت میں پڑھے اور ظالم وہ ہے جو عصر کو سورج زرد ہونے تک مؤخر کردے۔ اور کوئی کہے، سابق وہ ہے جو صدقہ نفل زکوٰۃ کے ساتھ دے کر نیکی کرے، اور مقتصد وہ ہے جو صرف زکوٰۃ فرض دے، اور ظالم وہ ہے جو زکوٰۃ نہ دے اھ۔

وعن الزرکشی "ربما یحکی عنھم عبارات مختلفۃ الالفاظ فیظن من لا فھم عندہ ان ذٰلك اختلاف محقق فیحکیہ اقوالاً، و لیس کذٰلك بل یکون کل واحد منھم ذکر معنی من الاٰیۃ لکونہ اظھر عندہ او الیق بحال السائل وقد یکون بعضھم یخبر عن الشیئ بلازمہ ونظیرہ والاخر بمقصودہ

اور سیوطی نے زرکشی سے نقل کیا بسا اوقات علماء سے مختلف عبارتیں منقول ہوتی ہیں تو جو فہم نہیں رکھتا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی ہے تو وہ اس کو کئی قول بنا کر حکایت کرتا ہے حالانکہ بات یوں نہیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر عالم آیت کا ایک معنٰی ذکر کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے نزدیک ظاہر تر یا حال سائل کے زیادہ شایاں ہوتا ہے اور کبھی کوئی عالم شے کا لازم یا اس کی نظیر بتاتا ہے اور دوسرا اس کا مقصود

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۸

وثمرته والکل یؤول الی معنی واحد غالباً[1] الخ۔

وثمرہ بتاتا ہے اور اکثر سب کا بیان ایک ہی معنی کی طرف لوٹتا ہے الخ۔

وعن البغوی والکواشی وغیرھما التاویل صرف الآیۃ الی معنی موافق لما قبلھا وبعدھا تحتملہ الآیۃ غیر مخالف للکتاب والسنۃ من طریق الاستنباط غیر محظور علی العلماء بالتفسیر کقولہ تعالٰی "انفروا خفافا وثقالا" قیل شبابا وشیوخا، وقیل اغنیاء وفقراء، وقیل عزابا ومتأھلین، وقیل نشاطا وغیر نشاط، وقیل اصحاء ومرضی، وکل ذٰلک سائغ والآیۃ تحتملہ[2] الخ، وھذا فصل عمیق بعید لو فصلنا فیہ الکلام خرج بناء عما نحن بصددہ من المراد، وفیما اوردناہ کفایۃ لأولی الاحلام لاسیما من لہ اجالۃ نظر فی کلمات المفسرین وتمسکات العلماء بالقراٰن المبین۔

اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے بغوی و کواشی وغیرہما سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ تاویل براہ استنباط آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جو اس کی اگلی آمد پچھلی آیت کے موافق ہو، اور آیت اس کا احتمال رکھتی ہو، اور وہ معنی کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو، ایسی تاویل ان لوگوں کو منع نہیں جنھیں تفسیر کا علم ہے، جیسے اللہ تعالٰی کے قول "انفروا خفافا وثقالا" (یعنی کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے) میں کسی نے کہا: بوڑھے اور جوان۔ اور کسی نے کہا: غنی و فقیر۔ اور کسی کا قول ہے، شادی شدہ اور مجرد۔ اور کسی کا قول ہے، چست و سست۔ اور کسی نے کہا، صحت مند و بیمار (یعنی یہ سب کوچ کریں) اور یہ تمام وجوہ بنتی ہیں اور آیت سب کی محتمل ہے، اور یہ فصل وسیع و عریض ہے اگر ہم اس میں مفصل کلام کریں تو وہ کلام ہمیں ہمارے اس مقصود سے باہر کر دے گا جس کے ہم درپے ہیں، اور جو ہم نے ذکر کیا اس میں سمجھ والوں اور ان کے لئے جن کی نظر کلماتِ مفسرین اور علماء کے قرآن سے تمسکات میں رواں ہے، کفایت ہے۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۴

[2] " " " " " " " " ۲/ ۴۴۸

المقدمة الرابعة

هذا التاويل الذی فتحنا ابواب الکلام علی ایهامه اعنی تفسیر الاتقی بالتقی انما هو مروی عن ابی عبیدة کما صرح به العلامة النسفی رحمه الله تعالی فی مدارک التنزیل[1] وحقائق التاویل وابوعبیدة هذا رجل نحوی لغوی من الطبقة السابعة اسمه معمر بن المثنی کان یری رأی الخوارج وکان سلیط اللسان وقاعًا فی العلماء، وتلمیذه ابوعبید القاسم بن سلام احسن منه حالًا وابصر منه بالحدیث اینا نامفتی مکة سیدی عبدالرحمٰن عن جمال بن عمر عن الشیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی عن ابن السنة عن الولی الشریف عن محمد ابن ارکماش الحنفی عن حافظ ابن حجر العسقلانی قال فی التقریب معمر بن المثنی ابوعبیدة التیمی مولاهم البصری النحوی اللغوی صدوق اخباری قد رمی برأی الخوارج من السابعة مات سنة ثمان ومائتین وقیل بعد ذلك وقد قارب المائة[2] انتهی۔

چوتھا مقدمہ

یہ تاویل جس کے ضعف بتانے کے لئے ہم نے کلام کے دروازے کھولے (یعنی اتقی کی تفسیر تقی سے کرنا) یہ صرف ابوعبیدہ سے منقول ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں کی ہے اور یہ ابوعبیدہ ایک آدمی ہے نحو ولغت کا عالم، جو ساتویں طبقہ پر ایک فرد ہے، اس کا نام معمر بن المثنی ہے، خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا، اور یہ بدزبان علماء کا بدگو تھا، اور اس کے شاگرد ابوعبید قاسم بن سلام کا حال اس سے اچھا تھا اور انھیں حدیث میں اس سے زیادہ بصیرت تھی۔ مجھے مفتی مکہ سیدی عبدالرحمٰن جمال بن عمر نے خبر دی انھوں نے شیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی سے روایت کی انھوں نے ابن السنۃ سے انھوں نے مولی شریف سے انھوں نے محمد بن ارکماش حنفی سے انھوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت کی کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں فرمایا معمر بن مثنی ابوعبیدہ تیمی بنوتیم کا آزاد کردہ، بصری نحوی لغوی سچا ہے تاریخ کا راوی ہے اور خوارج کے مذہب سے متہم کیا گیا، طبقہ ہفتم کے علماء سے ہے ۲۰۸ھ میں انتقال ہوا، اور بعض کا قول ہے کہ اس کے بعد وفات ہوئی اور عمر تقریبًا سو سال ہوئی انتہی۔

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ دارالکتاب العربی بیروت ۴/۳۶۳

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۶۸۳۶ معمر بن المثنی دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۰۳

وقد قال ابن خلكان كما نقل الفاضل عبد الحی فی مقدمة[عـه] الهداية ابو عبيد بغير تاء مذكور فی باب الجنايات من كتاب الحج اسمه القاسم بن سلام ذا باع طويل فی فنون الأدب والفقه ، قال القاضی احمد بن كامل كان ابو عبيد فاضلاً فی دينه متفننا فی اصناف العلوم من القراءات والفقه والعربية والأخبار حسن الرواية صحيح النقل روى عن ابی زيد والاصمعی وابی عبيدة وابن الأعرابی والكسائی والفراء وغيرهم وروى الناس من كتبه المصنفة بضعة وعشرين فی الحديث والقراءات والامثال ومعانی الشعر وغريب الحديث وغير ذلك ويقال انه اول من صنف فی غريب الحديث ، وقال الهلال منّ الله تعالیٰ علیٰ هذه الامة باربعة فی زمانهم بالشافعی فی فقه الحديث وباحمد بن حنبل فی المحنة ولولاه لكفر الناس وبيحيی بن معين فی ذب الكذب عن الاحاديث وبابی عبيد القاسم بن

اور ابن خلکان نے کہا جیسا کہ فاضل عبدالحی نے مقدمہ ہدایہ میں کہا، ابو عبید بغیر تاء کتاب الحج کے باب الجنایات میں مذکور ہوا ان کا نام قاسم بن سلام ہے ادب کے فنون و فقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ قاضی احمد بن کامل نے فرمایا: ابو عبید اپنے دین میں فاضل مختلف علوم قرارت و فقہ و عربیت و تاریخ کے ماہر تھے ان کی روایت حسن ہے اور نقل صحیح ہے انھوں نے ابو زید واصمعی و ابو عبیدہ و ابن الاعرابی و کسائی و فراء وغیرہم سے روایت کی اور لوگوں نے ان کی تصنیفات سے حدیث و قرارت و امثال و معنی شعر و احادیث غریبہ وغیرہا میں تیئس[۲۳] سے انتیس[۲۹] تک کتابوں کو روایت کیا، اور کہتے ہیں قاسم بن سلام نے سب سے پہلے غریب الحدیث میں تالیف فرمائی۔ اور ہلال نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنے زمانہ میں چار شخصوں سے منت رکھی، شافعی سے فقہ حدیث میں اور احمد بن حنبل سے ان کی آزمائش کے سبب (یعنی وہ آزمائش جس میں حضرت امام احمد بن حنبل زمانہ مامون میں مخالفت عقیدۂ خلق قرآن کے سبب مبتلا ہوئے) اور اگر امام احمد نہ ہوتے تو لوگ

عـه فی الاصل بياض وعبارة المقدمة منقولة من المترجم ۱۲ النعمانی

سلام فی غریب الحدیث و کانت وفاته بمکة و قیل بالمدینة سنة اثنتین او ثلث وعشرین و مائتین و قال البخاری سنة اربع وعشرین۔ ویوجد فی بعض نسخ الهدایة فی الموضع المذکور ابوعبیدة بالتاء واسمه معمر بن المثنی وقد ذکرنا ترجمته فی الاصل وقال العینی فی شرحه ابوعبید اسمه معمر بن المثنی التیمی، وفی بعض النسخ ابوعبیدة بالتاء واسمه القاسم بن سلام البغدادی، والاول اصح انتهی، وهذا مخالف لمافی تاریخ ابن خلکان وغیرہ من التواریخ المعتمدة من ان اباعبید بغیرالتاء کنیة القاسم وبالتاء کنیة معمر[1] واللہ اعلم

واما قدماء العلماء ککنیف ملئ علما حامل تاج المسلمین نعال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود وحبرالامة سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس وعروة بن زبیر وشقیقه عبداللہ وافضل التابعین سعید

کافر ہوجاتے۔ اور یحیٰی بن معین سے یُوں منت رکھی کہ اُنھوں نے احادیث سے دروغ کو الگ کردیا اور ابوعبید بن قاسم بن سلام سے غریب احادیث کو جمع کرنے میں، ان کی وفات مکہ میں ہُوئی، اور ایک قول پر مدینہ میں ۲۲۳ھ یا ۲۲۲ھ میں ہوئی اور بخاری نے سنِ وفات ۲۲۴ھ میں فرمایا، اور ہدایہ کے بعض نسخوں میں یُوں ہے موضع مذکور میں ابوعبیدۃ بالتاء اور ان کا نام معمر بن مثنی ہے اور ہم نے اس کے حالات اصل میں ذکر کئے اور عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ابوعبید معمر بن مثنی بن تیمی ہے۔ اور بعض نسخوں میں ابوعبیدۃ بالتاء ہے اور ان کا نام قاسم بن سلام بغدادی ہے۔ اور پہلا قول اصح ہے۔ اور یہ بات اس کے مخالف ہے جو تاریخ خلکان وغیرہ تواریخ معتمدہ میں کہ عبید بغیر تاء قاسم کی کنیت ہے اور تاء کے ساتھ معمر کی کنیت ہے۔

رہے علمائے متقدمین جیسے علم سے بھرے ہُوئے ظرف حامل تاج مسلمانان نعش پائے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود اور عالم اُمت سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس اور عروہ بن زبیر اور ان کے سگے بھائی عبداللہ اور افضل التابعین سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم

---

[1] مذیلة الدرایة لمقدمة الهدایة لعبدالحی مع الهدایة المکتبة العربیة کراچی ص ۴

بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فقد روینالک ماقالوا فی الآیۃ۔

المقدمۃ الخامسۃ لعلک یا من یفضل علیا علی الشیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تفرح و تمرح ان ھٰؤلاء المفسرین انما عدلوا عن الاتقی الی التقی کیلا یلزم تفضیل الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی من عداہ وحاشاھم عن ذٰلک الا تری انھم کما فسروا الاتقی بالتقی کذلک اولوا الاشقی بالشقی فاین ھذا من قصدک الذمیم الذی ترید لاجلہ تغییر القراٰن العظیم وانما الباعث لھم علی ذاک ما ذکرہ ابوعبیدۃ بنفسہ۔

انبأنا سراج العلماء عن المفتی ابن عمر عن عابد سندی عن یوسف المزجاجی عن ابیہ محمد بن العلاء عن حسن العجیمی عن خیر الدین الرملی عن العلامۃ احمد بن امین الدین بن عبد العال عن ابیہ عن جدہ عن العز عبد الرحیم بن الفرات عن ضیاء الدین محمد بن محمد الصنعانی عن قوام الدین مسعود بن ابراھیم الکرمانی عن

توہم آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ان کے اقوال تمہارے لئے روایت کرچکے۔

پانچواں مقدمہ اے تفضیلیہ شاید تو خوش ہو اور فخر کرے کہ یہ مفسرین اتقی سے تقی کی طرف اسی لئے پھرے کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ان کے ماسوا دوسرے صحابہ پر لازم نہ آئے اور وہ اس خیال سے بری ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ انھوں نے جس طرح اتقی کی تفسیر تقی سے کی یونہی اشقی کی تاویل شقی سے کی تو مفسرین کی اس روش کو تیرے اس بدارادے سے کیا علاقہ ہے جس کے لئے تو قرآن عظیم کو بدلنا چاہتا ہے، ان کے لئے اس تفسیر پر ابو عبیدہ کا قول مذکور باعث ہوا۔

ہمیں سراج العلماء نے خبر دی مفتی ابن عمر سے انھوں نے روایت کی عابد سندی سے انھوں نے یوسف مزجاجی سے روایت کی انھوں نے اپنے باپ محمد بن علاء سے انھوں نے حسن العجیمی سے روایت کی انھوں نے خیر الدین رملی سے انھوں نے علامہ احمد بن امین الدین بن عبد العال سے انھوں نے اپنے باپ سے پھر اپنے دادا سے انھوں نے عز عبد الرحیم بن فرات سے انھوں نے ضیاء الدین محمد بن محمد صنعانی سے انھوں نے قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانی سے انھوں نے مولٰے

المولی حافظ الدین ابی البرکات محمود النسفی قال فی مدارک التنزیل[1] قال ابو عبیدۃ الاشقی بمعنی الشقی وھو الکافر، والاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن لانہ لایختص بالصلی اشقی الاشقیاء ولا بالنجاۃ اتقی الاتقیاء وان زعمت انہ تعالٰی نکرالنار فاراد نارًا مخصوصۃ بالاشقی، فما تصنع لقولہ وسیجنبھا الاتقی الذی لان التقی یجنب تلك النار المخصوصۃ لا الاتقی منھم خاصۃ انتہی۔

حافظ الدین ابوالبرکات محمود نسفی سے روایت کیا کہ (علامہ نسفی نے) مدارک التنزیل میں فرمایا ابوعبیدہ نے کہا اشقی بمعنی شقی کے ہے اور وہ کافر ہے، اور اتقی تقی کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مومن ہے، اس لئے کہ آگ میں جانا سب اشقیاء سے بڑھ کر شقی کی خصوصیت نہیں ہے اور نجات پانا سب پرہیزگاروں سے افضل کے لئے مخصوص نہیں ہے اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا (اور نکرہ جب محلِ اثبات میں ہو تو اس سے مراد فردِ مخصوص ہوتا ہے) تو اللہ تعالٰی کی مراد ایک مخصوص نار ہے تو تم (یعنی اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار) کے ساتھ کیا کروگے اس لئے کہ ہر متقی اس نار مخصوص سے دُور رکھا جائے گا نہ کہ خاص کر سب سے بڑا متقی۔

وتلخیص المقام

ان قولہ سبحٰنہ وتعالٰی "فانذرتکم نارا تلظی لایصلھا الا الاشقی الذی کذب وتولی"[2] لایمکن اجراءہ علی ظاھرہ لانہ یقتضی قصر دخول النار علی اشقی الاشقیاء من الکفار فیلزم ان

مقامِ تلخیص

یہ ہے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے قول فانذرتکم نارا تلظی لایصلھا الا الاشقی الذی کذب و تولی (تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) کو اس کے ظاہری معنی پر جاری رکھنا ممکن نہیں اس لئے

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر المدارک) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[2] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۴ تا ۱۶

لا يدخلها احد غيره كالفجار والكافرين القاصرين عنه فى الشقاء والاستكبار و هذا باطل قطعاً فاختار الواحدى و الرازى و القاضى و المحلى و ابوالسعود و اٰخرون ما ملحظه أن ليس المراد بالاشقى رجل مخصوص يكون أشقى الاشقياء بل المعنى من كان بالغا[عه] فى الشقاء

کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں وہی جائے جو کافروں میں سب بدنصیبوں سے بڑا بدنصیب ہو تو لازم آئے گا کہ وہ فجار وکفار جو بدنصیبی اور گھمنڈ میں اس سے کم رتبے کے بدنصیب ہوں دوزخ میں نہ جائیں، اور یہ قطعاً باطل ہے، لہذا واحدی و رازی و قاضی و محلی و ابوالسعود اور دیگر مفسرین نے یہ اختیار کیا جن میں یہ لحاظ ہے کہ اشقی سے مراد کوئی خاص نہیں جو سب سے بڑا شقی ہو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شقاوت میں حد کو پہنچا ہوا ہو اور

عه قوله بالغا فى الشقاء الخ انت خبير بانا قررنا كلامهم بحيث يندفع عنه يراد قوى كان يتخالج فى صدرى تقريرالايراد ان المؤمن الفاجر له قسط من الشقاوة كما ان له قسطا عظيما من السعادة، وليس ان الشقاء يختص بالكفرة، ألاترى أن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم سمى الخبيث الشقى عبدالرحمٰن بن ملجم الذى قتل السيد الكريم المرتضى رضى الله تعالٰى عنه وخضب لحيته الكريمة بدم راسه الاقدس اشقى الاٰخرين كما ورد بطرق عديدة عن سيدنا على كرم الله تعالٰى وجهه وانما كان هذالك

(قولہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہو الخ) تم خبردار ہو کہ ہم نے ان علماء کے کلام کی تقریر اس طور پر کی جس سے وہ قوی اعتراض جو میرے سینے میں متردد تھا دفع ہوجائے۔ اس اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مومن فاجر کے لئے بدبختی سے ایک حصہ ہے جیسا کہ اس کے لئے سعادت سے عظیم بہرہ ہے اور ایسا نہیں کہ بدبختی کافروں کیلئے خاص ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس خبیث شقی عبدالرحمٰن بن ملجم کو جس نے سید کریم مرتضٰی (علی) رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا اور ان کی ریش مبارک کو اُن کے سراقدس کے خون سے رنگین کیا پچھلوں کا سب سے بڑا بدبخت فرمایا جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے متعدد سندوں سے روایت ہے اور یہ خبیث

(باقی برصفحہ آئندہ)

متناهیا فیہ وھم الکفار عن — اس مفہوم کے مصداق سارے کافر ہیں اور وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الخبیث رجلا من الخوارج واذا کان الامر ھکذا فما لھؤلاء اولوا الاشقی بالشقی ثم خصوہ بالکافر حتی عاد الاعتراض بخروج الفجار مع ان بعضھم یدخل النار قطعا، فلو انھم اجروہ علی العموم لیسلموا من ذاک وتقریر الجواب انھم لما فطموا الافعل عن معناہ الحقیقی اعنی الزائد فی الاتصاف بالمبدء علی کل من عداہ کرھوا ان یذھبوا بہ مذھبا البعد من حقیقتہ کل البعد، فارادوا بہ البالغ فی الشقاء المتناھی فیہ ابقاء لمعنی الزیادۃ المدلول علیھا بصیغۃ التفضیل، والوجہ فی ذلک ان ھناک ثلثۃ امور، الاول الاتصاف بالمبدء وھو مفاد اسم الفاعل، والثانی الکثرۃ فیہ وھو مدلول صیغۃ المبالغۃ، و الثالث الزیادۃ فیہ عن غیرہ و

تو خارجیوں میں کا ایک شخص تھا یعنی کافر نہ تھا بلکہ گمراہ تھا) اور جب بات ایسی ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا جنھوں نے اشقی کی تاویل شقی سے کی پھر اسے کافر کے لئے مخصوص کیا تو اعتراض لوٹا کہ فاجر مسلمان اس حکم سے نکل گئے حالانکہ بعض فاجر مسلمان یقیناً جہنم میں جائیں گے تو اگر اُنھوں نے حکم عام رکھا ہوتا تو اس اعتراض سے بچ جاتے، اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ جب اُنھوں نے افعل (اسم تفضیل) کو اس کے حقیقی معنی سے مجرد کیا یعنی جو مصدر سے متصف ہونے میں اپنے ہر ماسوا سے زائد ہو تو انھیں یہ پسند نہ ہوا کہ اسم تفضیل کو ایسے مذہب پر لے جائیں جو اس کے حقیقی معنی سے بالکل دور ہو لہذا انھوں نے اشقی سے مراد لیا کہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہو تاکہ زیادتی کا مفہوم جس پر صیغہ افعل تفضیل دلالت کرتا ہو باقی رکھیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ تین امور ہیں، پہلا مصدر سے موصوف ہونا اور یہ اسم فاعل کا مفاد ہے اور دوسرا امر اس وصف میں کثرت اور یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفہوم ہے، اور تیسرا امر اس وصف میں دوسرے بڑھ جانا اور یہ وہ مفہوم ہے جس کے لئے اسم تفضیل

(باقی بر صفحہ آئندہ)

أخرهم لانسلاخهم عن السعادة بالمرة، اما المؤمن الفاجر فان كان له وجه الى الشقاء الزائل فوجهه الأخر الى السعادة الابدية وهى الايمان، وھٰؤلاء القائلون لما رأوا امادة الايراد لم تنحسم اذ دخول بعض الفجار ايضا مقطوع فزعوا الى تاويل الصلى باللزوم، وزعم الواحدى انه معناه الحقيقى فقال كما نقل الرازى "معنى" لا يصلاها" لا يلزمها فى حقيقة اللغة. يقال صلى الكافر النار اذا لزمها مقاسيا شدتها وحرها وعندنا ان هذه الملازمة لا تثبت الا الكافر اما الفاسق فاما ان لا يدخلها او ان دخلها تخلص منها انتهى.

سعادت سے بالکل محروم ہیں۔ رہا مومنِ فاجر تو اس کا ایک پہلو شقاوتِ فانیہ کی طرف ہے تو دوسرا ابدی سعادت کی طرف ہے اور وہ سعادتِ ابدی ایمان ہے۔ اور ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اعتراض کا مادہ بالکل ختم نہ ہوا اس لئے کہ بعض بدعمل مسلمانوں کا دوزخ میں جانا ہی قطعی امر ہے۔ لہذا یہ لوگ صلی کی تاویل لزوم سے کرنے کی طرف راغب ہوئے۔ واحدی نے کہا کہ لزوم اس کا حقیقی معنی ہے جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ "لا یصلاھا" کا معنی حقیقت لغت میں "لا یلزمھا" ہے۔ کہتے ہیں کہ صَلِیَ الکافرُ النار جب وہ اس حال میں آگ کو لازم پکڑے درانحالیکہ اس کی شدت وحرارت کو برداشت کرے اور ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ملازمت فقط کافر کیلئے ثابت ہے، رہا فاسق تو وہ یا تو اس میں داخل ہی نہ ہوگا یا داخل تو ہوگا مگر اس سے چھٹکارا پالے گا" انتہی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ھو الموضوع له اسم التفضيل فالثانى كالوسط بين الاول والثالث و العدول عن طرف الى طرف ابعد من الميل عن طرف الى الوسط فهذا الذى حملهم على ذٰلك فيما اظن والله تعالٰى اعلم منه عفاالله تعالٰى عنه اٰمين.

کی وضع ہے تو دوسرا جیسے اول وسوم کے درمیان ہے اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف پھرنا ایک کنارے سے درمیان کی طرف مائل ہونے سے زیادہ دور ہے تو میرے گمان میں یہی ان کو اس پر باعث ہوا، واللہ تعالٰی اعلم منہ عفا اللہ تعالٰی عنہ آمین!

ل؎ مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۲/۱۵ و ۱٦ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۴

اقول وما احسن هذا تاویلا او اصفاه لولان یکدره ما ساذکره قریبًا فارتقب ورکن الرازی الی وجه اٰخر من التاویل وهو ان یخص عموم هٰذا الظاهر بالاٰیات الدالة علی وعید الفساق[1]

میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل کس قدر اچھی ہے اور یہ رنگ کتنا صاف تھا اگر اس کو اس بات نے مکدر نہ کیا ہوتا جو میں عنقریب ذکر کروں گا، تو انتظار کرو، اور رازی ایک دوسری تاویل کی طرف مائل ہوئے، اور وہ یہ کہ اس کے ظاہری معنی کا عموم ان آیات کے ساتھ خاص ہو جو فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہو۔

اقول هذا جمع بین التاویل والتخصیص وهو مستغنی عنه اذ لو قیل بالتخصیص فکما دلت الاٰیات علی وعید الفساق کذٰلك دلت علی ایعاد سائر الکفار بدلالة اظهر واجلی. اللّٰهم اِلّا ان یقال فیه تکثیر التخصیص جدًا والقصر علی فرد واحد اشد بعدًا ع هٰذا ولقد سلك

میں کہتا ہوں یہ تاویل و تخصیص کو یکجا کرنا ہے اور اس کی حاجت نہیں اس لئے کہ اگر تخصیص کا قول کیا گیا تو جس طرح آیات فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہیں یونہی تمام کافروں کی وعید پر روشن اور صاف تر دلالت فرماتی ہیں۔ الٰہی! تو مدد فرما، مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں بہت زیادہ تخصیص لازم آئے گی، اور ایک فرد پر منحصر کر دینا بہت زیادہ مستبعد ہے یہ لو، اور

ع اعلم ان العبد الضعیف لما فرغ من تحریر هٰذه المقدمات الخمس وبلغ الی اٰخر ما کتبنا فی جواب الشبهة الاولٰی استعار تفسیر فتح العزیز المتعلق بجزء عم یتساءلون من

تمہیں معلوم ہو کہ بندۂ ناتواں جب ان پانچ مقدمات کی تحریر سے فارغ ہوا اور پہلے شبہہ کے جواب میں جو ہم نے لکھا اس کے آخر تک پہنچا تو ایک دوست سے تفسیر فتح العزیز جو جزء عم یتساءلون سے متعلق ہے عاریت لی تو

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۲/۱۵ و ۱۶ المطبعة البہیة المصریة مصر ۳/۲۰۴

القاضی الامام ابو بکر کما | قاضی امام ابوبکر نے جیسا کہ امام فخر رازی نے مفاتیح الغیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعض الاصدقاء فطالعت فیہ من هذا المقام ورأیت المولی الفاضل استاذ استاذی عبد العزیز ذکر الدفع هذا الایراد اعنی نقض الحصر فی الکفار بدخول بعض الفجار النار بوجهین أخرین جیدین الاول ان المراد بالنار نار مخصوصة بالکفار، والثانی ان دخول بعض المومنین لما کان تطهیرا وتادیبا کان کلادخول وانما الدخول کل الدخول دخول لیس بعدہ خروج فالحصر بهذا المعنی وهو حق صحیح بلا امتراء انتهی

بالحاصل اقول ما انعمهما من وجهین وادفعهما لکل شیئ لکنك یا عریف انت خبیر بانهما یجریان ایضا بعد شیئ من تغییر العبارة فیما اذا حملنا الاشقی علی معناہ الحقیقی کما ستسمع منا ان شاء اللہ تعالٰی فیالیت المولی الفاضل لما تنبہ علی هذین کما تنبهنا تجنب التاویل کما اجتنبنا اذ البدایة بتاویل الاشقی بالشقی ثم التحصن بهذین الحصنین المانعین

میں نے اس میں اس مقام کا مطالعہ کیا اور میں نے دیکھا کہ مولی فاضل استاذ استاذی عبد العزیز نے اس اعتراض کے دفع کے لئے یعنی اس حصر کا کفار میں بعض فجار کے آتش جہنم میں داخل ہونے سے منقوض ہونا دو اور بہتر وجہیں ذکر کیں، پہلی یہ کہ نار سے مراد وہ نار ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری یہ کہ بعض مسلمانوں کا آگ میں جانا جبکہ ان کی تطہیر و تہذیب کے لئے ٹھہرا۔ تو یہ آگ میں جانا نہ جانے کے مثل ہے اور آگ میں بالکل جانا وہ جانا ہے جس کے بعد آگ سے نکلنا نہ ہوگا تو آیت کا حصر کفار میں اس معنی پر ہے اور بے شک حق و صواب ہے۔

الحاصل میں کہتا ہوں یہ دونوں وجہیں کس قدر اچھی ہیں اور ہر خرابی کی کیسی دافع ہیں، لیکن اے جاننے والے! تم خبردار کہ یہ دونوں وجہیں عبارت کی قدرے تغییر کے بعد اس صورت میں بھی جاری رہتی ہیں جب ہم اشقی کو اس کے معنی حقیقی پر رکھیں جیسا کہ تم ہم سے سنو گے ان شاء اللہ۔ تو کاش مولائے فاضل جب ہماری طرح ان دونوں وجہوں پر متنبہ ہوئے اسی طرح تاویل سے بچتے جیسے ہم بچے، اس لئے کہ پہلے اشقی کی تاویل شقی سے کرنا پھر ان دو محکم وجہوں جو اصل تاویل سے مانع ہیں سے تمسک

(باقی برصفحہ آئندہ)

اثرعنہ الفخرالرازی فی مفاتیح الغیب مسلکاً حسناً اذحاول ابقاء الاشقی علٰی معناہ الحقیقی اعنی من لایدانیہ احد فی الشقاء و ذکر لتصحیح الحصر وجہین یرتاح بہما اللبیب ویندحض کل شك مریب؛

میں نقل کیا ہے ایک اچھا مسلک اختیار کیا اس لئے کہ انھوں نے اشقی کو اس کے حقیقی معنی پر باقی رکھنے کی کوشش کی اور حصر کی صحت کیلئے دو وجہیں ایسی ذکر کیں جن سے دانشمند چین پائے اور دھوکے میں ڈالنے والا ہر شک زائل ہوجائے؛

الاول ان یکون المراد بقولہ تعالٰی "نارًا تلظّٰی" نارًا مخصوصۃ من النیران لانہا درکات بقولہ تعالٰی "ان المنٰفقین فی الدرك الاسفل من النار" فالاٰیۃ تدل علٰی ان تلك النار المخصوصۃ لایصلٰہا سوی ھٰذا الاشقی، ولا تدل علٰی أن الفاسق وغیر من ھذا صفتہ من الکفار لا یدخل سائر النیران[1] انتہٰی۔

پہلی وجہ یہ کہ قول خدا تعالٰی نارًا تلظّی سے دوزخ کی آتشوں سے ایک مخصوص آتش مراد ہو اس لئے کہ آگ کے مختلف طبقے ہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "بے شک منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہیں" اب آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخصوص آگ میں یہی اشقی جائے گا اور اس کا یہ معنی نہیں کہ اس بڑے بدنصیب کے سوا دوسرے کافر اور فاسق آگ کے باقی طبقوں میں نہ جائیں انتہٰی۔

اقول فکان کقولہ تعالٰی "ویتجنبہا الاشقی الذی یصلی النار الکبرٰی"[2] ای اعظم النیران جمیعًا علٰی احد وجوہ التاویلات

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کے فرمان "ویتجنبہا الاشقی الذی یصلی النار الکبرٰی" (دور رہے گا اس سے وہ بڑا بدنصیب جو بڑی آگ میں دھنسے گا) یعنی ایک تاویل پر سب سے بڑی آگ دلیل ہوگی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن اصل التاویل مما یفضی الی العجب فکان کمن تمنی غرضا ورمی غرضا فاخطأ بعد ما کاد ان یصیب، وما توفیقی الّا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب ۱۲ منہ عفا اللہ تعالٰی عنہ اٰمین۔

ایسی چیز ہے جو تعجب کا سبب ہے تو یہ ایسا ہوا جیسے کوئی ایک نشانہ چاہے اور دوسرے کو مارے تو نشانے پر تیر پہنچنے کے قریب ہو کر چوک جائے اور میری توفیق اللہ ہی سے ہے اسی پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الاٰیۃ ۹۲/ ۱۴ و ۱۵ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۴

[2] القرآن الکریم ۸۷/ ۱۱ و ۱۲

وردّه الرازی بان قوله تعالٰی "نارًا تلظّٰی"[1] یحتمل ان یکون ذٰلك صفة لکل النیران وان یکون صفة لنار مخصوصة لکنه تعالٰی وصف کل نار جهنم بهٰذا الوصف فی اٰیة اخرٰی فقال "انها لظٰی نزاعة للشوٰی"[2]۔

اقول یتراءی من هٰذه العبارة للایراد وجهتان:

الاولٰی ان المورد کانه ظن ان القاضی الامام یدعی تخصیص النار بصفة التلظی کما یتخصص الغلام فی قولنا جاءنی غلام عاقل بصفة العقل ومن هٰذا الطریق یقول ان المراد نار مخصوصة اعظم النیران فالایراد ظاهر الورود اذ الاوصاف انما تخصص اذا کانت خصائص توجد فی فرد دون اٰخر والتلظی لا یختص بنار دون نار الا ترٰی ان اللّٰه سبحٰنه وتعالٰی وصف النار مطلقا بانها لظٰی نزاعة للشوٰی[2] ولکن لم یکن القاضی الامام

اور رازی نے اس قول کو یوں رد کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول نارًا تلظّٰی میں احتمال ہے کہ وہ سب آتشوں کی صفت ہو اور ممکن ہے کہ مخصوص آتش کی صفت ہو۔ لیکن اللہ تعالٰی نے جہنم کی سب آتشوں کا یہی وصف دوسری آیت میں فرمایا اُس کا ارشادِ گرامی ہے "انها لظٰی نزاعة للشوٰی" (وہ تو بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی)

میں کہتا ہوں اس عبارت سے اعتراض کی دو جہتیں نظر آتی ہیں:

پہلی تو یہ ہے کہ گویا معترض نے یہ گمان کیا کہ قاضی امام ابوبکر آتشِ جہنم کے لپٹ مارنے کی صفت سے مخصوص ہونے کے مدعی ہیں اس طور پر جیسے غلام ہمارے قول جاءنی غلام عاقل میں صفتِ عقل سے مخصوص ہے ـــــ اور اس طریقے سے وہ فرماتے ہیں کہ مراد خاص آگ ہے جو سب سے بڑی آگ ہے، تو اعتراض کا ورود اس صورت میں ظاہر ہے اس لئے کہ اوصاف ذات کے ساتھ اسی وقت خاص ہوتے ہیں جبکہ وہ اس فرد کا خاصہ ہوں کہ دوسرے میں نہ پائے جائیں اور لپٹ مارنا ایسا نہیں کہ ایک آگ کی خاص صفت ہو دوسری کی نہ ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی مطلقاً آتشِ جہنم کا وصف بیان فرماتا ہے، انها لظٰی نزاعة للشوٰی (یعنی وہ تو

---

[1] القرآن الکریم ۷۰/۱۵ و ۱۶

[2] القرآن الکریم ۵۴/۵۵

ليريد هذا و انما ملحظه الى ان التنكير للتعظيم فقوله تعالى ناراً[1] اى ناراً عظيما ليس كمثله نار كانه اشير بالتنكير الى انها بشهرة امرها و شيوع فزعها و اخذ اهوالها بمجامع القلوب صارت بمثابة لاتسبق الأذهان الا اليها فاغنت شهرتها و انتشار ذكرها عن تعريف اسمها كما يفيد ذلك تنكير المليك فى قوله تعالى فى مقعد صدق عند مليك مقتدر و تنكير الظلم فى قوله تعالى الذين اٰمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم[2] اى ظلم لاظلم كمثله و هو الشرك۔

بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی) لیکن حضرت قاضی امام یہ معنی مراد لینے والے نہیں ان کا اشارہ تو اس طرف ہے کہ نکرہ تعظیم کیلئے ہے تو اللہ تعالٰی کے فرمان ناراً کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی آگ ہے اس جیسی کوئی آگ نہیں، گویا وہ اپنی حالت کی شہرت اور اس کی ہیبت کے عام چرچے اور اس کی ہولناکیوں کی پورے دلوں پر پکڑ کے سبب اس مقام پر ہے کہ ذہن اسی کی طرف سبقت کرتے ہیں تو اس کی شہرت اور اس کے عام ذکر نے اس سے بے نیاز کردیا کہ اس کا نام لے کر اسے معین کیا جائے، جس طرح یہی فائدہ لفظ مليك اللہ تعالٰی کے قول "فى مقعد صدق عند مليك مقتدر" (یعنی سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور) کا نکرہ ہونا دیتا ہے اور لفظ ظلم اللہ تعالٰی کے قول "الذين اٰمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم" میں یہی فائدہ دیتا ہے یعنی ایسا ظلم کہ کوئی ظلم اس جیسا نہیں اور وہ ظلم شرک ہے۔

أنبأنا مولانا السيد حسين جمل الليل امام الشافعية بمكة المحمية عن خاتمة المحدثين محمد عابد السندى عن صالح الفلانى عن

ہمیں خبر دی مولانا سید حسین جمال اللیل نے جو مکہ میں امام شافعیہ ہیں وہ روایت کرتے ہیں خاتمۃ المحدثین محمد عابد سندی سے انھوں نے روایت کیا صالح فلانی سے انھوں نے روایت کی

[1] القرآن الکریم ۵۴/۵۵

[2] القرآن الکریم ۶/۸۲

محمد بن بنة عن احمد العجلی عن قطب الدین النهروالی عن ابی الفتوح عن یوسف الهروی عن محمد بن شاہ بخت عن ابی النعمان الختلانی عن الفربری عن محمد بن اسمعیل البخاری ثنا ابو عدی ثنا شعبۃ عن سلیمان عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ لما نزلت الذین اٰمنوا و لم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون[1]، قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اینا لم یظلم فنزلت ان الشرک لظلم عظیم۔

محمد بن بنۃ سے انھوں نے احمد عجلی سے انھوں نے قطب الدین نہروالی سے انھوں نے ابو الفتوح سے انھوں نے یوسف ہروی سے انھوں نے محمد بن شاہ بخت سے انھوں نے ابو النعمان ختلانی سے انھوں نے فربری سے انھوں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری نے فرمایا ہم سے ابو عدی نے حدیث بیان کی انھوں نے کہا ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی انھوں نے سلیمان سے انھوں نے ابراہیم سے انھوں نے علقمہ سے علقمہ نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ" الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون" (یعنی وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انھیں کے لئے ایمان ہے اور وہی راہ پر ہیں) نازل ہوئی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اصحاب بولے ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا، اللہ تعالٰے نے آیہ کریمہ" ان الشرک لظلم عظیم" (بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔ت) نازل فرمائی۔

انبانا شیخ العلماء مولانا السید زین دحلان المکی الشافعی عن العلامۃ عثمان بن حسن الدمیاطی

ہمیں شیخ العلماء مولانا سید احمد زینی دحلان مکی شافعی نے خبر دی انھوں نے علامہ عثمان بن حسن دمیاطی شافعی ازہری سے انھوں نے امیر کبیر

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الانعام باب قولہ تعالٰی ولم یلبسوا ایمانھم بظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۶۶
انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر البیضاوی) ۶/ ۸۲ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۵ و ۴۲۶

الشافعی الازھری عن الامیر الکبیر
العلامۃ محمد المالکی الازھری
والشیخ عبداللہ الشرفائی الشافعی
وسیدی محمد الشنوانی الشافعی
واٰخرین باسانیدھم الی الامام
مسلم بن الحجاج النیسابوری بسندہٖ
الٰی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ
تعالٰی عنہ قال فیہ قالوا اینا لایظلم
نفسہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم لیس ھو کما تظنون
انما ھو کما قال لقمان لابنہ "یٰبنی
لاتشرك باللہ ان الشرك لظلم
عظیم"[1] وھٰکذا اخرجہ الامام
احمد والترمذی وقد اختار
الرازی بنفسہ عین ھٰذا
التوجیہ فی قولہ تعالٰی "ارایت الذی
ینھٰی عبدًا اذا صلّٰی"[2] قال "التنکیر فی
عبدًا یدل علی کونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
کاملاً فی العبودیۃ کانہ تعالٰی انہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم عبد لایفی العالم بشرح

علامہ محمد مالکی ازہری اور شیخ عبداللہ شرفائی
الشافعی اور سیدی محمد شنوانی شافعی اور دیگر
علماء سے ان کی سندوں کے ساتھ جو امام مسلم
بن حجاج نیشاپوری تک پہنچتی ہیں انھوں نے
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ تک اپنی
سند سے روایت کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ
تعالٰی عنہ نے فرمایا صحابہ نے عرض کی ہم میں
کس نے ظلم نہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے فرمایا وہ ظلم نہیں جو گمان کرتے ہو
یہ تو اس طرح ہے جیسے لقمان نے اپنے بیٹے سے
کہا: اے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا
کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور مسلم کی حدیث
کے مثل امام احمد و ترمذی نے بھی روایت کیا اور
خود رازی نے توجیہ اللہ تعالٰی کے قول "ارایت
الذی ینھٰی عبدًا اذا صلّٰی" (بھلا دیکھو تو
جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ ت)
میں اختیار کی انھوں نے فرمایا کہ عبدًا کا نکرہ ہونا
اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام جہان حضور صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم کی حقیقت کے بیان اور عبودیت
میں ان کے اخلاص کی توصیف کا حق ادا نہیں

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب صدق الایمان واخلاصہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷
جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الانعام امین کمپنی دہلی ۲/۱۳۲
مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۲۴
[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۶/۹ و ۱۰ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۲/۲۲

بیانیه وصفة اخلاصه فی عبودیته[1] انتہی۔

والثانیة أن توصیفه بالتلظی ینافی هذا التخصیص لانه وصف مطلق النار لا نار مخصوص۔ اقول ولیس بشیئ اذ لا یمتنع توصیف فرد عظیم من جنس بوصف عام نشترك فیه الأفراد جمیعا و انما الممتنع عکسه اعنی توصیف جمیع الافراد بما یختص به فرد خاص، الا تری الٰی قوله تعالٰی "ما محمد الا رسول"[2] مع انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اعظم الرسل واکرمهم بالاطلاق، والرسالة وصف عام یشترك فیه المرسلون جمیعا ولیس فی الأیة ما یدل علی القصر ینافی العموم، علی ان التلظی مقول بالتشکیك فیجوز ان یراد هنا تلظ خاص لیس کمثله تلظ کما قال الله سبحنه وتعالٰی "یایها الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم"[3] اطلق الضلال و

کرسکتا۔

دوسری یہ کہ آگ کو تلظی (بھڑکنے) سے موصوف فرمانا اس تخصیص کے منافی ہے اس لئے کہ بھڑکنا مطلقاً ہر آگ کی صفت ہے نہ کہ کسی خاص آگ کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کوئی چیز نہیں اس لئے کہ کسی جنس کے عظیم فرد کو ایسے عام وصف سے جس میں سارے افراد شریک موصوف کرنا ممتنع نہیں، ممتنع تو اسکا عکس ہے یعنی تمام افراد کو ایسی صفت سے موصوف کیا جائے جو کسی خاص فرد کی صفت ہو کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرف "اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں" حالانکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب رسولوں سے مطلقاً افضل و اعلٰی ہیں اور رسالت ایک وصف عام ہے جس میں سب رسول شریک ہیں، اور آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو کہ عموم کے منافی ہو، مزید برآں تلظی (بھڑکنا) کلی مشکک ہے لہذا جائز ہے کہ اس جگہ خاص تلظی (بھڑکنا) مراد ہو جس کے مثل کوئی تلظی نہ ہو، جیسے اللہ سبحنہ وتعالٰی نے فرمایا: "اے ایمان والو! تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو"

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیہ ۹۲/۹ و ۱۰ المطبعة البہیة المصریة مصر ۳۲/۲

[2] القرآن الکریم ۳/۱۴۴

[3] ″ ″ ۵/۱۰۵

اراد الضلال البعید وھو الکفر۔

ضلال بولا اور ضلال بعید مراد لیا اور وہ کفر ہے۔

اخرج الامام احمد والطبرانی وغیرھما عن ابی عامر الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ھٰذہ الاٰیۃ فقال لایضرکم من ضل من الکفار اذا اھتدیتم[1]

امام احمد و طبرانی وغیرہما نے ابوعامر اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیا اس آیت کے بارے میں تو حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا یعنی کافر لوگ) جبکہ تم راہ پر ہو۔

والعجب ان الرازی جنح بنفسہ الٰی نحو من ھذا فی قولہ تعالٰی "نارٌ حامیۃ"۔ قال والمعنی ان سائر النیران بالنسبۃ الیھا کانھا لیست حامیۃ وھذا القدر کاف فی التنبیہ علٰی قوۃ سخونتھا نعوذ باللہ منھا[2] الخ فما للتشعیر یوکل و یذم۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ فخر رازی خود اس کے قریب توجیہ کی طرف مائل ہوئے اللہ تعالٰی کے قول نارٌ حامیۃ کی تفسیر میں انھوں نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ ہر آگ جہنم کی آگ کے مقابل گویا گرم ہی نہیں اور اتنی بات آتش جہنم کی سخت گرمی پر متنبہ فرمانے کو کافی ہے ہم اللہ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں جو کھایا جائے اور برا بھی کہا جائے۔

اقول لک ان تقول ان لظی من المجرد وتلظی من المزید و زیادۃ اللفظ تدل علٰی زیادۃ المعنی کما قالوا فی الرحمٰن والرحیم وغیر ذٰلک مع فیہ من التشدید

میں کہتا ہوں اور تمھیں پہنچتا ہے کہ تم کہو کہ لظی مجرد کے قبیل سے ہے اور تلظی مزید کے قبیل سے ہے اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ رحمٰن ورحیم وغیرہ میں علماء نے فرمایا اس کے ساتھ تلظی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عامر الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۲۹ و ۲۰۱
مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ دار الکتاب ،، ۷/ ۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۱۰۱/ ۱۱ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۲/ ۷۴

لفظا المنبئ عن الشدة معنی کما فی قتل وقتّل وقاتل وقتّال مع أن باب الادعاء واسع وقصر الوصف علٰی اعظم من یوصف شائع قال تعالٰی فی المهاجرین "اولٰئك هم الصادقون"[1] ویمکن أن تجعل من هذا القبیل امثال قوله تعالٰی "انه هو السمیع العلیم"[2] وقد حققنا المسألة فی خاتمة رسالتنا سلطنة المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بما لامزید علیه هذا وکان قلب ابی عبیدة رکن الی هذا الوجه الذی ذکر القاضی الامام شیئا قلیلا ثم بدا له ما بدا فانحجم کما حکینا لك کلامه ستسمع منا جوابه ان شاء الله تعالٰی۔

الثانی من وجهی القاضی "أن المراد بقوله تعالٰی نارا تلظّی النیران اجمع" و یکون المراد بقوله تعالٰی لا یصلٰها الا الاشقی ای هذا الاشقی به احق" وثبوت هذه الزیادة فی الاستحقاق

میں لفظی شدت ہے جو معنوی شدت کی خبر دیتی ہے جیسے لفظ قتل اور قتّل اور قاتل وقتّال میں، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ادعاء کا باب واسع ہے اور صفت کو سب موصوفین سے بڑے موصوف پر مقصور رکھنا عرف شائع ہے۔ اللہ تعالٰی کا مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہے اولٰئك هم الصادقون (یہی لوگ سچے ہیں) اور ممکن کہ تم اللہ تعالٰی کے قول (بیشک وہی ہے سنتا جانتا ہے) کو اس قبیل سے قرار دو اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتمہ میں ایسے کلام سے جس میں زیادتی نہیں ہوسکتی کی ہے اور اس توجیہ کی طرف جو قاضی امام نے بیان فرمائی ابو عبیدہ کا دل کچھ مائل ہوا تھا پھر اس کو سوجھی جو سوجھی تو وہ اس سے منحرف ہوگیا جیسا کہ ہم تم سے اس کا کلام ذکر کرچکے اور عنقریب تم ہم سے اس کا جواب سنو گے ان شاء اللہ تعالٰی۔

قاضی کی ارشاد فرمودہ دو وجہوں میں سے دوسری یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول نارًا تلظّی سے مراد تمام آتشیں ہیں، اور اللہ تعالٰی کے قول لا یصلٰها الا الاشقی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت) سے مراد یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا بدبخت ان تمام آزمائشوں کے

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۸

[2] " " ۴۱/ ۳۶

غیرحاصل الا لهذا الاشقی[1] انتہی۔ والی نحومن ھذا یمیل ماجزم بہ الزمخشری فی الکشاف مقتصراعلیہ ونقلہ الامام النسفی رامزا الیہ من ان "الاٰیۃ واردۃ فی الموازنۃ بین حالتی عظیم من المشرکین وعظیم من المؤمنین فاراد ان یبالغ فی صفتیھما المتناقضتین فقیل الاشقی وجعل مختصا بالصلی کان النار لم تخلق الا لہ، وقیل الاتقی وجعل مختصا بالنجاۃ کان الجنۃ لم تخلق الا لہ[2] انتہی۔

اقول وھذا ھو الحصر الادعائی الذی وصفنا لک ولاشک انہ دائر سائر بین البلغاء یشھد بھذا من تتبع دواوین العرب وکلامھم فی المدح والھجاء ومعلوم ان الزمخشری لہ ید طولی وکعب علیا فی فنون الادب وصنائع الادباء فقول الرازی انہ ترک الظاھر من غیر دلیل[3] انتہی غیرمستحسن

سب سے زیادہ سزاوار ہے اور استحقاق کی زیادتی اسی سب سے بڑے بدبخت کو حاصل ہے انتہی۔ اور اسی سے قریب توجیہ کی طرف وہ توجیہ مائل ہے جس پر زمخشری نے جزم کیا کشاف میں اس پر اکتفا کرتے ہوئے اور زمخشری کی وہ توجیہ امام نسفی نے اس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے نقل فرمائی وہ توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے ایک عظیم اور مومنین کے ایک عظیم کے دو متناقض صفتوں میں مبالغہ فرمایا جائے تو اشقی فرمایا گیا اور اسے آتشِ جہنم میں جانے کیلئے مخصوص ٹھہرایا گیا گویا جہنم کی آگ اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے اور اتقی فرمایا گیا اور نجات کے لئے مخصوص فرمایا گیا گویا جنت اسی کے لئے بنی ہے انتہی۔

میں کہتا ہوں یہی وہ حصر ادعائی ہے جس کا بیان ہم نے تم سے کیا اور کوئی شک نہیں کہ یہ بلغاء میں دائر و سائر ہے اس کی گواہی عرب کے دیوانوں کو اور مدح وہجو میں ان کے کلام کو خوب مطالعہ کرنے والا دے گا، اور یہ معلوم ہے کہ زمخشری کو فنونِ ادب اور ادیبوں کی صنعتوں میں بڑی دسترس ہے اور اونچا درجہ حاصل ہے تو فخر رازی کا زمخشری پر یہ اعتراض کہ اس کی یہ توجیہ ظاہر کو بے دلیل چھوڑنا ہے انتہی خوب نہیں

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الاٰیۃ ۹۲/۱۵ و ۱۶ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۴
[2] مدارک التنزیل " " ۹۲/۱۶ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۶۳
[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) " " " المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۴

وای شیئ اکبر دلالۃ من
الاحتیاج الی تصحیح الکلام ولیس
تاویل الأشقی بالشقی اقرب الی
الظاهر من هذا الحصر مع شیوعه و
کثرۃ وقوعه نظماً و نثراً وتصحیح الکلام
قرینۃ کافیۃ فی امثال هذا المقام
الاتری إنك اذا سمعت رجلا یقول
زید هو الکریم علمت اوّل وهلۃ
من دون تأمّل ولا مهلۃ ان
مراده ان لیس کریم مثله لا أن لاکریم
مثله وهذا ظاهر جدا، هذا اما یتعلق
بحکم الاشقی، و لا شك أن الکلام ههنا
محتاج بظاهرہ الی تاویل او توجیه لکن
ابا عبیدۃ زاد فی الشطرنج بغلۃ ثم تتابع
فی قوم من المتاخرین ینقلون کلامه
من دون تنقیح کما حکینا لك دیدنهم من
کلام الامام العلامۃ السیوطی رحمه الله تعالٰی
حمله علی ذلك أن ظن ان اٰیۃ الاتقی
ایضاً محتاجۃ الی التاویل حیث قال و
ان زعمت انه تعالٰی نکر النار الی اٰخرالخ
ما نقلنا عنه فلم یثبت أن اخذ الاتقی
بمعنی التقی لیشمل کل مؤمن ووافقه
علی ذلك الزمخشری وغیرہ لکنهم

اور کلام کی تصحیح کی حاجت سے بڑی کون سی دلیل ہے
اور اشقی کی تاویل شقی سے اس حصر کی بہ نسبت
ظاہر سے نزدیک تر نہیں باوجود اس کے یہ
حصر عرف میں شائع ہے اور نظم و نثر میں بکثرت
واقع ہے اور تصحیح کلام کی حاجت اس جیسے
مقامات میں قرینہ کافیہ ہے۔ کیا تم نہیں جانتے
کہ جب تم کسی کو یہ کہتے سنو کہ زید ہی کریم ہے
تو پہلی فرصت میں تم جان جاؤ گے کہ زید جیسا
کوئی کریم نہیں نہ یہ کہ زید کے سوا کوئی کریم نہیں،
اور یہ خوب ظاہر ہے، یہ تو حکم اشقی سے متعلق تھا
اور کوئی شک نہیں کہ اس مقام پر کلام اپنے
ظاہر سے تاویل یا توجیہ کا محتاج ہے لیکن ابوعبیدہ
نے شطرنج کے مُہروں میں بغلہ (خچر) بڑھا دیا پھر
متاخرین میں سے کچھ لوگ پے در پے اس کا کلام
بغیر تنقیح کے نقل کرتے رہے، جیسا کہ ہم نے تم
سے امام علامہ سیوطی کے کلام سے ان کی عادت
کی حکایت کی، اس کے لئے اس کا سبب یہ ہوا
کہ اس نے یہ گمان کیا کہ وہ آیت بھی جس میں اتقی
وارد ہوا تاویل کی حاجتمند ہے اس لئے کہ اس
نے کہا کہ اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا الخ
تو کچھ دیر نہ ٹھہرا کہ اتقی کو بمعنی تقی کے لیا تاکہ آیت
ہر مومن کو شامل ہوجائے اور اسی بات میں زمخشری
وغیرہ نے اس سے اتفاق کیا مگر اس کی تاویل

لم یوافقه علی التاویل کما سمعت وھذا الکلام لا یقوم علی ساق اذ لیس فی قوله تعالٰی وسیجنبها الاتقی ما یدل علی الحصر والقصر وانما یصف اللّٰہ سبحٰنه وتعالٰی عبدًا له اتقی بأنه یجنب النار ویبعد عنها لانه لایجنب النار الا ھو ورحم اللّٰہ الرازی حیث تفطن لهذا فذکر فی الاشقی قولا انه بمعنی الشقی ولم یذکرہ فی الاتقی راسا بل صرح بخلافه حیث قال "ھذا لایدل علی حال غیر الاتقی الا علی سبیل المفهوم والتمسك بدلیل الخطاب[1] الخ۔

میں ان لوگوں نے اسکی موافقت کی جیسا کہ تُو نے سُنا اور یہ کلام پائے ثبات پر قائم نہیں اس لئے اللہ تعالٰی کے قول وسیجنبها الأتقی میں کوئی لفظ نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو اللہ تعالٰی تو اپنے ایک بندے کا وصف بیان فرماتا ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو یوں کہ وہ جہنم کی آتش سے بہت دور رکھا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کی آگ سے وہی بچایا جائے گا۔ اور اللہ تعالٰی علامہ رازی پر اپنی رحمت فرمائے کہ انھوں نے اس امر کو سمجھ لیا لہٰذا اشقی میں ایک قول ذکر کیا کہ وہ بمعنی شقی کے ہے اور اتقی میں اسے بالکل ذکر نہ کیا بلکہ اس کے خلاف کی تصریح کی انھوں نے فرمایا یہ آیت کریمہ جس میں اتقی کے لئے بشارت ہے غیر اتقی کے حال پر دلالت نہیں کرتی مگر اپنے مفہوم کے اعتبار سے اور دلیل خطاب سے تمسک کے طور پر الخ۔

اقول بل ولا یتمشی علی مذھب القائلین بمفهوم الصفة ایضًا فان الکلام مسوق لمدح الاتقی کما یدل علیه سبب النزول و مقام المدح والذم مستثنٰی عندھم ایضًا کما ھو مذکور فی کتب الاصول فیا للعجب من القاضی البیضاوی الشافعی

میں کہتا ہوں بلکہ یہ بات ان کے مذہب پر بھی نہیں چلتی جو مفہوم صفت کے قائل ہیں اس لئے کہ کلام مدحتِ اتقی کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ اس پر سببِ نزول دلالت کرتا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک مقام مدح و ذم بھی مستثنٰی ہے جیسا کہ کتبِ اصولِ فقہ میں مذکور ہے تو قاضی بیضاوی شافعی پر تعجب ہے انھوں نے

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۹۲/ ۱۷ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۴

كيف تمسك ههنا بالمفهوم، مع انه ليس محله بالاتفاق و أشد العجب من القاضي الامام ابي بكر الشافعي اذ زل قلمه فمال الى افادة الحصر مع انه يخالف ائمته في القول بالمفهوم رأسا، وهكذا يرينا الله أياته في الافاق وفي انفسنا كيلا يغتر مغتر بدقة انظاره ولا يسخر ساخر من عاثر في افكاره[1] اذ نرى كل صارم ينبو وكل جواد يكبو فعلام يزهو من يزهو وسقى الله عهد من قالوا وما ادرٰك من قالوا سادة كرام قادة الامة ابراهيم النخعي و مالك بن انس وغيرهما من الائمة اذ قالوا، ولنعم ما قالوا كل احد ماخوذ من كلامه ومردود عليه الا صاحب هذا القبر[2] صلى الله تعالٰى عليه وسلم، نسأل الله الوقاية في البداية والنهاية، والحمد لله رب العالمين۔

کیونکر مفہوم سے استدلال کیا حالانکہ بالاتفاق یہ اس کا محل نہیں، اور سخت تعجب تو قاضی امام ابوبکر شافعی پر ہے کہ ان کے قلم نے لغزش کی تو وہ اس طرف مائل ہوئے کہ آیت حصر کا فائدہ دیتی ہے حالانکہ وہ قول بالمفہوم میں اپنے ائمہ کے بالکل مخالف ہیں، اور یونہی اللہ ہمیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ہمارے نفوس میں دکھاتا ہے تاکہ کوئی اپنی باریک بینی پر مغرور نہ ہو اور کوئی ہنسنے والا اپنے افکار میں لغزش کرنے والے سے نہ ہنسے اس لئے کہ ہر تلوار اُچٹتی ہے اور ہر گھوڑا گرتا ہے تو گھمنڈ کرنیوالا کاہے کو گھمنڈ کرے، اور اللہ تعالٰی ان کے زمانے کو سیراب کرے جنھوں نے فرمایا اور تمھیں کیا خبر وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے فرمایا، سرداران بزرگ اُمت کے مقتدا ابراہیم نخعی ومالک بن انس وغیرہ ائمہ کہ اُنھوں نے فرمایا اور کیا خوب فرمایا کہ ہر شخص کی کوئی بات مقبول ہوتی ہے اور کوئی نامقبول، مگر اس قبر شریف کے ساکن یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ اُن کی ہر بات قبول ہے، ہم اللہ تعالٰی سے حفاظت مانگتے ہیں ابتداء وانتہاء میں، والحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] الیواقیت والجواہر المبحث التاسع والاربعون داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

[2] الانصاف لولی اللہ دہلوی مکتبہ حقیقۃ دارالشفقت استنبول ترکی ص ۱۳

والاٰن اٰن اٰن نستکمل الرد علی ابی عبیدۃ فیما فر عنہ و فیما اطمأن علیہ فاقول و باللہ التوفیق زعم الرجل اولاً ان تاویل الاشقی بالشقی ینجیہ عما فیہ اذاٰل الکلام الی ان لایصلی النار الا الکافر وھذا حق لاغبار علیہ۔

اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم ابوعبیدہ کا رد اس میں جس سے اس نے فرار اختیار کیا اور جس پر وہ مطمئن ہوا تمام کریں، تو میں کہتا ہوں اور اللہ سے ہی توفیق ہے اس شخص نے پہلے خیال یہ کیا کہ اشقی کی تاویل شقی سے اسے اس آفت سے نجات دے دے گی جس میں وہ مبتلا ہے اس لئے کہ کلام کا مآل یہ ہوا کہ دوزخ کی آگ میں کافر ہی جائے گا۔ اور یہ بات حق ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔

قلنا نظرت الموصوف و ترکت الصفۃ یقول اللہ سبحٰنہ و تعالٰی لایصلٰھا الا الاشقی الذی کذب و تولّٰی[1]، ومعلوم ان من الکفار من لم یکذب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدۃ عمرہ لابجنانہ ولا بلسانہ وانما اکفرہ ان سبق الکتاب و خذل التوفیق والعیاذ بوجہ المولی الکریم۔

ہم کہیں گے کہ تم نے موصوف کو دیکھا اور اور صفت کو چھوڑ دیا اللہ سبحٰنہ وتعالٰی فرماتا ہے لایصلٰھا الا الاشقی الذی کذب وتولّٰی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) اور یہ معلوم ہے کہ کافروں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ جھٹلایا نہ اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے، اس کا کفر تو یوں ہوا کہ اللہ کا لکھا غالب آیا اور توفیقِ الٰہی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور مولائے کریم کی ذات کی پناہ ہے۔

اقول وھذا ابو طالب عم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افنی عمرہ فی حفظہ وحمایتہ و بلغ الغایۃ القصوٰی

میں کہتا ہوں یہ ہیں ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا جنھوں نے اپنی عمر حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حفاظت و حمایت میں فنا کر دی اور وہ حضور صلے اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۵ و ۱۶

من محبته وولایته قد کان حبه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخذ بمجامع قلبہ حتی کان یفضلہ علی الاطفال الصغار من بنی صلبہ، ولما بعث اللہ تعالٰی نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فدعا المشرکین الی التوحید وھجم علیہ الاعداء من کل شاء وبعید، قام ینا ضل عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاعظم برہ ولازم نصرہ وقاسی ماقاسی من شدائد لا تحصٰی فی مھاجرۃ المشرکین من عشیرتہ الاقربین۔ وھوالذی لما تمالأت قریش علی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونفروا عنہ من یرید الاسلام انشاء قصیدۃ تدل علی عظم حبہ للمصطفٰی وشدۃ بغضہ اعدائہ اللئام کما روی ابن اسحٰق وغیرہ من الثقات ومنہا ھٰذہ الابیات ؎

اعبد مناف انکم خیر قومکم
فلا تشرکوا فی امرکم کل واغل

فقد خفت ان لم یصلح اللہ امرکم
تکونوا کما کانت احادیث وائل

اعوذ برب الناس من کل طاعن
علینا بسوء او ملح بباطل

علیہ وسلم کی محبت اور نصرت کی انتہائی حد کو پہنچے، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت نے ان کے پورے دل کو ایسا پکڑ لیا تھا کہ اپنے صلبی کم سن بچوں پر حضور علیہ السلام کو فضیلت دیتے تھے اور جب اللہ تعالٰی نے اپنے نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو سرکار نے مشرکین کو وحدانیت کی طرف بلایا اور دین کے دشمن ہر سمت دُور ونزدیک سے حملہ آور ہوئے ابوطالب ان کی حمایت کو کافروں سے لڑنے کو کھڑے ہو گئے تو سرکار کے ساتھ بڑی نیکی کی اور ہمیشہ ان کی مدد کی اور اپنے قریبی رشتہ دار مشرکوں کی طرف سے کیسی بے شمار سختیاں جھیلیں۔ یہ وہی ابوطالب تھے کہ جب سارے قریش مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مخالف ہوئے اور اسلام کے خواہشمندوں کو سرکار علیہ السلام سے دور کیا تو انھوں نے ایک قصیدہ کہا جو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بڑی محبت اور ان کے کمین دشمنان سے شدید عداوت کی دلیل ہے، جیسا ابن اسحٰق نے معتمد راویوں سے روایت کیا ہے۔ اسی قصیدہ کے یہ شعر ہیں:

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنی قوم میں سب سے بہتر ہو، تو تم اپنے معاملہ میں ہر خسیس کو شریک نہ کرو۔

بیشک مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمھارا حال ٹھیک نہ کیا تو تم وائل کے افسانوں کی طرح افسانہ ہو جاؤ گے

میں لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر برائی کا طعنہ دینے والے اور باطل پر اصرار کرنے والے سے

ومن کاشح یسعی لنا بعیبة ومن ملحق فی الدین مالم یحاول	اور کینہ پرور سے جو ہم پر گھمنڈ کی کوشش کرے، اور اس سے جو دین میں ایسی بات شامل کرے جو دین میں کبھی نہ پائی گئی ہو۔
وثور ومن أرسٰی ثبیرًا مکانه وراق لبرّ فی حراء ونازل	اور کوہِ ثور سے اور اس سے جس نے کوہِ ثبیر کو اپنی جگہ جمایا اور کوہِ حرا میں عبادت کے لئے چڑھنے اور اُترنے والے سے۔
وبالبیت حق البیت فی بطن مکة وبالله ان الله لیس بغافل	اور اللہ تعالیٰ کے سچے گھر کی قسم اور اللہ کی قسم بیشک اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔
کذبتم وبیت الله نبزی محمدًا ولما نطاعن دونه ونناضل	اللہ کے گھر کی قسم! اے کافرو! تم جھوٹے ہو اس گمان میں کہ ہم محمد (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو چھوڑ دیں گے۔
ونسلمه حتی نصرع حوله ونذهل عن ابناءنا والحلائل	حالانکہ ابھی ہم نے حضور علیہ السلام کے گرد نیزوں اور تیروں سے جنگ نہ کی اور کیا ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمھارے سپرد کر دیں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہو جائیں۔
لعمری لقد کلفت وجدا بأحمد وأحبته داب المحب المواصل	مجھے اپنی جان کی قسم! مجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شدید محبت ہے اور میں انھیں ایسا چاہتا ہوں جس طرح پیہم چاہنے والے کی عادت ہوتی ہے۔
فمن مثله فی الناس ای مؤمل اذا قاسه الحکام عند التفاضل	جب فیصلہ کرنے والے مقابلے کے وقت کسی کو ان پر قیاس کریں تو ان جیسا لوگوں میں کون ہے جس کے لئے یہ امید ہو کہ وہ ان کا ہم پلہ ہوگا۔
حلیم رشید عاقل غیر طائش یوالی الاهالیس عنه بغافل	حلم والے، رشد والے، عقل والے، طیش والے نہیں وہ بیوقوف و بے قدر سے محبت رکھتے ہیں جو ان سے غافل نہیں۔

فواللّٰہ لولا ان اجئ بسبۃ
تجرّ علی اشیاخنا فی المحافل

توخدا کی قسم اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں ایسا کام کروں جو ہمارے بزرگوں پر محافل میں ملامت کا سبب بنے۔

لکنا اتبعناہ علٰی کل حالۃ
من الدھر جدا غیر قول التہازل

تو ہم نے زمانہ کی ہر حالت میں ان کی پیروی کی ہوتی تو یہ بات سنجیدگی سے بے مذاق کے کہتا ہوں۔

فاصبح فینا احمد فی ارومۃ
تقصر عنہا سورۃ المتطاول

تو احمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے اندر ایسے عالی نسب ہیں جس کو فخر کرنے والے کی محبت پانے سے عاجز ہے۔

حدیت بنفسی دونہ وحمیتہ
ودافعت عنہ بالذرا والکلاکل[1]

میں نے اپنی جان کو ان کے سپرد کردیا اور ان کی حمایت کی اور سرداروں اور گروہوں کے ذریعہ (یا سروں اور سینوں کے ذریعہ) دشمنوں سے حضور کا بچاؤ کیا۔

ولقد کان یتبرک بالنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ویتوسل بہ الی اللّٰہ تعالٰی فی الدعاء کما یدل علیہ ماروی العلماء من سنۃ قریش وحدیث الاستسقاء[2]، وقد حث الناس علی اتباعہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم واخبر عن امور لم تقع فصدق

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے برکت طلب کرتے اور دعا میں آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وسیلہ بناتے چنانچہ اس پر قریش کی قحط سالی اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ جسے علماء نے روایت فرمایا ہے دلالت کرتا ہے اور بیشک ابوطالب نے لوگوں کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع پر اُبھارا اور ان باتوں کی خبر دی جو واقع نہ ہوئی تھیں تو ایسا ہی

---

[1] السیرۃ النبویۃ لسید احمد زینی دحلان باب وفاۃ عبدالمطلب المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۱/ ۸۳
السیرۃ النبویۃ لابن ہشام شعر ابی طالب فی استعطاف قریش دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص ۲۷۲ تا ۲۸۰
[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۶

سبحٰنہ وتعالٰی ظنہ ووقع کمثل اخبارہ فوقع ولقد کان لہ موقع عظیم فی قلب النبی الکریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم حتی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما جاءہ اعرابی فقال یارسول اللہ اتیناك وما لنا صبی یغط ولا بعیر یئط وانشد ابیاتا فقام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یجر رداءہ حتی صعد المنبر ورفع یدیہ الی السماء فواللہ ما رد یدیہ بکریمتین حتی التقت السماء بأبراقھا وجاءوا یضجون الغرق، فضحك صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ وتذکر قول ابی طالب فی مدحہ حیث یقول:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامٰی عصمۃ للارامل[1]

فقال للہ در أبی طالب لوکان حیا لقرت عیناہ من ینشدنا قولہ، فقال علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ یارسول اللہ

ہُوا جیسا اُنھوں نے خبر دی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں ان کے لئے مقام عظیم تھا یہاں تک کہ جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی کہ ہم سرکار کے پاس آئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ضُعف سے ہمارے بچّوں کی آواز نہیں نکلتی اور ہمارے اونٹ لاغری سے کراہتے نہیں اور اس اعرابی نے سرکار کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام چادر اقدس کو گھسیٹتے ہُوئے اٹھے اور منبر پر صعود فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو خدا کی قسم ابھی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ آسمان بجلیوں سے بھر گیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ پکارتے ہُوئے آئے کہ ہم ڈوبے، تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ دندان اقدس چمکے اور آپ کو اپنی تعریف میں ابو طالب کا قول یاد آیا جب انھوں نے عرض کیا تھا کہ:

سرکار گورے ہیں جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کی ٹیک اور بیواؤں کا سہارا ہیں۔

پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کے لئے ابو طالب کی خوبی ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتیں کون ہمیں ان کے شعر سنائے گا، تو حضرت علی

---

[1] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷
دلائل النبوۃ للبیہقی باب استسقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۴۱

كانك تريد قوله وابيض يستسقى، و ذكر ابياتاً فقال صلى الله تعالٰى عليه وسلم اجل كما اخرجه البيهقى فى دلائل النبوة[1] عن سيدنا انس رضى الله تعالٰى عنه فانظر الى قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "لله درّ ابى طالب" وقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "لوكان حيًّا لقرّت عيناه" وقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "من ينشدنا قوله" ولم ينقل عنه مرّة انه رد على النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وكذبه فيه بل هو القائل فى تلك القصيدة مخاطبا لقريش ؎

لقد علموا ان ابننا لا مكذب
لدينا ولا يعنى بقول الاباطل[2]

ولذا كان اهون اهل

کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کیا گویا سرکار کی مراد ان کا وہ قصیدہ ہے جس میں انھوں نے عرض کی "وہ گورے رنگ والے جن کے چہرے کے ذریعہ بارش طلب کی جاتی ہے۔" اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے چند شعر پڑھے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں میں یہی چاہتا تھا۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا تو سرکار ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "للہ درّ ابی طالب" (اللہ کے لئے ابوطالب کی خوبی ہے) کو دیکھو اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کو دیکھو کہ "اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتیں۔" اور حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر نظر کرو کہ "ہمیں کون ابوطالب کے شعر سنائے گا؟" اور ایک بار بھی منقول نہ ہوا کہ ابوطالب نے سرکار کی کسی بات کو رَد کیا ہو یا سرکار کو جھٹلایا ہو، بلکہ خود اسی قصیدہ میں قریش سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ "خدا کی قسم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارا فرزند ہمارے نزدیک ایسا نہیں کہ جھٹلایا جائے اور نہ اسے جھوٹی باتوں سے کام ہے۔"

اور اسی وجہ سے ابوطالب پر تمام دوزخیوں

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب استسقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۴۱
[2] السیرۃ النبویۃ سید احمد زینی دحلان باب وفاۃ عبدالمطلب المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۸۳

الناس عذابًا كما في الصحاح و نفعته شفاعة الشفيع المرتجى صلى الله تعالٰى عليه وسلم حتى اخرج الٰى ضحضاح[1] على خلاف من سائر الكافرين الذين لا تنفعهم شفاعة الشافعين، و یا لیته لو اسلم لكان من أفضل اصحاب النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولكن قضاء الله لا يرد وحكمه لا يعقب و لله الحجّة السامية ولا حول ولا قوة الّا بالله العزيز الحكيم وقد فصّلنا المسئلة في بعض فتاوٰنا و اظهرنا بطلان قول من قال باسلامه واذا كان ذٰلك كذٰلك ظهر ان الحصر في الشقي المكذّب ايضًا غير مستقيم الٰى هٰذا اشار القاضي الامام حيث قال "لا يمكن اجراء هٰذه الاٰية على ظاهرها و يدل على ذٰلك ثلثة اوجه؛

احدها أنه يقتضي ان لا يدخل النار "الا الاشقى الذى كذب وتولى"، فوجب في الكافر

سے ہلکا عذاب ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہوا اور شفیع مرتجٰی (امیدگاہِ عاصیاں) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت نے انھیں نفع دیا تو ان پر تخفیف کے لئے انھیں جہنم کے بالائی سرے پر رکھ دیا گیا اور یہ معاملہ ان کے ساتھ سارے کافروں کے برخلاف ہے جنھیں شفیعوں کی شفاعت کام نہ دے گی اور کاش وہ ایمان لاتے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افضل صحابہ سے ہوتے۔ لیکن اللہ کا لکھا نہیں ٹلتا اور اس کا حکم نہیں بدلتا اور اللہ ہی کے لئے حجت بلند اور معصیت سے پھرنے کی قوت اور طاعت کی طاقت اللہ عزیز حکیم کے دیے بغیر نہیں، اور ہم نے اس مسئلہ کو اپنے بعض فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کیا اور ابوطالب کے اسلام کے قائل کی رائے کا بطلان ظاہر کیا ہے اور جب یہ بات یوں ہے تو ظاہر ہوا کہ حصر شقی مکذّب (جھٹلانے والے) میں بھی درست نہیں اسی طرف امام ابوبکر نے اشارہ کیا چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ اس آیت کو اس کے ظاہری معنٰی پر جاری کرنا ممکن نہیں اور اس پر تین وجوہ دلالت کرتی ہیں؛

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حصر اس کا مقتضی ہے کہ جہنم میں وہی کافر جائے گا جو سب سے بڑا بدبخت ہو جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۴۸

الذی لم یکذب و لم یتول ان لا ید خل النار[1] الخ۔

کی تکذیب کی ہو اور ان کی سچائی کے دلائل میں نظر سے اعراض کرتا ہو، تو لازم آیا کہ وہ کافر جس سے تکذیب و اعراض سرزد نہ ہوا (جیسے ابوطالب) جہنم میں نہ جائے۔

قلت و بما قررنا المقال بان لك انخساف ما قال الرازی متعقبا للامام القاضی ان کل کافر لابد و ان یکون مکذبًا للنبی فی دعواہ و یکون متولیًا عن النظر فی دلالۃ صدق ذٰلك النبی[2] الخ

میں کہتا ہوں جس طور پر ہم نے اپنے مقالہ کی تقریر کی اس سے امام رازی کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا جو انھوں نے امام قاضی پر بطور اعتراض کیا ہے کہ ہر کافر کا نبی کو اس کے دعوے میں جھٹلانا ضروری ہے اور اس نبی کے دلائل صدق میں نظر سے رُوگردانی اسے لازم ہے۔

وظھر ایضا ان ھٰذا التاویل الذی ارتضاہ کثیر من المتاخرین و لا یسد خلۃ و لا یشفی غلۃ و علیك بتلطیف القریحۃ۔

اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ تاویل جسے بہت سے متاخرین نے پسند کیا کوئی حاجت پوری نہیں کرتی نہ تشنگی کو کساتی بجھاتی ہے اور تم لطافت طبع کو لازم پکڑو۔

و زعم ثانیًا ان اٰیۃ الأتقی ایضا تفتقر الی التاویل لقرینتھا فارتکب ما کان فی مندوحۃ عنہ کما حققنا۔

اور ثانیًا اُسے گمان کیا کہ وہ آیت جو اتقی کے بارے میں ہے وہ بھی اپنے ساتھ والی آیت کی طرح محتاجِ تاویل ہے، تو اس کا ارتکاب کیا جس سے وہ بے نیاز تھے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی۔

و زعم ثالثًا ان تاویلہ الاتقی بالتقی مما یفیدہ و یغنی زعما منہ ان غیر التقی المذکور

اور ثالثًا گمان کیا کہ اس کا اتقی کو تقی کی طرف مؤول کرنا اسے فائدہ دے گا اور غنا بخشے گا اس گمان کی بنا پر کہ اس کے نزدیک

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۲/۱۵ و ۱۶ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۳

[2] " " " " " " " " ۳۱/۲۰۴

فی الأیۃ لایجنب النار۔

آیت میں مذکور تقی کے سوا کوئی آتشِ دوزخ سے نہ بچایا جائے گا۔

اقول ولا یرد علیہ ما سیظن ان این رحمۃ اللہ تعالٰی علی العصاۃ وقد اذنت نصوص قواطع ان کثیرا من الفجار والمثقلین بالاوزار والھالکین علی الاصرار لایسمعون حسیس النار بمحض رحمۃ العزیز الغفار وفیض شفاعۃ الشفیع المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ التقوٰی درجات وفنون اولھا اتقاء الکفر وھذا یستوی فیہ المؤمنون وقد افصح ابوعبیدۃ عن مرادہ اذ قال الاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن[1] انتھی۔

میں کہتا ہوں اور اس پر وہ سوال وارد نہیں ہوتا جس کا عنقریب وہ گمان کریگا کہ پھر اللہ تعالٰی کی رحمت گنہگاروں پر کہاں گئی حالانکہ قطعی دلیلیں بتا چکیں کہ بہت سے بدعمل اور گناہوں سے بوجھل اور مرتے دم تک گناہوں کے عادی محض رحمت عزیز غفار اور شفیع مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب آتش دوزخ کی پھنک تک نہ سنیں گے اس لئے کہ تقوٰی کے درجات اقسام میں ان کا پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے جس میں مومن برابر ہیں اور ابوعبیدہ نے اپنی مراد ظاہر کر دی کہ اس نے کہا اتقی بمعنی تقی کے ہے اور تقی مومن ہے اھ

اقول وبہ اندفع ما یتراءی من النقض بالصبیان والمجانین فان المراد بالتقی المؤمن والصبی ان عقل فاسلامہ معقول مقبول والجنون ان طرء فیستصحب الایمان السالف والا فینسحب علیھما حکم الفطرۃ الاسلامیۃ۔

میں کہتا ہوں اس تقریر سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جو بچّوں اور پاگلوں سے نقض کے ذریعہ اٹھتا معلوم ہوتا تھا اس لئے کہ تقی سے مراد مومن ہے اور بچہ اگر سمجھ والا ہے تو اس کا اسلام معقول اور مقبول ہے اور مجنون پر جنون اگر طاری ہے تو شرعًا اس کا ایمان سابق اس کے ساتھ مانا جائے گا ورنہ ان دونوں پر حکم فطرت اسلامیہ جاری (یعنی انھیں بہ حکم مسلمان جانیں گے)۔

لکنی **اقول** اوّلًا فم ماذا تصنع باللام الداخلۃ علی الاتقی

لیکن میں کہتا ہوں کہ اوّلًا جب اتقی بمعنی تقی کے ٹھہرا تو اس صورت میں اس لام

---

[1] مدارک التنزیل (التفسیر النسفی) بحوالہ ابی عبیدہ تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ دارالکتاب العربی بیروت ۴/۳۶۳

اذقد تقرر فی الاصول انہا ان لم تکن للعہد فللاستغراق[1]، ومعلوم ان من المؤمنین من یعذب ولا یجنب، ولا ینفع ارادۃ اللزوم بالصلی اذا الکنایۃ للنار دون الصلی، ولقد اغرب من تفطن لبعض من ھذا کالقاضی البیضاوی فحمل الکلام علی من یتقی الکفر والمعاصی **اقول** نعم الأن یصح الاستغراق ولکن من للحصر المزعوم الذی یرتکب لاجلہ تاویل الاتقی، اذ من الفجار من یجنب ولا یعذب کما ذکرنا وعلی ھذا یرد النقض ایضا بالصبی والمجنون۔

کے ساتھ کیا معاملہ کروگے جو اتقی پر داخل ہے اس لئے کہ اصول میں مقرر ہوچکا ہے کہ لام اگر عہد کے لئے نہ ہوگا تو استغراق کے لئے ہوگا۔

اور یہ معلوم ہے کہ مومنوں میں وہ ہیں جنھیں عذاب ہوگا اور وہ آتشِ دوزخ سے نہ بچائے جائیں گے اور یہ مفید نہیں کہ یَصلٰی سے بچائے آگ میں جانے کے آگ کا لازم ہونا مراد لیا جائے اس لئے کہ یجنبہا (اس دوزخ سے دُور کیا جائیگا) میں ضمیر جہنم کی آگ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ صلی مصدر کی طرف (جس کا معنی آگ میں جانا ہے)

اور جس کا ذہن ان باتوں میں سے بعض کی طرف پہنچا اس نے عجیب وغریب کام کیا جیسے قاضی بیضاوی، تو انھوں نے کلام کو اس پر محمول کیا جو کفر اور گناہوں سے بچے لیکن اس حصر مزعوم کا مددگار کون جس کی وجہ سے اتقی کی تاویل کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اس لئے کہ فاجروں میں وہ بھی ہے جو دوزخ کی آگ سے دُور رہے گا اور اسے عذاب نہ ہوگا۔

واقول ثانیًا اغمضنا ھذا کلہ وترکناکم وشانکم فاذھبوا بالکلام الٰی ما تشتہیہ انفسکم الا انکم اغفلتم الصفۃ ھٰھنا ایضا غفولکم عنہا

اور ثانیًا میں کہتا ہوں کہ ہم نے ان تمام باتوں سے آنکھ میچی اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑا تو کلام کو جدھر چاہئے لے جائیے مگر آپ لوگ یہاں بھی صفت سے غافل رہے جس طرح اشقی (جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا)

---

[1] التوضیح والتلویح نورانی کتب خانہ پشاور ص ۱۳۶

فی "الاشقی الذی کذب و تولّی"[1]
فان الله سبحٰنه وتعالٰی لم یرسل
الاتقٰی ارسالا بل خصه "بالذی
یؤتی ماله یتزکّی"[2] ومعلوم ان التقی
الفقیر لامال له وانه مجنب
عن النار لاشك، فان کان الکلام
علی الحصر کما زعمتم فالحصر
لم یستقم بعد والا فما ذا یلجئکم
الی التاویل والعدول عن ظاهر
التنزیل عن هذا نقول ان الوجه
ترك التکلف وصون اللفظین
لاسیما الأتقی عن التغییر والتصرف لانعدام
الحاجة فی احدی الاٰیتین و
اندفاعها بطریق اسلم فی
الاخرٰی کما یفیده الوجهان
اللذان ذکرهما القاضی الامام
مع ما شاهدنا ان التاویل
یراد ولا مفاد ویقاد ولا ینقاد
بید أنی ما یدرینی
لعل الجدال یوری نارا
موقدة تطلع علی الافئدة فیقوم قائل ان
وجهی القاضی ایضا یعکر علیهما بشیئ
فلا مناص من تشدید الارکان

کے معاملہ میں آپ نے صفت سے غفلت کی اس لئے
کہ اللہ تعالٰی نے اتقی کو مطلق نہ رکھا بلکہ اسے
اس کے ساتھ خاص کیا جو اپنا مال ستھرا ہونے
کو راہِ خدا میں دے اور یہ معلوم ہے کہ تقی
فقیر کے پاس مال نہیں ہے حالانکہ وہ آتشِ
دوزخ سے بیشک دُور رہے گا۔ تو اگر کلام
بسبیل حصر ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا زعم ہے
تو حصر تو اب بھی درست نہیں ہوا اور اگر حصر
پر بنا نہیں تو آپ کو تاویل اور ظاہر تنزیل سے
عدول کی طرف کون سی چیز مضطر کرتی ہے اسی
سبب سے ہم کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ یہی ہے کہ
تکلّف چھوڑا جائے اور دونوں لفظوں خصوصًا
اتقی کو تصرف وتغیر سے محفوظ رکھیں اس لئے کہ
ایک آیت میں تاویل کی حاجت نہیں اور
دوسری میں مسلک اسلم سے حاجت مندفع
ہوجاتی ہے جیسا کہ ان دو وجہوں نے افادہ
کیا جو قاضی امام نے ذکر فرمائیں باوجودیکہ ہم نے
مشاہدہ کیا ہے کہ تاویل مراد ہوتی ہے حالانکہ
کوئی مفاد نہیں ہوتا اور وہ کھینچی جاتی ہے جبکہ
وہ نہیں کھنچتی۔ لیکن میں کیا جانوں شاید بحث
روشن آگ کو بھڑکائے جو دلوں پر جھکے تو کوئی
قائل کھڑا ہوجائے اور کہے کہ قاضی کی مذکورہ
دو وجہوں پر بھی کچھ غبار ہے لہذا ارکان کو مضبوط

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/۱۶
[2] القرآن الکریم ۹۲/۱۸

وتجدید الارصات علٰی حسب الامکان۔

فاقول وربّی ولی الاحسان یستبعد علی الوجه الاوّل وصف الاتقی بانه یجنب تلک النار الکبرٰی فان مدح اکرم القوم بانه لیس أرذل القوم مما لا یستملح۔

اقول والمخلص الاستخدام وھو شائع فی فصیح الکلام بل عدوہ والتوریة اشرف انواع البدیع، بل منھم من قدمه فی الشرف علی الجمیع کما ذکر الامام العلامة السیوطی[1] ومنه فی القراٰن العظیم قوله تعالٰی "ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین[2]"۔

کرنا اور اشیاء کی تجدید بقدرِ امکان ضروری ہے۔

تو میں کہتا ہُوں اور میرا رب ولیِ نعمت ہے، پہلی وجہ پر اتقی کا یہ وصف بیان کرنا کہ وُہ بڑی آگ سے دُور رکھا جائے گا مستبعد ہے اس لئے کہ قوم کے بزرگ ترین کے لئے یہ کہنا کہ وہ رذیل ترین نہیں ہے اس میں کوئی ملاحت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں اور اس سے نجات دہندہ وُہ استخدام ہے اور وُہ کلام فصیح میں شائع ہے، بلکہ علماء نے استخدام و توریہ(ف) کو بدیع کی سب سے عمدہ قسم شمار کیا ہے، بلکہ بعض علماء نے استخدام کو شرف میں تمام اقسامِ بدیع پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے، اور اس قبیل سے قرآن عظیم میں اللہ تعالٰی کا قول ہے: "اور بیشک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں"۔

ف: توریہ ابہام کو کہتے ہیں، اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کو لیں جس کے دو[2] معنی ہوں ایک قریب دوسرا بعید۔ اور معنی قریب سے بعید معنی کا توریہ کریں، اور بعید معنی مراد ہو تو معنی قریب کو مورّی بہ اور معنی بعید کو مورّی علیہ کہتے ہیں۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۲ و ۱۳

المراد بالانسان أبونا أدم علیه السلام وبضمیر ولده، ومنه قوله تعالٰی "اتی امر الله فلا تستعجلوه[1]"۔

آیت میں انسان سے مراد ہم انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ضمیر سے مراد ان کی اولاد ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالٰی کا قول ہے کہ "اللہ تعالٰی کا حکم آیا تو اس کی جلدی نہ مچاؤ۔"

المراد بامر الله بعثة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی احد الوجوه فی تاویله اخرج ابن مردویة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه فی قوله تعالٰی اتی امر الله قال محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم، والمراد بالضمیر قیام الساعة قاله العلامة السیوطی[2]، نفعنا الله تعالٰی بعلومه، اٰمین۔

اس آیت میں ایک وجہ پر امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول "اتی امر اللہ" میں امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ اور ضمیر سے مراد قیامت کا قائم ہونا ہے، یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر کیا ہے اللہ تعالٰی ہمیں ان کے علوم سے نفع بخشے آمین۔

اقول فان قلت اذا اراد تم بالنار اعظم النیران المخصوص باشقی الاشقیاء، فما معنی انذار سائر الناس عنه قلت المعنی ان شاء الله تعالٰی ان الاشقی انما بلغ ما بلغ من کمال الشقاء وسوء الجزاء وجهد البلاء بما ثابر علیه من اللداد و

میں کہتا ہوں اب اگر تم کہو جبکہ آپ نے آیت میں مذکور نار سے دوزخ کی سب سے بڑی آگ مراد لی جو تمام اشقیا سے بدتر شقی کے لئے مخصوص ہے تو سب لوگوں کو اس سے ڈرانے کا کیا مقصد ہے؟ تو میں کہوں گا کہ مقصد ان شاء اللہ تعالٰی یہ ہے کہ وہ سب سے بڑا شقی کمال شقاوت اور بُری جزا اور سخت بلا کے جس درجہ پر پہنچا اس کا سبب وہی کفر و عناد ہے اور ہر ناہنجار اور

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/۱

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۱۵۴

العناد والاصرار والاستکبار فاحذروا انتم یا ایھا الناس ان لم تنیبوا الی الحق ودمتم کذوا مہ ان تعادلوہ فی الشقاء فتلقوا اثاما کمثل اثامہ فکانت الاٰیۃ علٰی حد قولہ تعالٰی "فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد وثمودؕ[1]" فانھم انما اصابھم ما اصابھم لمثل ھذا الاعراض فماذا یؤمنکم ان مضیتم علٰی دابھم ان تعذبوا بعذابھم او حصل الانذار بانہ تعالٰی اخبر ان ھناک عدوًا اشقٰی من یوجد ولہ جزاء اسوء مایکون والناس غیر دارین انہ من ھو، ولم یذکر اللہ تعالٰی من صفاتہ الا التکذیب والتولی، فحق ان تنقطع قلب کل مکذب وینفلق کبد کل متول خوفا وفرقا ان یکون ھو ھو فمن ھذا الوجہ جاء الانذار لسائر الناس فاتقنہ فانہ من احسن السوانح بتوفیق الملک العلیم الفاتح جل جلالہٗ

گھمنڈ ہے جس پر وہ قائم رہا تو اے لوگو! تم ڈرو کہ اگر تم حق کو نہ جانو اور ناحق پر جمے رہو جیسا کہ وہ بڑا بدبخت جما رہا کہیں تم بدبختی میں اس کے برابر نہ ہو جاؤ تو اس کے عذاب جیسا عذاب پاؤ تو یہ آیت اللہ تعالٰی کے قول "پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی" کے طور پر ہے اس لئے کہ عاد وثمود پر جو مصیبت اتری وہ اسی طور کے اعراض (روگردانی) کے سبب اتری تو تمہیں کون سی چیز بے خوف کرتی ہے، اگر تم ان اگلوں کی عادت پر جمے رہو ان جیسا عذاب پانے سے یا سب کے لئے تنبیہ ہوگئی کہ اللہ تعالٰی نے بتایا کہ آخرت میں اللہ تعالٰی کا ایک دشمن نہایت بدبخت ہوگا اور اس کے لئے نہایت بدترین سزا ہے اور لوگ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے، اور اللہ تعالٰی نے اس کی صفات میں سے جھٹلانے اور منہ موڑنے کے سوا کچھ ذکر نہیں کیا تو بجا ہے کہ ہر جھٹلانے والے کا دل کٹ جائے اور ہر منہ موڑنے والے کا کلیجہ پھٹ جائے اس ڈر سے کہ کہیں وہی نہ سب سے بڑا بدبخت ہو جس کی یہ سزا سنائی گئی تو اس وجہ سے یہ تخویف سب لوگوں کے لئے آئی، اس نکتہ کو یاد رکھو کہ یہ بادشاہ علیم فاتح (علم والے عقدہ کھولنے والے جل جلالہٗ) کی توفیق سے ایک

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۳

وهذا الكلام يجري بعضه في الوجه
الثاني ايضاً لكن هنا دقيقة غامضة
وهي أن امثال هذا الحصر
الادعائي انما تناسب المقام اذا
كان سوق الكلام لذم هذا الاشقى
الملام، فكانه قيل انه بلغ من الشقاء
مبلغاً تضمحل دونه سائر الشقاوات
فكانه لا يلج النار الا هو، اما اذا
سيق مساق الانذار لجميع الكفار
أو قصد ذلك ايضاً مع قصد الذم
فلعله لا يستحسن حينئذ حصر
العقاب في رجل واحد، تأمل فانه
موضعه والعبد الضعيف لهذا
يجد نفسه اركن الى الوجه
الاول دون الثاني وفيه الغنية و
حصول المنية، والحمد لله معطي
الاماني، ثم لما بلغت هذا
المقام رجعت العزيزي بعد ما استعرته من
بعض الاعزة فرأيت المولى عبد العزيز تجاوز
الله تعالى عنا وعنه تنبه لهذا الاستبعاد
الذي ذكرته في الوجه الاول وجهي القاضي و
حق له ان يتنبه لانه
العلم في الذكاء والفطانة، ثم
اجاب عنه بجوابين؛
الاول يقارب ما

اچھا خیال ہے اور یہ تقریر کچھ وجہ ثانی میں بھی جاری
ہے، لیکن یہاں ایک نہایت خفی نکتہ ہے اور
وُہ یہ کہ ایسے حصر ادعائی موقع کے مناسب اسی
وقت ہوں گے جبکہ سیاقِ کلام اس بڑے
بدبخت و قابلِ ملامت کی مذمت کے لئے ہو، تو
گویا یُوں فرمایا گیا کہ یہ شخص شقاوت کے اس
درجہ تک پہنچا جس کے آگے سب شقاوتیں
ہیچ ہیں تو گویا دوزخ میں اس کے سوا کوئی
نہ جائے گا، مگر جبکہ یہ کلام تمام کافروں کی
تخویف کے لئے ہو یا مذمت کے ساتھ یہ قصد
بھی ہو تو شاید عذاب کو ایک شخص میں منحصر
بتانا مستحسن نہیں، غور کرو کہ یہ مقامِ غور ہے اور
یہ بندۂ ناتواں اسی لئے خود کو دوسری وجہ کے
بجائے پہلی وجہ کی طرف زیادہ مائل پاتا ہے
اور اسی میں بے نیازی اور مطلب کا حصول ہے
اور اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے جو مرادیں عطا
فرماتا ہے، پھر میں جب اس مقام تک پہنچا
میں نے تفسیر عزیزی اپنے بعض اعزہ سے عاریۃً لے کر
دیکھی تو میں نے حضرت مولانا عبدالعزیز کو (اللہ
تعالٰی ہمیں اور انھیں معاف فرمائے) دیکھا کہ وہ
اس اعتراض کی طرف متنبہ ہوئے جو وجہ اول
پر اعلحضرت نے فرمایا اور انھیں متنبہ ہونا ہی
چاہیے اس لئے کہ وہ ذکاوت و فطانت کا
پہاڑ ہیں پھر اس کے دو جواب دیئے:
پہلا تو وہی جو علماء نے اختیار فرمایا یعنی

دنا التوفیق الیہ من القول بالاستخدام والثانی ان التجنیب من تلك النار المخصوصۃ بالکفار ایضالہا عرض عریض وغایۃ القصوی مختصۃ بالاتقی وسائر المومنین وان کانوا مجنبین لکن لاکمثلہ[1] انتہی معربًا۔

استخدام کا طریقہ۔ دوسرا یہ کہ اس نار سے دور رکھا جانا جو کافروں کے ساتھ خاص ہے اس میں بڑی وسعت ہے اور اس کی آخری حد اتقی کے لئے خاص ہے اور باقی مسلمان اگرچہ وہ بھی اس آگ سے دُور رہیں گے لیکن اس کی طرح نہیں اھ۔

اقول الوجہ الوجہ الاول وعلیہ عندی المعول واما ماذکر من الوجہ الثانی فلیس لشیئ عندی وان کان ھو المرضی لدیہ حتی اورد الاول بصیغۃ التمریض وذلك لان کون التجنیب مقولا بالتشکیك مسلم فی مطلق النار التی یمکن ان ید خلہا بعض المومنین ومعنی العرض العریض فیہ کما یسبق الیہ ذہنی القاصر ان الذنوب مقتضاھا الاصلی الذی لوخلیت ھی وطبایعہا مااقتضت الا ایاہ انما ھو اصابۃ الجزاء الذی اوعد بہ علیہا وھذا ظاھر جدًا، فکل من

میں کہتا ہوں وجہ تو پہلی ہے اور میرے نزدیک وہی معتمد ہے، اور جو دوسری وجہ ذکر کی وہ میرے نزدیک کوئی چیز نہیں اگرچہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو دوسری پسند ہے کہ پہلی کو ایسے صیغہ سے ذکر کیا جس سے اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس لئے کہ نار سے دُور رہنا اس کا کلی مشکک ہونا مطلق نار میں مسلم ہے جس میں بعض مومن داخل ہوسکتے ہیں اور تجنیب (نارِ دوزخ سے دور رہنا) میں بڑی وسعت کا معنی جیسا کہ میرا ذہن قاصر اس کی طرف سبقت کرتا ہے کہ گناہوں کا وہ مقتضائے اصلی کہ اگر گناہ اپنی طبیعت کے ساتھ چھوڑ دئے جائیں تو اسی کا تقاضا کریں تو یہ ہے کہ بندہ کو وہ سزا ملے جس کی اسے گناہوں پر وعید سنائی گئی، اور یہ بہت ظاہر ہے، تو ہر وہ شخص جس نے

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۰۴

اذنب ذنبا ولو مرة استحق بذنبه هذا ان یؤاخذه الملک جل جلاله، ولا تقبض حسناته المتکاثرة علی العزیز المقتدر اذ نفع الحسنات انما یعود الیه، فکیف یمن علی الله تعالٰی بما عمله لنفع نفسه فکیف یجعله ذریعة الی ابطال منشور الجزاء عن رأسه وقد قیل له بافصح بیان ان کما تدین تدان[1]، غایة الامران یقسم لبثه فی الدارین علی مقدار لبثه فی العملین کما وکیفا فیجوز ان تمسه النار بما یعدل ھذا المقدار، وقد اعتقدنا نحن معشر اھل السنة والجماعة رزقنا الله سبحٰنه وتعالٰی حظ الرحمة والشفاعة انه تبارک وتعالٰی له ان یؤاخذ عبده کل جریرة ولو صغیرة کما ان له ان یتجاوز عن کل کبیرة، فضل وذلک عدل وما الله بظلام للعبید۔

ثم ان المولٰی جل وعلا بغایة عدله وضع الجزاء مشاکلا للعمل ولذا یدم تنعیم المومن وتعذیب الکافر

ایک بار بھی گناہ کیا اللہ تعالٰی کی پکڑ کا مستحق ہے اور بندہ کی بکثرت نیکیاں خدائے غالب وقدیر کو مانع نہیں ہوسکتیں اس لئے کہ نیکیوں کا نفع تو بندہ ہی کو پہنچتا ہے تو کیسے اللہ تعالٰی کو اپنے بھلے کے لئے کئے ہوئے کام کا احسان جتائے گا اور کیونکر اسے سزا کے دستور کو سرے سے باطل کرنے کا ذریعہ بنائے گا، حالانکہ بندہ کو خوب واضح بیان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جیسا تو کریگا ویسا تجھے بدلہ دیا جائے گا، غایت امر یہ ہے کہ دُنیا و آخرت میں بندہ کی مدتِ اقامت کو نیک و بد ہر دو عمل میں ٹھہرنے کی مقدار پر باعتبارِ قدر و کیفیت تقسیم کریں تو ممکن ہے کہ اسے آگ اتنی مدت تک چُھوئے جو اس کے مقدار عمل کے برابر ہو اور ہم اہلسنت وجماعت (اللہ ہمیں رحمت وشفاعت سے نصیب عطا فرمائے) کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کو حق ہے کہ وہ بندے سے ہر جُرم پر مواخذہ کرے اگرچہ صغیرہ ہو جس طرح کہ اس کو سزاوار ہے کہ ہر گناہ سے درگزر فرمائے اگرچہ کبیرہ ہو اور یہ اس کا فضل ہے اور وہ اس کا عدل ہے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اسی لئے جنت میں مومنین کی آسائش اور جہنم میں کافر کا عذاب ہمیشہ ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالٰی کو ان کی نیت اور مخفی ارادے کا

[1] کنز العمال حدیث ۴۳۰۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

اذ قد علم من نیتهما ومکنونات
طویتهما أنهما عازمان علی ادامة
ماهما من الکفر والایمان حتی لو
داموا فی الدنیا لداموا علیه الا
تری الی قوله تعالی "ولو ردوا لعادوا لما
نهوا عنه"[1] ولذلك لما انسلخ ابوطالب
عن الکفار بشراشره واثبت قدمیه
علی تلك الملة الخبیثة نجا الدیان
سبحٰنه وتعالی سائر بدنه من
النار وسلط العذاب علی قدمیه
کما فی حدیث الشیخین[2] وغیرهما
فقضیة المشاکلة أن من تساوت حسناته
وسیأته یساوی لبثه فی العذاب
بلبثه فی دار
الثواب ومن اذنب ذنبا واحدا اذیق
اثامه ومن الم بسیئة ثم انقلع
عنها فجزاءه المشاکل ان یدنی الی النار
ثم یبعد عنها لیذوق من الفزع و
الغم قدر ما ذاق من اللذة
فی اللمم هذا حکم العدل وحکم
العدل هو الاصل لکن المولی الجواد الکریم

علم ہے کہ یہ دونوں اپنی اپنی حالت کفر وایمان پر
قائم و دائم رہنے کا عزم کئے ہوئے ہیں یہاں تک
کہ اگر دنیا میں ہمیشہ رہتے اپنے حال پر ہمیشہ
رہتے کیا تم اللہ کے فرمان کو نہیں دیکھتے "اور
اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع
کئے گئے تھے" اور جب ابوطالب کفار سے
تمام وکمال جدا ہوئے اور اپنے قدم اس
خبیث ملت پر جمائے رکھے جزا دینے والے رب
سبحٰنہ وتعالٰی نے ان کے سارے بدن کو نار
سے نجات دی اور عذاب کو ان کے قدموں پر
مسلط فرمادیا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث
میں ہے تو عمل وجزا میں مشاکلت کا مقتضٰی یہ
ہے کہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اس
کا عذاب میں رہنا ثواب کے گھر میں رہنے کے
برابر ہوا، جو ایک گناہ کرے وہ اس کا عذاب
چکھے اور جو برائی کے قریب جائے پھر اس سے
جدا رہے تو اس کی جزا مشابہ عمل یہ ہے کہ
وہ نار کے قریب کیا جائے پھر اس سے دور
رکھا جائے تاکہ غم اور گھبراہٹ کا مزہ ارادۂ
گناہ میں لذت کے بقدر چکھے، یہ حکم عدل ہے
اور حکم عدل ہی اصل ہے، لیکن جود وکرم والے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۸
[2] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸
صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب " " ۱/ ۱۱۵

الذی "کتب علٰی نفسه الرحمة"[1] وجعل لها السبقة علی الغضب منة ونعمة تشفع الیه شفیعان رفیعان وجیهان حبیبان لایردان ولا یخیبان رحمته الکاملة العامة الشاملة وھذا النبی الکریم المبعوث من الحرم بفیض الجود والکرم صلی اللہ تعالٰی علیه واٰله وبارك وسلم فوعد بالطاف جمیلة ورحمات جلیلة فضلا من لدیه من دون وجوب علیه وحاشاه أن یجب علیه شیئ "وھو یجیر ولا یجار علیه"[2] وبشر "أن الحسنات یذھبن السیئات"[3] وان اللمم معفوعنا ان شاء اللہ تعالٰی "ان ربك واسع المغفرة"[4] وان اللہ تجاوز لنا عما ھمت به انفسنا مالم تعمل او نتکلم وأن من تعادلت کفتاه لم یدخل النار وان لا یھلك علی اللہ الا مارد متمرد وھذا کله تفضل وتکرم من المولی الحی جلت

مولٰی نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمایا اور اس کے لئے غضب پر سبقت رکھی اپنے کرم و احسان سے اس سے سفارش کی جو رفعت و وجاہت والے و پیارے شفیعوں نے جو نہ پھیرے جائیں نہ محروم ہوں ایک اللہ تعالٰی کی رحمتِ تمام و عام اور دوسرے یہ نبی کریم جو حرم سے فیضِ جود و کرم کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جمیل مہربانیوں اور جلیل رحمتوں کا وعدہ فرمایا محض اپنے فضل سے نہ اس سبب سے کہ اس پر کچھ واجب ہے اور وہ اس سے منزّہ ہے کہ اس پر کچھ واجب ہو حالانکہ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور اس نے خوشخبری دی کہ نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں اور یہ کہ لمم (ارادۂ گناہ) پر ہمیں معافی دے دی گئی بے شک تمھارے رب کی مغفرت وسیع ہے اور بیشک اللہ تعالٰی ان باتوں سے درگزر فرماتا ہے جن کا ارادہ ہمارے نفوس کرتے ہیں جب تک ان کو انجام نہ دیں یا انھیں نہ بولیں اور جس کے دونوں پلّے برابر ہوں گے وہ نار میں نہ جائے گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالٰی کے یہاں صرف نہایت سرکش بڑا نافرمان ہی ہلاک ہو گا

---

[1] القرآن الکریم ۶/۱۲
[2] القرآن الکریم ۲۳/۸۸
[3] القرآن الکریم ۱۱/۱۱۵
[4] القرآن الکریم ۵۱/۳۲

(آلاءہ وتوالت نعماؤہ ولہ الحمد کما یحب ویرضٰی فکل من اذنب اوالم ثم جنبہ المولٰی النار فانما جنبہ علی استحقاق منہ لجزاء ما عملہ کما قال تبارک وتعالٰی "ان ربک لذو مغفرۃ للناس علی ظلمہم"[1] بل لامعنی للمغفرۃ الا تجاوز صاحب الحق عن استیفاء حقہ کلاً او بعضًا فھذا تجنیب بعد تقریب وانجاء بعد الجاء مع ما فیہ ایضا من تفاوت الرتب کما لایخفی، اما الذی بلغ من التقوٰی غایتہ القصوٰی حتی تنزہ عن کل ما یکرہ وفنی عن الخلق وبقی بالحق ارتفع شانہ عن اتیان عصیان ونظر بالرضٰی الی ما یبغض الرحمٰن، فھذا محال ان یکون من النار فی شیئ او النار منہ فی شیئ لاسیما اتقی الاتقیاء واصفی الاصفیاء

(یعنی کافر) اور یہ سب مولائے غنی کریم کا فضل و کرم ہے۔ اس کی نعمتیں جلیل ہیں اور اس کے احسان پیہم ہیں، اور اسی کے لئے حمد ہے جیسی وہ چاہے اور پسند فرمائے، تو ہر وہ شخص جس نے گناہ کیا یا گناہ کے پاس جاکر رُک گیا پھر اللہ تعالٰی نے اسے نار سے دُور رکھا تو اسے اس کے استحقاق کی جہت سے اُس کے عمل کی جزا دینے کو دُور رکھا چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالٰی لوگوں کو بخشنے والا ہے ان کے ظلم کے باوجود" بلکہ مغفرت کا معنی یہی ہے کہ صاحبِ حق اپنے حق کو لینے سے کلی یا جزوی طور پر درگزر کرے تو یہ نار سے قریب کرکے اس سے دُور رکھنا ہے اور نار کی طرف لیجا کر اس سے بچانا ہے اس کے باوجود اس میں رتبوں کا تفاوت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں مگر جو تقوٰی کی سب سے آخری حد تک پہنچ گیا، یہاں تک کہ ہر ناپسندیدہ بات سے دور رہا اور خلق سے فانی اور حق پر باقی ہوگیا اور اس کی شان معصیت کے ارتکاب سے اور رحمٰن کے مبغوض کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے سے بلند ہوگئی تو محال ہے کہ ایسے شخص کو نار سے علاقہ ہو یا نار کو اس سے کوئی تعلق ہو خصوصًا وہ متقیوں کا متقی اور سارے اصفیا سے زیادہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۶

الذی لم یزل من الحق بعین الرضا فی جمیع احوالہ، و لم یسوء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم فعلۃ من افعالہ، فذاك العبد ذاك العبد کلت الالسن عن شرح کمالہ وتاھت العقول فی تیہ جلالہ جالت وعالت، فبقیت تکبو ثم رجعت فسئلت فقالت ھو ھو فغایۃ القول فیہ أنہ أولی العباد وأول المراد بقول الجواد " ان الذین سبقت لھم منا الحسنٰی اولٰئك عنہا مبعدون لایسمعون حسیسہا وھم فیما اشتہت انفسہم خالدون لایحزنہم الفزع الاکبر وتتلقّٰہم الملٰئکۃ ھذا یومکم الذی کنتم توعدون[1]" ھذا معنی العرض العریض للتجنیب من مطلق النار علٰی حسب ما یطیقہ البیان، ولایتاتی مثلہ فی النار المخصوصۃ بالکفار اذ انما ھی جزاء الکفر والمؤمنون کلہم متساوون فی التباعد عنہ اذ الکفر والایمان لایزیدان ولا ینقصان و

صاف باطن جس کے تمام احوال پر حق کی چشمِ رضا رہی اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جس کا کوئی کام بُرا نہ لگا تو یہی وُہ خدا کا بندہ ہے یہی وہ خاص بندہ ہے زبانیں جس کے کمال کو بیان کرنے سے عاجز ہیں جس کی عظمت کے صحرا میں عقلیں گُم ہیں اس میں عقلیں دوڑیں اور گھومتی پھریں، پھر گرتی پڑتی رہیں پھر لوٹیں تو ان سے پوچھا تو بولیں وہی وہ ہے، تو اس خاص بندہ کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ وہ سارے بندوں سے اَولٰی اور خدائے جواد کے قول " بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہوچکا وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے اور وُہ اپنی من مانی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے انھیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وُہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا " کی پہلی مراد ہے، مطلق نار سے دُور رکھنے میں جو بڑی وسعت ہے اس کا مقدور بیان کے مطابق یہ معنی ہے اور ایسی بات اس نار کے بارے میں نہیں بنتی جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو کفر کی سزا ہے اور تمام مسلمان اس نار سے دُور رہنے میں برابر ہیں اس لئے کہ کفر و ایمان یہ دونوں وصف گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں اور یہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱ تا ۱۰۳

المسئلة اجماعية والنزاع لفظي فوجب ان يتساووا في البعد عن جزاء الكفر ايضا، واما قوله تبارك وتعالٰی "هم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان"[1] فھذا بالنظر الی الظاھر اذ الاٰیة فی المنافقین لقوله تعالٰی "یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم واللہ اعلم بما یکتمون"[2] یعنی انھم کانوا یتظاھرون بالایمان فیظن الجاھل بما فی السرائر انھم مؤمنون، لما کانوا یتباعدون بالسنھم عن الکفر ثم لما انخزلوا عن عسکر المؤمنین وقالوا "لو نعلم قتالا لاتبعناکم"[3] تخرق الحجاب وغلب علی الظنون انھم لیسوا بمؤمنین مع تجویز ان یکون ھذا القول منھم تکاسلا واخلادا الی ارض الدعة، فھذا معنی القرب والبعد اوالمراد بالکفر والایمان اھلوھما

مسئلہ (کفرو ایمان کا کم زیادہ نہ ہونا) اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے تو ضروری ہے کہ مسلمان کفر کی سزا سے دور رہنے میں بھی برابر ہوں۔ رہا اللہ تعالٰی کا قول "اس دن وہ ظاہری ایمان کی بہ نسبت کہیں کفر سے زیادہ قریب ہیں" تو یہ باعتبار ظاہر کے ہے اس لئے کہ آیت منافقین کے بارے میں ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالٰی نے ان کے بارے میں فرمایا: "اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ منافقین ظاہری طور پر ایمان والے بنتے تھے تو ان کے دلوں میں چھپی بات سے بے خبر یہ گمان کرتا تھا کہ وہ مسلمان ہیں چونکہ منافقین کفر سے دُوری ظاہر کرتے تھے پھر جب وہ مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہوگئے اور بولے کہ "اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔" ان کا پردہ فاش ہوگیا اور گمانوں پر غالب ہوگیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں اس احتمال کے ساتھ کہ منافقوں کی یہ بات سُستی اور آسائش کی زمین پکڑنے کی وجہ سے ہو تو قُرب اور بُعد کا یہ معنی ہے یا کفر و ایمان سے مراد صاحبانِ کفر و ایمان ہیں اس لئے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷
[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷
[3] " " ۳/ ۱۶۷

اذ تقليلهم سواد المومنين بالانعزال عنهم تقوية للمشركين كذا قال المفسرون هذا ما عندی، والله سبحٰنه و تعالٰی اعلم۔

کر منافقوں کا مسلمانوں کے گروہ کو کم کرنا مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہو کر مشرکوں کو تقویت دینا ہے ایسا ہی مفسرین نے فرمایا ہے، یہ ہے وہ جو میری رائے ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

وبالجملة فهبت نسائم التحقيق على ان الوجه ابقاء اللفظين على ظاهرهما وانما تحتاج الى امرين لا يعد شیٔ منهما تكلفاً ولا تغيراً۔

خلاصہ یہ کہ اب تحقیق کی ہوائیں چلیں اس پر کہ وجہ تو یہی ہے کہ دونوں لفظوں کو ان کے ظاہر پر رکھا جائے اور تمھیں حاجت صرف دو امر کی ہوگی اور ان میں سے کوئی نہ تکلف کے شمار میں ہے نہ تغیر کی گنتی میں۔

الاول ان تنكير ناراً للتعظيم و هو كما ترى شائع فی الكلام الفصيح قديما وحديثا واخذ التلظی بمعنى اشد ما يكون حملا للمطلق على فرده الكامل وهو ايضا منتشر مستطير۔

پہلی بات یہ کہ یہاں "ناراً" نکرہ تعظیم کے لئے ہے اور یہ اسلوب جیسا کہ تم جانتے ہو قرآن و حدیث اور قدیم وجدید کلامِ فصیح میں شائع ہے اور تلظی (آگ کی بھڑک) مطلق کو فردِ کامل پر محمول کرتے ہوئے سخت ترین بھڑکنے کے معنٰی میں لیا جائے اور یہ بھی خوب شائع ہے۔

والثانی الاستخدام وهو كما سمعت اعلٰى او من اعلى انواع البديع او ارجاع الضمير الى نفس الموصوف مجردا عن الصفة وهذا ليس من التاويل فی شیٔ على ان غرضنا يتعلق باٰية الاتقى ولا مساغ فيه للتاويل بتاتا قطعا هكذا ينبغی التحقيق والله ولی التوفيق والحمد لله رب العالمين۔

اور دوسری بات استخدام، اور وہ جیسا کہ تم نے سُنا اقسامِ بدیع میں سب سے اعلٰی ہے یا منجملہ اعلٰی اقسام کے ہے یا ضمیر کو نفس موصوف کی طرف بلا لحاظ صفت لوٹائیں اور یہ تاویل سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔ علاوہ بریں ہماری غرض تو آیت اتقٰی سے ہے، اور اس میں قطعاً تاویل کی گنجائش نہیں، اسی طرح تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو مالک ہے سب جہانوں کا۔

اذا وعيت هذا ودريت ما فيه

جب یہ بات ثابت ہوگئی اور تم نے اسکے

واُلقیت السمع وانت نبیه هان علیك الجواب عن هٰذه الشبهة الاولٰی بوجوه ،

الاوّل ظاهر اللفظ واجب الحفظ الا بضرورة واین الضرورة ۔

الثانی ما مالوا الیه لم یزدد الا قدحًا فوجب ان نضرب عنه صفحًا، وابوعبیدة فیما عانی لا أصاب ولا أغنٰی فکیف نترك ظاهر قول الله سبحٰنه وتعالٰی بقول رجل لم یکن معصومًا ولاصحابیًّا و لا تابعیًا ولا سنیًّا و لا مصیبًا فی ماطلب ولامجدیا فی ما الیه هرب ۔

ایها الناس انی سائلکم عن شیئ فهل انتم مخبرون أرأیتم لو ان الآیة وردت بلفظ التقی وفسره بالاتقی ابوعبیدة اللغوی فتعلقنا بقوله وندبناکم الٰی قبوله ماذا کنتم فاعلین لکن الانصاف شیئ عزیز و لایؤتی الا ذاحظ عظیم ۔

الثالث سلمنا کونه فی الاٰیة وجهًا وجیهًا لکن هوالوجه فیها بل وجهنا هوالأوضح والأجلی

مضمون کو سمجھ لیا اور تم نے کان دھرا اور تم ذہین ہو تو تمہیں اس پہلے شبہہ کا جواب چند وجوہ سے آسان ہے ؛

پہلی وجہ یہ ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کی حفاظت واجب ہے یعنی لفظ کو ظاہر سے پھیرنا جائز نہیں مگر بضرورت ، اور ضرورت کہاں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس تاویل کی طرف لوگ مائل ہوئے اس سے تو قباحت ہی زیادہ ہوئی تو ضرور ہوا کہ ہم اس سے منہ پھیریں، اور ابوعبیدہ نے جو پاپڑ بیلے اس کاوش میں وہ نہ صواب کو پہنچا اور نہ کوئی مفید بات کہی تو ہم اللہ تعالٰی کے قول کے ظاہری معنی کو ایسے شخص کے کہنے سے کیسے چھوڑدیں جو نہ معصوم تھا، نہ صحابی تھا، نہ تابعی، نہ سنّی، نہ اپنے مطلب میں صواب کو پانے والا، نہ اپنے مفر میں نفع بخش۔

اے لوگو! میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا جواب دوگے، مجھے بتاؤ اگر آیت لفظ تقی کے ساتھ وارد ہوتی اور ابوعبیدہ لغوی اسے اتقی سے تفسیر کرتا تو ہم اس کے قول سے چمٹ جاتے اور تمھیں اسے قبول کرنے کی دعوت دیتے اب تم کیا کرتے، لیکن انصاف کمیاب شئی ہے اور بڑے نصیب والے ہی کو ملتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے آیت میں اس کا وجہ وجیہ ہونا مان لیا، مگر آیت میں کیا یہی وجہ ہے، بلکہ ہماری وجہ واضح تر اور زیادہ

ولا تنافی بین نجاة التقی ونجاة الاتقی والقراٰن محتج بہ علی کل تاویل واحد الوجہین یوجب التفضیل والوجہ الاٰخر لا ینافیہ فوجب القبول والقول بما فیہ

ولذلک تری علمائنا رحمہم اللّٰہ تعالٰی لم یزالوا محتجین بالاٰیة الکریمة علی تفضیل العتیق الصدیق رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ وھم ادری منا ومنکم بما قالہ أبو عبیدة وغیرہ ثم ھذا لم یقعدھم عن سلوک تلک المسالک ولم ینکر علیھم احد ذٰلک فثبت ان مقصودنا بحمد اللّٰہ حاصل ومزعومکم بحول اللّٰہ باطل والحمد للّٰہ رب العٰلمین ایاہ نرجوا وبہ نستعین۔

الشبھة الثانیة

ما نقلہ المولی الفاضل استاذ استاذی عبد العزیز بن ولی اللّٰہ الدھلوی سامحنا اللّٰہ وایاھما بلطفہ الخفی وفضلہ الوفی فی تفسیر فتح العزیز بعد ما ذکر استدلال اھل السنة والجماعة بالاٰیة الکریمة علی الطریق المشہور بین علماء الدھور قال وقالت اھل التفضیل ان الاتقی محمول علی التقی منسلخ عن معنی التفضیل اذ لولاہ لشمل باطلاقہ النبی صلی اللّٰہ تعالٰی

روشن ہے اور تقی اور اتقی کی نجات میں کوئی منافات نہیں ہے اور قرآن ہر تاویل پر حجت ہے، اور دو وجہوں میں سے ایک تفضیل کی مقتضی ہے اور دوسری اس کی منافی نہیں تو قبول کرنا اور اس وجہ کے مضمون کا قائل ضروری ہے۔

اسی لئے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کو دیکھتے ہو کہ وہ اس آیت سے سیدنا عتیق صدیق کی فضیلت پر دلیل لاتے ہیں حالانکہ وہ ابوعبیدہ وغیرہ کے کلام کو ہم سے اور تم سے زیادہ جانتے ہیں، پھر بھی علماء کو اس بات نے ان مسالک پر چلنے سے نہ روکا، نہ کسی نے اس مسلک کو ناپسند کیا۔ اب ثابت ہوگیا کہ ہمارا مقصد بحمد اللہ حاصل ہے اور تمہارا زعم اللہ کی قدرت سے باطل ہے اور سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا، ہم اُسی سے امید رکھیں اور اسی سے مدد چاہیں۔

دُوسرا شبہہ وہ ہے جو میرے استاذ الاستاذ مولائے فاضل عبد العزیز بن ولی اللہ الدہلوی (اللہ تعالٰی ہمیں اور انھیں اپنے لطف خفی اور فضل کامل سے معاف فرمائے) نے تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ سے اہل سنت وجماعت کے استدلال کو علمائے زمانہ کے درمیان مشہور طریقہ پر ذکر کرنے کے بعد نقل فرمایا انھوں نے فرمایا کہ تفضیلیہ نے کہا کہ اتقی بمعنی تقی ہے اور وہ (اسم تفضیل) معنی تفضیل سے مجرد ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی نہ ہو تو اسم تفضیل کے اطلاق کے

عليه وسلم فيلزم ان يكون الصديق اتقى منه صلى الله تعالٰى عليه وسلم وهو باطل قطعًا بالاجماع قال واجاب اهل السنة والجماعة ان حمل الاتقى على التقى يخالف اللسان العربي والقرآن انما نزل بها فحمله على ماليس منها غير سديد، وما ذكروا من الضرورة مندفع بان الكلام فی سائر الناس دون الانبياء عليهم الصلٰوة والسلام لما علم من الشريعة ان الانبياء اعلى كرامة واشرف مكانة عند الله تبارك وتعالٰى فلا يقاسون بسائر الناس ولا يقاس سائر الناس بهم فعرف الشرع حين جريان الكلام فی مقام التفاضل وتفاوت الدرجة يخصص امثال هذا اللفظ بالامة والتخصيص العرفی اقوٰى من التخصيص الذكرى كقول القائل خبز القمح احسن خبز لن يفهم منه تفضيله على خبز اللوز لان استعماله غير متعارف وهو خارج عن المبحث اذ الكلام انما انتظم الحبوب دون الفواكه[1]، هذا كلامه فی التفسير الفارسی اوردناه نقلاً بالمعنٰى۔

سبب صدیق کی فضیلت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شامل ہوگی تو لازم آئیگا کہ صدیق نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتقٰی ہوں اور یہ قطعًا اجماعی طور پر باطل ہے۔

شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ اہل السنت والجماعت نے جواب دیا کہ اتقٰی کو تقی کے معنٰی میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے اور قرآن تو اسی میں اُترا، تو ایسے طریقہ پر محمول کرنا جو زبان عربی کے دستور میں نہ ہو صحیح نہیں ہے اور جو ضرورت تفضیلیہ نے ذکر کی وہ مندفع ہے، اس لئے کہ کلام انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں ہے کیونکہ شریعت سے یہ معلوم ہے کہ انبیاء کی عظمت سب سے زیادہ ہے اور انکا مرتبہ بلند تو انھیں باقی لوگوں پر قیاس نہ کیا جائے گا، نہ باقی لوگ ان پر قیاس کئے جائینگے تو شریعت کا عُرف مقام فضیلت اور تفاوت مراتب کی جاری گفتگو میں ایسے الفاظ کو اُمت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور تخصیص عُرفی تخصیص ذکری سے زیادہ قوی ہے جیسے کوئی کہے کہ گیہوں کی روٹی سب سے اچھی روٹی ہے، اس سے گیہوں کی روٹی کی فضیلت بادام کی روٹی پر نہ سمجھی جائیگی اس لئے کہ اس کا استعمال متعارف نہیں ہے اور وہ بحث سے خارج ہے اس لئے کہ کلام اناج کو شامل ہے نہ کہ میووں کو۔

یہ شاہ عبدالعزیز کا تفسیر فارسی میں کلام تھا جس کے مفہوم کو ہم نے نقل کیا۔

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی پ عم ص ۳۰۴

اقول و باللہ التوفیق اَمّا ماذکر من ان ھذا یخالف اللسان العربیۃ فممنوع و مدفوع، الا تری الٰی قولہ تعالٰی "ھو الذی یبدؤا الخلق ثم یعیدہ و ھو اھون علیہ[1]" ولیس شیٔ اھون علی اللہ تعالٰی من شیٔ و المعنی فی نظرکم علی احد تاویلات فی عسٰی و لعل الواردین فی القراٰن، و الٰی قولہ تعالٰی "اصحٰب الجنۃ یومئذ خیر مستقرا واحسن مقیلا[2]" ولا خیر للغیر ولا حسن لأھل الضیر اولأیۃ جاریۃ علی سبیل التھکم بھم کما قال المفسرون لکن الأمر أن

میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، رہی وہ بات جو شاہ صاحب نے ذکر کی کہ یہ (اتقی بمعنی تقی ہونا) ممنوع و مدفوع ہے، کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا قول "اور وہی ہے کہ اوّل بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائیگا اور یہ تمھاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہئے" حالانکہ اللہ تعالٰی کے لئے کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ آسان نہیں (یعنی اللہ تعالٰی کو ہر چیز پر یکساں قدرت حاصل ہے) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ بنانا تمھاری نظر میں زیادہ آسان ہونا چاہئے اور یہ عسٰی و لعل جو قرآن میں وارد ہیں ان کی تاویلات میں سے ایک تاویل کی بنا پر ہے اور کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا یہ قول "جنت والوں کا اس دن (سب عہ سے) اچھا ٹھکانا اور حساب کی دوپہر کے بعد (سب سے) اچھی آرام کی جگہ" حالانکہ غیر کے لئے خیر نہیں اور خسارہ والوں کیلئے

عہ آیت کا ترجمہ ہم نے "کنز الایمان" سے نقل کیا ہے اور بریکٹ میں دو جگہ لفظ "سب سے" بڑھادیا ہے تاکہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ خیر و احسن کا اسم تفضیل کے لحاظ سے اصل ترجمہ اس طرح ہونا چاہیے تھا، مگر قرینہ حالیہ کے سبب صحیح ترجمہ وہ ہے جو اعلحضرت علیہ الرحمہ نے کیا، اور اس سے ظاہر ہے کہ یہاں خیر و احسن کا حقیقی معنی تفضیل والا نہیں۔ ازہری غفرلہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۰/ ۲۷

[2] " " ۲۵/ ۲۴

الافعل حقیقته فی التفضیل و ولایصار الی الانسلاخ عنه الا لضرورة دعت بقرینة قامت کما فی الأیتین اللتین تلونا وحیث لا ضرورة ولا قرینة کما نحن فیه لانقول به والمصیر الیه اشبه بالتحریف منه بالتفسیر کما قد حققنا وهذا القدر یکفی للرد علیهم، وامّا ما ذکر من حدیث التخصیص عرفا فجری منه علی تسلیم ما ادعی الخصم من أن اللفظ بصیغته یشمل الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام وان بغیت الحق المرصوص فلا شمول ولاخصوص لأن الاتقی ان عم عم افراده وهم المفضلون المرجون دون المرجوحین المفضل علیهم۔

و سر المقام بتوفیق الملك العلام ان الافضل لابد له من مفضل و مفضل علیه والمفضل علیه یذکر صریحا اذا استعمل مضافا او بمن اما اذا استعمل باللام فلا یورد فی الکلام

کوئی اچھائی نہیں، یا آیت کفار سے استہزا کے طور پر جاری ہے، جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسمِ تفضیل کا معنی حقیقی تفضیل ہے اور تفضیل سے مجرد ہونے کی طرف بغیر ضرورت داعیہ یا بسبب قرینہ قائمہ نہ پھرے گی جیسا کہ ان دو آیتوں میں جو ہم نے تلاوت کیں اور جہاں نہ ضرورت ہو اور نہ قرینہ ہو وہاں ہم تفضیل سے مجرد ہونے کا قول نہ کرینگے اور اس طرف پھرنا تفسیر کی بہ نسبت تحریف سے زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی اور اس قدر ان کے رُد کے لئے کافی ہے، اور رہی وہ تخصیص عرفی کی بات جو شاہ صاحب نے ذکر فرمائی تو ... مدعی کا وہ دعوٰی کہ لفظ اپنے صیغہ کے سبب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی شامل ہے تسلیم کرنے کی تقدیر پر جاری ہوئی اور اگر تم حق محکم کو چاہو تو نہ شمول ہے نہ خصوص ہے اس لئے کہ اَلْاَتْقٰی اسم تفضیل اگر عام ہے تو اپنے افراد کو عام و شامل ہے۔ اور اس کے افراد وہ ہیں جنھیں فضیلت و ترجیح دی گئی نہ کہ وہ مرجوح جن پر دوسروں کو فضیلت دی گئی۔

اور اس مقام میں علم والے بادشاہ کی توفیق سے راز یہ ہے کہ افضل کے لئے ایک مفضّل اور دوسرا مفضّل علیہ لازم ہے اور جب اسم تفضیل اضافت کے ساتھ یا مِن کے ساتھ مستعمل ہو تو مفضّل علیہ صراحۃً مذکور ہوتا ہے

ولكن اللام تشير اليه على سبيل العهد في ضمن الاشارة الى المفضل لان ذاتا ماله الفضل كما هو مفاد لفظ افعل بلا لام لا تتعين الا وقد تعين المفضل عليه فعهدها يستلزم عهده واذ لم يكن هناك عهد في اللفظ فالمصير الى العهد الحكمي وقد عهد في الشرع المطهر تفضيل بعض الامة على بعض لا تفضيلهم على الانبياء الكرام فلا يقصده المتكلم ولا يفهمه السامع فلم يدخلوا حتى يخرجوا، تأمل، انه دقيق، وقد كنت أظن هكذا من تلقاء نظري الى ان رأيت علماء النحو صرحوا بما ابدى فكري ولله الحمد۔

لیکن جب اسم تفضیل الف لام کے ساتھ آتا ہے تو اس میں مفضل علیہ کلام میں ذکر نہیں کیا جاتا لیکن لامِ تعریف بر سبیل عہد مفضل علیہ کی طرف مفضل کی طرف اشارہ کے ضمن میں اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ کوئی ذات جس کو دوسرے پر فضیلت ہو جیسا کہ صیغۂ افعل کا مفاد ہے بغیر لام تعریف کے اسی وقت متعین ہوگی جب مفضل علیہ متعین ہو تو اس کی تعیین مفضل علیہ کی تعیین کو مستلزم اور جب کہ تعیین صراحۃً موجود نہیں تو مآلِ کار حکمًا تعیین ماننا ہے اور شرع مطہر میں بعض اُمتیوں کی تفضیل دوسرے امتیوں پر معروف ہے نہ کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت ہو تو نہ متکلم کی مراد ہوتی ہے نہ مخاطب ہی یہ معنی سمجھتا ہے اب انبیائے کرام عموم میں داخل ہی نہیں کہ اس سے مستثنیٰ کئے جائیں، اس کلام میں غور کرے، بیشک یہ دقیق ہے اور میں اپنی سمجھ سے یہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے نحو کے عالموں کی تصریح اپنے نتیجۂ فکر کے مطابق دیکھی وللہ الحمد۔

قال المولى السامي نور الملة والدين الجامي قدس الله تعالىٰ سره وضعه لتفضيل الشيئ على غيره فلا بد فيه من ذكر الغير الذي هو المفضل عليه وذكره مع من والاضافة ظاهر، واما مع

حضرت بلند مرتبت نور الملۃ والدین جامی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا اسم تفضیل کی وضع شئے کی غیر پر فضیلت بتانے کے لئے ہے، لہٰذا اس میں غیر جو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ضروری ہے اور من اور اضافت کے ساتھ تو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔ رہا لام

اللام فهو فی حکم المذکور ظاهرًا لانه یشار باللام الی معین بتعیین المفضل علیه مذکور قبل لفظًا او حکمًا کما اذا طلب شخص افضل من زید، قلت عمرو الافضل ای الشخص الذی قلنا انه افضل من زید فعلی هذا لاتکون اللام فی افعل التفضیل الا للعهد انتہی۔

تعریف کے ساتھ تو مفضل علیہ ظاہراً مذکور کے حکم میں ہے اس لئے کہ لام تعریف سے ایک معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو لفظ میں مذکور یا حکم میں موجود مفضل علیہ کی تعیین سے متعین ہوتا ہے جیسے کہ اگر کوئی شخص زید سے افضل مطلوب ہو تو تم کہو کہ عمرو افضل ہے (لام تعریف کے ساتھ) تو مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسے ہم نے زید سے افضل کہا عمرو ہے، تو اس بناء پر صیغۂ افعل التفضیل میں لام عہد (تعیین) ہی کے لئے ہوگا انتہی۔

قلت وتنقیح الامر بتحقیق المقام یستدعی بسطا نحن فی غنی عنه (**لطیفتان**) بمثل ما صرح المولی الجامی صرح الرضی الاستر آبادی الذی لم تکن فی مصرہ عمارۃ عصرہ الا بنحوہ لکنا لم ناثر عنه لان علی قلبه آفة لاحد لها فهم من فهم هذا ثم ان المولی الفاضل نقل فی التفسیر جوابا اخر عن بعض الجلة الاکابر ولعله یرید به اباہ وهو ان الاتقی ههنا

قلت (میں نے کہا) مقصود کی تنقیح اس بحث کی تحقیق کے ذریعہ تفصیل کو چاہتی ہے جس سے ہم بے نیاز ہیں (دو **لطیفے**) جس طرح اسم تفضیل کے بارے میں فاضل جامی نے تصریح کی، ایسی ہی تصریح رضی استرآبادی نے بھی کی جس کے شہر میں اس کے زمانے میں اسی کی نہج و نحو پر عمارت قائم ہوئی، مگر ہم نے اس کا کلام نقل نہ کیا اس لئے کہ اس کے دل پر ایسی آفت ہے جس کی حد نہیں ہے، اس کو سمجھا جو سمجھا، پھر فاضل مولانا نے بعض گرامی قدر اکابر سے ایک اور جواب نقل کیا اور شاید ان کی مراد ان کے والد ہیں اور وہ یہ کہ اَلْاَتقٰی اس جگہ اپنے معنٰی پر ہے یعنی جو تقوٰی میں اپنے

---

[1] شرح الجامی الاسماء والوافقها بحث اسم التفضیل مطبع مصطفائی لکھنؤ ص ۲۷۷

علیٰ معناہ اعنی من فضل فی التقوی علیٰ کل من عداہ نبیا کان او غیرہ الا انہ یختص بالاحیاء الموجودین فالصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوصف بہ فی اٰخر عمرہ حین خلافتہ بعد ارتحال المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسیدنا عیسٰی علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام لما کان مرفوعا الی السماء لم یبق فی حکم الاحیاء، ولا یجب للاتقی ان یکون الاتقی فی جمیع الاوقات وبالنسبۃ الی کل احد من الاحیاء والاموات والا لم یوجد لہ فی العٰلمین مصداق اذ لا یتصور التقوی فی زمن الصبا وکل منصب محمود شرعًا فالعبرۃ فیہ باٰخر العمر کالعدل والصلاح والغوثیۃ والقطبیۃ والولایۃ والنبوۃ ولھٰذا یدعی بھٰذہ الاوصاف من تشرف بھا فی اواخر عمرہ وان لم یکن لہ ذٰلک من بدو امرہ، فالاتقی من فضل بالتقوی من سائر الموجودین فی اٰخر عمرہ الذی ھو وقت اعتبار الاعمال وبہ یثبت المدعی بلا تکلف ولا تاویل احد[1] بالتعریب وقد ارتضاہ المولی الفاضل جانحا الیہ وساکتا علیہ۔

ماسوا سے افضل ہو خواہ نبی ہو یا غیر نبی، مگر یہ کہ اس صورت میں یہ ان کے ساتھ خاص ہوگا جو زندہ موجود ہیں۔ پھر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اتقی کے مصداق اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنی خلافت کے دور میں مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد ہوئے اور سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب آسمان پر اٹھالئے گئے تو وہ زندوں کے حکم میں نہ رہے اور اتقی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام اوقات میں اتقی ہو اور تمام احیاء واموات سے افضل ہو، ورنہ عالم میں کوئی اس کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ بچپن کے زمانہ میں تقوٰی متصور نہیں، اور ہر منصب جو شرعًا محمود ہو اس میں اعتبار آخر عمر کا ہے جیسے عدل وصلاح غوثیت وقطبیت ولایت ونبوت اسی لئے جو ان اوصاف سے مشرف ہوتا ہے اسے اس کے آخری ایام میں ان اوصاف کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اگرچہ یہ اوصاف ان لوگوں کو ابتداء سے حاصل نہیں ہوتے تو اتقی وہ ہے جو تمام موجودین کے بیچ تقوٰی میں سب سے افضل ہو اپنی اواخر عمر میں جس وقت اعمال کا اعتبار ہوتا ہے اور اس تقریر سے صدیق کی افضلیت کا دعوٰی بے تکلف وتاویل ثابت ہوجاتا ہے، عربی عبارت کا ترجمہ ختم ہوا اور اس تقریر کو فاضل مولانا نے اسکی طرف میلان اور اس پر سکوت کرتے ہوئے پسند کیا۔

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی پارہ عم ص ۵۔۲۰۴

اقول وان جعل الله الفطانة
بمرای العین من قلب وکیع اتقن
وأیقن ان هذا لایزید علی
تلمیح هب ان حدیث "العبرة بالخواتیم"[1]
حق واجب التسلیم لکن الیس العقل السلیم
شهیدًا بانه اذا ذکر أحد من الاحیاء
الموجودین بنعت من النعوت لایفهم
منه الا اتصافه فی الحال لانه یصیر هکذا
بالمآل والتبادر دلیل الحقیقة والافتیاق
الی قرینة تصرف الافهام وتظهر المرام
امارة المجاز فماذا یحوجنا الیه مع
استقامة الحقیقة من دون تکلف و
لا تاویل، اما علی طریقتنا فالأمر أبین
واجلی واما علی طریقة الشیخ العزیز
عبد العزیز فلان امثال تلک التخصیصات
تکون مرتکزة فی الاذهان من دون
حاجة الی البیان، ولیس دلالة
هذا التلویح أدون من ارشاد
التصریح ولهذا لاینزل العام عن درجة
القطعیة کما فی الکتب الاصولیة و
العجب من هذا اعده تکلفا
وتاویلا مع شیوعه فی

اقول (میں کہتا ہوں) اور اگر اللہ تعالٰی
ذہانت کو قلب کے سامنے رکھے تو وُہ محکم یقین
کرلے گا کہ یہ تلمیح سے زیادہ نہیں، مان لو کہ حدیث
کا ارشاد ہے "خاتمہ کا اعتبار ہے" حق واجب التسلیم
ہے لیکن کیا عقل سلیم شاہد نہیں کہ جب دنیا میں
زندہ موجود لوگوں میں سے کوئی کسی وصف کے ساتھ
مذکور ہو تو اس سے اس کا فی الحال متصف ہونا
ہی مفہوم ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ ایسا آئندہ ہوجائے گا،
اور تبادر (معنی کی طرف سبقت فہم) معنی حقیقی کی
دلیل ہے اور قرینہ کی حاجت جو ذہن کو دوسرے
معنی کی طرف پھیرے اور مقصد ظاہر کرے مجازی
معنی کی علامت ہے تو ہمیں مجاز کی ضرورت کس لئے
پڑی باوجودیکہ حقیقت بغیر تکلف و بغیر تاویل درست
ہے ہمارے طریقے پر، تو معاملہ خوب ظاہر و باہر ہے،
اور شیخ عبدالعزیز کے طریقہ پر حقیقی معنی کی درستگی
اس لئے کہ ایسی تخصیصات عرفی اذہان میں
مرتکز ہوتی ہیں جن کے بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور
عرف عام کے اس اشارہ کی دلالت صراحت کی
دلالت سے کم رتبہ نہیں، اور اسی لئے عام درجہ
قطعیت (تیقن) سے نہیں گرتا، جیسا کہ اصول فقہ
کی کتب میں مصرح ہے، اور اس سے عجیب تر
یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے اس (تخصیص)

---

[1] صحیح البخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۷۸
کنز العمال حدیث ۵۹۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۲۵

النصوص حديثا و تنزيلا فلوكان من
باب التكلف فما اكثر التكلف فى
افصح الكلام وكلام من هو افصح
الانام عليه افضل الصلوٰة و اكمل
السلام واغرب من هذا زعم طريقته
بريئة من التكلف مع انها تحتاج
الى ماهو ابرد و ابعد فان الصديق
رضى الله تعالٰى عنه لم يكن
بالحقيقة أتقى الموجودين فى
حين من الاحيان لحيات سيدنا عيسٰى
عليه الصلوٰة والسلام على ارجح
الاقوال و زعم التحاقه
بالاموات لارتفاعه الى السمٰوٰت
كلمة هو قائلها ما عليها دليل
ولا برهان ، وان سلم فاين انت
من سيدنا الخضر عليه السلام
مع أن المعتمد المختار نبوته وحياته[1]،
فان قلت انه مختف عن الابصار معتزل
عن الامصار فالتحق بالاموات
كان عذرا أفسد من الاول فافهم
على أنا قد اثبتنا اطلاق الصفة على
من سيكون كذا تجوز ولا تجوز
الا بقرينة ولا قرينة الا تخصيص الانبياء

عرفی کو تکلف و تاویل میں شمار کیا باوجودیکہ یہ قرآن و
حدیث کی نصوص میں شائع ہے تو اگر یہ تکلف کے
باب سے ہو تو افصح الکلام (قرآن) اور سب سے
زیادہ فصیح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں
کس قدر تکلف ہوگا اور اس سے زیادہ عجیب یہ
ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے پسندیدہ طریقہ کو
تکلف سے بری کہا جب کہ وہ بہت دور کی اور
بہت بارد تاویل کا محتاج ہے اس لئے کہ صدیق
رضی اللہ تعالٰی عنہ کسی وقت بھی تمام موجودین سے حقیقۃً
زیادہ متقی نہ تھے اس لئے کہ راجح مذہب پر
سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں زندہ ہیں
اور آسمانوں میں حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے ہونے کے سبب انھیں اموات سے ملحق بتانا
ایسی بات ہے جو انھوں نے کہی اور اس پر کوئی
دلیل و برہان نہیں ہے۔ پھر اگر یہ بات تسلیم کرلیں
تو تم سیدنا خضر علیہ السلام سے کہاں غافل ہو
باوجودیکہ معتمد و مختار یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور دنیا میں
زندہ ہیں تو اگر تم کہو کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ اور شہروں سے جدا ہیں
اس بنا پر اموات سے ملحق ہیں تو یہ عذر پہلے سے زیادہ فاسد
ہوگا تو تم سمجھ لو، علاوہ ازیں ہم ثابت کر چکے کہ صفت
کا اطلاق ایسے شخص پر جو آئندہ صفت کا مصداق
ہوگا مجاز ہے اور مجاز بغیر قرینہ کے ماننا درست
نہیں اور قرینہ شرعی انبیاء کی تخصیص ہے ، تو کلام کو

---

[1] شرح المقاصد المقصد السادس الفصل الرابع المبحث السابع دار المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۳۱۱/۲

شرعًا فبانتفائه حمل الکلام علی الحقیقة اولیٰ ام المصیر الی التجوز معتمدا علیٰ تلك القرینة نفسها؟ وقد بقی بعد خبایا فی زوایا لانذکرها مخافة للتطویل فحق الجواب والحق فی الجواب ماذکر العبد الذلیل وولی التوفیق ربی الجلیل۔

ثم اقول وھناك نکتة اخری أحق واحری بقبول النھی لم ار من تنبه لھا وھی ان افعل التفضیل لامحید له من مفضل علیه فالمحلی منه باللام اما ان یکون مفاده التفضیل علی جمیع من عھد التفاضل فیما بینھم فی امثال ھذا المقام کالمحبوب فی قولنا خبز البر ھو الاحسن والاکثر فیما نحن فیه، او علی بعضھم دون بعض اولا ولا بل احتمالا علی الاول حصل المقصود والثانی باطل بالبداھة الا تری الی قوله تعالیٰ سبح اسم ربك الاعلی[1] وقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی دعائه دبر الصلوٰة اسمع و

حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے یا مجاز کی طرف اسی قرینہ پر اعتماد کی وجہ سے پھیرنا انسب ہے اور کچھ پوشیدہ باتیں گوشوں میں رہ گئی ہیں جنھیں ہم طوالت کے ڈر سے ذکر نہیں کرتے تو جواب برحق اور جواب کا حق وہی ہے جو بندۂ ناتواں نے اپنے رب جلیل کی توفیق واعانت سے ذکر کیا۔

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) اس مقام میں ایک دوسرا نکتہ ہے جو عقلوں کو قبول ہونے کا زیادہ سزاوار ہے، میں نے نہ دیکھا کہ کسی کو اس نکتہ کی طرف توجہ ہوئی ہو اور وہ نکتہ یہ ہے کہ افعل التفضیل کے لئے مفضل علیہ ضروری ہے تو اس صیغہ پر جب لام تعریف داخل ہوگا تو یا تو ایسے مقام میں ان تمام افراد پر فضیلت ہوگا جن کے درمیان ایسے مواقع پر عرف میں تفاضل سمجھا جاتا ہے جیسے اناج کی قسموں میں ہمارے جملہ "گیہوں کی روٹی ہی اچھی ہے" میں اور وہی زیادہ تر مستعمل ہے اس مقام میں جس کی بابت ہم گفتگو کر رہے ہیں یا اس صیغہ سے بعض پر فضیلت سمجھی جائے گی اور بعض پر فضیلت مفہوم نہ ہوگی یا نہ پہلی صورت ہوگی نہ دوسری بلکہ دونوں کا احتمال ہوگا۔ پہلی تقدیر پر ہمارا مدعا حاصل ہے اور دوسری تقدیر پر بداہۃً باطل ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ کے قول "اپنے ربِ اعلیٰ کی پاکی بولو"

---

[1] القرآن الکریم ۸۷/ ۱

استجب اللہ اکبر و الاکبر علی روایۃ الرفع، اخرجہ ابوداؤد[1] و النسائی و ابن السنی و قول ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بین الصفاء والمروۃ "رب اغفر وارحم انك انت الاعز الاکرم"، رواہ ابن ابی شیبۃ[2] بل الی قول کل مصل فی سجودہ "سبحٰن ربی الاعلٰی" و علی الثالث کانت الاٰیۃ مجملۃ فی حق المفضل علیھم و المجمل ان لم یبین عد من المتشابھات و لم یعدھا احد منھا لکنا بحمد اللہ وجدنا البیان من صاحب البیان علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام، اخرج الامام ابوعمر ابن عبدالبر من حدیث مجالد عن شعبی قال سألت ابن عباس او سئل ای الناس اول اسلامًا قال اما سمعت قول حسان بن ثابت ؎

کی طرف اور نماز کے بعد حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے قول "اے رب! دعا سن لے اور قبول فرما، اللہ اکبر اللہ اکبر" کی طرف۔ اکبر کے مرفوع ہونے کی روایت پر اس حدیث کو روایت کیا ابوداؤد، نسائی اور ابن السنی نے، اور صفا و مروہ کے درمیان ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول "اے رب بخش دے اور مہر فرما بیشک تو ہی عزت والا اکرم والا ہے" کو نہیں دیکھتے۔ اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ نے، بلکہ سجدے میں ہر نمازی کے قول "سبحان ربی الاعلٰی" کو نہیں دیکھتے اور تیسری تقدیر پر یہ آیت مفضل علیہم کے حق میں مجمل ہوگی اور مجمل آیت کا بیان اگر نہ ہوا ہو تو وہ متشابہ آیتوں میں شمار ہوگی حالانکہ اس آیت کو کسی نے متشابہات میں شمار نہ کیا، لیکن ہم نے بحمد اللہ اس آیت کا بیان صاحب بیان حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے پایا۔ امام ابوعمر ابن عبداللہ نے روایت کی حدیث مجالد سے انھوں نے شعبی سے روایت کی کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے پوچھا یا ابن عباس سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ انھوں نے فرمایا: کیا تم نے حسان بن ثابت کے یہ شعر نہ سنے،

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب مایقول الرجل اذا سلم آفتاب عالم پریس لاہور ١/٢١١
عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول فی دبر صلٰوۃ الصبح دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ص ٣٢
[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحج باب ٦٠ ٣٤٠ حدیث ١٥٥٦٠ دارالکتب العلمیہ بیروت ٣/٤٠٣

اذا تذکرت شجواً من اخی ثقۃ
فاذکر اخاک ابا بکر بما فعلا
خیر البریۃ اتقاھا و اعدلھا
بعد النبی واوفاھا بما حملا
والثانی التالی المحمود مشھدہ
واول الناس منھم صدق الرسلا[1] انتہی

(ترجمۂ اشعار) "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی ابوبکر کو ان کے کارناموں سے یاد کر جو نبی (صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقوٰی اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے، جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سفرِ ہجرت میں چلے، جن کا منظر محمود ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی" (صلے اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد وسلم)۔

انبانا عبد الرحمٰن عن ابن عبد اللہ المکی عن عابد الزبیدی المدنی عن الفلانی عن ابن السنۃ عن الشریف عن ابن ارکماش عن ابن حجر العسقلانی عن الکمال ابی العباس أنا ابو محمد عبد اللہ بن الحسین بن محمد بن ابی التائب عن محمد بن ابی بکر البلخی عن الحافظ السلفی عن ابی عمران موسٰی بن ابی تلمید عن الامام ابی عمر یوسف بن عبد البر، قال فی الاستیعاب یروی أن رسول اللہ

ہمیں خبر دی عبدالرحمٰن نے انھوں نے روایت کی ابن عبداللہ مکی سے انھوں نے روایت کی عابد زبیدی مدنی سے انھوں نے روایت کی فلانی سے وہ روایت کرتے ہیں ابن السنۃ سے وہ روایت کرتے ہیں شریف سے وہ روایت کرتے ہیں ابن ارکماش سے وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر عسقلانی سے وہ راوی ہیں کمال ابوالعباس سے انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ابومحمد عبداللہ بن حسین بن محمد بن ابی التائب نے محمد بن ابی بکر بلخی سے وہ راوی ہیں حافظ سلفی سے وہ راوی ہیں ابوعمران موسٰی بن ابی تلمید سے وہ روایت کرتے ہیں امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر سے، ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حرف العین ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لحسان "هل قلت فی ابوبکر شیئا ؟ قال نعم، و انشد هذه الابیات و فیها بیت رابع وهی :

والثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو به اذ صعدوا الجبلا

فسر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذلك فقال احسنت یا حسان[1] وقد روی فیها بیت خامس :

وکان حب رسول اللہ قد علموا
خیر البریة لم یعدل به رجلا[2]

انتهی۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حسان سے فرمایا کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں کچھ کہا ہے؟ انھوں نے عرض کی: جی۔ اور حضرت حسان نے حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ شعر سنائے اور ان میں چوتھا شعر ہے وہ یہ ہے (ترجمہ) "غار شریف میں وہ دوسری جان درانحالیکہ دشمن اس کے گرد چکر لگاتے تھے جبکہ وہ دشمن (صدیق اکبر کی نظروں کے سامنے) پہاڑ پر چڑھے تھے"۔ تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اشعار کو سُن کر خوش ہوئے اور فرمایا: اے حسان! تم نے اچھا کیا۔ اور ان میں پانچواں شعر بھی مروی ہوا:

(ترجمہ) "(شہرت، چمک یا حرارت محبت میں) رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب لوگوں نے انھیں جانا، تمام مخلوق سے بہتر، جس کے برابر حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو نہ رکھا۔"

قلت و یروی بدله ع
من الخلائق لم یعدل به بدلا[3]

قلت (میں کہتا ہوں) مصرعہ ثانی کے بجائے یوں بھی مروی:
(ترجمہ) "مخلوق سے کسی کو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے برابر نہ رکھا۔"

وحدیث ابن عباس رواہ

اور حدیثِ ابن عباس کو طبرانی نے بھی

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳
[2] و [3] المستدرک للحاکم " کتاب معرفۃ الصحابۃ " دار الفکر بیروت " ۳/ ۶۴ "

الطبرانی ایضا فی المعجم الکبیر[1] وعبد اللّٰه بن احمد فی زوائد الزھد، و اما الحدیث المرفوع اعنی بہ استماع النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم اشعارہ و تحسینہ علیہا فاصلہ مروی ایضا عند الحاکم من حدیث غالب بن عبد اللّٰه عن ابیہ عن جدہ جبیب بن[2] ابی حبیب وعند ابن سعد فی الطبقات وعند الطبرانی عن الزھری ورواہ الحاکم ایضا من حدیث مجالد عن الشعبی من قولہ کمثل حدیث[3] ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنہما والاصولی یعرف ان الموقوف فی مثل ھذا کالمرفوع اذ المجمل لایبین بالرائ ولھذا ان لم یبین وانقطع[عہ] نزول القراٰن عاد متشابہا، ثم ان

روایت کیا معجم کبیر میں، اور عبداللہ بن احمد نے زوائد زہد میں۔ رہی حدیث مرفوع یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت حسان کے اشعار کو سن کر انھیں سراہنا تو اس کی اصل بھی مستدرک حاکم میں غالب بن عبداللہ کی حدیث میں بطریق غالب بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ حبیب بن ابی حبیب مروی ہے (یعنی یہ حضرت غالب بن عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ سے سنی انھوں نے اپنے باپ غالب کے دادا حبیب بن ابی حبیب سے سنی) اور طبقات ابن سعد میں اور طبرانی میں زہری سے مروی ہے، اور نیز حاکم نے مجالد کی حدیث میں بروایت شعبی ان کا قول حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بلفظہٖ مشابہ روایت کیا، اور اصولی جانتا ہے کہ ایسی جگہ پر موقوف (صحابی کا قول) مرفوع (حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے قول) کی طرح ہے اس لئے کہ مجمل کا بیان رائے سے نہیں ہوتا لہذا اگر شارع نے بیان نہ کیا اور قرآن کا نزول بند ہوگیا

عہ یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات سے کنایہ ہے ۱۲ منہ

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۵۶۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۸۹
[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴ و ۸۷
کنز العمال حدیث ۳۵۶۷۳ و ۳۵۶۸۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت / ۵۱۳ و ۵۲۳
الدر المنثور بحوالہ ابن عدی و ابن عساکر مکتبۃ آیۃ اللّٰه العظمی قم ایران ۳/ ۲۴۱
[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

البیان یلتحق بالمبین اذ لا یفید الا رفع التشکیک و تعیین احد المحتملات فکان حکمه کحکم القرینة والمفاد انما ینسب الی الکلام کما اوضحته الاصول فثبت بالاٰیة تفضیله رضی اللہ تعالٰی عنه علٰی کل من عداہ فی التقوٰی والحمد للہ علٰی ما اولٰی۔

تو مجمل متشابہ ہوجائے گا، پھر بیان مبین (مجمل) سے ملحق ہوگا اس لئے کہ بیان کا یہی فائدہ ہے کہ شک دور کرے اور محتمل معانی میں سے کوئی ایک معین کردے تو بیان کا حکم وہی ہے جو قرینہ کا ہے اور کلام کا مفاد کلام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ نے واضح کیا تو اس آیت سے صدیق اکبر کی فضیلت تقوٰی میں ہر امتی پر ثابت ہوگئی اور اللہ تعالٰی کیلئے اس کی نعمتوں پر حمد ہے۔

اقول واخذ الافعل بمعنی کثیر الفعل فطام له عما یحتاج الیه فی اصل وضعه اعنی المفضل علیه فیکون صرفا عن المعنی الحقیقی المتبادر فلابد من قرینة واین القرینة ولتکن حاجة وماذا الحاجة نعم ھذا مفاد صیغة المبالغة و شتان ماھما فلیتنبه لھذا واللہ تعالٰی الموفق۔

میں کہتا ہوں اور افعل کو بمعنی کثیر الفعل لینا اس کو اس شے سے الگ رکھنا ہے جس کا وہ اصل وضع کے لحاظ سے محتاج ہے یعنی مفضل علیہ تو یہ معنی حقیقی متبادر سے پھیرنا ہوگا اب تو قرینہ ضروری ہے اور قرینہ کہاں اور اس کے لئے حاجت بھی چاہئے اور حاجت کیا ہے، ہاں یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفاد ہے اور اسم تفضیل اور مبالغہ میں فرق ہے۔

الشبھة الثالثة وھی تتعلق بالکبرٰی من قیاس اھل السنة والجماعة ان المحمول فی قوله تعالٰی "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"[1] ھو الاتقٰی فکان حاصل المقدمتین ان

تیسرا شبہہ اس کا تعلق اہلسنت وجماعت کے قیاس کے کبرٰی کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم" میں محمول الاتقٰی ہے ـــــــ تو دونوں مقدموں کا حاصل یہ ہوا کہ صدیق اتقٰی ہیں اور

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

الصدیق اتقی وکل اکرم اتقی وھذا لیس من الشکل الاول فی شیئ ولا ثانیًا ایضًا لعدم الاختلاف فی الکیف وان عکستم الکبرٰی جاءت جزئیۃ لاتصلح لکبرویۃ الشکل الاول فمفاد الاٰیتین لا یضرنا ولاینفعکم ومن الشبھۃ ھی اللتی بلغنی عن بعض المفضلۃ عرضھا علٰی بعض المتکلمین منا۔

واَنا اقول وباللہ التوفیق ماا ستخفہ تشکیکا واضعفہ دخلا رکیکا غلط ساقط باطل عاطل لایستحق الجواب ولکن اذا قیل و سئل فلابد من ابانۃ الصواب فاعلم ان اللطیف الخفی وفقنی لازھاق ھذا التلبیس الفلسفی باثنی عشر وجھا امھاتھا ثلثۃ وجوہ کل منھا یکفی ویشفی۔

الاوّل لوکان لھذا القائل علم بمحاورات القراٰن اوالحدیث او بما روی العلماء فی شان النزول او التفسیر المرفوع الی جناب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوکلمات العلماء والائمۃ الفحول او رزق حظا من فھم الخطاب و درك المفاد و

ہراکرم اتقی ہے، اور یہ کسی طرح شکل اول کے قبیل سے نہیں اور شکل ثانی بھی نہیں اس لئے کہ کیف میں اختلاف نہیں ہے، اور اگر کبرٰی کا عکس کردیا جائے اس صورت میں موجبہ جزئیہ ہوگا جو شکل اوّل کے کبرٰی بننے کے لائق نہیں، تو دونوں آیتوں کا مفاد ہمیں مضر نہیں اور تمہیں مفید نہیں، اور یہ وہی شبہہ ہے جس کے بارے میں مجھے خبر پہنچی کہ کسی تفضیلی نے ہمارے کسی عالم سے عرض کیا۔

اور میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی سے ہے، یہ کتنی سخیف تشکیک ہے اور کس قدر ضعیف اعتراض رکیک ہے جو غلط ہے ساقط ہے باطل ہے عاطل ہے جواب کا مستحق نہیں، لیکن یہ جب کہا گیا اور پُوچھا گیا تو صواب کو ظاہر کرنا ضروری ہے، اب تم جانو کہ اللہ لطیف خفی نے اس قید فلسفی کے قلع قمع کے لئے مجھے بارہ۱۲ وجوہ سے توفیق بخشی ان بارہ۱۲ کی اصل تین۳ وجہیں ہیں ان میں سے ہر ایک کافی و شافی ہے:

پہلی یہ کہ اگر اس معترض کو قرآن و حدیث کے محاورات یا شانِ نزول میں علماء کی روایات جناب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب و مرفوع تفسیر یا علماء اور جلیل القدر ائمہ کے کلمات کا علم ہوتا یا نظمِ قرآن کی سمجھ اور مفاد و معنی کی فہم اور کلام کو غرض مقصود پر رکھنے سے کچھ حصہ روزی ہوا ہوتا تو وہ جان لیتا کہ اکرم

تنزیل الکلام علی الغرض المراد لعلمان حمل الاکرم ھو المعتبر وصدر الکلام بتصدیر الخبر و ذٰلك لوجوہ اوقفنی اللہ تعالٰی علیہا بمنہ وعمیم کرمہ۔

کو محمول بنانا ہی معتبر ہے تو کلام اس طرح صادر ہوا کہ اس میں تقدیم خبر ہے اور یہ دعوی چند دلیلوں سے ثابت ہے اس پر اللہ تبارک و تعالٰی نے مجھے اپنے احسان اور لطفِ عام سے مطلع کیا۔

فاقول اولاً کانت الجاھلیۃ تتفاخر بالانساب وتظن ان الانسب ھو الافضل فجاءت کلمۃ الاسلام بردکلمۃ الجاھلیۃ "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"[1] فالنزاع انما وقع فی موصوف الافضل لا فی صفتہ وھذا کما اذا سأل سائل عن الذ الاطعمۃ فقال قائل الحامض الذ فتقول رادا علیہ لا بل الذھا احلاھا فانما ترید ان الاحلی ھو الالذ والوجہ ان الاتقی فی الاٰیۃ کالاحلی فی قولك ھذہ مرأۃ لملاحظۃ الذات و الاکرم حکم علیہ کالالذ وانما الخبر ما حکم بہ

فاقول (میں کہتا ہوں) **اولاً** اہلِ جاہلیت نسبت پر فخر کرتے تھے اور وہ گمان کرتے تھے کہ جس کا نسب بہتر ہے وہی افضل ہے تو اسلام کا کلمہ جاہلیت کے بول کو رد کرتا ہوا آیا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے) تو نزاع تو اس میں ہے کہ وصف اول کا موصوف کون ہے نہ کہ صفت افضل میں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی پوچھنے والا پوچھے کہ کھانوں میں سب سے مزیدار کھانا کون سا ہے، تو کوئی کہے کہ الذھا اخلاھا (کھٹا سب سے زیادہ مزیدار ہے) تو اس کا رد کرنے کو تم یوں کہو نہیں بلکہ الذھا احلاھا (سب سے زیادہ مزیدار میٹھی چیز ہے) تو ہماری مراد یہی ہے کہ سب سے زیادہ میٹھا سب سے زیادہ مزیدار ہے، اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اتقٰی تمہارے اس قول "ذات کے ملاحظہ کیلئے یہ آئینہ ہے" میں احلی کی مثل ہے اور اکرم

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

لاما حکم علیہ ولقد دری من لہ قلیل ممارسۃ بکلام العرب ان الذھن اول ماتلقی الیہ امثال ھذا الکلام لایسبق الا الی ان المراد مدح الاتقیاء والترغیب فی التقوٰی والوعد الجمیل بان من یتقی یکن کریمًا علینا عظیما لدینا وھکذا فھم المفسرون فھذا الزمخشری النکتۃ فی الادب الشامۃ فی معرفۃ کلام العرب یقول فی تفسیرہ" المعنی ان الحکمۃ التی من اجلھا رتبکم علی شعوب و قبائل ھی ان یعرف بعضکم نسب بعض فلایعتزی الی غیر ابائہ لاان تتفاخروا بالاٰباء والاجداد وتدعوا التفاوت و التفاضل فی الانساب ثم بیّن الخصلۃ التی بھا یفضل الانسان غیرہ ویکتسب الشرف والکرم عند اللہ تعالٰی[1] فقال انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ وقرئ أنّ بالفتح کانہ قیل لایتفاخر بالانساب، فقیل لان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم لا انسبکم الخ و بمثلہ قال الامام

محکوم علیہ ہے جیسے الذ۔ اور خبر تو محکوم بہ ہوتی ہے نہ کہ محکوم علیہ۔ اور بیشک وہ سمجھتا ہے جسے کلامِ عرب سے تھوڑا سا سابقہ ہو کہ جیسے ہی ایسا کلام ذہن میں آتا ہے اس کی سبقت اسی طرف ہوتی ہے کہ مراد پرہیزگاروں کی تعریف اور تقوٰی کی رغبت دلاتا ہے اور یہ وعدۂ جمیل کہ جو تقوٰی اختیار کرے گا ہمارے یہاں عزت و کرامت والا ہوگا۔ اور اسی طرح مفسرین نے سمجھا تو یہ زمخشری جو ادب میں نکتہ کی مانند اور کلامِ عرب میں تِل کی مثال سے ہے اپنی تفسیر میں قائل ہیں بیشک وہ حکمت جس کی وجہ سے تمہاری ترتیب کنبوں اور قبیلوں پر رکھی وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا نسب جان لے۔ تو اپنے آباء و اجداد کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت نہ کرے نہ یہ کہ تم آباء و اجداد پر فخر کرو اور نسب میں فضیلت اور برتری کا دعوٰی کرو پھر اللہ نے وہ خصلت بیان کی جس سے انسان دوسرے سے برتر ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں عزت و بزرگی کا اکتساب کرتا ہے تو اللہ نے فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اور ایک قرأت اَنَّ فتح ہمزہ کے ساتھ ہے گویا کہ کہا گیا ہے کہ نسب پر فخر کیوں کیا جائے تو بتایا گیا کہ اس وجہ سے کہ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے نہ وہ جو سب سے بڑے نسب والا ہو الخ

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۷۵

النسفی فی المدارک[1]

واقول ثانیاً القراٰن انما نزل لبیان الاحکام التی لا یطلع علیها الا باطلاع الله سبحٰنه وتعالٰی کالنجاة والهلاك والکرامة والهوان والرد والقبول والغضب والرضوان لا لبیان الامور الحسیة وکون الرجل تقیا او فاجرا مما یدرك بالحس ففی جعل الاکرم موضوعاً کقلب الموضوع ولقد کان هذا الوجه من اوّل ما سبق الیه فکری حین استماع الشبهة ثم فی اثناء تحریر الرسالة لما راجعت مفاتیح الغیب رأیت الفاضل المدقق تنبه للشبهة وندن فی الجواب حول ما اومانا الیه حیث یقول "فان قیل الاٰیة دلت علٰی ان کل من کان اکرم کان اتقٰی" وذلك لا یقتضی ان کل من کان اتقی کان اکرم، قلنا وصف کون الانسان اتقی معلوم مشاهد

اور اسی طرح امام نسفی نے مدارک میں فرمایا۔

اقول ثانیاً قرآن تو ان احکام کے بیان کے لئے نازل ہوا ہے جن کا علم اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے اطلاع کے بغیر نہیں ہوسکتا جیسے کہ نجات و ہلاکت، عزت وذلت اور مردود ومقبول ہونا اور غضب ورضائے الٰہی، یہ محسوسات کے بیان کے لئے نہیں اترا اور آدمی کا پرہیزگار یا بدکار ہونا ان باتوں سے ہے جن کا علم احساس سے ہوتا ہے تو اکرم کو موضوع بنانا قلب موضوع ہے اور بیشک یہ وجہ ان باتوں سے ہے جن کی طرف میری فکر نے شبہہ کو سُن کر سبقت کی، پھر اس رسالہ کی تصنیف کے دوران جب میں نے تفسیر "مفاتیح الغیب" دیکھی تو میں نے فاضل مدقق کو دیکھا کہ وہ اس شبہہ کی طرف متنبہ ہوئے اور جواب میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اس کے گرد مبہم کلام فرمایا اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں پھر اگر کہا جائے کہ یہ آیت تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اکرم (بڑا عزت والا) ہوگا، اتقٰی (بڑا پرہیزگار) ہوگا، اور یہ اس بات کا مقتضی نہیں کہ ہر وہ شخص جو اتقی (بڑا پرہیزگار) ہو وہ اکرم (بڑا عزت دار) ہو۔ ہم کہیں گے کہ انسان کا اتقی ہونا وصفِ معلوم ومحسوس ہے

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۱۳/۴۹ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۷۳

ووصف كونه افضل غير معلوم و لامشاهد والاخبار عن المعلوم بغير المعلوم هو الطريق الحسن اما عكسه فغير مفيد، فتقدير الأية كانه وقعت الشبهة فى ان الاكرم عند الله من هو؟ فقيل هو الاتقى واذا كان كذلك كان التقدير اتقكم اكرمكم عند الله انتهى۔

اور انسان کا افضل ہونا نہ وصف معلوم ہے اور نہ محسوس۔ اور معلوم کے بارے میں وصف غیر معلوم کے ذریعہ خبر دینا، یہی بہتر طریقہ ہے۔ رہا اس کا عکس تو وہ مفید نہیں۔ تو آیت میں عبارت مقدر ہے، گویا کہ اس بارے میں شبہہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک اکرم کون ہے؟ تو فرمایا گیا کہ اکرم اتقی ہے اور جب بات یوں ہے تو آیت کی تقدیر یوں ہوگی اتقکم اکرمکم عند اللہ (تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا ہے)۔

قلت ولعلك لا يخفى عليك ما بين التقديرين من الفرق و ما بين هذا الوجه ووجوهنا الباقية من التفاوت العظيم "ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء"۔ والحمد لله رب العٰلمين۔

قلت (میں کہتا ہوں) اور شاید تم پر پوشیدہ نہ ہو وہ فرق جو دونوں تقدیروں میں ہے اور وہ عظیم تفاوت جو اس وجہ میں اور ہماری باقی وجوہ میں ہے یہ اللہ کے فضل میں ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب ہے جہان والوں کا۔

ثم اقول عسٰى ان يزعجك الوهم الصئول فيلجئك ان تقوم تقول اليس التقوٰى من افعال القلوب، قال الله سبحٰنه و

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) قریب ہے کہ تمھیں وہم بے چین کرے پھر تمھیں مجبور کرے کہ تم کھڑے ہوکر یہ کہو کہ کیا تقوٰی افعال القلوب سے نہیں، اللہ سبحانہ وتعالٰی کا ارشاد

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۸/ ۱۳۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

تعالٰی "اولئك الذین امتحن الله قلوبهم للتقوٰی[1]"، وقال تعالٰی "و من یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب[2]" وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم "التقوٰی هٰهنا، التقوٰی هٰهنا، التقوٰی هٰهنا، یشیر الٰی صدره صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔" اخرجه مسلم[3] وغیره عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه وعنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم "لکل شیئ معدن و معدن التقوٰی قلوب العارفین" اخرجه الطبرانی[4] عن ابن عمر و البیهقی عن الفاروق اکبر رضی الله تعالٰی عنهما، فکیف قلتم انها من المحسوسات۔

قلت بلٰی ان التقوٰی مقامها القلب وعن هذا قلنا ان الصدیق لما کان اتقی الامّة باسرها وجب ان یکون اعرفها بالله تعالٰی

ہے: "یہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے"۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے"۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرماتے تھے"۔ اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: "ہر شے کے لئے کان ہے اور تقوٰی کی کان اولیاء کے دل ہیں"۔ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عمر سے اور بیہقی نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ تقوٰی محسوسات سے ہے۔

قلت (میں جواب میں کہتا ہوں) ہاں بے شک تقوٰی کا مقام قلب ہے اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ بے شک جب صدیق تمام امت سے زیادہ پرہیزگار ہوئے تو ضروری ہوا کہ وہ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہوں

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۳
[2] " " ۲۲/ ۳۲
[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷
[4] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۱۸۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۳۰۳

لکن القلب امیر الجوارح فاذا استولٰی علیہ سلطان شیئ اذعنت لہ الجوارح طوعاً و لمعت علیھا آثارہ جھراً وھذا مشاھد فی الحیاء والحزن والفرح والغضب وغیر ذٰلک من صفات القلب قال المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب"[1] اخرجہ الشیخان عن نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ، و قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان"[2] اخرجہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ و ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم والبیھقی عن ابی سعید

لیکن قلب اعضاء کا امیر ہے، تو جب قلب پر کسی شے کا سلطان غالب ہوتا ہے تو تمام اعضاء اس کے تابع ہو جاتے ہیں اور اعضاء پر اس کے آثار صاف جھلکتے ہیں اور حیا و غم خوشی و غضب وغیرہ صفاتِ قلب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "خبردار! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ سدھرتا ہے پورا جسم سدھر جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے پورا جسم بگڑ جاتا ہے سُنتے ہو، وہ قلب ہے۔" اس حدیث کو بخاری و مسلم نے نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور حضور صلے اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب تم آدمی کو مسجد میں آنے جانے کا عادی پاؤ تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔" اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم و بیہقی نے ابوسعید

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرأ لدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳
صحیح مسلم کتاب المساقات باب اخذ الحلال و ترک الشبہات " " ۲/۲۸

[2] جامع الترمذی کتاب التفسیر تحت الآیۃ ۹/۱۸ امین کمپنی دہلی ۲/۱۳۵
سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعات باب لزوم المساجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۸
مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/۶۸
المستدرک للحاکم کتاب الصلٰوۃ لبشر المشائین فی الظلم الی المساجد الخ دار الفکر بیروت ۱/۲۱۲
السنن الکبرٰی کتاب الصلٰوۃ باب فضل المساجد الخ دار صادر بیروت ۳/۶۶
موارد الظمآن الی زوائد الظمآن باب الجلوس فی المسجد بالخیر حدیث ۳۱۰ المطبعۃ السلفیہ ص ۹۹

الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اقول ثالثا کل ماذکر فی شان النزول فانما یستقیم و یطابق التنزیل اذا کان الموضوع ھو الاتقی۔ اما اذا عکس فلا یتاتی ولا یاتی الرمی علی المرمی، اما روایۃ یزید بن شجرۃ فطریق الاستدلال فیھا انکم استحقرتم ھذا العبد لانہ عبد اسود فقلتم عاد ذلیلاً وحضر جنازۃ ذلیل لکنہ عندنا کریم جلیل اذ کان متقیا والفضل عندنا بالتقوٰی فمن کان تقیا کان کریما عندنا وان کان عبدا اسود اجدع۔ وھذا الطریق ھو المفھوم من الاٰیۃ عند کل من لہ ذوق سلیم، اما علی ما زعمتم فیکون حاصل استدلال اللہ سبحٰنہ وتعالٰی انہ کان کریما وکل کریم متق فلذا عادہ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضر دفنہ، وھذا الطریق کما تری اذا کان ینبغی الاستدلال الاستدلال بامر مسلم عندھم یستلزم ما لم یسلموہ کالتقوٰی علی تقریرنا۔

خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا۔

اقول ثالثا جو کچھ آیت کریمہ کے شان نزول میں مسطور ہوا وہ تو اسی وقت راس آتا ہے اور تنزیل کے مطابق ہوتا ہے جب آیت کریمہ میں اتقی ہی موضوع ہو۔ رہی وہ صورت جب اس کا عکس کردیں تو بات نہیں بنتی، ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ رہی یزید ابن شجرہ کی روایت تو اس میں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اے لوگو! تم نے غلام کو حقیر جانا اس لئے کہ سیاہ فام غلام ہے تو تم نے اعتراض کیا کہ ذلیل کی عیادت کی ذلیل کے جنازہ میں حاضر ہوئے، لیکن وہ غلام ہمارے نزدیک باعزت جلیل القدر ہے اس لئے کہ وہ متقی تھا اور ہمارے یہاں بزرگی تقوٰی سے ہے تو جو متقی ہوگا ہماری بارگاہ میں عزت والا ہوگا اگرچہ کالا نکٹا غلام ہو۔ اور آیت سے ہر ذوق سلیم والے سے یہی طریق استدلال مفہوم ہوتا ہے، اور تمہارے زعم پر اللہ تبارک وتعالٰی کے استدلال کا حاصل یوں ہوگا کہ وہ بے شک عزت والا تھا اور ہر عزت والا متقی ہے اسی لئے تو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی اور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔ اور یہ طریق استدلال جیسا ہے تمہیں معلوم ہے اس لئے کہ دلیل لانا ایسے امر سے چاہئے تھا جو کفار کو مسلم ہو اور جو اس کو مستلزم ہو جس کو وہ تسلیم نہیں کرتے جیسے تقوٰی ہماری تقریر پر۔

واما الكرامة فلم تكن ثابتة عندهم والا لما قالوا ما قالوا على ان المقدمة المذكورة فى الأية تبقى حـ عبثاً والعياذ بالله تعالٰى فان الرد عليهم تم بالمطوية القائلة انه رجل كريم عند الله تعالٰى وبعد ذلك اى حاجة الٰى ان يقال كل كريم متق اذ لم يكن نزاعهم فى التقوٰى بل فى الكرم. وبالجملة يلزم اخذ المدعى صغرى واستنتاج ماليس بمدعى وهٰكذا يجرى الكلام فى رواية مقاتل و استحقار قريش سيدنا عتيق العتيق اعتقنا الله بهما من عذاب الحريق، اٰمين!

40

رہی عزت (اس سیاہ فام غلام کی) کافروں کے نزدیک ثابت ہی نہ تھی ورنہ یہ کافروہ کچھ کہتے جو انھوں نے کیا۔ علاوہ ازیں وہ مقدمہ جو اس آیت میں ذکر ہوا اس تقدیر پر عبث ٹھہرے گا والعیاذ باللہ، اس لئے کہ کفار پر رد تو اس قضیہ مطویہ (پوشیدہ) سے تام ہولیا جس میں یہ دعوٰی ہے کہ وہ غلام، اللہ کے نزدیک باعزت ہے۔ اس کے بعد کون سی حاجت ہے کہ کہا جائے کہ ہر کریم، متقی ہے اس لئے کہ کافروں کا نزاع تقوٰی میں نہ تھا بلکہ کرامت میں تھا۔ بالجملہ اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مدعا صغرٰی ہو اور نتیجہ وہ نکلے جو مدعا نہیں اور یونہی کلام روایت مقاتل میں اور قریش کی جانب سے سیدنا عتیق العتیق (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تحقیر میں جاری ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں ان دونوں کے صدقے میں جہنم کے عذاب سے آزاد فرمائے۔ آمین!

ولنقرر بعبارة اُخرٰی قال "كل جديد لذيذ" كان طريق استدلالهم على حقارته رضى الله تعالٰى عنه بانه عبد ولا شئ من العبد كريماً فهو ليس بكريم والأية نزلت فى الرد عليهم فلا بد من نقض احدى المقدمتين من قياسهم لكن الصغرٰى لا مرد لها، فتعين ان الأية انما تبطل الكبرٰى باثبات

اور ہم بلفظ دیگر تقریر کریں اس لئے کہ "کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ"، کفار کا طریق استدلال حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حقارت پر بایں طور تھا کہ وہ غلام ہیں اور کوئی غلام عزت والا نہیں ہوتا، تو عزت والے نہیں، اور یہ آیت کفار کے رد میں اتری لہٰذا ان کے قیاس میں دو مقدموں میں سے ایک کا نقض ضروری ہے لیکن صغرٰی کا رد نہیں ہوسکتا۔ اب متعین ہوا کہ آیت کبرٰی کا ہی ابطال کرتی ہے اس کی نقیض

نقیضها وهو ان بعض العبید کریم ولا یمکن اثباته الا علی طریقتنا بان نقول بعض العبید یتقی الله تعالٰی ومن یتقی الله تعالٰی فهو کریم، اما علی طریقتکم فی اصل المقدمتین ان بعض العبید متق وکل کریم متق وهذا هو القیاس الذی انتم دفعتموه وهکذا ینمشی التقریر فی روایة ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما بکلا الوجهین۔

کے اثبات کے ذریعہ اور کفار کے کبریٰ کی نقیض یہ ہے کہ بعض غلام باعزت ہیں اور اس کا ثابت کرنا ممکن نہیں مگر ہمارے طریقے پر بایں طور کہ ہم کہیں بعض غلام، اللہ تبارک وتعالٰی سے ڈرتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہی عزت والا ہے۔ رہا اصل مقدمتین میں تمہارے طریقے پر یہ قیاس کہ بعض غلام متقی ہیں اور ہر عزت والا متقی ہے تو یہ وہی قیاس ہے جس کو تم دفع کرچکے۔ اور یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت میں دونوں وجوہ کے ساتھ یہ تقریر چلے گی۔

ولنقرره بعبارة ثالثة استحقر ثابت بن قیس رضی الله تعالٰی عنه بعض اهل المجلس بقوله یا ابن فلانة ای یا دنی النسب فرد الله سبحٰنه وتعالٰی علیه بانک ان زعمت ان بعض الادانی فی النسب لا یکون کریمًا فقولک هذا صادق لکن علام استحقرت هذا بخصوصه اذ یجوز ان لا یکون هذا من ذٰلک البعض وان اردت السلب الکلی فباطل قطعًا اذ لو صدق لصدق ان بعض المتقین لیس کریمًا لان بعضهم دنی النسب فلم یکن کریمًا عندک لکن التالی باطل

اور ہم تقریر مدعا تیسری عبارت سے کریں حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعض اہل مجلس کی تحقیر کی تھی، "یا ابن فلانہ" (اے فلانی کے بیٹے) کہہ کر یعنی اے نسب میں کمتر، تو اللہ تبارک وتعالٰی نے ان کا رَد یُوں فرمایا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ کچھ کمتر نسب والے شریف نہیں ہوتے تو تمہاری یہ بات سچی ہے لیکن تم نے خاص اس شخص کو کس بنیاد پر حقیر جانا؟ اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ ان بعض میں سے نہ ہو اور اگر تمہاری مراد سلب کلی ہے تو یہ قطعاً باطل ہے اس لئے کہ اگر یہ صادق ہو تو یقیناً یہ صادق ہوگا کہ بعض متقی شریف نہیں اس لئے کہ ان میں کے بعض نسب میں کمتر ہیں تو تمہارے نزدیک شریف نہ ہوں گے لیکن تالی باطل ہے اس لئے

لصدق نقیضه وهو ان کل متق کریم فالمقدم مثله، هذا علی طریقتنا اما علی طریقتکم فالمقدمة الاستثنائیة ان کل کریم متق وهو لا یرفع اللازم فلا یرفع الملزوم اتقن هذا فان الفیض مدرار۔ والحمد للّٰه۔

کہ اس کی نقیض صادق ہے اور وہ یہ کہ ہر متقی کریم ہے تو مقدم بھی اسی کی طرح باطل ہے یہ ہمارے طریقے پر ہے لیکن تمہارے طریقے پر تو مقدمۂ[عہ] استثنائیہ یہ ہے کہ ہر شریف متقی ہے اور یہ لازم کو مرتفع نہیں کرتا تو ملزوم کو بھی مرتفع نہ کریگا اس تقریر کو خوب ضبط کر لو اس لئے کہ فیض (کا دریا) زوروں پر ہے، اور تمام خوبیاں اللہ ہی کی ہیں۔

اقول رابعًا الاحادیث التی

جاءت تفسیرا الاٰیة او ترد مورد مشرعها او تلحظ ملحظ منزعها انما تعطی ما ذکرنا من المفاد و تابی عما بغیتم من الافساد و منها ما انبانا المولی السراج عن الجمال عن عبد اللّٰه السراج ح وعالیًا بدرجة عن ابیه عبد اللّٰه السراج عن محمد بن هاشم ح ومساویا للعالی عن الجمال عن السندی ح وشافهنی عالیا بدرجتین

اقول رابعًا وہ احادیث جو

اس آیت کی تفسیر کرتی ہے یا اس کے گھاٹ کے راستے پر چلیں یا اس جگہ اشارہ کرتی ہیں جہاں سے اس کا تیر کھینچا وہ تو وہی مفاد دیتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور اس فساد انگیزی سے انکار کرتی ہیں جو تم نے چاہا، منجملہ ان حدیثوں کے یہ ہے کہ جس کی خبر ہمیں مولٰی سراج نے دی وہ روایت کرتے ہیں جمال سے وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ سراج سے (ح) نیز ہم نے سراج سے یہ حدیث ایک درجہ عالی سند سے روایت کی وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ عبد اللہ سراج سے وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ہاشم سے (تحویل) نیز اس سند سے اس روایت کی جو سند عالی کے

عہ مقدمہ استثنائیہ کو قیاس استثنائی بھی کہا جاتا ہے، اور قیاس استثنائی وہ ہے جس میں نتیجہ یا اس کی نقیض بالفعل مذکور ہو جیسے ہمارا یہ کہنا کہ "یہ اگر جسم ہے تو متحیز ہے" لیکن وہ جسم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ متحیز ہے اور یہی بعینہٖ قیاس یعنی مقدمہ میں مذکور ہے اور نقیض کی مثال یہ کہ وہ متحیز نہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ جسم نہیں اور اس کی نقیض کہ وہ جسم ہے مقدمہ میں مذکور ہے (تعریفات جرجانی ص ۱۵۹)

سیدی جمل اللیل عن السندی کلاھما عن صالح العمری باسانیدہ الامامین الجلیلین بسندھما الی سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای الناس اکرم، فقال اکرمھم عند اللہ اتقیٰھم[1]

مساوی ہے انھوں نے روایت کی جمالؔ سے وہ روایت کرتے ہیں سندیؔ سے اور میرے اوپر دو۲ درجہ عالی سند سے اس حدیث کو مجھ سے روایت کیا سیدی جمل اللیل نے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے دونوں نے روایت کی صالح عمری سے ان امامین جلیلین (بخاری ومسلم) کی اسانید کے ساتھ ان دونوں اماموں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے سوال ہوا، لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اقول انظر الٰی اٰثار رحمۃ اللہ کیف یوضح المحجۃ ولایدع لاحد حجۃ انما سئل المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان ای الناس اکرم ای من الموصوف بہ لا ان الاکرم ما ھو بای نعت یزھو فاجاب بالاٰیۃ الکریمۃ فلولا ان الاتقی ھو الموضوع لما طابق الجواب

اقول (میں کہتا ہوں) اللہ تبارک وتعالٰی کی رحمت کے آثار دیکھو راستہ کو کس طرح واضح کرتا ہے یہ کسی کے لئے حجت نہیں چھوڑتا مصطفٰے صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے تو یوں سوال ہوا تھا کہ کون سا شخص سب سے زیادہ عزت والا ہے یعنی اس وصف سے کون موصوف ہے۔ یہ سوال نہ ہوا تھا کہ "اکرم کی ماہیت کیا ہے۔" "اکرم" (سب سے زیادہ عزت والا) اور کون سے وصف پر ناز کرتا ہے، تو سرکار نے

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ یوسف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۶۷۹
[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل یوسف علیہ السلام " " ۲/۲۶۸

السوال وعليك بتزكية الخيال ومن تمام نعمة الله تعالٰى ان فسر الشراح الحديث بما يعين المراد و يقطع كل وهم يراد۔

آیۂ کریمہ سے جواب دیا تو اگر بات یہ نہ ہوتی کہ الاتقی (سب سے بڑا پرہیزگار) ہی موضوع ہے تو جواب سوال کے مطابق نہ ہوتا اس پر خیال کا تزکیہ ہے، اور اللہ تبارک وتعالٰی کی نعمت کی تمامی سے یہ ہے کہ حدیث کے شارحین نے اس کی تفسیر اس جُملہ سے کردی جو مراد کو متعین کردیتا ہے اور وہم کا قاطع ہے۔

قال العلامة المناوی "اکرم الناس اتقهم لان اصل الکرم کثرة الخیر" فلما کان المتقی کثیرالخیر فی الدنیا وله الدرجات العلٰی فی الاٰخرة کان اعم الناس کرما فهو اتقٰهم[1] انتهی۔

اس میں علامہ مناوی کا ارشاد ہے: اکرم الناس اتقاھم (سب لوگوں سے زیادہ عزّت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) اس لئے کہ کرم اصل میں کثرتِ خیر ہے، تو جب متقی دنیا میں خیرِ کثیر والا ہے اور آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے، تو سب سے زیادہ کرم والا وہی ہے جو سب سے زیادہ تقوٰی والا۔انتہی۔

انظر این ذھبت شبهتك الواهیة فهل تری لها من باقیة، و منها ما انبانا المولٰی عبدالرحمٰن عن الشریف محمد بن عبدالله کما مضی عن علی بن یحیٰی الزیادی عن الشهاب احمد بن محمد الرملی عن الامام ابی الخیر السخاوی عن

دیکھو تمہارا واہی شبہہ کہاں گیا، اب اس کا کچھ نشان دیکھتے ہو۔ اور ازانجملہ وہ حدیث ہے جس کی ہمیں خبر دی مولٰی عبدالرحمٰن نے انھوں نے روایت کی سید محمد بن عبداللہ سے، جیسا کہ گزرا، اور وہ روایت کرتے ہیں علی بن یحیٰی زیادی سے، وہ روایت کرتے ہیں شہاب احمد بن محمد رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابوالخیر سخاوی سے، وہ روایت کرتے ہیں

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اکرم الناس اتقاھم مکتبۃ الامام الشافعی ۱/۲۰۳

العزعبد الرحیم بن فرات عن
الصلاح بن ابی عمر عن الفخر بن
البخاری عن فضل الله ابی سعید
التوقانی عن الامام محی السنة
البغوی انا ابوبکر بن ابی الهیثم
انا عبد الله بن احمد بن حموية
انا ابراهیم بن خزیم ثنا عبد الله
بن حمید انا الضحاك بن مخلد
عن موسیٰ بن عبیدة
عن عبد الله بن دینار
عن ابن عمران النبی
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم
طاف یوم الفتح علی راحلته
یستلم الارکان بمحجنته
فلما خرج لم یجد مناخا
فنزل علی ایدی الرجال
ثم قام فخطبهم فحمد الله
واثنی علیه، وقال الحمد
لله الذی اذهب عنکم غبیة
الجاهلیة و تکبرها بآبائها
انما الناس رجلان برتقی کریم علی
الله و فاجر شقی هین علی الله ثم تلا
"یا ایها الناس انا خلقنکم من ذکر
و انثی" ثم قال اقول
قولی هذا واستغفر الله

عز عبد الرحیم بن فرات سے، وہ روایت کرتے
ہیں صلاح بن ابی عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں
فخر ابن بخاری سے، وہ روایت کرتے ہیں فضل اللہ
ابوسعید توقانی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام
ابی السنہ بغوی سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی
ابوبکر ابن ابی ہیثم نے عبد اللہ ابن احمد ابن حمویہ سے، وہ
فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابراہیم ابن خزیم نے، ہم
سے حدیث بیان کی عبد اللہ ابن حمید نے، ہمیں خبر دی
ضحاک ابن مخلد نے، وہ روایت کرتے ہیں اسکو
موسیٰ ابن عبیدہ سے، وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ
بن دینار سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت
ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر طواف کیا،
ارکان کعبہ کا بوسہ اپنے عصائے مبارک سے
لیتے تھے، تو جب باہر تشریف لائے تو سواری
کو ٹھہرانے کی جگہ نہ پائی تو لوگوں میں سواری
سے اتر گئے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تبارک
و تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا: اللہ کے لئے حمد
جس نے تم سے جاہلیت کا گھمنڈ اور آبا و اجداد کا
غرور دور کیا ـــــ لوگوں میں دو قسم کے
مرد ہیں، ایک نیک متقی اللہ کے یہاں عزت
والا، دوسرا بدکار بدبخت، اللہ کی بارگاہ میں
ذلیل۔ پھر یہ آیت پڑھی: "اے لوگو ہم نے
تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا"، پھر فرمایا:
"میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے

لی ولکم[1]

اقول انظر کیف قسم المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخلق الی قسمین برتقی و وصفھم بالکرم و فاجر شقی و وصفھم بالھوان وھذا صریح فیما قلنا۔

ومنہا ما اخرج ابن النجار والرافعی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من دعائہ، "اللھم اغننی بالعلم و زینی بالحلم واکرمنی بالتقوٰی وجملنی بالعافیۃ[2]۔" قال المناوی اکرمنی بالتقوی لاکون من اکرم الناس علیک ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم[3] اھ

اقول والوجہ حذف

لئے اور تمہارے لئے مغفرت چاہتا ہوں۔

اقول دیکھو مصطفٰے صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخلوق کو دو قسم کیا ایک نیک پرہیزگار، اور ان کو عزت سے موصوف کیا۔ اور دوسرے بدکار، بدبخت، اور انھیں ذلیل بتایا۔ اور یہ ہمارے دعوٰی کی صریح دلیل ہے۔

ان احادیث میں سے ایک وہ ہے جس کی تخریج ابن نجار اور رافعی نے کی سیّدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دعا کے یہ کلمات مروی ہیں: "اے اللہ! مجھے علم کے ساتھ غنا، حلم کے ساتھ زینت، تقوٰی کے ساتھ اکرام اور عافیت کے ساتھ جمال عطا فرما۔" مناوی نے (دعا کا مطلب بیان کرتے ہوئے) کہا: "مجھے تقوٰی کے ساتھ اکرام عطا فرما تاکہ میں تیرے یہاں سب سے زیادہ عزت پانے والے لوگوں میں سے ہوجاؤں (بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اھ

میں کہتا ہوں صحیح یہ ہے کہ لفظ مِن

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۱۹۶

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۳۶۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۸۵ و ۲۰۲

الجامع الصغیر " ۱۵۳۲ دارالکتب العلمیۃ " ۱/ ۹۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اللھم اغننی بالعلم الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۲۱

من وكانه اراد ما تريد الامة عند الدعاء به تاسيا بالنبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم۔

کو حذف کیا جائے۔ گویا اس کی مراد وہ ہے جس کا ارادہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی پیروی میں دُعا کرتے ہُوئے اُمّت کرتی ہے۔

ومنها ما اورد الزمخشري في الكشاف ثم الامام النسفي في المدارك عن النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم من سره ان يكون اكرم الناس فليتق الله[1][2] اھ۔ وهذا ابين و اجلى۔

منجملہ ان حدیثوں میں سے یہ حدیث ہے جسے زمخشری نے کشاف میں پھر امام نسفی نے مدارک میں نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے ذکر کیا فرمایا: جس کی یہ خوشی ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ عزت والا ہو تو اللہ تعالٰے سے ڈرے۔ اور یہ ظاہر تر ہے

واقول خامسًا العلماء ما فهموا من الاٰية الا مدح المتقين ولم يزالوا محتجين بها على فضيلة التقوٰى و اهلها فلو كان الامر كما زعمتم لاندحض هذه التمسكات بحذافيرها اذ لما كان المعنى ان كل كريم متق وهو لا يستلزم ان كل متق كريم فاى مدح فيه للمتقين و بم ذا يفضلون على الباقين الا ترى ان كل كريم انسان وحيوان وجسمان

اقول خامسا علمائے اس آیت سے متقی لوگوں کی تعریف ہی سمجھی اور اس آیت سے تقوٰی اور اہلِ تقوٰی کی فضیلت پر دلیل لاتے رہے، تو اگر معاملہ یوں ہوتا جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو یہ تمام استدلال سرے سے باطل ہو جاتا اس لئے کہ جب معنٰی یہ ٹھہرے کہ ہر کریم متقی ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ ہر متقی کریم ہو تو اس میں پرہیزگاروں کے لئے کون سی تعریف ہے اور پرہیزگار دوسروں سے کس وصف سے برتر ہوں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر کریم انسان، حیوان

---

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۷۵
[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) " " " ۴/۱۶۳

ولا یکون بھذا کل فرد من ھٰؤلاء محمودا فی الدین۔

اور جسم ہے اور اس کے ساتھ ان تینوں میں سے ہر فرد محمود نہیں ہوتا۔

فان قلت ان التقوی وصف خاص بالکرماء فلھذا استحق الثناء بخلاف ما ذکرتم من الاوصاف۔

فان قلت (تو اگر تم کہو کہ) بے شک تقوٰی کریموں کے ساتھ خاص ہے لہذا یہ وصف تعریف کا مستحق ہے بخلاف ان اوصاف کے جو آپ نے ذکر کئے۔

قلت الاٰن اتیت الی ابیت فان التقوٰی اذا اختص بھم و لم یوجد فی غیرھم وجب ان یکون کل متق کریما وفیہ المقصود قال المولی الفاضل الناصح محمد افندی الرومی البرکلی فی الطریقۃ المحمدیۃ بعد ما سرد الاٰیات فی فضیلۃ التقوٰی فتأمل فیما کتبنا من الاٰیات الکریمۃ کیف کان المتقی عند اللہ تعالٰی اکرم[1] انتہی۔

قلت (میں کہوں گا) اب تم اسی بات پر آگئے جس کا تم نے انکار کیا تھا اس لئے کہ تقوٰی جب کریموں کے ساتھ خاص ہے دوسروں میں نہیں پایا جاتا تو ضروری ہے کہ ہر متقی کریم ہو اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ مولٰی فاضل ناصح محمد آفندی رومی برکلی طریقہ محمدیہ میں تقوٰی کی فضیلت میں آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں تو ان آیاتِ کریمہ میں غور کرو جو ہم نے لکھیں کیونکہ متقی اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ کریم ٹھہرا۔

قال المولی الشارح العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرحھا الحدیقۃ الندیۃ اشارۃ الی الاٰیۃ الاولٰی من قولہ تعالٰی "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"[2] انتہی۔

کتاب مذکور کے شارح مولا عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں مصنف کا اشارہ پہلی آیت یعنی اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کی طرف ہے۔

واقول سادسا الیّ یاموفق تحقیق بالقبول احق اخرج

واقول سادسا اے توفیق والے میری طرف آ، یہ ایک تحقیق ہے جو قبول کی

---

[1] الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثانی الفصل الثالث مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/ ۱۲۹

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ " " مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۴۱۰

الامام احمد والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرم المرء دینہ ومروتہ عقلہ وحسبہ خلقہ[1]" واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب الیقین عن یحیی بن ابی کثیر مرسلا ینمیہ الی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" الکرم التقوی والشرف التواضع[2]" واخرج الترمذی محمد بن علی الحکیم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" الحیاء زینۃ والتقی کرم[3]" انظر الی الاحادیث ما اجلاھا وافصحھا واحلھا واملحھا انظر الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مروتہ

سزاوار ہے، امام احمد، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی انھوں نے نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا: "آدمی کی عزت اس کا دین ہے اور اس کی مروت اس کی عقل ہے اور اس کا حسب اس کا خلق۔" اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الیقین میں یحیٰی بن ابی کثیر سے بسند مرسل روایت کیا درانحالیکہ اس حدیث کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے کہ فرمایا: "کرم، تقوٰی ہے اور شرف تواضع ہے"۔ اور ترمذی محمد ابن علی الحکیم نے جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا درانحالیکہ اس کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے کہ فرمایا "حیاء زینت ہے اور تقوٰی کرم ہے"۔ احادیث کو دیکھو کس قدر روشن اور کتنی فصیح ہیں اور کیسی شیریں اور کیسی ملیح ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول کہ آدمی کی مروت اس

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۶۵
المستدرک للحاکم کتاب العلم کرم المومن دینہ الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۲۳
" " کتاب النکاح الحسب والمال والکرم الخ " " ۲/ ۱۶۳
السنن الکبرٰی " " باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ دارصادر بیروت ۷/ ۱۳۶
" " کتاب الشہادات باب بیان مکارم الاخلاق الخ " " " ۱۰/ ۱۹۵
[2] کتاب الیقین من رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۲۲ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱/ ۲۸
[3] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل السادس والخمسون والمائۃ دارصادر بیروت ص ۲۰۰

عقله فانما وصف العقل بالمروة لا المروة بالعقل وکذا قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم "حسبه خلقه والشرف التواضع" فانما حکم علی الخلق بانه الحسب وعلی التواضع بانه الشرف حسما لما یدعیه المدعون من ان المال هو الشرف ولذا ان قال قائل ان الحسب خلق والمروة عقل والشرف تواضع لم یقبل قوله منه وان عکس قبل فهکذا فی الفقرتین اعنی قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الکرم التقوٰی وکرم المرء دینه۔

کی عقل ہے۔ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقل ہی کو مروت سے موصوف کیا اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "آدمی کا حسب اس کا خُلق ہے اور شرف تواضع ہے" تو اس لئے کہ خُلق پر حکم لگایا کہ وہ حسب ہے اور تواضع پر حکم فرمایا کہ وہی شرف ہے مدعیوں کے دعوے کو رَد کرنے کے لئے کہ مال ہی شرف ہے اسی لئے کہ اگر کوئی یُوں کہے کہ بے شک حسب خُلق ہے اور مروت عقل ہے اور شرف تواضع ہے تو اس کا قول مقبول نہ ہوگا اور اگر اس کا عکس کر دے تو قبول کیا جائے گا تو اسی طرح دونوں حدیثوں میں اپنے بعد فقروں سے ملے ہوئے فقروں میں یعنی حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا قول کرم تقوٰی ہے اور آدمی کی عزت اس کا دین ہے (یعنی ان جملوں کا عکس مقبول نہ ہوگا)۔

وانا اعطیك ضابطة لهذا کلما رأیت فی امثال[عہ] هذا المقام اسمین معرفین باللام محمولا احدهما علی الاخر فان صح ان یحمل الاخر علی الاول مجردا عن اللام فاعلم انه یجوز ان یکون محمولاً فی تلك القضیة ایضًا والا لا نظیره قول الشاعر ؎

اور میں تم کو اس کے لئے ایک ضابطہ دیتا ہوں جب کبھی تم ایسے مقامات میں دو اسم معرف باللام دیکھو کہ ان میں کا ایک دوسرے پر محمول ہوتا ہے تو اگر دوسرے کا پہلے کے لئے محمول بننا بغیر لام کے صحیح ہو تو جان لو کہ وہ اس قضیے میں بھی محمول ہو سکتا ہے ورنہ نہیں، اسکی نظیر شاعر کا شعر ہے: ؎

عہ اشارہ الی انك تقول الخ (المصنف)

بنونا بنوابناءنا وبنو
بناتنا ابناء الرجال

فانك ان قلت احفادنا ابناؤنا صدقت وان قلت ابناؤنا احفادنا كذبت فكان بنونا هو المحكوم به والسر فی ذلك عــه ان المحمول یجوز تنكیره ابدًا وافادة القصر علٰی تسلیمه كلیًا امر زائد علٰی نفس الحكم والموضوع لاینكر تنكیرا محضا فلذٰلك لایقال اكرم تقوٰی او الكرم دین وانما تقول بالتعریف لان الاٰخر هو الموضوع حقیقة لاجل هذا ان عكست و نكرت صح اما رایت ان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لما قدم التقوٰی فی حدیث الحكیم نكر الكرم ولما عكس فی الحدیث الاٰخر عرف التقوٰی، اللّٰھم لك الحمد علٰی تواتر اٰلائك وما اخالك یاھذا مغموسا فی غیابات الغباوت بحیث یعسر علیك الانتباه لما فی تلك الاحادیث

"یعنی ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے اور مردوں کے بیٹے ہیں۔" اس لئے کہ اگر تم یُوں کہو کہ ہمارے پوتے ہمارے بیٹے ہیں تو یہ صادق ہوگا، اور اگر یوں کہو کہ ہمارے بیٹے ہمارے پوتے ہیں تو یہ کاذب ہوگا تو شعر میں "بنونا" ہی محکوم بہ ہے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمیشہ محمول کو نکرہ لانا جائز ہے اور افادہ قصر اگر اس کو امر کلی تسلیم کرلیں نفس حکم پر ایک زائد بات ہے اور موضوع کبھی نکرہ محضہ نہیں لایا جاتا ہے تو اس لئے یوں نہ کہا جائے گا کہ الکرم تقوٰی یا الکرم دین یعنی جبکہ جملے کا جزءِ ثانی مبتدا ٹھہرائیں تو اسکو نکرہ لانا جائز نہیں بلکہ تم یہ جملہ دوسرے جزء کی تعریف کے ساتھ بولوگے اس لئے کہ حقیقت میں دوسرا جزء ہی موضوع ہے اسی وجہ سے اگر اس جملے کا عکس کر دو اور پہلے جزء کو نکرہ کردو تو صحیح ہوگا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب تقوٰی کو مقدم کیا حکیم ترمذی کی گزشتہ حدیث میں تو "کرم" کو نکرہ لائے، اور دوسری حدیث میں جب اس کا عکس کیا تو "تقوٰی" کو معرفہ لائے۔ الٰہی! تیری پیہم نعمتوں پر تیرے لئے حمد اے شخص میں گمان نہیں کرتا کہ تو کم فہمی کی اندھیروں

عــه اشارۃ الٰی انه مع اشتهارہ فی كثیر من الناس الخ (المصنف)

التی جاءت مرة بتقدیم الکرم واخری بتصدیر التقوی من لمعات بوارق یکاد سناها یخطف ابصار الشبهات ولاسیما حدیث الترمذی مع ما تقرر فی الاصول ان اللام ان لا عهد فللاستغراق بل الجنس ایضا مفید اذ حکمه لا بد وان یستوی فیه الافراد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں ایسا کھٹکا ہو کہ تیرے اوپر ان چمکتی تجلیوں سے تنبیہ ہونا دشوار ہو جن کی روشنی لگتا ہے کہ شبہات کی آنکھوں کو اچک لے گی جو ان احادیث میں ہیں جن میں کبھی کرم کو مقدم فرمایا اور کبھی تقوٰی کو صدر کلام میں لائے بالخصوص حدیث ترمذی باوجودیکہ اصول میں مقرر ہو چکا کہ لام جبکہ عہد کے لئے نہ ہو تو استغراق کے لئے ہوگا بلکہ جنس بھی مفید استغراق ہے اس لئے کہ ضروری ہے کہ جنس کے حکم میں سب افراد برابر ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

واقول سابعًا ان قیل لك اکرم الناس اتقاهم ثم من دونه فی التقوٰی وھکذا یأتی ینزل تدریجًا لاجرم ان تسلمه وتقول ھذا لاریب فیه لکنك لم تدر ان قد انصرفت عما اقترفت وقد اعترفت بما انحرفت، قل لی ماذا محصل قولك ان اکرم الناس یوصف اولًا بانه اتقی وثانیًا بانه قلیل التقوٰی وثالثًا بانه اقل، ھل ھذا الا کلام مجنون تفوه بلفظ فی الجنون وما دری وما عقل وھذه الشناعة

اقول سابعًا اگر تم سے کہا جائے کہ سب لوگوں سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ پرہیزگار ہے پھر جو تقوٰی میں اس سے کم ہے اور اسی طرح سے تدریجًا کم سے کم تر کی طرف نازل ہو، لامحالہ تم اس کو تسلیم کرو گے اور کہو گے کہ اس میں کوئی شک نہیں لیکن تم نے نہیں سمجھا کہ تم اس سے پھر گئے جس کا تم نے ارتکاب کیا تھا اور انحراف کا اعتراف کرلیا مجھے بتاؤ تمہارے اس قول کا حاصل کیا ہے کہ اکرم الناس اولًا اتقی سے موصوف ہوتا ہے (سب سے زیادہ پرہیزگار) اور ثانیًا قلیل التقوٰی کے ساتھ اور ثالثًا اس سے بھی اقل کے ساتھ (یعنی اس صورت میں جبکہ جزء ثانی یعنی اتقی کو محمول مانیں) کیا یہ ایسے مجنون کا کلام نہیں جو جنون میں لفظ

تکذب علیک زعمک العجیب فی کل ما جاء علی الترتیب وھو کثیر فی الاحادیث، قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "احب الاعمال الی اللہ الصلٰوۃ لوقتھا ثم برالوالدین ثم الجہاد فی سبیل اللہ" اخرجہ الائمۃ احمد[1] والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فالمعنی علی زعمک ان احب الاعمال یوصف اولًا بانہ صلٰوۃ ثم یمکث فیصیر برا ثم یلبث فیعود جہادًا وھذا من اعجب ماسمع السامعون۔

بولتا ہے اور سمجھتا نہیں ورنہ اسے خبر ہوتی اور یہ شناعت تمہارے زعم عجیب میں ان تمام احادیث کو مکدر کردے گی جن میں ترتیب کے ساتھ اعمال کی فضیلت بیان ہوئی اور یہ مضمون احادیث میں بہت ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا "اللہ کو سب کاموں سے زیادہ پیاری نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے، پھر ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔" اس حدیث کو روایت کیا احمد، بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو تمہارے زعم پر معنی یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ محبوب کام پہلے صلٰوۃ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر حسنِ سلوک بن جاتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر جہاد ہوتا ہے اور یہ سب سے زیادہ عجیب باتوں میں سے ہے جو سننے والوں نے سنی۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب فضل الصلٰوۃ لوقتہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۶
〃 〃 کتاب الجہاد باب فضل الجہاد 〃 〃 〃 ۱/ ۳۹۰
〃 〃 کتاب الادب باب قولہ تعالٰی ووصینا الانسان بوالدیہ 〃 〃 ۲/ ۸۸۲
صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون الایمان باللہ افضل الاعمال 〃 〃 ۱/ ۶۲
مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۱۰ و ۴۱۸ و ۴۲۱ و ۴۳۹ و ۴۴۴ و ۴۴۸ و ۴۵۱
جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۴
〃 ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی برالوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۳
سنن النسائی کتاب المواقیت فضل الصلٰوۃ لمواقیتہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۰۱
سنن ابی داود کتاب الصلٰوۃ باب المحافظۃ علی الصلوات آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۱

تذئیل ایاك وان تظن ان تقدیم الخبر فی امثال هذا المقام قلیل فی فصیح الکلام حتی یعد تاویلا للمرام بل هو شائع متکثر بل هو الاکثر الاوفر، ولو سردنا لك من الاحادیث الواردة علٰی هذا المنوال لنافت علی مئات ورمیتنی بالاملال، ثم منها ما فی نفس الحدیث دلیل علی ما نرید کتقدیم الصفات وتاخیر الذوات وغیر ذٰلك ومنها ما شرح الشارحون بعکس الترتیب من دون حاجة الٰی ماهنا لك فعلم انه طریق شائع، کثیرًا ما یجری الکلام علیه وتتبادر الافهام الیه بلا احتیاج الی صوارف ولا توقف علٰی موقف ولولا انا علی حذر من الاطناب لاریناك منها العجب العجاب لکن لاباس ان تذکر طرفًا من احادیث اکثرها من القسم الثانی لانها اوضح فی المقصود وضوحًا جمیلًا و نقدم علیها حدیثا ذکر فیه المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقدمتین فاستنتج منها العلماء کمثل صنیعنا فی الاٰیتین

تذئیل خبردار یہ گمان نہ کرنا کہ ایسے مقامات میں خبر کو مقدم رکھنا کلام فصیح میں نادر ہے یہاں تک کہ مقصود کے لئے تاویل کرنا ٹھہرے بلکہ وہ بکثرت شائع ہے بلکہ یہی اکثر و اوفر ہے اور اگر ہم تم سے ان احادیث میں سے کچھ کا ذکر کریں جو اس طریقے پر وارد ہوئیں تو گنتی میں تو سیکڑوں سے زیادہ ہوں گی اور تم مجھے اکتا دینے پر تہمت لگاؤ گے پھر ان میں سے وہ بھی ہے جو نفس حدیث میں ہمارے مدعا کی دلیل ہے جیسے صفات کو مقدم کرنا اور ذوات کو مؤخر کرنا اور اس کے علاوہ ان میں شارحین حدیث کا حدیث کی شرح میں ترتیب الٹ دینا بلاضرورت، تو اس سے معلوم ہوا کہ خبر کو مقدم کرنا شائع ہے اور بسا اوقات کلام اس ڈھنگ پر چلتا ہے اور قرائن صارفہ کی حاجت کے بغیر لوگوں کی فہم اس کی طرف سبقت کرتی ہے اور کسی بتانے والے پر موقوف نہیں ہوتی اور اگر ہمیں تطویل کا ڈر نہ ہوتو ہم تمہیں ان احادیث کا عجیب وغریب نمونہ دکھاتے لیکن اس میں حرج نہیں کہ ہم ان احادیث کا ایک حصہ ذکر کریں جن میں اکثر قسم ثانی کے قبیل سے ہیں اس لئے کہ وہ مقصود میں خوب واضح ہیں اور ہم پہلے ایک حدیث ذکر کریں جس میں مصطفےٰ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو مقدمے ذکر کئے تو اس سے علماء نے نتیجہ نکالا جس طرح دونوں آیتوں میں

لیکون ھذا اشد تنکیلا انبأنا حسین الفاطمی عن عابد بن احمد عن صالح الفاروقی عن سلیمان الدرعی عن محمد الشریف، عن الشمس العلقمی عن الامام السیوطی عن احمد بن عبد القادر بن طریف انا ابو اسحاق التنوخی انا ابو الحجاج یوسف بن الزکی المزی انا الفخر بن البخاری سماعًا بسماعہ عن ابی حفص عمر بن طبرزد انا ابو الفتح عبد الملك ابن قاسم الکروخی، انا القاضی ابو عامر محمود بن القاسم الازدی و ابوبکر احمد بن عبد الصمد الغورجی انا ابو محمد عبد الجبار الجراحی المروزی انا ابو العباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبی المروزی انا الترمذی ثنا محمد بن یحیٰی نا محمد بن یوسف نا سفیٰن عن ھشام بن عروۃ، عن ابیہ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیرکم خیرکم لاھلہ

ہم نے کیا تاکہ قید سخت ہو۔ ہم سے حدیث بیان کی حسین فاطمی نے، وہ روایت کرتے ہیں عابد بن احمد سے، وہ روایت کرتے ہیں صالح فاروقی سے، وہ روایت کرتے ہیں سلیمان بن درعی سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد شریف سے، وہ روایت کرتے ہیں شمس علقمی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام سیوطی سے، وہ روایت کرتے ہیں احمد بن عبد القادر ابن طریف سے، ہمیں خبر دی ابو اسحٰق تنوخی نے، ہمیں خبر دی ابو الحجاج یوسف ابن زکی مزی نے، ہمیں خبر دی فخر الدین ابن بخاری نے سماعًا ابو حفص عمر بن طبرزد سے سن کر، ہمیں خبر دی ابو الفتح عبد الملک ابن قاسم کروخی نے، ہمیں خبر دی قاضی ابو عامر محمود ابن قاسم ازدی اور ابوبکر احمد بن عبد الصمد غورجی نے، ہمیں خبر دی ابو محمد عبد الجبار جراحی مروزی نے، ہمیں خبر دی ابو العباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبی المروزی نے، ہمیں خبر دی ترمذی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن یحیٰی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد بن یوسف نے، حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے، انھوں نے روایت کی ہشام ابن عروہ سے، انھوں نے روایت کی اپنے باپ سے، انھوں نے روایت کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، انھوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم

وانا خیرکم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ۔ ھذا حدیث حسن صحیح[1]۔

نے: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے لئے تم سب سے بہتر ہوں جب تمہارا کوئی ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑ دو" (یعنی اس کا ذکر برائی سے نہ کرو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

41

قلت ومروی ایضا عند ابن ماجۃ[2] من حدیث ابن عباس وعند الطبرانی فی معجمۃ[3] الکبیر عن معٰویۃ بن ابی سفیٰن رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین قال الامام العلامۃ الشارح عبد الرؤف المناوی فی التیسیر شرح الجامع الصغیر للامام المولی جلال الحق و الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما فانا خیرکم مطلقا وکان احسن الناس عشرۃ لھم[4] انتہی۔

قلت (میں کہوں گا) یہ حدیث ابن ماجہ کے یہاں منجملہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے اور طبرانی کے یہاں ان کے معجم کبیر میں معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے امام علامہ عبدالرؤف مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر مصنفہ امام مولٰی جلال الحق والدین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی میں فرمایا: "تو میں مطلقاً تم سب سے بہتر ہوں' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل کے ساتھ سب سے بہتر سلوک فرماتے تھے۔"

اقول یاھذا ان ابدیت فرقاً بین ھذا القیاس والقیاس

اقول (میں کہتا ہوں) اے شخص اگر تو اس قیاس میں اور اُس قیاس میں جس کی صحت کا

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۹
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۳۱۲ المکتبۃ السلفیہ ص ۳۱۸
الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۸۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۷۰
الجامع الصغیر حدیث ۴۱۰۰ " " ۲/ ۲۴۹
[2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب حسن معاشرۃ النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳
[3] المعجم الکبیر حدیث ۸۵۳ مکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۹/ ۳۶۳
[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر خیرکم لاھلہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۳۳

الذی تنکر صحتہ لشکرك المفضلۃ ابدا ما کانوا ولکن ھیہات ھیہات انّٰی لك ذٰلك اخرج احمد والشیخان عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: خیر نساء رکبن الابل صالح نساء قریش۔[1]

تو منکر ہے فرق نمایاں کردے تو تفضیلیہ عمر بھر تیرے شکر گزار رہوں گے لیکن ہیہات ہیہات تجھ سے کیونکر ایسا ممکن ہے۔ امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ سے راوی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا: اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں۔

قال الفاضل الشارح فالمحکوم لہ بالخیریۃ الصالحۃ منھن لاعلی العموم[2] اھ انظر کیف جعل الخیر محکومًا بہ اخرج احمد والترمذی والحاکم باسناد صحیح عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الاصحاب عند اللہ خیرھم لصاحبہ وخیر الجیران عند اللہ خیرھم لجارہ۔[3] قال الفاضل الشارح فکل

فاضل شارح نے فرمایا تو جن کے لئے سب سے بہتر ہونے کا حکم فرمایا گیا وہ قریشی عورتوں میں نیک عورتیں ہیں اور یہ حکم اپنے عموم پر نہیں دیکھو کس طرح شارح نے خیر کو محکوم بہ قرار دیا۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم بسند صحیح حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے سب سے بہتر ہو اور ہمسایوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۷۵ و ۳۹۳
صحیح البخاری کتاب النکاح باب الٰی من ینکح وای النساء خیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۰
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل نساءِ قریش " " " ۲/ ۳۰۸
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث خیر نساء رکبن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۳۲
[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶۸
المستدرک للحاکم کتاب المناسک خیر الاصحاب عند اللہ الخ دار الفکر " ۱/ ۴۴۳
الجامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی حق الجوار امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶

من كان اكثر خيرًا لصاحبه و جاره فهو افضل عند الله و العكس بالعكس[1] اھ، اخرج احمد وابن حبان والبیھقی عن سعد بن ابی وقاص رضی الله تعالٰی عنه باسناد صحیح عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم خیر الذکر الخفی[2]، قال الفاضل الشارح" ای ما اخفاہ الذاکر وسترہ عن الناس فھو افضل من الجھر[3] اھ، اخرج الطبرانی عن ابی امامة الباھلی رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم افضل الصدقة سر الٰی فقیر[4]. قال الفاضل الشارح" قال تعالٰی و ان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم[5] اھ۔

ہمسایوں کے لئے سب سے بہتر ہو۔ فاضل شارح نے کہا تو ہر وہ شخص جو اپنے ساتھی اور پڑوسی کے لئے کثیر الخیر ہو وہ اللہ کے نزدیک افضل ہے اور اس کے برعکس ہو تو حکم برعکس ہے انتہی۔ امام احمد، ابن حبان اور بیہقی نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسندِ صحیح روایت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ سرکار نے فرمایا "سب سے بہتر ذکر ذکرِ خفی ہے۔" فاضل شارح نے کہا یعنی وہ ذکر جسے ذاکر خفیہ رکھے اور لوگوں سے چھپائے وہ ذکرِ جہر سے افضل ہے انتہی۔ طبرانی، ابن ماجہ، ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا: "سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو خفیہ طور پر فقیر کو دیا جائے۔" فاضل شارح نے کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم۔ انتہی۔

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الاصحاب الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۲۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن سعد بن ابی وقاص المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۷۲
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۲۳۲۳ المکتبۃ السلفیہ ص ۵۷۷
شعب الایمان حدیث ۵۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۴۰۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الذکر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۲۶

[4] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۷۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/۲۵۹
المعجم الصغیر " ۱۲۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۸۰

[5] شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث افضل الصدقۃ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۱۸۵

اقول انظر فقد اخرت الاٰیۃ وقدم الحدیث۔ اخرج احمد والحاکم عن رجل من الصحابۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا[1] قال الفاضل الشارح فالاسمن افضل من العدد[2] اھ۔

اقول دیکھو آیت کریمہ نے خیر کو (جو موضوع ہے) مؤخر کیا اور حدیث نے اس کو مقدم کیا۔ امام احمد اور حاکم نے کسی صحابی سے دریافت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا: "قربانی کے جانوروں میں سب سے بہتر سب سے قیمتی سب سے فربہ ہے۔" فاضل شارح نے کہا تو جو سب سے فربہ ہے وہ عدد سے افضل ہے اھ۔

اخرج احمد والطبرانی فی الکبیر عن ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الاعمال الایمان باللہ ثم الجہاد ثم حجۃ برۃ تفضل سائر العمل[3]۔

امام احمد اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا: "سب سے بہتر عمل اللہ پر ایمان رکھنا ہے پھر جہاد، پھر حج مقبول تمام اعمال سے افضل ہے۔"

اقول انظر الٰی ھذہ الکلمۃ الاخرۃ صدر بالافضل ثم اخرہ۔

اقول (میں کہتا ہوں) اس کلمہ میں دیکھو، پہلے افضل کو مقدم کیا پھر اس کو مؤخر لائے۔

اخرج ابو الحسن القزوینی فی امالیہ الحدیثیۃ عن ابی امامۃ

ابو الحسن قزوینی اپنے امالی حدیثیہ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث جد ابی الاشد السلمی المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۲۴
المستدرک کتاب الاضاحی باب افضل الضحٰی یا الخ دار الفکر بیروت ۴/۲۳۱
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ان افضل الضحایا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۳۰۵
[3] مسند احمد بن حنبل حدیث ماعز رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت
المعجم الکبیر حدیث ۸۰۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ان اشد الناس تصدیقاً للناس اصدقھم حدیثا وان اشد الناس تکذیبًا اکذبھم حدیثا"۔[1] قال الفاضل الشارح فالصدوق یحمل کلام غیرہ علی الصدق لاعتقادہ قبح الکذب والکذوب یتھم کل مخبر بالکذب لکونہ شانہ[2] اھ۔

وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "سب سے زیادہ لوگوں کی تصدیق کرنے والا وہ ہے جس کی بات سب سے زیادہ سچی اور لوگوں کو سب سے زیادہ جھوٹا بتانے والا وہ ہے جو اپنی بات میں سب سے بڑا جھوٹا ہو" فاضل شارح نے فرمایا وہ سچا دوسرے کے کلام کو سچائی پر محمول کرتا ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ کو بُرا جانتا ہے اور جھوٹا ہر مخبر کو جھوٹ کی تہمت لگاتا ہے اس لئے کہ جھوٹ بولنا اس کا کام ہے اھ۔

اخرج احمد فی کتاب الزھد عن سلمان الفارسی واقفاً علیہ و ابن لال وابن النجار عن ابی ھریرۃ والسجزی فی الابانۃ عن ابن ابی اوفی رافعین الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکثرالناس ذنوباً یوم القیمۃ اکثرھم کلاماً فیما لایعنیہ[3]

امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت سلمان فارسی سے حدیث موقوف روایت کی اور ابن لال اور ابن نجار نے ابوہریرہ سے اور سجزی نے ابانہ میں ابن ابی اوفٰی سے ان سب نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعًا روایت کیا کہ فرمایا "سب لوگوں سے زیادہ قیامت کے دن اس کے گناہ ہونگے جو سب سے زیادہ لایعنی باتیں کرے۔"

قال الفاضل الشارح "لان

فاضل شارح نے فرمایا اس لئے کہ

---

[1] کنز العمال حدیث نمبر ۶۸۵۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۳۴۴
الجامع الصغیر " ۲۲۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۳۴
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اشد الناس تصدیقا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۳۱۱
[3] الجامع الصغیر بحوالہ ابن لال وابن نجار حدیث ۱۳۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۸۶
کتاب الزہد ۸۱۱ دار الکتاب العربی " ص ۲۱۹

من کثر کلامہ کثر سقطہ فتکثر ذنوبہ من حیث لا یشعر[1] اھ۔

جس کا کلام کثیر ہوگا تو اس میں مہمل خلافِ شرع باتیں زیادہ ہوں گی تو اس کے گناہ بڑھیں گے اور اس کو شعور نہ ہوگا اھ۔

اخرج البخاری فی التاریخ والترمذی وابن حبان بسند صحیح عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ان اولی الناس بی یوم القیٰمۃ اکثرھم علیّ صلٰوۃ[2]

امام بخاری تاریخ میں اور ترمذی اور ابن حبان بسند صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا "قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوگا جو سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔

قال الفاضل الشارح ای اقربھم منی فی القیٰمۃ واحقھم بشفاعتی اکثرھم علیّ صلاۃ فی الدنیا لان کثرۃ الصلٰوۃ علیہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم تدل علی صدق المحبۃ وکمال الوصلۃ فتکون منازلھم فی الاٰخرۃ منہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم بحسب تفاوتھم فی ذٰلک[3] اھ۔

فاضل شارح نے فرمایا یعنی قیامت میں سب سے مجھ سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ میری شفاعت کا حقدار وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کی کثرت سچی محبت پر اور کمال ربط پر دلالت کرتی ہے، تو لوگوں کے مدارج حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قرب میں اس امر میں لوگوں کے تفاوت کے حساب سے ہوں گے۔ا

اقول انظر شرحہ اولاً لفظ الحدیث

اقول دیکھو پہلے لفظ حدیث کی شرح

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القیٰمۃ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۰۰

[2] جامع الترمذی ابواب الوتر باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۴
الجامع الصغیر حدیث ۲۲۴۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اولی الناس بی الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۶

ثم علل بما لا یستقیم الا علی جعل الاولٰی محکومًا به، وابین من هذا ان العلماء المحدثین افاض الله علینا من برکاتهم استدلوا بهذا الحدیث علٰی فضل اهل الحدیث، وانهم اولی الناس برسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لانهم اکثر الناس صلٰوة علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لا یذکرون حدیثا الا ویصلون فیه علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عشرًا او خمسًا او مرتین او مرة لا اقل کما هو معلوم مشاهد والحمد لله۔

ارایتك هذا الاستدلال الیس علٰی طبق احتجاجنا بالاٰیتین حذوا بحذو وسواء بسواء، ثمّ من تمام نعمة الله ان جاء حدیث عند البیهقی برجال ثقات عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم "اکثروا من الصلٰوة علیّ فی کل یوم جمعة فان صلٰوة امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعة فمن کان اکثرهم علیّ

کی پھر علت وہ بیان کی جو اسی صورت میں ٹھیک بیٹھتی ہے جبکہ حدیث میں (وارد) لفظ اولٰی کو محکوم بہ ٹھہرائیں اور اس سے روشن تر یہ ہے کہ علماء محدثین نے (اللہ تبارک وتعالٰی ہمارے اوپر ان کی برکتیں برسائے) اس حدیث سے علمائے حدیث کی فضیلت پر استدلال کیا، اور اس پر دلیل پکڑی کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قریب ہیں اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ جب کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دس مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا دو مرتبہ یا کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھتے ہیں جیسا کہ معلوم ہے اور اس کا مشاہدہ ہے، والحمد للہ۔

مجھے بتاؤ کیا یہ استدلال ان دونوں آیتوں سے ہمارے استدلال کے بالکل مطابق نہیں، پھر اللہ تبارک وتعالٰی کی تمامی نعمت سے یہ ہے کہ ایک حدیث بیہقی میں ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے آئی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا کہ ہر جمعہ کے دن بکثرت درود بھیجو اس لئے کہ تمھارا درود ہر جمعہ کے دن میرے اوپر پیش ہوتا ہے تو سب سے زیادہ جو میرے اوپر درود بھیجے گا وہ درجے

صلوٰۃ کان اقربھم منی منزلۃ[1] فعلم انہ لایبالی فی امثال المقام بتقدیم ولا تاخیر لعدم الالتباس والسر فیہ ما القینا علیک ان ھذہ احکام شرعیۃ لا یطلع علیھا الا باطلاع الشارع فھی التی تلیق ان تجعل محمولات، ولا تسبق الاذھان الا الی ذلک مقدمۃ جاءت او مؤخرۃ وھذا کلہ واضح جلی کاد ان یقال بدیھی و اولی لایسوغ انکارہ الا جاھل خرف او متجاھل متعسف، و نخشی ان یعد اکثارنا ھذا من اقامۃ الدلائل علیہ شبیھا بالعبث عند العلماء لانھم ممتلئۃ بالوف الاف من امثال تلک المحاورات، وھم العارفون باسالیب الکلام ومجاری البیان فی مناھج المرام، فحاشاھم ان یتعسر علیھم تمییز محمول من ھھنا سقط ظاھر ولعل العبارۃ ھکذا ان یخطر ببالھم) یحط ببالھم نحو ھذہ الخدشات لکنی اتنصل الیھم وعذری ان شاء اللہ تعالٰی واضح لدیھم

میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ ایسے مقامات میں تقدیم و تاخیر کی پرواہ نہیں کی جاتی اس لئے کہ اشتباہ نہیں ہوتا اور اس میں بھید وہی ہے جو ہم نے بتایا۔ تو یہ احکامِ شرعیہ ہیں جن پر بغیر شارع کے بتائے اطلاع نہیں ہوتی۔ تو یہی اس کے لائق ہیں کہ محمول بنائے جائیں، اور اذہان کی سبقت انھیں کی طرف ہوتی ہے خواہ مقدم آئیں یا مؤخر، اور یہ سب واضح وروشن ہے۔ قریب ہے کہ اس کو بدیہی واولٰی کہا جائے اس کا انکار جاہل بے خرد یا جاہل بننے والے معاند کے سوا کسی کو نہ بن پڑے گا اور ہم کو ڈر ہے کہ ہمارا اس پر بکثرت دلائل قائم کرنا علماء کے نزدیک عبث کے مشابہ قرار دیا جائے اس لئے کہ ان کے کان اسی قسم کے ہزاروں محاورات سے بھرے پڑے ہیں اور وہ کلام کے اسالیب سے اور مقصود کے طریقوں میں بیان کی راہوں سے آگاہ ہیں، تو وہ اس سے منزہ ہیں کہ انھیں محمول کی تمیز موضوع سے دشوار ہو اور یہ انکے ذہن میں ایسے خدشات جگہ پائیں لیکن میں ان کی طرف معذرت کرتا ہوں اور میرا عذر ان کے نزدیک ظاہر ہے اس لئے کہ میری مثال اور ان لوگوں کی مثال جو میری نہیں مانتے

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب الجمعۃ باب مایؤمر بہ فی لیلۃ الجمعۃ الخ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۳/ ۲۴۹

فانما مثلی ومثل الذین لاینقادون لی کجمال شردت عن صاحبها فهو یقصد اسرها ویقتفی اثرها لاتعلو شرفا و لاتهبط وادیا الا اتبعها۔

ان اونٹوں کی سی ہے جو اپنے مالک کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوں تو ان کا مالک ان کو پکڑنے کا قصد کرے اور ان کے پیچھے پیچھے چلے وہ کسی بلندی پر نہ چڑھیں اور نہ کسی گھاٹی میں اتریں مگر یہ کہ وہ ان کا پیچھا کرتا ہو۔

تکمیل: ومن ههنا بان لك ان ما قالت النحاة من وجوب تقدیم المبتداء علی الخبر اذا کانا معرفتین او متساویین امر اکثری لاکلی وانما المعنی علی اللبس واذ لیس فلیس، بذلك صرح الشراح و لا یغرنك اطلاق المتون فانها ربما تمشی علی الاطلاق فی مقام التقیید فی علم الفقه فکیف بغیره من الفنون۔

تکمیل: یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ نحویوں نے جو یہ کہا کہ مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا ضروری ہے جب دونوں معرفہ ہوں یا تنکیر و تعریف میں دونوں برابر ہوں یہ اکثری قاعدہ ہے کلی قاعدہ نہیں اور معنی یہی ہے کہ مبتدا کی تقدیم ایسی صورت میں واجب ہے جبکہ التباس کا اندیشہ ہو اور جب التباس کا اندیشہ نہ ہو تو واجب نہیں، شارحین نے اس کی تصریح کی تو ہرگز تمہیں متون کا اس مسئلہ کو مطلق کرنا دھوکا میں نہ ڈالے اس لئے کہ متون تو بسا اوقات اطلاق کی راہ پر چلتے ہیں مسئلہ کو مقید رکھنے کے مقام میں علم فقہ میں تو تمہارا کیا گمان ہے فقہ کے سوا دوسرے فنون میں۔

انبانا مفتی الحرم عن ابن عمر عن الزبیدی عن یوسف المزجاجی عن ابیه محمد بن علاء الدین عن حسن العجیمی عن العلامة خیر الدین الرملی عن ابی عبدالله محمد بن عبدالله الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار قال فی منح الغفار "ان العجب من اصحاب المتون

ہمیں خبر دی مفتی حرم نے، وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں زبیدی سے، وہ روایت کرتے ہیں یوسف مزجاجی سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد بن علاء الدین سے، وہ روایت کرتے ہیں حسن عجیمی سے، وہ روایت کرتے ہیں خیر الدین رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار سے، انہوں نے منح الغفار میں فرمایا اصحابِ متون سے تعجب ہے اس لئے کہ وہ اپنے

فانهم يتركون فی متونهم قيودا لابد منها وهی موضوعة لنقل المذهب فيظن من يقف علی مسائله الاطلاق فيجری الحكم علی اطلاقه وهو مقيد فيرتكب الخطاء فی كثير من الاحكام فی الافتاء والقضاء[1] انتهی۔

متون میں ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ متون نقل مذہب کے لئے وضع کئے گئے ہیں کہ جو متن کے مسائل سے واقف ہوتا ہے وہ حکم کو مطلق گمان کرتا ہے تو اس حکم کو اس کے اطلاق پر جاری کرتا ہے حالانکہ وہ مقید ہوتا ہے تو وہ خطا کرجاتا ہے فتوٰی اور قضا کے دوران بہت سارے احکام میں۔ انتہی

انبأنا السراج بالسند المذكور الی العلامة الغزی عن العلامة زين بن نجيم المصری قال فی البحرالرائق قصدهم بذلك ان لايدعی علمهم الا من زاحمهم عليه بالركب وليعلم انه لايحصل الا بكثرة المراجعة وتتبع عباراتهم والاخذ عن الاشياخ[2] انتهی۔

ہمیں خبر دی سراج نے علامہ غزی تک اسی سند مذکور سے، انھوں نے روایت کیا علامہ زین ابن نجیم مصری سے، انھوں نے بحرالرائق میں فرمایا کہ اس طریقے سے ان کا قصد یہ ہے کہ ان کے علم کا دعوٰی وہی کرے جو زانوؤں سے ان کا مزاحم ہو اور تاکہ معلوم ہو کہ یہ علم کثرتِ مراجعت اور فقہاء کی عبارات کی تلاش اور مشائخ فن سے حاصل کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا، انتہی۔

اقول وقد والله رأينا تصديق هذا فی كثير من ابناء الزمان ممن تصدر بالدعوی وتصدی للفتوی وما عنده مايرد عن الطغوی فمنهم من افتی بتوريث المنكوحة بالنكاح الفاسد واٰخر ببطلان تزويج الام الصغيرة من دون حضرة العم

اقول (میں کہتا ہوں) اور بےشک بخدا میں نے اس کی تصدیق آج کل کے ان لوگوں میں پائی جو زبانی دعوٰی سے خود صدر بن بیٹھے اور فتوٰی دینے کے درپے ہوئے حالانکہ ان کے پاس وہ علم نہیں جو انھیں حد سے گزر جانے سے باز رکھے ان میں کچھ وہ ہیں جنھوں نے نکاح فاسد سے بیاہی گئی عورت کے وارث ہونے کا فتوٰی دیا تو ان میں سے کسی دوسرے نے یہ فتوٰی دیا کہ چچا کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی کیفیۃ القسمۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۵

[2] ردالمحتار بحوالہ البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۳۰۳

مع انہ متوقف لا باطل، وآخر باعطاء المسمّٰی من نکحت فی عدۃ اختہا۔ وآخر بتحریم بیع ھذہ القراطیس الافرنجیۃ المقدرۃ بقدر معلوم من الدراھم بما یزید علی ھذا المقدار او ینقص ظنا منہ انہ ربٰو مع عدم الاتحاد جنسا ولا قدرا، وآخر بتجویز اخذ الربٰو من کفار الھند زعما منہ انہا دار الحرب مع عدم الانقطاع عن دار الاسلام من کل جانب وشیوع بعض الشعائر الاسلامیۃ قطعاً، وآخر بحل ما قطع من حیوان حی اخذا من قول الھدایۃ وما ابین من الحی "وان کان میتا فمیتہ حلال"[1] حتی انتہت ریاسۃ الفتوٰی وانتمت السیادۃ الکبرٰی الٰی من اباح بنت الاخ رضاعاً، وتقدمہ مجتہد اٰخر فجوز نکاح العمۃ النسبیۃ فالی اللہ المشتکی من فساد الزمان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وسیعلم ھذا من جرب

غیر موجودگی میں ماں کو صغیرہ (نابالغہ) کا عقد کر دینا باطل ہے حالانکہ یہ متوقف ہے نہ کہ باطل ہے، اور کسی دوسرے نے فتوٰی دیا کہ اس عورت کو جو اپنی بہن کی عدت میں شادی کرے مہر مسمّٰی دیا جائے گا، اور دوسرے نے ان افرنگی کاغذوں کو جن پر روپوں کی ایک معین مقدار سے زائد یا کم پر بیچنے کو حرام ہونے کا فتوٰی دیا اپنی طرف سے اس گمان کی بناء پر کہ یہ تبادلہ سود ہے حالانکہ نہ جنس میں اتحاد ہے نہ مقدار میں۔ اور ایک اور نے فتوٰی دیا کہ ہندی کافروں سے سود لینا جائز ہے اس زعم پر کہ ہندوستان دارالحرب ہے، حالانکہ یہ ملک دارالاسلام ہے ہر جانب سے کٹا ہوا نہیں اور بعض اسلامی شعار یقیناً جاری ہیں۔ اور ایک نے فتوٰی دیا کہ زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے حلال ہے، ہدایہ کی اس عبارت سے "اور اگر مردہ ہو تو اس کا مردار حلال ہے" اس مسئلہ کو اخذ کیا یہاں تک کہ ریاست اسی فتوٰی تک پہنچی اور سیادتِ کبرٰی اس سے منسوب ہوئی جس نے رضاعی بھائی کی لڑکی سے نکاح حلال ٹھہرایا۔ اور ایک دوسرا مجتہد اس سے آگے بڑھا تو اس نے حقیقی پھوپھی کا نکاح جائز ٹھہرا دیا تو فسادِ زمانہ کی شکایت اللہ ہی سے ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، تو عنقریب اس کو وہ جان لے گا جو میرے جیسے تجربہ کرے گا

---

[1] الہدایۃ کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکلہ ومالایحل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۱

مثل تجربتی، اسأل الله تطہیر جنانی و تقویم لسانی وتسدید بنانی فیہ اعتصامی وعلیہ تکلانی، آمین!

تسجیل: ولعلك تقول لقد کشفت النقاب ورفعت الحجاب فبین لی ما النکتة فی تقدیم الخبر وانما حقہ ان یؤخر، قلت نعم فیہ نکت بدیعة منہا ان المحکوم بہ لما کان خفیا والمحکوم علیہ مدرکا جلیا اشبہ الاول بالمعرف والاخر بالتعریف فاستحسن تقدیمہ لیکون الاخیر کالتعریف لہ ومنہا تشویق السامع لان النفوس متطلعة الی علم ما لا تعلم فاذا سمعت بما ہو خفی لدیہا ورجت ان یذکر بعدہ ما یظہرہ علیہا توجہت للاستماع وتفرغت للاطلاع فکان الکلام اوقع وامکن والنفس الیہ امیل واسکن، ومنہا ان الاعمال لا تقصد فی الشرع لذواتہا بل لما یترتب علیہا

اللہ سے میں اپنے قلب کی پاکی اور زبان کی درستگی اور ہاتھ کی صلاح طلب کرتا ہوں تو اسی سے میری حفاظت ہے اور اسی پر میرا بھروسا ہے۔ یا الٰہی! قبول فرما۔

تسجیل: اور شاید تم کہو بیشک تم نے نقاب اٹھا دیا اور حجاب کو دور کر دیا تو مجھ سے بیان کرو کہ خبر کو مقدم کرنے میں کیا نکتہ ہے حالانکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو موخر رکھا جائے۔ میں کہوں گا ہاں اس میں بدیع نکتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ محکوم بہ (خبر) جبکہ پوشیدہ ہو اور محکوم علیہ (مبتدا) ادراک میں ظاہر ہو تو پہلا (خبر) معرَّف کے مشابہ ہوگا اور دوسرا (مبتدا) تعریف کے مشابہ ہوگا لہذا اس کو مقدم کرنا مستحسن ہے تاکہ لفظ اخیر اس کیلئے تعریف کے مانند ہو جائے اور انھیں نکتوں میں سے سننے والوں کو شوق دلانا ہے اس لئے کہ نفوس انجانی بات کو جاننے کے لئے جھکتے ہیں تو جب کسی ایسی چیز کو سنیں گے جو ان کے نزدیک پوشیدہ ہے اور امید رکھیں گے کہ اس کے بعد وہ ذکر کیا جائے جو ان پر ظاہر ہے۔ تو سننے کے لئے متوجہ ہوں گے اور جاننے کے لئے فارغ ہونگے تو اس صورت میں کلام زیادہ دلنشیں اور راسخ ہوگا اور نفس کو اس کی طرف زیادہ میلان اور سکون ہوگا اور ان میں سے یہ ہے کہ شریعت میں اعمال اپنی ذات کے لئے مقصود نہیں ہوتے

من ثمر اتیها فضلا من المولٰی سبحٰنه وتعالٰی فکانت الثمرات هی المقاصد وحق المقاصد ان تقدم الی غیر ذلك مما لا یخفی علی اولی الالباب ☆ وفیما ذکرنا ما یغنی عن الاطناب والحمد لله رب العٰلمین هذا کله مما جانی الملك الجواد تبارك وتعالٰی فقد بان لك صدقی فی قولی ان هذا الزاعم لاخبرة له بمناهج الکلام فی النصوص ولا باسباب النزول فی هذا الخصوص ولا بالتفسیر المرفوع الی الجناب الرفیع ولا بتصریح القادة فی کلامهم البدیع ولا بشیئ مما خلا والحمد لله جل وعلا۔

بلکہ ان ثمرات کے لئے مقصود ہوتے ہیں جو ان پر مرتب ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالٰی کے فضل سے لہذا وہ ثمرات ہی مقاصد ہیں اور مقاصد کا حق یہ ہے کہ ان کو مقدم کیا جائے، اس کے علاوہ اس میں اور بھی نکتے ہیں جو عقل والوں پر پوشیدہ نہیں، اور جو ہم نے ذکر کیا ان میں تطویل سے بے نیازی ہے، یہ سب ان عنایتوں سے ہے جو اللہ تبارک وتعالٰی نے مجھے عطا کی، اب تمھیں میری سچائی ظاہر ہوگئی میری اس بات میں کہ اس زعم والے شخص کو نصوص میں کلام کے طریقوں کی خبر نہیں نہ ان نصوص میں اسباب نزول کو جانتا ہے اور نہ جناب رفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی تفسیر مرفوع سے خبر ہے اور نہ رہنمایانِ شریعت کی ان کے کلام بلیغ میں تصریحات کی واقفیت ہے اور نہ ان چیزوں سے جن کا ذکر گزرا اس کے پاس کچھ نہیں، والحمد للہ جل وعلا۔

من وجوه الجواب عن هذا الارتیاب اقول بتوفیق الوهاب لئن جئنا علی المماکسة والاستقصاء لما ترکنا کم ان تزعموا ان الاٰیة لا تقتضی باکرمیة الاتقی وان سلمنا الموضوع

اس شبہہ کے جواب میں دوسری وجہ) میں اللہ وہاب کی توفیق سے کہتا ہوں اگر ہم اس بحث کا دائرہ بند کرنے پر اور حد تک پہنچانے پر آجائیں تو ہم تم کو نہ چھوڑیں کہ تم یہ کہو کہ آیت اتقی کی فضیلت کا تقاضا نہیں کرتی اگرچہ ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ آیت میں اکرم ہی

هو الاکرم و ذلك لان اتقکم و اکرمکم
لا یصدقان بل لا یصلحان لان
یصدقا الا علی واحد ولا یجوز
تعددهما بمعنی الصدق مرة
علی هذا و اخری علی ذاك
فاذا ثبت اتحادهما فی الوجود
کما هو مقتضی الحمل وجب
التعاکس اذ لما اتحد مصداقهما
وقد علمنا بطلان التعدد کانا
کعلمین لجزئی واحد لك ان
تجعل ایهما شئت مرآة لملاحظة
وایهما شئت محمولاً علیه و
له نظائر جمة تقول افضل
الانبیاء اولهم خلقا و اکرم
الرسل اخرهم بعثاً و احسن
الجنان اقربها الی العرش، و
اعظم شجرة فی الجنة طوبی،
ومنتهی جبریل سدرة
المنتهی، و افضل الصلوات
الصلوٰة الوسطی، و ابوك
ابوه، و املك امه، و اول
من دخل اخر من
خرج، و اقل الاعداد
اول الاعداد، و الشمس
النیر الاعظم، و اعلی

موضوع ہے یہ اس وجہ سے کہ اتقاکم اور
اکرمکم صادق نہیں آتے بلکہ ان میں صلاحیت
ہی نہیں اس کی کہ وہ ایک ذات واحد پر
صادق آئیں تو ان دونوں کا تعدد جائز نہیں
بایں معنی کہ کبھی اس پر صادق ہوں اور کبھی
اس پر صادق ہوں، کہ جب ان کا وجود میں
اتحاد ثابت ہوگیا تو دونوں کا باہم عکس ضروری
ہوا اس لئے کہ جب دونوں کا مصداق
ایک ہے اور ہم نے تعدد کا باطل ہونا جان
لیا تو یہ دونوں ایک ذات واحد کے دو علم کی
مثال ہوئے تمھیں اختیار ہے کہ جن کو چاہو
ذات کے لئے مرآۃ ملاحظہ بناؤ اور جن کو چاہو
محمول علیہ بناؤ اور اس کی بہت ساری مثالیں
ہیں، تم کہتے ہو سب نبیوں سے افضل وہ ہیں
جو سب سے پہلے مخلوق ہوئے اور سب رسولوں
سے اکرم وہ ہیں جو سب کے بعد مبعوث ہوئے
اور سب جنتوں سے بہتر وہ جنت ہے جو سب
سے زیادہ عرش سے قریب ہے۔ اور جنت
میں سب سے بڑا پیڑ طوبیٰ ہے، اور جبریل کا
منتہی سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اور سب نمازوں
سے بہتر بیچ کی نماز (عصر) ہے اور تمہارا باپ
اس کا باپ ہے اور تمہاری ماں اس کی ماں
ہے۔ اور سب سے پہلے داخل ہونے والا
سب کے بعد نکلنے والا ہے، اور عدد میں سب
سے کمتر پہلا عدد ہے۔ اور سورج نیرِ اعظم ہے

الافلاك اكبرها حجما ، واخص
الكليات اقلها افرادًا وفلك جوزهر
فلك القمر وسيارة لا تدوير لها ذكاء
المتحيرة السوداء زحل والخانس
الكانس الاحمر مريخ الى غير ذلك
ممالايعد ولايحصى ومحال ان
تبدى مثالا يحمل فيه
افعل مضافا على
افضل مضافا الى اضيف اليه
الاول مع جريانهما على
معناهما الحقيقى ثم
لايصح العكس ، فاذا صدقت
القضية بالنظر الى الواقع كفانا
هذا الانتظام القياس واستنتاج
المدعى والسرفى ذلك ان
الموجبات انما تنعكس الى ما لايصلح
لكبروية الاول لجواز عموم المحمول
واذا كان هناك مفهومان ليس لكل منهما
الامصداق واحد بحسب ظرف الخارج
اوالذهن ايضا بطل عمومها بحسب
ذلك الظرف (فلايجوزان يكون احدهما
اعم من الأخر بمعنى شموله له ولغيره
فى ذلك الظرف) فلم يبق باعتباره الا
التساوى) او التباين ولا ثالث لهما فان
صدقت الحملية القائلة ان هذا ذالك

اور سب سے اونچا فلک حجم میں سب سے بڑا ہے
اور خاص تر کلی سب سے کم افراد والی ہے اور فلک
جوزہر فلک قمر ہے۔ اور وہ سیارہ جس میں گولائی
نہیں وہ سورج ہے اور سیارہ سیاہ متحیرہ زحل ہے
اور سیدھے چل کر اُلٹے پھرنے والا اور غائب ہو جانے والا
سرخ سیارہ مریخ ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری
مثالیں جن کی گنتی اور شمار نہیں اور محال ہے کہ تم
ایسی مثال ظاہر کرو جس میں افعل التفضیل مضاف
ہو کر دوسرے افعل التفضیل پر محمول ہو درانحالیکہ
وہ اس کی طرف مضاف ہو جس کی طرف پہلا
مضاف ہوا ہے اور اسی کے ساتھ دونوں اپنے
معنی حقیقی پر جاری ہوں پھر ان دونوں کا عکس
صحیح نہیں۔ تو جب قضیہ نظر بنفس الامر صادق
ہے تو ہمیں نظم قیاس اور مدعا کا نتیجہ حاصل
کرنے کے لئے یہی کافی ہے اور اس میں راز یہ
ہے کہ موجبہ قضیے کا عکس وہ آتا ہے جو شکل اول
کے کبریٰ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے
کہ محمول کے عموم کا احتمال ہے اور جبکہ دو مفہوم وہاں
ایسے ہوں کہ جن میں سے ہر ایک کے مصداق کا
اعتبار اس کے محل خارجی کے اعتبار سے ایک
ہو یا ذہن میں بھی متحد ہو تو ان دونوں کے مفہوم
کا عموم باعتبار اس محل کے باطل ہے تو اس کے
اعتبار سے نہ رہی مگر تساوی یا تباین اور ان دونوں
کا ثالث نہیں تو اگر قضیہ حملیہ جس میں یہ دعویٰ ہو
کہ بیشک یہ شخص وہی ہے تو ضروری ہے کہ قضیہ

وجب صدق القائلة ان ذاك هذا والالجاز السلب فيتباينان فتبطل الاولى هف فاذا بلغنا مثلاً عن رجل قولان احدهما قوله لعمرو زيد ابوك والاٰخر قوله ابی ابوك امكن لنا ان نعمل من قوليه شكلاً ينتج ان زيدا ابی لانه اذا صدق قوله ابی ابوك لزم صدق ابوك ابی والا لتعدد ابواهما فبطل الاول واذا صدقت هذه انتظم الشكل بان زيدا ابوك وابوك ابی فزيد ابی، وافعل التفضيل مضافاً الی جماعة اذا كان باقياً علٰی معناه الحقيقی المتبادر منه شانه هذا اذ لا يكون الفرد الاكمل من جماعة الا واحدا ولن يصدقن ابدا قضيتان قائلتان بان هذا اكملهم وذٰلك اكملهم معًا وهذا ظاهر جدا بل شان هذا انور من شان الشمس واخواتها فان العقل

حملیہ صادق آئے کہ وہ شخص یہی ہے ورنہ اس کا سلب جائز ہوگا تو آپس میں دونوں متباین ہونگے تو پہلا قضیہ باطل ہوجائیگا اور یہ خلاف مفروض ہے لہذا اگر ہمیں ایک شخص سے دو باتیں پہنچیں ان میں سے ایک اس کا قول عمرو سے مخاطب ہوکر کہ زید تیرا باپ ہے اور دوسرا اس کا قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے تو ہمیں ممکن ہے کہ ہم اسکے دونوں قول سے ایک شکل بنائیں تو یہ نتیجہ دیں کہ زید میرا باپ ہے اس لئے کہ جب اس کا یہ قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے صادق ہے تو لازم ہے کہ یہ قول صادق ہو کہ تیرا باپ میرا باپ ہے ورنہ ان دونوں کے باپ متعدد ہوں گے تو پہلا قول باطل ہوجائے گا اور جب یہ قضیہ صادق ہے تو شکل اسی طور پر بنے گی کہ زید تیرا باپ ہے اور تیرا باپ میرا باپ ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ زید میرا باپ ہے۔ اور افعل التفضیل جو ایک جماعت کی طرف مضاف ہو جب وہ اپنے اس معنیٰ حقیقی پر باقی ہو جو اس سے متبادر ہوتے ہیں تو اس کی شان یہی ہوتی ہے اس لئے کہ کسی جماعت سے فرد اکمل ایک ہوگا اور ہرگز کبھی ایسے دو قضیے صادق نہ آئیں گے جو یہ دعوٰی کرتے ہوں کہ یہ شخص ساری جماعت سے اکمل ہے اور وہ شخص ساری جماعت سے افضل ہے، اور یہ سب ظاہر ہے بلکہ اس کا معاملہ سورج اور اس کے امثال کے ظہور سے روشن تر ہے اس لئے کہ عقل

يجيز صدقها على افراد كثيرة ثيرة واذا وجد لها فی الخارج فرد لم يستبعد وجود اٰخر بخلاف افعلهم فانما يقبل الاشتراك علٰی سبيل البدلية واذا صدق فی الخارج علی فرد احال العقل صدقه علٰی اٰخر منحازًا عنه كذا ب اسماء الاشارة سواء بسواء فصدق العكس هٰهنا ابين واجلی، واَمّا قول اهل الميزان لا تنعكس الموجبة الاجزئية معناه ان كلما جعلت موضوع موجبة كلية محمولاً ومحمولها موضوعًا واتيت بسور الكلية كانت القضية كاذبة فان الواقع يكذب به بل المعنی عدم الاطراد، وهم لا اقتصر نظرهم علٰی الكليات لا يعتدون الا بالمطرد المضبوط الذی لايتخلف فی مادة من المواد، وعدم الاطراد لا يستلزم اطراد العدم، ولا اقول انه عكس منطقی، ولا انها تلزم القضية لزومًا عامًا لكنها تلزم فی امثال المقام لا شك، فتصدق القضية بالنظر الی الواقع

شمس وغیرہ کے مفہومات کا صادق آنا بہت سارے افراد پر جائز جانتی ہے اور جب ان مفہومات کا خارج میں کوئی فرد پایا جائے تو عقل دوسرے فرد کے وجود کو بعید نہیں جانتی بخلاف اَفْعَلُھُمْ کہ یہ تو اشتراک کو بر سبیل بدلیت قبول کرتا ہے اور جب خارج میں کسی فرد پر اس کا مصداق پایا جائے تو عقل محال جانتی ہے کہ افعل التفضیل کا مصداق دوسرے پر صادق آئے جو اس سے منفرد ہو اس کا معاملہ اسمائے اشارہ کے مانند برابر برابر ہے تو یہاں پر عکس کا صادق ہونا روشن تر اور ظاہر تر ہے۔ رہا منطق والوں کا یہ قول کہ موجبہ کا عکس نہیں ہوتا مگر جزئیہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ جب کبھی تم موجبہ کلیہ کے موضوع کو محمول بناؤ اور اس کے محمول کو موضوع بناؤ اور اس پر کلیہ کا سور لاؤ تو قضیہ کاذب ہوگا اس لئے کہ واقعہ اس بات کو جھٹلاتا ہے بلکہ معنٰی یہ ہے کہ یہ مطرد نہیں، اور منطقیوں کی نظر چونکہ کلیات تک محدود ہوتی ہے تو وہ اعتبار نہیں کرتے مگر اس مفہوم کا جو مطرد و مضبوط ہو مواد میں سے کسی مادہ میں جس کا حکم متخلف نہ ہو اور عدمِ اطراد اطرادِ عدم کو مستلزم نہیں ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ عکس منطقی ہے، نہ یہ دعوٰی کرتا ہوں کہ یہ قضیہ کو عام طور پر لازم ہے لیکن اس مقام کے امثال میں بلا شبہہ عکس لازم ہوتا ہے تو قضیہ منعکسہ واقعہ پر نظر کرتے ہوئے

سمّاها المیزانیون عکسًا اوّلاً وھذا القدر یکفی لانتظام الشکل فان صادقتین مستجمعتین للشرائط لاتنتجان الاصادقة و لایلزم اثبات الصدق علی انھا عکس منطقی لقضیة صادقة وانکار ھذا من اخنی المکابرات ۔ ثم ھذا العکس لم یرشدنا الیہ الا الاٰیة الکریمة اذھی التی دلتنا علی اتحادھما فی الوجود فاذا کان ھذا فی مفھومین لاتعدد لمصداق شیئ منھما کان ارشادًا الی التعاکس قطعًا، کما اذا سمعت رجلاً یقول ابی زید جاز لك ان تقول کان الرجل یقول زید ابی لان زیدًا لایتعدد وابوالرجل لایتعدد فاذا کان ابوہ زیدا کان زید اباہ کذا ھذا من دون شك ولااشتباہ والحمد للہ علی نعمائه وعلیك بتسکین الھواجس یافلسفیاہ ۔

صادق ہے اہلِ منطق نے اس کا نام عکسِ اول رکھا ہے اور اتنی مقدار انتظامِ شکل کے لئے کافی ہے اس لئے کہ دو قضایا صادقہ جو شرائط کے جامع ہوں ایک قضیہ صادق ہی کا نتیجہ دیں گے اور صدق کا ثابت کرنا اس پر موقوف نہیں کہ وہ قضیہ صادقہ عکسِ منطقی ہو اور اس کا انکار نہایت بے شرمی کے مکابرات میں سے ہے ۔ پھر اس عکس کی طرف آیت کریمہ نے ہی رہنمائی کی اس لئے کہ اسی نے ہم کو یہ دکھایا کہ دونوں قضیے وجود میں متحد ہیں تو جب یہ حال ایسے دو مفہوموں میں ہے کہ ان میں سے کسی شئے کا مصداق متعدد نہیں تو یہ یقیناً دونوں قضیے کے باہم منعکس ہونے کی طرف رہنمائی ہے جیسے کہ تم جب کسی شخص کو کہتے سنو کہ میرا باپ زید ہے تو تمھیں جائز ہے کہ تم کہو گویا کہ یہ شخص یوں کہہ رہا ہے کہ زید میرا باپ ہے اس لئے کہ زید متعدد نہیں اور اس شخص کا باپ متعدد نہیں تو جب اس کا باپ زید ہوا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید اس شخص کا باپ ہے، اسی طور پر بلاشک وشبہہ یہ آیت ہے اور اللہ کے لئے اس کی نعمتوں پر حمد، اور اے فلسفی! تجھے لازم ہے کہ وساوس کو ساکن رکھ ۔

الثالث من وجوہ الجواب

اقول وربی ھادی الصواب اخترنا عن ھذا کلہ و سلمنا ان مفاد الاٰیة الاولٰی قولنا

وجوہِ جواب میں سے تیسری وجہ، میں کہتا ہوں اور میرا رب راہِ صواب دکھانے والا ہے ہم نے اس سب کو اختیار کیا اور مان لیا ۔ آیت اولٰی کا مفاد ہمارا یہ قول ہے کہ

کل اکرم اتقٰی وینعکس بعکس النقیض الٰی قولنا "من لیس باتقی لیس باکرم" وقد اثبتنا فیما اسلفنا عرش التحقیق علٰی ان المراد بالاتقی فی الاٰیۃ الثانیۃ اعنی قولہ تعالٰی "وسیجنبھا الاتقی"[1] اتقی الصحابۃ جمیعًا فوجب ان لایکون احد من الصحابۃ اتقی منہ و لامساویًا لہ فی التقوٰی اذا ثبت ھذا فنقول کل صحابی فھو لیس باتقی من ابی بکر ومن لیس باتقی منہ لیس باکرم منہ ۔انتج ان کل صحابی فھولیس باکرم من ابی بکر وصغرٰی القیاس معدولۃ کما لوحنا الیہ بتقدیم اداۃ الربط علٰی حرف السلب، ولك ان تجعلھا موجبۃ سالبۃ المحمول اعنی علی قول قوم من المتاخرین و یرشدك الٰی مایزیح وھمك جعل السلب فی الکبرٰی مراٰۃ لملاحظۃ افراد الاوسط، وان شئت لم تعکس الاٰیۃ الاولٰی ایضا ونسجت الشکل

کل اکرم اتقٰی (یعنی ہر اکرم سب سے بڑا متقی ہے) اور اس کا عکس نقیض ہمارا یہ قول ہے کہ من لیس باتقٰی لیس باکرم (جو اتقی سب سے بڑا متقی نہیں ہے وہ اکرم نہیں ہے) اور ہم نے ان کلمات میں جو ہم پہلے کہہ چکے عرش تحقیق کو ثابت کر دیا کہ مراد اتقی سے آیت ثانیہ یعنی اللہ تبارک وتعالٰی کے قول وسیجنبھا الاتقی میں تمام صحابہ سے زیادہ متقی شخص مراد ہے تو ضروری ہے کہ صحابہ میں کوئی اس سے بڑھ کر متقی نہ ہو اور تقوٰی میں اس کے کوئی مساوی ہو، جب ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ ہر صحابی ابوبکر سے بڑھ کر متقی نہیں اور جو ان سے بڑھ کر متقی نہیں وہ کرامت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صحابی ابوبکر سے زیادہ عزت والا نہیں اور اس قیاس کا صغرٰی معدولہ ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اداتِ ربط کو حرفِ سلب پر مقدم کرکے اشارہ کیا اور تمھیں اختیار ہے کہ تم اس قضیہ کو موجبہ سالبۃ المحمول بناؤ یعنی متاخرین میں سے ایک قوم کے قول پر اور تمھاری رہنمائی اس بات کی طرف جو تمھارے وہم کو دُور کردے سلب کو کبرٰی میں افرادِ اوسط کے لئے مرآۃِ ملاحظہ بنانے سے ہوگی اور اگر تم چاہو تو آیتِ اولٰی کا عکس نہ کرو اور شکل کو آیتِ ثانیہ کے طرز پر

[1] القرآن الکریم ۹۲ /۱۷

على منوال الثاني بان تقول لا شئ من الصحابة اكرم من ابي بكر وكل اكرم من ابي بكر اتقى منه انتج ان لا شئ من الصحابة اكرم من ابي بكر ولعلك ان تقرره قياسا استثنائيا يرفع المقدم لرفع التالي فتقول لو كان احد من الامة اكرم من الصديق لكان اتقى منه لان كل اكرم اتقى لكنهم ليسوا باتقى منه للأية الثانية فليسوا باكرم منه وفيه المقصود۔

تنبیه: سيقول السفهاء من الناس ما ولكم عن دعوٰكم التي كنتم عليها فان الثابت على هذه التقارير الثلثة الاخيرة انما هو نفي اكرم من الصديق وهو لا يستلزم اكرميته رضي الله تعالٰى عنه اذ يحتمل التساوي۔

اقول او قد قالوا فلئن قالوا فلقد زاغوا۔

اما **اولاً** فنصوص الشرع ومحاورات البلغاء طافحة بسوق الكلام الى غرض التفضيل على الاطلاق على هذا المساق يقولون ليس احد افضل من فلان ويريدون انه افضل الكل وذلك لان التساوي

منتظم کرو بایں طور کہ تم کہو کہ کوئی صحابی ابوبکر سے بڑھ کر عزت والا نہیں اور شاید تم اس کو قیاس استثنائی کے طور پر مقرر رکھو جو مقدم کو ارتفاع تالی کی وجہ سے مرتفع کردے تو تم یوں کہو امت میں اگر کوئی صدیق سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو وہ ضرور صدیق سے بڑھ کر متقی ہوتا اس لئے کہ ہر اکرم اتقی ہے لیکن ساری امت صدیق سے بڑھ کر متقی نہیں بدلیل آیت ثانیہ، تو وہ صدیق سے بڑھ کر عزت والے نہیں اور اسی میں ہمارا مقصود ہے۔

تنبیہ: اب کہیں گے بیوقوف لوگ اس دعوٰی سے جس پر تم قائم تھے کس چیز نے تمہیں پھیر دیا اس لئے کہ ان تین تقاریر اخیرہ پر جو ثابت ہوتا ہے وہ صدیق سے زیادہ عزت والے کی نفی ہے اور اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی (اولویت) سب پر لازم نہیں آتی اس لئے کہ تساوی کا احتمال ہے۔

اقول کیا ان بیوقوفوں نے یہ بات کہی اگر انہوں نے ایسا کہا تو بے شک وہ منحرف ہوگا،

اولاً نصوص شرع اور اہل بلاغت کے محاورے اس ڈھنگ سے بھرے ہیں کہ کلام کو علی الاطلاق فضیلت بتانے کی غرض سے اس طور پر لایا جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی فلاں سے افضل نہیں ہے اور مراد لیتے ہیں کہ وہ سب سے افضل ہے اور یہ اس لئے کہ تساوی حقیقی عادتاً گویا

الحقیقی کالمحال عادۃ وعلیك بكلام شراح الحدیث۔

واما **ثانیًا** فلك ان تضم الیه اجماع الامة علی وجود التفاضل والحق لا یخرج عن اقوالهم۔

واما **ثالثًا** هو الظاهر ان المعلم ان العارف باسالیب الكلام یفهم من الاٰیة الاولٰی تسبب التقوٰی لایراث الكرامة وقصر حصولها علی حصوله وبه صرحت الاحادیث الناشیة عن ارشاد الاٰیة اللاحظة الٰی ملحظ الكریمة۔

انبأنا سراج الحنفیة بالسند عن الشریف عن محمد بن ارکماش عن العلامة ابن حجر عسقلانی عن عبدالرحمٰن بن احمد بن المبارك الغزی عن احمد بن ابی طالب الحجار عن علی بن اسمٰعیل بن قریش عن الحافظ المنذری قال فی کتاب الترغیب والترهیب عن عقبة بن عامر رضی الله تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال ان انسابکم هذه لیست بسباب علی احد وانما انتم ولد آدم طف الصاع لم تملؤه لیس لاحد فضل علی احد الا بالدین او

محال ہے اور تم شراح حدیث کے کلام کو لازم پکڑو۔

ثانیاً تمھیں یہ اختیار ہے کہ اس کے ساتھ وجود تفاضل پر امت کا اجماع ضم کرو اور حق اقوالِ اُمت سے باہر نہ ہوگا۔

ثالثاً اور وُہ جو طرازِ معلم یہ کہ اسالیب کلام کا واقف آیت اولٰی سے سمجھتا ہے کہ تقوٰی عزت حاصل ہونے کا سبب ہے اور عزت کا حصول تقوٰی کے حصول پر منحصر ہے اسی کی تصریح ان احادیث نے کی جو ارشادِ آیت سے ناشی ہیں اور آیت کریمہ کے مطمحِ نظر کی طرف دیکھتی ہیں،

ہمیں سراج الحنفیہ نے خبر دی اپنی سند سے، وہ روایت کرتے ہیں شریف سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ارکماش سے، وہ روایت کرتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی سے، وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن ابن احمد ابن مبارک غزی سے، وہ روایت کرتے ہیں احمد بن ابی طالب حجار سے، وہ روایت کرتے ہیں علی ابن اسمٰعیل ابن قریش سے، وہ روایت کرتے ہیں حافظ منذری سے، اُنھوں نے فرمایا: کتاب الترغیب والترہیب میں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا یہ نسب کسی کیلئے گالی نہیں ہے تم تو آدم کی اولاد ہو پیمانہ کی طرح جو تم نے نہیں بھرا کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح کے سبب۔ اس

عمل صالح، رواہ احمد والبیھقی کلاھما من روایۃ ابن لھیعۃ۔ ولفظ البیھقی قال لیس لاحد علی احد فضل الا بالدین او عمل صالح حسب للرجل ان یکون بذیا بخیلا۔ وفی روایۃ لیس لاحد علی احد فضل الا بالدین او تقوی وکفی بالرجل ان یکون بذیا فاحشا بخیلا، قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طف الصاع بالاضافۃ ای قریب بعضکم من بعض[1]۔اھ۔

حدیث کو روایت کیا احمد اور بیہقی دونوں نے ابن لہیعہ کی روایت سے، اور بیہقی کے لفظ یوں ہیں، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح سے، اور آدمی کے بُرا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ بدزبان کنجوس ہو۔ اور ایک روایت میں ہے، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا تقوٰی سے، اور آدمی کے لئے کافی برائی ہے کہ وہ بدگو بے حیا کنجوس ہو۔ حدیث میں حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے قول "طف الصاع" اضافت کے ساتھ کا معنٰی یہ ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کے قریب ہے انتہی۔

قلت واخرجہ الطبرانی فی حدیث طویل من طریق ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ولفظہ انما انتم من رجل وامرأۃ کجمام الصاع لیس لاحد علی احد فضل الا بالتقوی[2] اھ ۔ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کجمام الصاع جُمام بالضم ما یملأ والمعنی انکم متساوون فی القدر کحبات الصاع تکال فیعرف مقدارھا واستواءھا بمثلھا کیلا من

قلت (میں کہتا ہوں) اور طبرانی میں اس کی تخریج کی ایک حدیث طویل میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما کے طریق سے، اور ان کے لفظ یہ ہیں: تم لوگ ایک مرد اور عورت سے ہو جمام صاع کی طرح۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے انتہی۔ حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول "جمام صاع"، "جُمام" بضم جیم وہ چیز ہے جو پیمانہ میں بھری جاتی ہے، اور معنٰی یہ ہے کہ تم قدر میں ایکدوسرے سے برابر ہو پیمانہ کے حبّوں کی طرح جس کو پیمانہ میں بھرا جاتا ہے تو ان کی مقدار اور ان کے مثل کے ساتھ

---

[1] الترغیب والترھیب من احتقار المسلم وانہ لافضل لاحد الخ حدیث ۶۰۷ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

[2] الجامع لاحکام القرآن تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶/ ۸۲

دون حاجۃ الی الوزن لتساویہما ثقلا و اکتنازا اھ۔ وبہ قال المنذری عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ "ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لہ انظر فانك لست بخیر من احمر ولا اسود الا ان تفضلہ بتقوٰی، رواہ احمد ورواتہ ثقات مشھورون الا ان بکر بن عبداللہ المزنی لم یسمع من ابی ذر" اھ[1]۔

قلت والمرسل مقبول عندنا وعند الجمھور۔ وبہ قال عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اوسط ایام التشریق خطبۃ الوداع فقال یا ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد، الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوٰی ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم الا ھل

ان کی برابری پیمانہ میں معلوم ہوتی ہے اور انھیں تولنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ بوجھ اور موٹائی میں وہ برابر ہوتے ہیں۔ اور اسی مضمون کو منذری نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "بے شک تم سیاہ فام سے اور سُرخ سے بہتر نہیں اور نہ سیاہ فام تم سے بہتر ہے مگر یہ کہ تم اس پر فضیلت پاؤ تقوٰی کی وجہ سے۔" اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا، اور اس کے راوی ثقہ معروف ہیں مگر یہ کہ بکر بن عبداللہ مزنی نے اس حدیث کو ابوذر سے نہیں سُنا۔ انتہی

قلت (میں کہتا ہوں) اور مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔ اور اسی مضمون کی روایت کی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایامِ تشریق کے درمیانی دن میں خطبۃ الوداع دیا کہ فرمایا: اے لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور بیشک تمھارا باپ ایک ہے۔ سنتے ہو عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر فضیلت ہے مگر تقوٰی سے، بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے،

---

[1] الترغیب والترھیب من احتقار المسلم وانہ لافضل لاحد الخ حدیث ۸ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

بلغت؟ قالوا بلٰی یارسول اللہ، قال فلیبلغ الشاھد الغیب، ثم ذکر الحدیث فی تحریم الدماء والاموال والاعراض رواہ البیہقی وقال فی اسنادہ بعض من یجھل انتھی

قلت ولا یضرنا فی الشواھد واخرج الطبرانی فی الکبیر عن حبیب بن خراش رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون اخوۃ لا فضل لاحد علی احد الا بالتقوٰی، وبالجملۃ فالاحادیث کثیرۃ فی ھذا المعنی ثم ان الکرامۃ والتقوی کلاھما مقولان بالتشکیک فکلما زاد زادت وکلما نقص نقصت والمتساویان فیہ یتساویان فیھا کالعصیان سبب للھوان فیزداد بزیادتہ وینتقص بانتقاصہ وھکذا فاذا ثبت ھذا کان معنی قولنا کل اکرم اتقی منحلا الی ثلث قضایا احدٰھا ھذہ والثانیۃ کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنہ فی التقوٰی

سنتے ہو کیا میں نے رب کا پیغام پہنچا دیا؟ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)، فرمایا اب جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچا دیں۔ پھر حدیث ذکر کی جو لوگوں کے خون، مال اور آبرو کی حرمت میں ارشاد ہوئی۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور کہا اس کی سند میں بعض مجہول ہیں۔

قلت (میں کہتا ہوں) شواہد میں ہم کو راوی کی جہالت مضر نہیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں حبیب بن خراش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے۔ بالجملہ اس معنٰی کی حدیثیں بکثرت وارد ہیں مگر کرامت اور تقوٰی دونوں تشکیک کے ساتھ بولے جاتے ہیں تو جب تقوٰی زیادہ ہوگا کرامت زیادہ ہوگی اور جب تقوٰی کم ہوگا کرامت کم ہوگی، اور تقوٰی میں متساوی کرامت میں متساوی ہوں گے جیسے کہ عصیان سبب ذلت کا، تو ذلت عصیان کی زیادتی سے زیادہ اور اس کی کمی سے کم ہوتی ہے اور یونہی جب یہ بات ثابت ہے تو ہمارے قول "کل اکرم اتقٰی" کے معنٰی کی تحلیل تین قضیوں کی طرف ہوگی ان کا ایک تو یہی ہے اور دوسرا

ع ای فی اصل قضیۃ المجازاۃ اما تدارک الرحمۃ ففضل الٰہی یختص بہ من یشاء کما اسلفنا تحقیقہ ۱۲ منہ غفرلہ۔

لیعنی اصل مقتضائے مجازات میں رہا تدارک رحمت تو یہ فضل الٰہی ہے اللہ تبارک وتعالٰی جسے چاہے اس کے ساتھ مخصوص فرماتا ہے، جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق گزشتہ میں کی ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] الترغیب والترہیب من احتقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲ تا ۶۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۵۴۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/ ۲۵

والثالث کل متساویین فیهما متساویان فیه والأیة الثانیة ایضا تنحل الیٰ ثلث مقدمات "ابوبکر اتقی الکل" وهو المنطوق ولایزید علیه احد فی التقوی و لایساویه احد فیه و عند هذا یسهل علیك دفع الاشکال و نظم الاشکال لقطع الاحتمال والحمد لله المهیمن المتعال هذا ما الهمنا المولیٰ تبارك وتعالیٰ بمنیع فضله ورفیع کرمه ومنحنا من عظام آلائه وحسان نعمه فی تقریر دلیل اهل السنة والجماعة ودفع شبهات (اهل) البطالة والخلاعة وارجوا ان تکون عامة ما فی تلك الخیام من عرائس بیض تجلوا الظلام وبسائم تکشر عن برد الغمام اکون انا ابا عذرتها وماذون الدخول فی حجرتها وکان قال الاول لیس علی الله بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد فقلت انا قد قدر الله فلا تنکر ان لحق العاجز بالقادر کیف وقد فاز بافضاله الکل فما ظنك بالقادری۔

یہ ہے کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنہ فی التقوی (عزت میں دوسرے سے کمتر اس سے تقوٰی میں کمتر ہے) اور تیسرا کل متساویین فیہما متساویان فیہ (ہر دو شخص جو تقوٰی میں برابر ہیں وہ عزت میں برابر ہیں) اور اس صورت میں تمہیں اشکال کا دفع کرنا قطع احتمال کے سبب آسان ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو نگہبان و برتر ہے ——— یہ وہ ہے جو جو ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے الہام فرمایا اپنے فضلِ عظیم اور کرمِ رفیع سے، اور بخشا ہمیں اپنے عظیم احسانوں سے اور حسین نعمتوں سے اہلسنت وجماعت کی دلیل کی تقریر میں تائید اور اہل بطالت و ضلالت کے شبہات کے دفع کرنے کے لئے، اور میں امید کرتا ہوں کہ ان خیموں میں جو خوبصورت دلہنیں ہیں وہ اندھیروں کو دور کریں اور مسکراتی صورتیں جو بارش کے اولے دکھائیں ان میں سے اکثر کا میں ہی صاحب ہوں، اور ان کے حجرے میں دخول کا مجاز ہوں، اور مجھ سے پہلے نے کہا تھا کہ اللہ پر مستبعد نہیں کہ عالم کو ایک میں جمع کردے، تو میں نے کہا بے شک اللہ نے مقدر کیا تو اس کا انکار نہ کرنا کہ اللہ نے عاجز کو قادر سے ملحق کردیا، کیوں نہ ہو حالانکہ اللہ کے فضل سے سب بہرہ مند ہیں تو تیرا کیا گمان ہے قادری کے ساتھ۔

خاتمہ: رزقنا الله تعالٰی حسنها امین. فان **قلت** لقد تفضل الله علیك یا وضیع القدر فنطقت بکلمات بلغن قاموس البحر فماذا تأمرنی فی المسئلة اقطع بتفضیل الصدیق نظرًا الی هذا الاستدلال، مع ما فی الاٰیة من تاویل واحتمال، اذ ذهب ذاهبون الی ان الاتقی بمعنی التقی وان زیفت قولهم بتحقیق نقی.

قلت نعم اقطع ولا تبال بما قیل او ما یقال اذ قاطعان لا یأتیان قط الا بقطع وقد سمعت ان الصدیق هو المراد بالاتقی باجماع الامة قاطبة ولم ینقل فی ذٰلك شذوذ شاذ فکان قطعیا والاٰیة الاُخرٰی نص فی المرام لاشك اما ما ذکرت من حدیث من ذهب الی ما ذهب فقد سمعت ان الاٰیة لامساغ فیها للتاویل واحتمال بلا دلیل لا ینزل التنزیل عن درجة برهان قاطع جلیل الا ترٰی ان کل نص یحتمل التاویل ومع ذٰلك هو قطعی قطعًا کما صرح به ائمة الاصول.

خاتمہ: اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں حسنِ خاتمہ نصیب کرے، اب اگر تم کہو بے شک اللہ نے اے کمترین! تیرے اوپر احسان فرمایا تو تُو نے وہ کلمات بولے جو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچ گئے اب مجھے اس مسئلہ میں کیا حکم دیتا ہے آیا میں فضیلتِ صدیق کا یقین لاؤں اس استدلال پر نظر کرتے ہوئے باوجودیکہ اس آیت میں تاویل و احتمال ہے اس لئے کہ جانے والے اس طرف گئے کہ اتقٰی بمعنی تقی ہے اگرچہ تُو نے ان کا قول سُتھری تحقیق سے غلط ثابت کر دیا۔

قلت (میں کہتا ہوں) ہاں یقین کر اور قیل وقال کی پرواہ نہ کر، اس لئے کہ دو قطعی نتیجہ نہیں دیتے مگر قطعی کا، اور تم سُن چکے کہ صدیق ہی مراد ہیں اتقٰی سے ساری امت کے اجماع کے بموجب، اور اس میں کسی نادر کی رائے شاذ بھی منقول نہیں، تو یہ اجماع قطعی ہوا، اور دُوسری آیت مدعا میں نص ہے جس میں کوئی شک نہیں، رہی وہ بات جو تم نے اس رائے کی کہی جس کی طرف جانے والے گئے، تو تم سُن چکے کہ آیت میں تاویل کی گنجائش نہیں اور احتمال بے دلیل تنزیل کو برہان قاطع جلیل کے درجے سے نازل نہیں کرتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نص تاویل کی محتمل ہے اور وہ اس کے باوجود یقیناً قطعی ہے جیسا کہ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی۔

وتحقیق المقام علی ما الھمنی الملك العلام ان العلم القطعی یستعمل فی معنیین ،

احدھما قطع الاحتمال علی وجه الاستیصال بحیث لایبقی منه خبر ولا اثر ھذا ھو الاخص الاعلٰی کما فی المحکم والمتواتر وھو المطلوب فی اصول الدین فلا یکتفی فیھا بالنص المشھور ۔

والثانی ان لایکون ھناك احتمال ناشئ من دلیل وان کان نفس الاحتمال باقیًا کالتجوز والتخصیص وسائر انحاء التاویل کما فی الظواھر والنصوص والاحادیث المشھورۃ والاول یسمی علم الیقین ومخالفه کافر علی الاختلاف فی الاطلاق کما ھو مذھب فقھاء الآفاق والتخصیص بضروریات الدین کما ھو مشرب العلماء المتکلمین ، والثانی علم الطمانیة ومخالفه مبتدع ضال ولا مجال الی اکفارہ کمسئلة وزن الاعمال یوم القیمة قال تعالٰی "والوزن یومئذن الحق"[1] ویحتمل النقد احتمالًا لاصارف

اور **مقام کی تحقیق** اس طور پر جو مجھے اللہ ملک العلام نے الہام کیا ہے کہ علم قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے ؛

ایک تو یہ کہ احتمال جڑ سے منقطع ہوجائے بایں طور کہ اس کی کوئی خبر یا اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے، اور یہ اخص اعلٰی ہے جیسا کہ محکم اور متواتر میں ہوتا ہے۔ اور اصولِ دین میں یہی مطلوب ہے، تو اس میں نصِ مشہور پر کفایت نہیں ہوتی۔

دوسرا یہ کہ اس جگہ ایسا احتمال نہ ہو جو دلیل سے ناشی ہو اگرچہ نفسِ احتمال باقی ہو جیسے کہ مجاز اور تخصیص اور باقی وجوہِ تاویل، جیسا کہ ظواہر اور نصوص اور احادیثِ مشہورہ میں ہے۔ اور پہلی قسم کا نام علم یقین ہے اور اس کا مخالف کافر ہے علماء میں اختلاف کے بموجب مطلقاً، جیسا کہ فقہائے آفاق کا مذہب ہے، یا ضروریاتِ دین کی قید کے ساتھ یہ حکم مخصوص ہے جیسا کہ علمائے متکلمین کا مشرب ہے۔ اور دوسرے کا نام علم طمانیت ہے، اور اس کا مخالف بدعتی وگمراہ ہے، اور اس کو کافر کہنے کی مجال نہیں، جیسے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کا مسئلہ۔ اللہ تعالٰی کا قول ہے "اور قیامت کے دن تول ضرور برحق ہے"[1] اور یہ آیت نقد (پرکھ) کا ایسا احتمال رکھتی ہے

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۸

الیه و لا دلیل اصلا علیه فیکون کقولك "وزنته بمیزان العقل" وھو رائج فی العجم ایضاً تقول "سخن سنج" ای ناقد الکلام، و مسئلة رؤیة الوجه الکریم للمؤمنین، رزقنا المولٰی بفضله العمیم، قال تعالٰی "وجوه یومئذ ناضرة الٰی ربها ناظرة"[1] و یحتمل احتمالاً کذٰلك ارادة الامل و الرجاء وھو ایضاً مما توافقت علیه العرب والعجم تقول "دست نگر من ست" ای یرجو عطائی و یحتاج الٰی نوالی وھٰکذا مسئلة الاسراء الی السمٰوٰت العلی والشفاعة الکبرٰی للسید المصطفٰی علیه افضل التحیة والثناء فکل ذٰلك ثابت بنصوص قواطع بالمعنی الثانی ولذا لا نقول باکفار المعتزلة والروافض الاولین المأولین، وھٰکذا الظن له معنیان اذ مقابل الاعم اخص والاعم اخص کما لایخفی، اذا عرفت ھذا فمسئلتنا ھذہ ان ارید فیها القطع بالمعنی الاخص فھذا

جس کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ اصلاً اس پر کوئی دلیل ہے۔ اب آیت کا معنی تمہارے قول "میں نے اس کو میزانِ عقل سے تولا" کے مثل ہوگا، اور یہ عجم میں رائج ہے، تم کہتے ہو "سخن سنج" یعنی کلام کو پرکھنے والا، اور مومنین کے لئے اللہ تبارک وتعالٰی کے دیدار کا مسئلہ، مولائے کریم اپنے فضل عظیم سے نصیب فرمائے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا "کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے" احتمال رکھتا ہے اسی طرح اُمید و رجا کے ارادے کا، اور یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن پر اب عرب و عجم سب متفق ہیں، تم کہتے ہو "دست نگر من ست" یعنی میری عطا کی امید رکھتا ہے اور میری بخشش کا محتاج ہے۔ اور اسی طرح آسمانوں کی سیر اور شفاعتِ کبرٰی محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے کہ یہ تمام باتیں دوسرے معنی پر نصوصِ قطعی سے ثابت ہیں، اور اسی لئے ہم تاویل کرنے کے سبب معتزلہ اور اگلے روافض کی تکفیر نہیں کرتے، اور اسی طرح ظن کے دو معنی ہیں اس لئے کہ اعم کا مقابل اخص ہے اور اعم اخص ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں، جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارا یہ مسئلہ اگر اس میں قطعی بالمعنی الاخص مراد لیا جائے تو یہ

---

[1] القرآن الکریم ۷۵/ ۲۲ و ۲۳

جبل وعر صعب المرتقیٰ اذ ما ورد فیہا فاما نص او ظاھر وکلاھما یقبلان التاویل ولو قبولاً ضعیفاً بعیداً او ابعد اضعف مایکون کالاتقی فیما نحن فیہ یحتمل التجوز بالبالغ فی التقوی والخیر والافضل فی الاحادیث یحتمل تقدیر من کقول القائل "فلان اعقل الناس" وما جاء من الاحادیث مفسّراً محکماً فاحاد تطرق الیہا الاحتمال من قبل النقل لکنا مالنا ولھذا القطع، اذ لا نقول باکفار المفضلۃ ومعاذ اللہ ان نقول اما الابتداع فیثبت بخلاف القطع بالمعنی الثانی وھو حاصل لا شك فیہ لایسوغ انکارہٗ الا لغافل او متغافل فقد تظافرت علیہ النصوص تظافرا جلیا وبلغت الاخبار تواتراً معنویا والاحتمالات الرکیکۃ السخیفۃ الناشیۃ من غیر دلیل لا تقدح فی القطع بھذا المعنی کما صرحت بہ علماء الاصول وزادنا نوراً الی نور ورشاداً الی رشاد اجماع الصحابۃ الکرام و

پہاڑ ہے سخت دشوار گزار چڑھائی والا، اس لئے کہ اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے یا تو نص ہے یا ظاہر ہے اور دونوں تاویل کو قبول کرتے ہیں اگرچہ ضعیف بعید یا بہت زیادہ ابعد اضعف سہی، جیسے کہ ہمارے اسی مسئلہ میں جس میں ہمیں بحث ہے جیسے کہ اتقی، تقوی اور خیر میں بالغیت کے معنی مجازی کا احتمال رکھتا ہے اور احادیث میں لفظ افضل کے مقدر ہونے کا احتمال رکھتا ہے جیسے کوئی کہے "فلان اعقل الناس" (فلاں شخص لوگوں سے زیادہ عاقل ہے) اور جو احادیث مُفَسَّر محکم آئیں تو وہ خبر واحد ہیں جن میں روایت کی طرف سے احتمال راہ پاتا ہے لیکن ہمیں اس طرز کے قطعی سے کیا کام، اس لئے کہ ہم تفضیلیوں کے کافر ہونے کا قول نہیں کرتے اور اللہ کی پناہ ہو کہ ہم یہ قول کریں، لیکن اُن کا بدعتی ہونا وہ تو ثابت ہے برخلاف قطعی بمعنی دیگر تو وہ بلاشک حاصل ہے جس کا انکار سوائے غافل یا غافل بننے والے کے کسی کو نہ بن پڑے گا اس لئے کہ اس پر واضح کثرت کے ساتھ نصوص آئیں اور احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئیں اور رکیک کمزور احتمالات جو کسی دلیل سے ناشئی نہیں ہوتے اس معنی پر قطعی میں اثر انداز نہ ہوں گے، جیسا کہ علمائے اصول نے اس کی تصریح کی ہے اور ہمارے لئے نُور پر نُور بڑھایا اور ہدایت کے اوپر ہم کو ہدایت کی صحابہ کرام اور

التابعين العظام كما نقله جمهور الائمة
الاعلام، منهم سيدنا عبد الله بن عمر
و ابوهريرة من الصحابة و ميمون بن مهران
من التابعين والامام الشافعي من الاتباع
وغيرهم من لا يحصون لكثرتهم ، و
حكاية ابن عبد البر لا معقولة في الدراية
ولا مقبولة في الرواية كما حققناه في
مطلع القمرين مع ما ارشدنا القرآن
العظيم و احاديث المصطفى الكريم عليه
افضل الصلوة والتسليم الى دلائل
جمة توخذ منها بالاستنباط و وفق لها
هذا الفقير الضعيف كما عقدنا لها الباب
الثاني من الكتاب الكبير فلولا الا واحد
من هذه لشفى وكفى و دفع كل
ريب ونفى فكيف اذا كثرت وجلت
و عقدت وحلت و رعدت و
برقت و اضاءت و اشرفت
فلا وربك لم يبق للشك محل
ولا للريب مدخل والحمد لله
الاعلى الاجل ، اما قول
من قال انا وجدنا النصوص
متعارضة فهذا اخبار عن نفسه
فكيف يحتج به على من نظر وابصر
و نقد واختبر فقتلها خبرا واحاط
بما لديها علما على

تابعین عظام کے اجماع نے جیسا کہ اس کو نقل کیا ہے
جمہور ائمہ اعلام نے، ان میں عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ
صحابہ میں سے، اور میمون ابن مہران تابعین میں سے
اور امام شافعی تبع تابعین میں سے، اور ان کے
سوا جن کی گنتی نہیں بوجہ ان کی کثرت کے، اور
ابن عبدالبر کی حکایت نہ تو از راہِ درایت معقول ہے
اور نہ روایۃً مقبول ہے، جیسا کہ ہم نے اسکی تحقیق
کی ہے مطلع القمرین میں مع ان دلائل کثیرہ کے جن
کی طرف ہماری رہنمائی قرآن عظیم اور احادیثِ مصطفیٰ
کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے کی۔ یہ دلائل
قرآن وحدیث سے استنباط کے ذریعہ ماخوذ
ہیں اور ان کے لئے اس فقیر ناتواں کو توفیق ہوئی
جیسا کہ ہم نے اس کے لئے اپنی کتاب کبیر کا
باب دوم باندھا ہے تو اگر ان دلائل میں سے
نہ ہوتی مگر ایک دلیل تو وہ بھی شافی و کافی ہوتی اور
ہر شک کی دافع و نافی ہوتی تو کیا گمان ہے جبکہ یہ
دلائل کثیر وجلیل ہوں اور دین کی گرہیں باندھیں اور
شبہوں کی رسیاں کھولیں اور گرجیں اور چمکیں اور
روشن اور بلند ہوں تو تیرے رب کی قسم شک کا
محل باقی رہا نہ شبہہ کا مدخل، والحمد للہ الاعلی الاجل،
رہی اس کی بات جس نے کہا ہم نے نصوص کو متعارض
پایا تو یہ اس کی اپنی حالت کی خبر ہے، تو وہ کیسے
حجت لاتا ہے اس سے اس پر جس نے دیکھا اور
غور کیا اور جانچا اور پرکھا تو نصوص کو خوب پرکھ کے
جان لیا اور ان کے پاس جو علم ہے اس کا احاطہ

انہ ان اراد التعارض الصوری وقد یطلق علیہ ایضًا کقول الاصولیین یقدم المحکم علی المفسّر والمفسر علی النص والنص علی الظاھر عند التعارض مع انہ لاتعارض لضعیف مع قوی فھذا لایضرنا ولاینفعہ وان اراد الحقیقی اعنی تزاحم الحجتین علی حد سواء فنقول معنا ناش عن غفول وعلی قائلہ او من یمشی بمشیہ ان ینور دعواہ ببینۃ مبینۃ وانّی لھم ذٰلک و لیت شعری الام یودی ضیق العطن اذا رأی احادیث لاتخیروا بین الانبیاء[1]، ولا تفضلونی علی یونس بن متی[2]، وافضل الانبیاء ادم[3]، وذاک (ای) خیر البریۃ ابراھیم[4] ایقول بتعارض النصوص فی تفضیل المصطفٰی

کیا، علاوہ بریں یہ کہ اگر اس نے تعارض صوری مراد لیا اور کبھی تعارض کا اطلاق اس پر بھی آتا ہے جیسے اصولی کہتے ہیں کہ محکم کو مفسر پر اور مفسر کو نص اور نص کو ظاہر پر تعارض کے وقت مقدم کیا جائے گا حالانکہ بلاشبہہ ضعیف کا قوی کے ساتھ اصلاً تعارض نہیں ہوتا تو یہ ہم کو نقصان نہ دے گا نہ اس کو فائدہ دے گا، اور اگر اس نے تعارض حقیقی مراد لیا یعنی دو دلیلوں کا برابری کی حد پر ایک دوسرے کے مزاحم ہونا تو ہم کہیں گے یہ معنی غفلت سے ناشی ہے اور اس کے قائل پر یا جو اس کے طریقے پر چلے لازم ہے کہ اپنے دعوٰی کو روشن دلیل سے منور کرے اور ان کو یہ کیونکر بن پڑے گا، اور کاش میں سمجھتا کہ بندش کی تنگی کا انجام کیا ہوگا جبکہ وہ یہ حدیثیں دیکھے کہ انبیاء میں باہم ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو اور مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو، اور آدم افضل انبیاء ہیں، اور ابراہیم خلق میں سب سے بہتر ہیں کیا وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] صحیح البخاری کتاب الخصومات باب مایذکر فی الاشخاص قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۵
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسٰی علیہ السلام " " " ۲/۲۶۸
[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد "الاصل السابع" دارالفکر بیروت ۲/۱۰۵
[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۱۹۰
[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراہیم علیہ السلام " " " ۲/۲۶۵

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی العالمین جمیعا ام یرجع الی نفسہ فیدری ان التعارض شئ ومجرد وجود النفی و الاثبات شئ اٰخر وبھذا التحقیق البدیع الانیق الذی خصنا بہ المولٰی تبارک وتعالٰی امکن لنا التوفیق بین کلمات الائمۃ الکرام فمن قال بالقطع ونفی الظن فانما اراد القطع بالمعنی الاعم والظن وبالمعنی الاخص وھو حق لامریۃ فیہ ومن عکس فقد عکس وھو صدق لاغبار علیہ، فان تخالج فی صدرک ان المسئلۃ من الاعتقادیات فکیف اکتفیتم بالقطع بالمعنی الثانی۔

قلت ھذا اشد ورودًا علی القائلین بالظن ان ارادوا الظن بالمعنی الاخص والحل ان المسئلۃ لیست من اصول الاسلام حتی یکفر جاحدھا کمسئلۃ امامۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وبھذا المثال ینقطع قلب من قال من بطلۃ الزمان انھا اذا لم تکن من الاصول کما صرح بہ السید الشریف فی شرح المواقف[1]

کی سب جہان پر فضیلت میں تعارض نصوص کو مانے گا یا اپنے نفس کی طرف لوٹے گا تو سمجھے گا کہ تعارض ایک شَے ہے اور مجرد وجود نفی واثبات دوسری شے ہے اور اس تحقیقِ انیق و بے نظیر سے جو خاص اللہ تبارک وتعالٰی نے ہم کو عنایت کی ہم کو ائمہ کرام کے کلمات میں مطابقت ممکن ہے تو جس نے اس مسئلہ کو قطعی کہا اور ظن کی نفی کی تو اس نے قطعی بالمعنی الاعم ہی کو مراد لیا اور ظن بالمعنی الاخص، اور حق یہ ہے جس میں کوئی شُبہہ نہیں اور جس نے عکس کیا تو اس نے عکس کیا اور وُہ سچ ہے جس پر کوئی غبار نہیں اب اگر تمہارے سینے میں یہ خلش ہو کہ یہ مسئلہ تو اعتقادیات سے ہے تو تم نے معنی ثانی میں قطعی پر کیسے اکتفا کرلیا۔

قلت (میں کہتاہوں) یہ اعتراض ان لوگوں پر جو ظنی کے قائل ہیں زیادہ سختی کے ساتھ وارد ہوتا ہے جبکہ وُہ ظن بالمعنی الاخص مراد لیں، اور اس کا حل یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصولِ اسلام سے نہیں ہے کہ اس کا منکر کافر ٹھہرے، جیسے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خلافت کا مسئلہ، اور اس مثال سے اس کا دل ٹکڑے ہوجائے گا جو اس زمانے کے اہلِ باطل میں سے کہتا ہے کہ جب یہ مسئلہ اصول میں سے نہیں جیسا کہ سید شریف نے شرح مواقف

---

[1] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/۳۴۴ تا ۴۰۱

43

(و غيره من المتكلمين الفحول وكذا قد شهد على نفسه بالرسة الكبرى في مناصب الجهل والسفاهة من قال اذ لم تكن قطعية قلنا ان نطوي الكشح عن تسليمها قل لهم اتركوا الواجبات باسرها ثم انظروا ما يأتيكم من وعيد الشريعة وتأثيمها واذ قد علمت ان هذا التحقيق يرفع الخلاف ويورث التطبيق فعليك به اتفقت الاقوال او اختلفت اذ كلمة جامعة خير من آراء متدافعة فان رأيت شيئا من كلمات المتاخرين تابى هذا النور المبين فاعلموا ان تخطية هذا البعض خير من تخطية احد الفريقين من ائمة الدين لاسيما القائلين بالقطع فهم العمد الكبار للدين الحنيف وبهم تشيد اركان الشرع المنيف فمنهم من هو اولهم واولٰهم سيدهم ومولٰهم واكثرهم للتفضيل تفصيلا واشدهم على المخالف تنكيلا سيدنا المرتضى اسد الله العلي الاعلى كرم الله تعالٰى وجهه الكريم اذ قد تواتر عنه في ايام امامته وكرسي زعامته

میں اور دوسرے علماء متکلمین نے اس کی تصریح کی اور یونہی مناسب جہل و حماقت میں اپنی زعامتِ کبرٰی پر گواہی دی اس نے جس نے یہ کہا کہ جب یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے تو ہمیں اختیار ہے کہ ہم اسے تسلیم کرنے سے پہلو تہی کریں' ان سے کہو سارے واجبات کو چھوڑ دو پھر دیکھو کہ تمہارے پاس شریعت کی کیسی وعید اور تمہارے گنہگار ہونے کی تہدید آتی ہے' جب تم نے جان لیا کہ یہ تحقیق خلاف کو اٹھاتی اور کلماتِ علماء میں مطابقت پیدا کرتی ہے تو تم اس کو لازم پکڑو اقوال متفق ہوں یا مختلف اس لئے کہ ایک جامع بات باہم ٹکراتی باتوں سے بہتر ہے تو اگر تم دیکھو کلماتِ متاخرین میں کوئی عبارت اس نورِ مبین سے ابا کرتی ہے تو جان لو کہ اس بعض کو خاطی جاننا بہتر ہے اس سے کہ ائمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے خصوصاً وہ ائمہ کرام جو اس مسئلہ کو قطعی کہتے ہیں اس لئے کہ وہی دین حنیف کے بڑے ستون ہیں اور انھیں سے شرع بلند و برتر کے ستون قائم ہیں' تو ان میں سے ایک وہ ہیں جو سب سے اول و اولٰی اور ان سب کے سید و مولٰی اور مسئلہ تفضیل کو سب سے زیادہ بیان کرنے والے اور مخالفین کو سخت سزا کا خوف دلانے والے سیدنا علی مرتضٰی اللہ بلند و بالا کے شیر کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم اس لئے کہ ان کے ایامِ خلافت اور کرسیِ زعامت میں

تفضیل الشیخین علٰی نفسه وعلی سائر الامة، ورمٰی بها بین اکتاف الناس وظهورهم حتی جلی ظلام شکوك مدلهمة، روی الدارقطنی عنه رضی اللہ تعالٰی عنه قال لا اجد احدًا فضلنی علی ابی بکر وعمر الا جلدته حد المفتری[۱]۔ عه

ان کا شیخین ابوبکر وعمر کو خود پر اور تمام امت پر فضیلت دینا تواتر سے ثابت ہوا اس کو لوگوں کے کندھوں اور پشتوں پر مارا یعنی اس مسئلہ کو لوگوں کے سامنے اور ان کے پیچھے خوب روشن کیا یہاں تک کہ تیرہ وتار شبہات کی اندھیری کو دُور کردیا۔ دارقطنی نے اسی جناب سے روایت کیا، فرمایا میں کسی کو نہ پاؤں گا جو مجھے ابوبکر وعمر پر فضیلت دے مگر یہ کہ میں اس کو مفتری کی حد ماروں گا۔

عه وقد کان رضی اللہ تعالٰی عنه یبوح بهذا فی المجامع الشاملة والمحافل الحافلة والمساجد الجامعة وفیهم من فیهم من الصحابة والتابعین لهم باحسان، ثم لم ینقل عن احد منهم انه رد قوله هذا ولقد کانوا اتقٰی للّٰه تعالٰی من ان یسکنوا عن حق او یقروا علٰی خطاٰ وهم الذین وصف اللّٰه سبحٰنه وتعالٰی فی القراٰن العظیم بانهم خیر امة اخرجت

اور سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ عام مجمعوں میں اور بھری محفلوں میں اور جامع مسجدوں میں اس بات کا اعلان فرماتے تھے اور لوگوں میں صحابہ اور تابعین کرام موجود ہوتے تھے پھر ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کو رَد کیا ہو اور بے شک وہ اللہ تعالٰی سے بہت ڈرنے والے تھے اور اس بات سے دُور تھے کہ حق بتانے سے خاموش رہیں یا کسی خطا کو مقرر رکھیں حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تبارک وتعالٰی نے قرآن عظیم میں یوں بیان فرمایا" تم بہترین اُمت ہیں جو لوگوں کے لئے پیدا

(باقی حاشیہ برصفحہ)

---

[۱] الصواعق المحرقة بحوالہ الدارقطنی الباب الثالث الفصل الاول دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۹۱

قال سلطان الشان ابو عبد الله الذهبی حدیث صحیح۔

اس فن کے سلطان حضرت ابوعبداللہ ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

قلت انظرالی ھذا الوعید الشدید افتراہ معاذ اللہ مجترأعلی اللہ تعالٰی فی اجراء الحدود مع تعارض الظنون وھو الراوی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادرؤا الحدود[1] اخرجہ عنہ الدارقطنی والبیہقی وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان وجدتم

قلت (میں کہتا ہوں) اس وعید شدید کو دیکھو تو کیا تم حضرت علی کو گمان کروگے پناہ بخدا اللہ تبارک وتعالٰی پر جرأت کرنیوالا حدود کو جاری کرنے میں باوجود گمانوں کے تعارض کے حالانکہ وہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ فرمایا "حدود کو دفع کرو" مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیہقی ودارقطنی نے روایت کیا اور فرمایا حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو جب تک تم کو استطاعت ہے، تو اگر تم مسلمان کے لئے کوئی راہِ خلاص پاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر[2]، وائمتہم الکرام کانوا اتقی ومنہم احرص علی الرشد والصواب وقد کانوا یحثون العلماء علی ابانۃ الحق ان اخطاء وتقویم الاودان مالوا۔

بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔" اور اس گروہ کے ائمہ کرام ان سے زیادہ متقی اور ہدایت وصواب پر ان سے زیادہ حریص تھے اور علماء کو حق ظاہر کرنے پر اکساتے تھے اگر ان سے خطا ہو اور کجی کو درست کرنے کی ترغیب دیتے تھے اگر وہ منحرف ہوں۔

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الحدود والدیات حدیث ۳۰۹۲/ ۹ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۶
سنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دارصادر بیروت ۸/ ۲۳۸
[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۰

للمسلم مخرجًا فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ في العفو خير من ان يخطئ في العقوبة[1] رواه ابن ابی شيبة والترمذی والحاكم والبيهقی عن اُم المومنين الصديقة رضی الله تعالٰی عنها ومنهم ميمون ابن مهران من فقهاء التابعين سُئِل ابوبكر وعمر افضل ام علی؟ فقف شعره و ارتعدت فرائصه حتی سقطت عصاه من يده وقال ماكنت اظن ان اعيش الٰی زمان يفضل الناس فيه احدًا علٰی ابی بكر وعمر اوكما قال رواه ابو نُعَيم[2] عن فرات بن السائب، ومنهم عالم المدينة الامام مالك بن انس رضی الله تعالٰی عنه سُئِل عن افضل الناس بعد رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم

تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لئے کہ امام کا درگزر میں خطا کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عقوبت میں خطا کرے۔" اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، ترمذی، حاکم اور بیہقی نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا، اور انھیں میں سے حضرت میمون ابن مہران ہیں جو کہ فقہائے تابعین سے ہیں ان سے سوال ہوا کہ سیدنا ابوبکر وعمر افضل ہیں یا علی؟ تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان کی رگیں پھڑکنے لگیں یہاں تک کہ چھڑی ان کے ہاتھ سے گر گئی اور انھوں نے کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک جیوں گا جس میں لوگ ابوبکر وعمر پر کسی کو فضیلت دیں گے۔ یا جیسا انھوں نے فرمایا اس حدیث کو روایت کیا ابونعیم نے فرات بن سائب سے، اور انھیں میں سے عالمِ مدینہ امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل کے بارے میں، تو فرمایا ابوبکر وعمر پھر

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الحدود باب ان وجدتم للمسلم مخرجا الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۸۴
جامع الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۱
السنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دار صادر بیروت ۸/ ۲۳۸
المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحدود باب فی درء الحدود بالشبہات حدیث ۲۸۴۹۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۵۰۸

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۲۵۱ میمون بن مہران دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۲ و ۹۳

فقال ابوبکر وعمر، ثم قال اوفی ذٰلك شك[1]، ومنهم الامام الاعظم الاقدم الاعلم الاکرم سیدنا ابوحنیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنه سئل عن علامات اهل السنة فقال ان تفضل الشیخین وتحب الختنین وتمسح علی الخفین[2] ومنهم عالم قریش مالك طباق الارض علماً سیدنا الامام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نقل اجماع الصحابة والتابعین علی تفضیل الشیخین ولم یحك خلافاً[3] ومنهم امام اهل السنة والجماعة صاحب الحکمة الیمانیة سیدنا الامام ابوالحسن الاشعری رحمة اللّٰه تعالٰی علیه کما نقل عنه العلماء الثقات ومنهم الامام الهمام حجة الاسلام ذکر فی قواعد عقائد الاماجد وذکر فیها مسئلة التفضیل وقال فی اٰخرها ان فضل

فرمایا کیا اس میں کوئی شک ہے، اور انھیں میں سے امام اعظم اقدم سب سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ مکرم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا اہلسنت کی علامات کے بارے میں، تو انھوں نے فرمایا اہلسنت کی پہچان یہ ہے کہ تو شیخین ابوبکر و عمر کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جانے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں دامادوں سے محبت کرے اور خفین پر مسح کرے، انھیں میں سے عالم قریش زمین کے طباق کو علم سے بھرنے والے سیدنا امام محمد ابن ادریس شافعی مطلبی انھوں نے صحابہ اور تابعین کا فضیلتِ شیخین پر اجماع نقل کیا اور انھیں میں امام اہلسنت وجماعت حکمتِ یمانیہ سیدنا امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں، جیسا کہ ان سے علمائے ثقات نے نقل کیا اور انھیں میں امام ہمام حجۃ الاسلام (غزالی) انھوں نے قواعد العقائد میں مجد والے ائمہ کے عقائد کو ذکر کیا اور ان عقائد میں مسئلہ تفضیل کو ذکر کیا اور اسکے آخر میں کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد السابع الفصل الثالث دارالمعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸

[2] تمہید ابی الشکور السالمی الباب الحادی عشر القول السادس دارالعلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۶۵
خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد السابع الفصل الثالث دارالمعرفۃ بیروت ۷/ ۳۹
تدریب الراوی شرح تقریب النواوی النوع التاسع والثلاثون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۶

الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم علی حسب ترتیبہم فی الخلافۃ اذحقیقۃ الفضل ماھو فضل عنداللہ عزوجل وذٰلک لایطلع علیہ الارسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان یعتقد فضل الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم وترتیبہم وان افضل الناس بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالٰی عنہم وان یعتقد والٰی ومنہم الامام جبل الحفظ علامۃ الورٰی سیدنا ابن حجر العسقلانی والامام العلام احمد بن محمد القسطلانی والمولی الفاضل عبدالباقی الزرقانی وناظم قصیدۃ بدء الامالی والفاضل الجلیل مولانا علی القاری وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ حدثنا المولی الثقۃ الثبت سلالۃ العارفین السید الشریف الفاطمی سیدنا ابوالحسین احمد النوری قال سمعت شیخی ومرشدی سیدنا ومولانا اٰل الرسول الاحمدی قال سمعت الشاہ عبدالعزیز الدھلوی یقول تفضیل الشیخین قطعی اوکالقطعی۔

فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کے موافق ہے اس لئے کہ حقیقتِ فضل وہ ہے جو اللہ کے نزدیک فضل ہو اور اس پر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے سوا کسی کو اطلاع نہیں، یا آدمی صحابہ رضوان اللہ علیہم کی فضیلت اور اس میں ترتیب کا اعتقاد کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور انھیں میں امام حفظ کے پہاڑ علامہ جہاں سیدنا امام ابن حجر عسقلانی اور امام علام احمد بن محمد قسطلانی اور مولی فاضل عبدالباقی زرقانی اور قصیدہ بدء الامالی کے ناظم اور فاضل جلیل مولانا علی قاری وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰے علیہم اجمعین ہیں۔ ہم سے حدیث بیان کی مولٰی ثقہ ثبت سلالۃ العارفین سید شریف فاطمی سیدنا ابوالحسین نوری نے انہوں نے فرمایا میں نے سُنا اپنے شیخ اور مرشد آل رسول احمدی سے انھوں نے فرمایا میں نے سُنا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے وُہ فرماتے تھے شیخین کی فضیلت قطعی ہے یا قطعی جیسی ہے۔

لہ احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرۃ ۱/۱۱۵

ٹہ 〃 〃 〃 〃 الفصل الاول 〃 〃 〃 ۱/۹۳

اقول ولك ان تحمل الترديد على التنويع دون التردد، فالمعنى قطعي بالمعنى الثاني وكالقطعي بالمعنى الاول، ومن ههنا بان لك ان من قال رأينا المجمعين ايضاً ظانين غير قاطعين فقد صدق ان اراد الظن بالمعنى الاعم والقطع بالمعنى الاخص، ولا يضرنا ولا ينفعه وان عكس فقد غلط وهو محجوج بدلائل لا قبل له بها والله تعالٰى اعلم، هذا جملة القول في هذا المقام وقد اشرنا الى نكت تجلو بها الظلام، اما التفصيل فقد فرغنا عنه في كتاب التفضيل بتوفيق الملك الجليل، ولا حول ولا قوة الا بالله۔

اقول (میں کہتا ہوں) اور تمھیں اختیار ہے کہ تردید کو تقسیم پر محمول کرو نہ کہ تردد پر۔ تو معنی یہ ہے کہ معنی ثانی پر فضیلت شیخین قطعی ہے اور معنی اول پر قطعی جیسی ہے اور یہاں سے تمھیں ظاہر ہوگیا کہ جس نے یہ کہا کہ ہم نے اس مسئلہ میں اجماع کرنے والوں کو دیکھا کہ وُہ بھی ظن پر قائم ہیں قطعی فیصلہ نہیں کرتے تو وہ سچا ہے اگر اس نے ظن بالمعنی الاعم مراد لیا اور قطعی بالمعنی الاخص کا قصد کیا اور یہ کہ ہم کو نقصان وہ نہیں اور اس کو سُود مند نہیں، اور اگر وہ اس کا عکس مراد لے تو اس نے غلط کہا اور اس پر ان دلائل سے حجت قائم ہے جن کے مقابل کی اس کو طاقت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم. اس مقام میں یہ مختصر قول ہے اور ہم نے تمھیں اشارہ کیا اُن نکتوں کی طرف جن سے اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ رہی تفصیل تو ہم اس سے فارغ ہوچکے کتاب تفضیل میں اللہ ملک جلیل کی توفیق سے، اور برائی سے پھرنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ سے۔

لطیفة: قال الامام الرازی فی مفاتیح الغیب سورة واللیل سورة ابی بکر وسورة والضحٰی سورة محمد علیه الصلٰوة والسلام ثم ما جعل بینهما واسطة لیعلم انه لا واسطة بین محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر فان ذکرت اللیل اولاً وهو ابوبکر

لطیفہ: فرمایا امام رازی نے مفاتیح الغیب میں کہ سورۃ واللیل ابوبکر کی سورۃ ہے اور سورۃ والضحٰی محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت ہے، پھر اللہ تعالٰی نے ان سورتوں کے درمیان واسطہ نہ رکھا تاکہ معلوم ہو کہ محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر کے درمیان کوئی شخص واسطہ نہیں تو اگر تم پہلے واللیل کا ذکر کرو وہ ابوبکر ہیں پھر

ثم صعدت وجدت بعده النهار وھو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان ذکرت والضحٰی اولاً وھو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم نزلت وجدت بعدہ واللیل وھو ابوبکر لیعلم انہ لاواسطۃ بینھما[1] انتھی۔

اقول وکان تقدیم واللیل علٰی ھذا التقدیر لانھا جواب عن طعن الکفار فی جناب الصدیق والضحٰی جواب عن طعنھم فی سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتبرئۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتستلزم تبرئۃ الصدیق لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلٰی وبراءۃ الاعلی لاتوجب براءۃ الادنی وتبرئۃ الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ یحکم تبرئۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالطریق الاولٰی اذ انما برئ لانہ عبد بذاک البرئ النقی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکان فی تقدیم واللیل استعجالاً الی الجواب عن الطعنین معًا ولو اخر لتأخر الجواب عن طعن الصدیق۔

اقول تسمیۃ سورۃ الصدیق

چڑھو تو اس کے بعد دن کو پاؤ گے تو وہ محمد صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم ہیں اور اگر تم پہلے والضحٰے کا ذکر کرو اور وہ محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ پھر اترو تو اس کے بعد واللیل کو پاؤ گے اور وہ ابوبکر ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اقول اور واللیل کی تقدیم اس تقدیر پر اس لئے ہے کہ وہ جناب صدیق کے بارے میں کفار کے طعنہ کا جواب ہے اور والضحٰے ان کے طعنہ کا جواب ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برارت صدیق کی برارت کو مستلزم نہیں اس لئے کہ حضور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم اعلٰے ہیں اور اعلٰی کی برارت ادنٰی کی برارت کو لازم نہیں کرتی اور صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ کی برارت بدرجۂ اولٰے نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی برارت کا حکم کرتی ہے اس لئے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اس لئے بری ہُوئے کہ اس بریٔ نقی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلام ہیں تو واللیل کی تقدیم میں ایک ساتھ دونوں طعنوں کے جواب کی جلت ہوتی، اور اگر واللیل کو مؤخر کیا جاتا تو صدیق کے طعنہ کا جواب مؤخر ہوجاتا۔

اقول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۳/ ۱تا۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۹

بالليل وسورة المصطفٰى بالضحٰى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ورضى الله تعالٰى عنه كانه اشارة الٰى ان النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم نور الصديق وهداه ووسيلة الى الله به يبتغٰى فضله ورضاه والصديق رضى الله تعالٰى عنه راحة النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ووجه انسه وسكونه واطمينان نفسه و موضع سره ولباس خاصته فقد قال تبارك وتعالٰى "وجعلنا الّيل لباسًا[1]" و قال تعالٰى" وجعل لكم الّيل والنهار لتسكنوا فيه ولتبتغوا من فضله ولعلكم تشكرون[2]" و تلميح الٰى ان نظام عالم الدين انما يقوم بهما كما ان نظام عالم الدنيا يقوم بالملوين فلولا النهار لما كان ابصار ولو لا الليل لما حصل قرار، فالحمد لله العزيز الغفار۔

لطيفة: استنبط القاضى الامام ابوبكر الباقلانى من الاٰيات

تعالٰی عنہ کی سورت کو واللیل کا نام دینا اور مصطفٰی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی سورت کا نام ضحٰی رکھنا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم صدیق کا نور اور ان کی ہدایت اور اللہ کی طرف ان کا وسیلہ جن کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کی جاتی ہے اور صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راحت اور ان کے انس وسکون اور اطمینان نفس کی وجہ ہیں اور ان کے محرم راز اور ان کے خاص معاملات سے وابستہ رہنے والے اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے: "اور رات کو پردہ پوش کیا" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "تمھارے لئے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لئے کہ تم حق مانو" اور یہ اس بات کی طرف تلمیح ہے کہ دین کا نظام ان دونوں سے قائم ہے جیسے کہ دنیا کا نظام دن رات سے قائم ہے تو اگر دن نہ ہو تو کچھ نظر نہ آئے اور رات نہ ہو تو سکون حاصل نہ ہو، تو اللہ عزیز غفار ہی کے لئے حمد ہے۔

لطیفہ: قاضی امام ابوبکر باقلانی نے اس آیہ کریمہ سے حضرت سیدنا مرتضٰی پر فضیلت

---

[1] القرآن الکریم ۷۸/ ۱۰
[2] ؍؍ ؍؍ ۲۸/ ۷۳

الکریمۃ وجہا اٰخر لتفضیل سیدنا الصدیق علی سیدنا المرتضی لقاھما اللہ تعالٰی باحسن الرضا، انبانا السراج عن الجمال عن السندی عن الفلانی عن محمد سعید عن محمد طاھر عن ابیہ ابراھیم الکردی عن القشاشی عن الرملی عن الزین زکریا عن ابن حجر عن مجد الدین الفیروزآبادی عن الحافظ سراج الدین القزوینی عن القاضی ابی بکر التفتازانی عن شرف الدین محمد بن محمد الھروی عن محمد بن عمر الرازی قال فی مفاتیح الغیب "ذکر القاضی ابوبکر الباقلانی فی کتاب الامامۃ فقال اٰیۃ الواردۃ فی حق علی کرم اللہ وجہہ الکریم : انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا ۝ انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا ۝" والاٰیۃ الواردۃ فی حق ابی بکر "الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلٰی ولسوف یرضٰی" فدلت الاٰیتان

صدیق کی دوسری وجہ استنباط کی، اللہ تبارک و تعالٰی دونوں کو اپنی بہترین رضا سے ہمکنار کرے، ہمیں خبر دی سراج نے، وہ روایت کرتے ہیں جمال سے، وہ روایت کرتے ہیں سندی سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد سعید سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد طاہر سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ ابراہیم کردی سے، وہ روایت کرتے ہیں قشاشی سے، وہ روایت کرتے ہیں رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں زین زکریا سے، وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر سے، وہ روایت کرتے ہیں مجد الدین فیروزآبادی سے، وہ روایت کرتے ہیں حافظ سراج الدین قزوینی سے، وہ روایت کرتے ہیں قاضی ابوبکر تفتازانی سے، وہ روایت کرتے ہیں شرف الدین محمد بن محمد الہروی سے، وہ روایت کرتے محمد بن عمر رازی سے، انھوں نے مفاتیح الغیب میں فرمایا قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الامامۃ میں ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ آیت جو علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں وارد ہے: "ان سے کہتے ہیں ہم تمھیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکرگزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے۔" اور وہ آیت جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں وارد ہوئی: "صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب

ان کل احد منهما انما فعل ما فعل لوجه الله الا ان اٰیة علی تدل علی انه فعل ما فعل لوجه الله وللخوف من یوم القیٰمة علی ما قال "انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا" واما اٰیة ابی بکر فانها دلت علی انه فعل ما فعل لمحض وجه الله تعالٰی من غیر ان یشوبه طمع فیما یرجع الی رغبة فی ثواب او رهبة من عقاب فکان مقام ابی بکر اعلٰی و اجل[1] انتھی۔

سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا" ــــ یہ دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے نیکی اللہ کی خوشنودی کے لئے کی مگر یہ کہ سیدنا علی کے حق میں جو آیت اُتری وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا وُہ اللہ کی خوشنودی اور روزِ قیامت کے ڈر سے کیا اس بناء پر انھوں نے کہا: "بیشک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش اور نہایت سخت ہے" اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اُترنے والی آیت وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا محض اللہ کے لئے کیا بغیر اس کے کہ اس میں کچھ طمع کا شائبہ ہو اس امر میں جو ثواب میں رغبت یا عذاب میں ہیبت کی طرف لوٹتا ہے، تو ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام اعلٰی اور اجل ہوا انتھٰی۔

اقول والتحقیق ان جملة جلة الصحابة الکرام رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین ارقی فی مراقی الولایة والفناء عن الخلق والبقاء بالحق من کل من دونهم من اکابر الاولیاء العظام کائنین من کانوا وشانهم رضی الله تعالٰی عنهم ارفع و اعلٰی من ان یقصدوا

اقول (میں کہتا ہوں) اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلّہ صحابہ کرام مراتبِ ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقا کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاءِ عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع و اعلٰی ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں، لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۲/۲۰ و ۲۱ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۶

باعمالهم غیر اللہ سبحنه و تعالٰی لکن المدارج متفاوتة والمراتب مترتبة وشیئ دون شیئ وفضل فوق فضل، ومقام الصدیق حیث انتهت النهایات وانقطعت الغایات اذھو رضی اللہ تعالٰی عنه کما صرح به امام القوم سیدی محی الملة والدین ابن عربی قدس اللہ تعالٰی سرہ الزکی امام الائمة و مالك الازمة ومقامه فوق الصدیقیة ودون النبوة التشریعیة ولیس احد بینه و بین مولاہ الاکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، وعلی اسم خاتم الرسالة ختمنا الرسالة، والحمد للہ مولی الجلالة۔

تم الکتاب علی ثناء الهاشمی
ختم الاله لنا علی اسم الخاتم

سبحٰن ربك رب العزة عما یصفون وسلٰم علی المرسلین، والحمد للہ رب العٰلمین[1]۔

ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہوگئیں اس لئے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی قدس سرہ الزکی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کی لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان کوئی نہیں، اور خاتم رسالت کے نام ہم نے اپنا یہ رسالہ تمام کیا اور اللہ کے لئے حمد ہے جو مالک ہے جلالت کا، کتاب رسول ہاشمی کی ثنا پر تمام ہوئی اور اللہ ہمارا خاتمہ فرمائے خاتم النبیین کے نام پر۔ سبحٰن ربك رب العزة عما یصفون وسلٰم علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔

رسالہ الزلال الانقی من بحر سبقة الاتقی ختم ہوا

نوٹ

جلد ۲۸ کتاب الشتی حصہ سوم فضائل ومناقب کے عنوان پر اختتام پذیر ہوئی
جلد ۲۹ کتاب الشتی کے حصہ چہارم سے شروع ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۸۰ تا ۱۸۲